

تَصَوُّف

مجموعہ

# رسائل امام غزالیؒ

از: حجة الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد اول

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایٹھا الولد — تربیت اولاد کے زیریں مول  
شرح اسماء الحسنی — مشکوٰۃ الانوار  
حقیقت السماع — آداب الاخلاق  
القسطاں المستقیم

دارالاشاعہ اردو بازار، کراچی

فون ۲۱۳۷۸



طبع آؤل دارالاشاعت ۱۹۹۰ء  
کراچی

ملنے کے پتے

دارالاشاعت اردو بازار کراچی ۷۱  
مکتبہ دارالعلوم کونگی کراچی ۱۲  
ادارۃ المعارف کونگی کراچی ۱۲  
ادارۃ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور  
ادارۃ القرآن ۴۳۷/۵ گارڈن لیسٹ کراچی





مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

## فہرست مضامین جلد اول

اس میں آٹھ رسائل شامل ہیں

### بادشاہ بننا چاہتے ہو یا دلہ

صفحہ نمبر	نام کتاب	صفحہ نمبر	نام کتاب
۲۵	بادشاہ کا سفر		
۳۷	بادشاہ کا قسم کھانا	۱۳	پہلا مقالہ
۴۴	سر العالمین کا پہلا حصہ ختم	۱۷	طرز زندگی کا بیان
"	کتاب سر العالمین کا دوسرا حصہ	۱۹	تیسرا مقالہ بادشاہ کو نصیحت
۵۶	بادشاہ کو نعمتیں	۲۰	ترتیب خلافت کے بیان میں
۵۸	عسکر کے قطع کرنے کی دلیل	۲۱	امور سلطنت کی ترتیب و تدبیر
۶۰	طہارت کے اسباب و آداب	۲۳	ترتیب حکام کے بیان میں
۶۲	حیض کی مدت	۲۶	حاشیہ دولت کی ترتیب میں
۶۶	نماز کی حکمت	۲۹	چوہدراروں منشیوں اور وزیروں
۷۱	قبریں و ظائف و نسخہ جات		کی ترتیب -
۷۴	زعفران و شک	۳۰	نان پڑ باورچی قصاب
۷۸	ستاروں کا حساب و علم و عزائم و تسخیر	۳۲	جنگ کی تدبیریں
۸۰	گفتگو کا بیان		دسواں مقالہ
۸۴	دنیا کا وجود	۳۴	بادشاہ کا سفر میں جان



صفحہ نمبر	نام کتاب	صفحہ نمبر	نام کتاب
۱۲۱	بلند عزائم بہترین ہمتیں	۸۷	عشر بتوں اور مربوب کا بیلان
۱۲۳	ابن سینا، اسلامی حدود میں	۹۲	کھانے پینے کے مسائل
۱۲۴	نجوم۔	۹۵	انسانی تہذیب
۱۲۵	دل میں دنیا کی چاہت کم کرنا	۹۹	نبوت و سعادت
۱۳۰	موت روح اور فناء کا مقام	۱۰۳	خدا کا ذکر
۱۳۳	موت اور روح قبض کرنے کا مرحلہ	۱۰۵	نفس جہاد کیسے ہو
۱۳۷	دو طرح کی قیامتیں	۱۱۰	خدا اور اولیاء میں محبت
۱۳۹	نبوت کا راز	۱۱۲	شوق اور مہکاشفہ کی حالت
۱۴۳	نبوت، رسالت، کرامات	۱۱۴	وعظ و نصیحت
	معجزات۔	۱۱۵	علم اور عمل
		۱۱۸	اسلام کے عجائبات

## ایہا الود

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۴۳	باطنی آداب	۱۴۹	تعارف کتاب
۱۴۴	تصوف کی حقیقت	۱۴۹	جواب خط
۱۴۵	بندگی کی حقیقت	۱۴۶	حائتم بن اہم کے بیان کردہ فوائد
۱۴۶	توکل کی حقیقت	۱۴۲	شیخ کے اوصاف
۱۴۷	اخلاص کی حقیقت	۱۴۲	شیخ کی اطاعت
۱۴۸	آٹھ نصیحتیں	۱۴۳	ظاہری آداب



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۷۹	نصیحت بقدر ظرف	۱۷۷	مناظرہ کا اصول
۱۸۰	نصیحت کے قابل شخص	۱۷۸	مریض کی اقسام

### تربیت اولاد کے زرین اصول

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۱۹۸	پس چہ باید کرد اسے انخوان دین	۱۹۳	تربیت اولاد سخنہائے گفتنی
۱۹۹	آخری گزارش	۱۹۴	اولاد کی تربیت میں والدین کی ضروری
۲۰۰	ضروری عرضداشت	۱۹۵	موجودہ اسکولوں کی حالت

### فہرست مضامین حضرت امام غزالیؒ

۲۱۲	تکبر اور غرور کی مانعت	۲۰۱	بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور
۲۱۳	آداب مجلس و آداب کلام		تحسین اخلاق (تمہید)
۲۱۵	صبر و تحمل	۲۰۳	طال غذا کی ضرورت و اہمیت
"	درزش کی اہمیت و فوائد	۲۰۴	آداب طعام کا بیان
۲۱۶	برزگوں کی تعلیم کے آداب	۲۰۶	آداب لباس کا بیان
۲۱۷	غذا کے متعلق عمدہ تخیل، دنیا کی	۲۰۹	شعر و شاعری کی دوبار
	بے ثباتی، عقلمند کون ہے؟	"	تنگیوں پر ابھارنے اور برائیوں
"	بچے کی فطرت اور والدین کا فرض		سے روکنے کا طریقہ
	عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر	۲۱۰	زیادہ بھڑکنے کے نقصانات
۲۱۸	ایک تاریخی شہادت	۲۱۱	سونے کے آداب و لوازم



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۲۱	تمثیل	۲۲۱	حاصل کلام

## فہرست مضامین شرح اسماء الحسنیٰ

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۲۲۴	فصل اول :-	۲۲۶	مقدمہ :- اس کتاب کو تین فنون پر تقسیم کیا گیا ہے :-
۲۲۵	فصل دوم :- مقاصد اور غایات میں	۲۲۸	پہلا فن :- ابتدائی باتوں میں
۲۲۷	فصل سوم :- فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کا بیان -	۲۲۹	پہلی فصل :- مسئلے اور تسمیہ کے معنی
۲۲۸	تیسرا فن :- لواحق اور تہمت جات میں -	۲۳۰	دوسری فصل :- اسما قریب المعنی کا بیان نیز ایسے اسماء کا مترادف ہونا
۲۲۹	پہلی فصل :- اللہ کے صرف ۹۹ نام نہیں ہیں	۲۳۱	تیسری فصل :- مختلف معنوں والے اسم کا بیان -
۲۳۰	دوسری فصل :- اسمائے باری تعالیٰ میں ۹۹ کی تخصیص کا فائدہ	۲۳۲	چوتھی فصل :- بندہ کا کمال اخلاق الہیہ کا نوگر ہونے میں ہے اور اللہ کی صفات کے مساوی سے باطن ابراہیم کرنے میں ہے -
۲۳۱	تیسری فصل :- اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں - یا بطریق عقل جائز ہیں -	۲۳۳	دوسرا فن :- مقاصد خاص میں
۲۳۲		۲۳۴	پہلی فصل :- اللہ کے فودہ نام کی شرح



## مشکوٰۃ الانوار

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۱۲	خاتمہ	۳۹۷	دیباچہ
۴۱۷	باب دوم	۳۹۸	باب اول اقسام انوار
"	قطب اول	۳۹۹	نور عامی
۴۲۲	خاتمہ و معذرت	۴۰۰	حقیقت
۴۲۶	نکتہ	۴۰۱	فرق مراتب
۴۲۷	قطب دوم مراتب ارفاع بشریہ	۴۰۴	عقل کی روایت یکساں نہیں
۴۳۰	آیت کی مثالوں کا بیان	۴۰۵	نتیجہ
۴۳۲	خاتمہ	۴۰۶	نکتہ
۴۳۳	باب سوم	۴۰۹	حقیقت
۴۳۴	قسم اول	۴۱۰	حقیقت حقائق

حقیقت المسما ع ۴۵۳ تا ۴۴۴

## آداب الاخلاق

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۴۷۰	قرآنی سے مؤدب فرمایا		۲ غازی کتاب
۴۷۶	دوسرا بیان -	۴۶۹	۳ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
"	۴ حضرت کے ان اخلاق عمیدہ کا		اخلاق و معجزات
	ذکر جو علمائے حدیث کی کتب سے	۴۷۰	پہلا بیان -
	منتخب کئے۔		اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو آداب



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	بھی فرماتے تھے۔	۴۸۳	تیسرا بیان
۵۰۶	نواں بیان۔	"	آنحضرت کے ان اخلاق و آداب کا ذکر جو حضرت ابوبختری نے روایت کیا
"	آنحضرت کے جو وہ سخاوت کا بیان	۴۸۷	چوتھا بیان۔
۵۰۸	دسواں بیان۔	"	آنحضرت کی گفتگو اور خندہ کا ذکر
"	آنحضرت کی شجاعت کا بیان	۴۹۱	پانچواں بیان۔
۵۰۹	گیارہواں بیان	"	آنحضرت کے کھانا کھانے کے آداب کا ذکر
"	آنحضرت کی تواضع کا ذکر	۴۹۷	چھٹا بیان۔
۵۱۱	بارہواں بیان	"	آنحضرت کے آداب و اخلاق برائے لباس
"	آنحضرت کے علیہ مبارک کا ذکر	۵۰۱	ساتواں بیان۔
۵۱۴	تیرہواں بیان	"	آنحضور کا قدرت کے باوجود مجرموں کے قصور معاف کرنے کا بیان
"	آنحضرت کے ان معجزات کا ذکر جن سے حضور کی صداقت معلوم ہوتی ہے۔	۵۰۴	آنحضور کا بیان۔
		"	آنحضرت بری باتوں کو دیکھ کر چٹھڑی

### فہرست مضامین قسط اس المستقیم

صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
۵۲۱	مصنف کی تصانیف	۵۲۷	بابت کتاب قسط اس المستقیم
۵۲۳	آغاز کتاب۔	۵۲۸	مصنف کی مختصر سوانح



صفحہ نمبر	مضامین	صفحہ نمبر	مضامین
	آنحضرت کی امت کے علماء کے ہوتے ہوئے امام معصوم کی ضرورت نہیں۔ اور آنحضرت کی معجزات سے سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اختلافات کی تاریکی سے مخلوق کو نجات دلانے کا بیان۔ رائے اور قیاس کی تصویر اور ان کے اظہار حقیقت کا بیان۔		موازن المتعادل میں سے میزان اکبر کا بیان میزان اوسط کا بیان میزان اصغر کا بیان میزان التلازم کا بیان میزان المتعاند کا بیان شیطانی ترازوؤں سے اہل تعلیم کا وزن کرنا۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرضِ ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اہم بعد  
محنت الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں پانچویں  
صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمان علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ان  
کی کتابیں ہر خواص و عام کے زیر مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن  
نہیں جنہوں نے امام غزالیؒ کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔  
امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں  
ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے بڑھنے والے لوگ متعارف ہیں۔ دارالافتاء  
کوئٹہ اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیر نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی  
مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں  
شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ ہماری قلبی خواہش اور علمی حلقوں کا دلی تقاضہ  
تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر روزانہ  
سب وہ کتابیں ناپید ہوتی جا رہی ہیں بھلا اللہ کہ زیر نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی  
ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش  
میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور پھرتے ہیں۔ مگر گو ہر مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس  
سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ  
خاص کے بطور خاص ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری  
رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی ہیں امید ہے کہ اہل علم اور دینی حلقوں  
سے تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس  
مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

احقر کے والد اور احقر کو حق الامکان دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

خلیل اشرف عثمانی



بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ولی

(یعنی ترجمہ اردو کتاب)

سُرِّ الْعَالَمِیْنَ وَ کُشْفِ مَآئِنِ الدِّیْنِ

(الملقب بہ)

سُرِّ الْمَكُونِ



# فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پہلا مقالہ	۲۲	۱	ستاروں کا صاب و علم و عزائم تخیل	۴۸
۲	طردِ زندگی کا بیان	۳	۲	گفتگو کا بیان	۴۰
۳	تیسرا مقالہ بادشاہ کو نصیحت	۴	۳	دنیا کا وجود	۴۴
۴	ترتیبِ خلافت کے بیان میں	۹	۴	شر بتوں مریلوں کا بیان	۴۴
۵	امورِ سلطنت کی ترتیب و تدبیر	۱۰	۵	کھانے پینے کے مسائل	۸۲
۶	ترتیبِ حکام کے بیان میں	۱۱	۶	انسانی تہذیب	۸۵
۷	حاشیہ دولت کی ترتیب میں	۱۳	۷	نبوت و سعادت	۸۹
۸	چوبہاروں منشیوں اور وزیروں کی ترتیب	۱۴	۸	خدا کا ذکر	۹۳
۹	نان پیاورچی قصاب	۱۹	۹	نفس کا جہاد کیسے ہو	۹۵
۱۰	جنگ کی تدبیریں و سوال مقالہ	۲۰	۱۰	خدا اور اولیا میں محبت	۱۰۰
۱۱	بادشاہ کا سفر میں جانا	۲۲	۱۱	شوق اور مہکاشقی کی حالت	۱۰۲
۱۲	بادشاہ کا سفر	۲۴	۱۲	وعظ و نصیحت	۱۰۴
۱۳	بادشاہ کا قلم کھانا	۲۵	۱۳	علم اور عمل	۱۰۵
۱۴	سر العالمین کا پہلا حصہ ختم	۲۶	۱۴	اسلام کے عجائبات	۱۰۸
۱۵	کتاب سر العالمین کا دوسرا حصہ	۴۴	۱۵	یقین عزم بہترین ہتھیار ہے	۱۱۱
۱۶	بادشاہ کو نصیحتیں	"	۱۶	ابن سیناء اسلامی حدود میں	۱۱۳
۱۷	مستل کے قطع کرنیکی دلیل	۴۶	۱۷	دل میں دنیا کی چاہت کم کرنا	۱۱۵
۱۸	طہارت کے اسباب و آداب	۴۸	۱۸	موت، روح اور فنا کا مقام	۴۱
۱۹	جہنم کی عدت	۵۰	۱۹	موت اور روح قبض کرنے کا طریقہ	۴۲
۲۰	خدا کی حکمت	۵۲	۲۰	دو طرح کی قیامتیں	۴۳
۲۱	قریب و ظائف و نسخہات	۵۸	۲۱	نبوت کا لاز	۴۴
۲۲	زعفران و مشک	۶۱	۲۲	نبوت، رسالت، کرامات و معجزات	۴۵
۲۳		۶۲			



## آغاز کتاب

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ ملک ایک عظیم اور عظیم چیز ہے اور اسی کے واسطے ہر صالح اور طالع اور خاسر و رائج اور نئے  
و اعلا میں قصے قضیے اور جھگڑے فساد پیدا ہوتے ہیں ایسی کے سبب سے آپس میں حسد و بغض  
اور عداوت کی آتش مشتعل ہوتی ہے اور اس کام کے واسطے اصل اور مرتبہ اور تحصیل اور صبر اور  
علم اور تحمل بہت ضروری چیزیں ہیں اور سب بڑے بڑے اصول اس کام کے لئے بلند ہمتی کا  
ہونا ہے۔ جیسا کہ معاویہ کا قول ہے۔ **هَذَا يَوْمَئِذٍ اَلْاُمُورُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمَا فَاِنْ كُنَّا بَيْنَكُمْ فَهِيَ اَكْبَرُ**  
**فَهَمَّتْ بِهَا فَاِنْ لَمْ تَزَلْ هُمْ** بڑے بڑے کاموں کا قصد کرو تاکہ وہ تم کو حاصل ہوں کیونکہ میں خلافت  
کا اہل نہ تھا مگر میں نے اس کا پورا قصد کیا لہذا وہ مجھ کو حاصل ہو گئی شاہان سلف کے واقعات  
بھی تم نے سنے ہونگے کہ ان میں کسی کو ماں باپ سے سلطنت نہیں پہنچی تھی۔ بلکہ ہر ایک نے  
اپنی کوشش سے حاصل کی تھی۔ شعر۔

**وَكَمْ نَزَعَ الْمَلِكُ مِنْ يَدِ الْوَارِثِ مُسْتَحَقِّ** مثل اہل بیت محمد ص و سواہم  
کتنی ہی سلطنتیں وارث مستحق کے ہاتھ سے نکل گئیں مثل اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
وغیرہم کے۔ ہم ذوالقرنین کا مختصر قصہ تمہارا سامنے پیش کرتے ہیں اصلی نام ان کا صعب بن  
جبل ہے اور باپ ان کے جولا ہے تھے اہل ماں کا ان کی میلانہ نام تھا۔ یمن کی قوم بنی جمہویہ  
پر بہالت یتیمی گزرا ان کہتے تھے ان کی ماں نے سنا کہ شہر قسطنطنیہ میں ایک کارخانہ ہے جس میں  
مختلف قسم کے کام لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ ان کو لے کر اس کارخانہ میں پہنچی سکندر نے  
وہاں بادشاہ کی تصویر دیکھی۔ اور سب کاموں پر اس کو پسند کیا۔ پھر ان کی ماں نے ان سے پوچھا کہ  
بیٹا تم اس کارخانہ میں کونسا کام پسند کرتے ہو۔ سکندر نے شاہی تاج پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ میں تو اس  
کو پسند کرتا ہوں ان کی ماں نے کئی بار ان کو دہرا دیا۔ مگر یہ وہی کہے گئے۔ یونان نے ان کو غور  
سے دیکھا اور پھر ان کی ماں سے کہا کہ کیا تمہارا نام میلانہ ہے اور یہ تمہارا بیٹا صعب بن جبل ہے  
اس نے کہا ہاں۔ تب یونان نے ذوالقرنین سے اس مضمون کا عہد و پیمان لیا کہ میں اور میری آل  
اور اولاد اور سلطنت سب تمہاری امان میں ہے۔ کیونکہ تمہاری سلطنت کا سایہ شرق و

لہ اور بار ہا ملک وارث مستحق کے ہاتھ سے چھینا گیا ہے مثل اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وغیرہ کے



غرب پر محیط ہوگا۔ پھر ذوالقرنین کی ماں ان کو زمین بابل میں لائی اور کسی انکا حال بیان نہ کرتی تھی پھر ذوالقرنین نے تین خواب ایسے دیکھے جو خاص ان کے کام کی دلیل اور ان کی سعادت کے گواہ تھے۔ پہلا خواب یہ دیکھا کہ زمین مثل روٹی کے ہے اور انہوں نے اس کو کھا لیا ہے۔ اور دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سمندر کو انہوں نے پی لیا ہے اور اس کی کیمچ ٹٹک کھائی ہے۔ اور تیسرا خواب یہ دیکھا کہ آسمان میں چڑھے اور ستاروں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا ہے اور سورج پر سوار ہو کر جاند کی پیشانی پکڑ لی ہے۔ پھر جب ذوالقرنین کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور یہ خواب بیان کیا تو انہوں نے ان کو بڑی مبارک باد اور عظیم الشان سلطنت کے حاصل ہونے کی خوشخبری دی اور کہا کہ ایک نبی اور ایک حکیم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے اسی طرح اگر تم جہاں سے دیکھو تو بہت سی اسی قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ اس واسطے تم کو لازم ہے کہ بلند ہمتی کے پرندے پر سوار ہو کر آلات سلطنت حاصل کرو تاکہ اس کی کیمیا تمہارے پاس موجود ہو جائے اور ایسے سچے اور صاحب علم و فضل دوست تمہارے پاس مجتمع ہوں جو تمہارا راز کسی کے سامنے فاش نہ کریں اور اس کتاب سر العالمین کے اسرار سے بخوبی واقف ہوں اور نیز کسی علم کیمیا کے واقف کو بھی اپنا دوست بناؤ جو سرخ و سفید رنگ بنا کر روپیہ کی اسد تم کو پہونچائے اور اگر ایسے دوست مہیا نہ ہوں اور ہر طرح سے تمہارا بازو کمزور ہو اور مال بھی پاس نہ رکھتے ہو پس تم کو چاہیے کہ خوب علم و فضل حاصل کرو اور ایک گوشہ خلوت اختیار کر کے زہد و تقویٰ کے راستے پر چلو اور شاگردوں کو سبق دینا اور مریدوں کو ارشاد و تلقین کرنا شروع کر دو اور جہاں تک ہو سکے ان کی تعداد کے بڑھانے میں کوشش کرو۔ اور وقتاً فوقتاً گرامتیں بھی ان کے سامنے ظاہر کرو تاکہ سچے دل سے وہ تمہارے معتقد اور غلام بن کر خرید ہو جائیں اور اصلاح و تقویٰ کا راستہ ان کو تعلیم کرو اور اپنی عظمت بطریق حکمت ان کے دل میں خوب بٹھا دو۔ پھر جب وہ لوگ اس سبق کو خوب یاد کر لیں تب لوگوں کی بد اعتقادی اور فسق و فجور اور اپنے دشمن بادشاہ یا حکام کے ظلم و ستم پر ان کی نظر دوڑانی شروع کرو اور مختصر طور سے ایسا وقتاً فوقتاً سمجھاؤ کہ وہ کل منکرات سے متنفر ہو کر ان کے قلع و قمع پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر ان شاگردوں کو یہ سبق پڑھاؤ کہ وہ ہر جگہ تم کو شہرت دیں اور بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بٹھا کر ان کو تمہاری



قلیل جماعت ہر طرح مطیع فرمان ہو جائے اور کچھ قوت پکڑے تب تم خاص لوگوں سے نرمی اور رفاقت اور نصیحت کا بزنا واکرو اور جو لوگ تمہارے اعتقاد یا مقصد کے برخلاف ہوں ان سے مباحثہ اور مجادلہ کرتے رہو اور جو سخت طبیعت اور حاسد ہوں ان سے سختی کے ساتھ پیش آؤ۔ دیکھو اسلام کی ابتدا کس طرح ہوئی ہے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے یہ حکم ہوا۔ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا تَعْبُدُوا مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عِبَادُونَ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا تَعْبُدُونَ۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ہک یعنی کہہ دو اے کافرو میں ان کی عبادت نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کر نیوالا ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کر نیوالے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے واسطے تمہارا دین ہے اور میرے واسطے میرا دین ہے پھر جب اسلام کی ترقی ہوئی تب زبانِ شمشیر سے یہ آواز ظاہر ہوا۔ قَدْ أَفْلَحَ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَلُّوا أَجْلًا يَعْنِي جِبِ تَم كَافِرُونَ كَيْفَ تَقَابِلُ ہوتوان کی گردنیں مارو اور کمزوری کے وقت صلح کر کے جبر لینے کا حکم ہوا وان جنوہم السلام فابھم یعنی اگر وہ صلح کی طرف مائل ہوں تب تم بھی صلح کو اختیار کرو۔ پھر جب اقبالِ اسلامی کی ہوا چلی اور ترقی کا خیمہ مسلمانوں پر سایہ افکن ہوا تو حکم پہونچا ماکان لیتے ان یبکون کہ اسے حق یثبت فی الارض یعنی نبی کو یہ لائق نہیں ہے کہ ان کے پاس قیدی ہوں اور وہ ان کو فدیر لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ زمین میں خوب خون بہا دیں۔ سلطنت کے طالب کو بھی یہی وتیرہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہر شخص سے اس کی عقل کے موافق گفتگو کرے اور عدل و انصاف میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ لشکر کو وقت پر تنخواہ بانٹے اور ہر مشکل کام کے وقت انعام و اکرام کا امیدوار کرے اور وعدے کا کسی ادنیٰ شخص سے بھی خلاف نہ کرے اہلِ فضل کی تعظیم و تکریم بجالائے۔ مظلوم کے نقصان کی مکافات کرے اور انصاف میں اپنی ذات اور دوسرے کو برابر جانے اور اپنے ملازموں حاکموں یا عالموں کی تنخواہ میں اس قدر مقرر کرے کہ وہ خرچ کے محتاج نہ رہیں ورنہ رشوت کا سلسلہ ان کے اندر جاری ہو جائیگا۔ اور تمہارا ظلم رعایا میں ظاہر ہو گا اور لوگ تم سے بدول ہو جائیں گے۔ اور ظاہر و باطن میں تمہارے خلاف کاروائیاں کریں گے۔ معلوم ہو کہ تمہارے اغراض



کے برخلاف مظلوم کی ہمت اور اس کے دل کی بردباریت کافی ودانی ہوتی ہے۔ جیسے کہ بالان طلبی کے وقت اہل زمین کی دعا اور ان کی دل خواہش کا اثر آسمان پر عموماً ہوتا ہے۔ اور مینہ برسنے لگتا ہے۔ سلطان محمود بن سبکتگین نے اپنا ایک ایلچی ہندوستان کے راجہ کے پاس یہ بات دریافت کرنے بھیجا کہ باوجود اس بات کے کہ تم لوگ منکر صانع اور رسولوں کی تکذیب کرنے والے ہو پھر تمہاری عمریں اس قدر دراز کیوں ہوتی ہیں۔ اور ہم لوگ باوجودیکہ خدا پر ایمان رکھتے والے اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ اور ہماری عمریں چھوٹی ہوتی ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ راجہ نے سلطان کے ایلچی سے کہا کہ میں تم کو اس بات کا جواب اس وقت دوں گا جب یہ پھلدار درخت جو تمہارا سامنے ہے خود بخود گر پڑے گا۔ پھر ایلچی کو ایک مکان میں قید کر کے بہت اچھی طرح سے ان کی دعوت اور مہمانی کا حکم دیا اب ایلچی صاحب انکریں ہیں کہ دیکھا چاہیے کب یہ درخت گرتا ہے جو میں جواب لے کر واپس جاؤں اور خدا کرے کہ جلدی یہ درخت گرے پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے جو ایک روز اس درخت کے گرنے کی آواز آئی اور لوگ دوڑتے ہوئے اس درخت کے پاس گئے۔ راجہ صاحب بھی آئے اور ایلچی صاحب بھی تشریف لائے جس وقت راجہ نے ایلچی کو دیکھا کہا بس اب تشریف لے جایے آپ کا یہی جواب ہے کہ یہ درخت گر پڑا اپنے سلطان سے کہنا کہ جب ایک شخص کی ہمت نے پھلدار درخت کو گرا دیا تو پھر مظلوموں کی ایک جماعت کی ہمت ظالموں کے قلع و قمع میں کیوں نہ اثر کرے گی۔ اور ہنر مظلوموں کی دعا ابر کے اوپر پڑھتی ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے اگر میں ظالم سے بدلہ نہ لوں تو میں خود ظالم ہوں اور بعض آثار میں وارد ہے کہ خدا قلعے فرماتا ہے اس شخص کی بددعا سے ڈرو جس کا میرا سوا کوئی مددگار نہیں ہے۔

اور اے طالب سلطنت تم کو معلوم ہو کہ عدل کرنا اور بوقت ضرورت لوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت قائم کرنے کے واسطے دشمنوں کو قتل کرنا اور سولی دینا یا زخمی کرنا یا اور اقسام کی تکلیف سے ان کو ستانا ملک اور رعایا یا یہ من اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ زمین سے خدا کا سایہ ہے ہر مظلوم اپنی دادرسی کے واسطے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ہر چیز کو



اس کے موقع پر کرنا نہایت موزوں اور مناسب بلکہ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے اور مفیدوں کے قتل و غارت کرنے سے غریبوں کی جانیں بچتی ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وکم فی انقصاہ حیاتاً یا آؤی الا کلاب یعنی اے اہل عقل تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ اپنے قتل ہونے کے سبب کوئی شخص دوسرے کو قتل نہ کریگا۔ اور یہی باعث زندگی ہے عمرو بن عاص جو بدی صحابی تھے معاویہ کو انہوں نے افعال فحش پر اپنے عقاید لامیدہ اور فوئیدہ میں بہت زور شور سے آمادہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا ہے معاویہ فی الخلق کاکندل یعنی اے معاویہ خلقت میں عدل سے کام نہ لو: اور دوسری جگہ کہا ہے معاویہ ائی دکر انا یغک قلتہ زمانہ میں دل کھول کر جس کام کو کرنا چاہتا ہے کرے چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور حصول سلطنت کا ایک اور طریق مال کا بکثرت خرچ کرنا ہے اور ایک طریق یہ ہے کہ خوب شمشیر زنی کرے مگر اس کے واسطے اپنے لشکر کا دل ہاتھ میں رکھنا اور مظلوم کی داد رسی کرنی بہت ضروری ہے۔ اور جو چیزیں اذقاف کی قسم سے ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت کی ہوں ان سے معترض نہ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی تم کو لازم ہے کہ ایک وقت رعایا کی نگرانی کا اور ایک وقت لشکر کے معائنہ کا مقرر کرو۔ کیونکہ تمہاری غفلت سے رعایا کے اندر ظلم پھیل جائے گا۔ اور سب حکام و عمال حرام خورد ہو جائیں گے۔ اور بچشم خود دفتروں کو دیکھا کرو اگر دن کو فرصت نہ ہو تو عشا کے وقت منشیوں نے جو کچھ دن کو لکھا ہے اس کو دیکھ لیا کرو تاکہ وہ تمہارے خوف سے کچھ تغیر و تبدل نہ کر سکیں کیونکہ بہت سے مظلوم بادشاہ کی غفلت کے باعث اپنے حق سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ کوئی حال تم سے پوشیدہ نہ رہے تب تم اپنی زندگانی اس طریقہ سے گزارنا کرو جو دوسرے مقالہ میں مذکور ہے

## دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان میں

اے بادشاہ تم کو لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر ذکر الہی میں مشغول ہو۔ اور پھر اشراق کی نماز کے بعد اپنے گھر کے لوگوں کو یا ملازموں کو یا جس جس کام کے واسطے کہنا سننا ہو کہہ سنکر گھر کے پرہیزگار لگا کر سوار ہو۔ اور خبر اخبار معلوم کرنے کے واسطے شہر میں گشت کرو تاکہ کوئی مظلوم یا پریشان حالت شخص تم کو ملے تو تم اس کی داد رسی کرو اور ہتھیار لگانے کی ضرورت یہ ہے کہ



کوئی دشمن تم پر حملہ نہ کر سکے۔ اور پھر اس گشت سے فارغ ہو کر اپنے دیوان عام میں بیٹھ کر مقتدا فیصل کرو۔ اور خط خطوط کے جواب لکھو اور ایلیوں سے گفتگو کرو اور دیوان عام میں اپنے سامنے لوگوں کی دو صفیں دائیں اور بائیں بٹھاؤ اور بیچ کا میدان کھلا رکھو تاکہ کوئی مظلوم یا دشمن وغیرہ تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے اور جس شخص پر تم کو شبہ ہو اس کے حال کو خوب دریافت کرو اور ایسے شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھو جس کے حال سے تم واقف نہ ہو۔ بلکہ ایسے شخص سے خدمت لو جس کی نیک نحتی تم کو معلوم ہو یا کوئی معتبر شخص اس کا ضمانت ہو۔ یا وہ شخص تمہارا معتقد ہو۔ اور ایک گروہ اہل علم و فضل اور تجربہ کاروں اور متقی وزیروں اور اہل رائے کا تمہارے پاس رہنا چاہیے۔ نالائق اور خائن لوگوں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔ کیونکہ جو شخص اپنی جان پر امین نہ ہوگا۔ وہ دوسرے کے حق میں کیا امانتداری کرے گا۔ پھر ظہر کے وقت سے پہلے دیوان عام سے اٹھ کر محل میں جاؤ اور لشکر کے واسطے کھانا تقسیم کرنے کا حکم کرو اور اپنے اقربا اور عزیزوں کو بلوا کر ان کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاؤ اور بادشاہ ہوں کے واسطے باورچی بھی بہت امین ہونا چاہیے اور سب سے پہلے اسی کو اس کھانے میں سے لقمہ کھلانا چاہیے پھر جو لوگ کھانا لائے ہوں ان کو لقمے کھانے چاہیے۔ پھر جو شخص دسترخوان پر کھانا چنے وہ بھی لقمہ کھائے جب سب طرح سے اطمینان ہو جائے اس وقت بادشاہ کو ہاتھ ڈالنا چاہیے اور یہ احتیاط اس واسطے ہے کہ شہریار بن نادادھا سیب کھانے سے مر گیا تھا اور ساسان نے شراب کا آدھا پیالہ پی کر جان دی۔ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری کی دست میں زہر لگا کر کھلایا گیا۔ اور ابو نوؤنہ نے چھری کو زہر آلود کر کے حضرت عمرؓ کو اس کے ساتھ شہید کیا۔ اور عبدالرحمن بن ملجم نے تلوار کو زہر آلود کر کے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا۔ اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی اور حضار بنت جوہر بن کعب غسانی نے اپنے خاوند حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیکر شہید کیا۔ اور یہ مکر زہر خورانی کا شامیوں کی طرف سے تھا جو دانهائے انگور میں دھلے ہوئے نہ خٹے آمیز کر کے دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں اس قسم کی مثالیں زمانہ میں موجود ہیں لہذا بادشاہ کو لازم ہے کہ اپنے کھانے اور پینے اور پینے اور سونے میں زہر کا بہت خیال اور احتیاط



یہاں تک کہ اپنی کچھونی کا رومال بھی بہت احتیاط سے رکھے اور اپنی سلطنت میں اور دنیا کے غیر ممالک میں بھی مجبوروں کو مختلف لباسوں اور طرز ویش کے ساتھ روانہ کرے تاکہ ہر قسم کی خیریں ہر ملک سے ان کو پہونچتی رہیں مثلاً کوئی مجرم صوفی بنا ہوا ہے کوئی فقیر ہے کوئی دکاندار ہے کوئی سوداگر ہے۔

ماموں رشید عباسی کے پاس بہت سے مجرمتھے۔ جو تمام ممالک دنیا سے اُس کو خبریں پہونچا کرتے تھے اور کل بادشاہ ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

تیسرا مقالہ : بادشاہ کو چاہیے کہ پہلے نصف شب میں قضا سے مہمات اور پوشیدہ واقعات سننے کے واسطے بیدار رہے اور قدرے دن کو دوپہر کے وقت سو رہے کیونکہ اس سے رات کے جاگنے پر بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ اور آخر رات میں سو رہنے سے پہلی رات میں جاگنے کی تھکان جاتی رہتی ہے۔ اور عام سے جلد فارغ ہو جانا بہت بہتر ہے۔ اور موافق مزاج کے کسی شربت کا استعمال رکھنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کو یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے متعلق خطوط کے جواب یا فریادناات جو منشی سے لکھوائے ایک نظر خود بھی انکالا حظہ کر لیا کرے۔ کیونکہ کاتب کی بعض غلطیوں سے سخت فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اسی قسم کی غلطی سے تنہا یہ واقعہ بہت مشہور اور کتب سیر میں موجود ہے۔

بادشاہ کو لازم ہے کہ کسی لونڈی یا عرم کو اپنی بیوی پر فضیلت نہ دے کیونکہ اس سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور نتیجہ بد ظاہر ہوتا ہے۔ اور نیز قیام امن میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے بلکہ اپنی ذات کو بالکل تنہا سمجھے کہ کوئی اس کا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔ **فَلَمَّا نَزَلَ الْأَكْصَافُ قَاطِعَهُ بَيْنَ الْأَكْثَامِ وَأَوَّكَانُوا ذَوِي سَرِجِيمٍ** اور جو اس کے باپ کے دوست آشنا ہیں ان کے واسطے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اگر وہ غریب و فقیر ہوں اور اپنے اپنے ان دوستوں سے بھی جو سلطنت حاصل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ تعظیم اور محبت کا بڑا دار رکھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک یہودیہ حاضر ہوتی تھی جب وہ آتی آپ اس کے واسطے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت



عائشہ صدیقہؓ نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ایک یہودی عورت کے واسطے کیوں کھڑے ہوتے ہیں  
فرمایا یہ عورت خدا کے بچہ کے وقت سے ہمارے پاس آتی ہے یعنی ظہور اسلام سے پہلے سے یہ  
بات حضور کے لطافت اخلاق سے ہے بادشاہ کو بھی اپنے اخلاق ایسے ہی رکھنے چاہئیں  
لَا تَلْقَ فِي بَيْتٍ شَرِبْتَ مِنْهَا أَحَبَّ إِلَيْكَ إِلَّا أَنْ تَكُونَ عَادِيًّا

پہلے مقالہ (ترتیب خلافت کے بیان میں)

خلاقیت نص کے ساتھ ثابت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے۔ قُلْ لِلْمُخَلَّفِينَ مِنَ

اَلْعَذَابِ سَتَدْعُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولٰٓئِیْ بِاٰیٰتِ شَدِیْدٍ لِّقَاتِلُوْهُمْ اَوْ یُسْلِبُوْا فَاٰیٰتِ طٰغُیُوْۤا  
یُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا وَّاِنْ تَتَلَوْا کَمَا تَوْهَلْتُمْ مِنْ قَبْلِ یَعْنٰی بِکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا  
عرب کے ان لوگوں سے جو ٹیپھے رہنے والے ہیں کہہ دو کہ عنقریب تم ایک خوف ناک قوم کے  
مقابلہ کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو با وہ صلح کر لیں۔ پس اگر تم نے اس حکم کے بجالانے  
میں اطاعت کی تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر تم نے اسی طرح پیٹھ پھیری جیسے کہ  
پہلے پھیر چکے ہو تب وہ تم کو سخت عذاب کرے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابو بکر صدیقؓ نے اطاعت کی طرف بلایا اور لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کی اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں۔ **وَإِذْ أَسْرَأَ النَّبِيُّ إِلَىٰ أَعْصَىٰ الْوَادِعِ** یعنی جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے پوشیدہ بات کہی۔

حدیث میں یہی کہ حضور نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ اے میرا تمہارا باپ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کو نہ پاویں تو کس کے پاس جاویں آپ نے ابوبکر صدیق کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور نیز ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کی حیات میں مسلمانوں کی امامت کی۔ اور امامت دین کا مستحق ہے یہ تو ان لوگوں کا بیان ہے جو نص سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضرت علی پہلے خلیفہ ہوتے تو ان تینوں خلفاء کو خایہ... نصیب نہ ہوتی۔ اور نہ ان کو فتوحات اور مناقب نصیب ہوتے اور حضرت علیؑ کے چوتھے خلیفہ ہوتے سے ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ عیاں کہ حضور ﷺ نے جس کنوئیں کا ٹونے پانی پیا ہے اس میں اینٹ نہ ڈال نہ چھو... کر... کہا جائے گا۔



صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری انبیاء ہونے سے آپ کی شان میں فرق نہیں آیا ان کے بعد نبی امیمہ نے حکمت سے حکومت لے لی۔ ان سے بزورِ باند و عبا سیوں نے چھین لی۔ پس اے سلطنت کے طالب اپنا سامان درست کر اور اپنی حالت کو آراستہ بنا اور خوب مال خرچ کر اور صبر کے ساتھ کام لے اور لوگوں کو اپنی طرف منجذب کر اور جہاں تک ہو سکے صلاحیت سے کام لے۔

### پانچواں مقالہ (امور سلطنت کی ترتیب تدبیر میں)

جب تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اور مال و خزانہ کثرت کے ساتھ تمہارے تصرف میں آئے تب تم لوگوں سے اپنی اطاعت پر بیعت اور عہد واثق لو۔ اور خوش بیان لوگوں کو مقرر کرو کہ لوگوں کے سامنے تمہاری اطاعت کے وعظ کہیں اور ان کے دل کو تمہاری طرف راغب بنائیں

شعراً ذہباً دیا حاکم فاعتنمها فان حلی خافقہ سکون  
ولا تغفل عن الاحسان يوماً فماتدیری السکون متى تکون

اور بہت جلد اپنی سلطنت میں رہتے اور پل تیار کر دو تاکہ ضرورت کے وقت تم کو ان پر سے گزرنا آسان ہو اور اگر تم کسی زوردار شخص کو دیکھو تو طرح طرح کے معالحوں کے ساتھ اس کا علاج کرو اور سب سے آخر وہ داغ دینا ہے۔ اور تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ لشکر کی تعداد اور رعایا کی مردم شماری خوب معلوم رکھو اور آمد اور خرچ کا حساب سب تم کو معلوم رہنا چاہیے اور سال میں تین بار لشکر سے قواعد کی مشق کرایا کرو اور چار سو سپاہی بڑے جانباز اور خیر خواہ اپنی اردی میں رکھو۔ اور اگر جنگ کا ارادہ ہو تو اپنے لشکر کو خوب شکم سیر ہو کر کھانے کو دو اور جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابل جاؤ تو اپنے لشکر کی صفیں ایسی ترتیب سے باند ہو کہ ایک صف کے پیچھے دوسری ہو اور اپنے خاص خاص سپاہیوں کو حکم کرو کہ تمہارے لشکر کی جو صف شکست کھا کر بھاگے اس کو تلواروں سے قتل کریں اور تم خود کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر جنگ کا معائنہ کرو اور تم خاص اپنے واسطے نہایت عمدہ گھوڑے اور بہادر سپاہی تیار کرو۔ اور یہ یاد

لے جب تیرے اقبال کی ہو چلے تو اس کو غنیمت سمجھ کیونکہ ہر ایک چلنے والے کی آخر کو سکون ہوتا ہے اور کسی ....



رکھو کہ جو شخص ابتدا میں تمہارے ساتھ دھوکا کریگا۔ وہ آخر میں بھی دھوکا کریگا اور تمہارا بگل یعنی بوق تمہارے ساتھ رہنا چاہیے۔ اور اگر مناسب سمجھو تو ایک بوق لشکر میں بھی رکھو اور ایک لشکر بہادر سپاہیوں کا کسی پوشیدہ جگہ کین گاہ میں چھپا دو تاکہ جس وقت تمہارے لشکر میں کمزوری پیدا ہو تو دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر اس موقع پر لاؤ جہاں تمہارا لشکر پوشیدہ ہو اور اپنے لشکر کی ایک خاص علامت مقرر کرو تاکہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پہچان لے اور کسی قلعہ کے محاصرہ کرنے سے بد دل نہ ہو۔ اور یہ نہ خیال کرو کہ لشکر کو تکلیف ہوگی بلکہ بغیر فتح کئے نہ چھوڑو اور اپنی مقتولوں کا قصاص لینے میں کمی نہ کرو۔ جیسا کہ ذوالقرنین نے دارا کے جنگ میں کیا تھا۔ کہ ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بزدل ہو کر ہمت ہار بیٹھے۔ پھر ان کو خوب قتل کیا۔ اور تم مال کچے خرچ کرنے میں ہرگز کمی نہ کرو اور آمدنی کے دفتروں کو دیکھ کر جس میں مناسب سمجھو کمی یا زیادہ کرو اور تم کو جنگ کرنا ہوا ہوں کا تجربہ ہونا بھی ضروری ہے جو سپاہی بہادری ظاہر کرے۔ اور بہت سے دشمنوں کو معرض قتل میں لائے۔ اس کو اس قدر انعام دینا چاہیے کہ وہ خوش ہو جائے۔ اور جو نامرد و بزدل ہو اس کو سزا دینی چاہیے اور انے خزانوں کی حالت سے بھی تم کو واقف ہونا چاہیے کہ کس قدر رقم خزانے میں بڑھی اور کس قدر کم ہوئی۔ اور اگر تم کو شادی کی ضرورت ہو تو ایسی عورت تلاش کرو جو مال و جمال اور دین و نسب سب باقیں رکھتی ہو۔ اور شارع علیہ السلام نے امر تزویج میں دین کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جس بادشاہ کے خیر نہیں ہیں وہ مثل جسم بلا روح کے ہے اس بات کو یاد رکھو اور قلوب بندہ کے جس قدر سامان کی ضرورت ہو اس کے ہتیا کرنے میں بہت چستی سے کوشش کرو کیونکہ تم کو کچھ خیر نہیں کہ تمہاری اس کامیابی کے بعد کیا صورت ظاہر ہو اور وہ یا خصوصاً لشکر میں ایسا انتظام کرو کہ سپاہ میں یا ہم جنگ لڑائی نہ ہونے پائے۔ جو مولوی فتنے اور فسادوں اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازیوں کے وعظ کہتے ہیں ان کے منحوسوں میں خاردار لگا ہیں چڑھا دینا کہ ایک حرف نہ بول سکیں اور اپنے حکاموں سے کہہ دو کہ وہ تمہارے ملک میں جو غلہ ہے اس کا انتظام کریں اور کسی سوداگر کو اس کی بھرتی سے نہ روکیں کیونکہ جو چیز تمہاری رعایا کے پاس ہے وہ بوقت ضرورت تمہارے ہی واسطے ہے اور ان لوگوں کی حالت پر غور کرو



جنہوں نے زراعت چھوڑ دی ہے اگر انہوں نے مفلسی اور سامان زراعت نہ ہونے کے سبب سے چھوڑ دی ہے تب تم کو ان کی امداد کرنی چاہیے اور اگر ان پر کسی نے ظلم کیا ہے تب ان کی تب ان کی وادری کرو جیسا کہ ہندوستان کے ایک راجہ کا قول ہے کہ میں گاؤں میں زیادہ مرغیاں دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہوں کیونکہ ان سے آبادی کی علامت معلوم ہوتی ہے اور زیادہ کثرت کے ساتھ عورت پر پیغام دینے والوں کو دیکھ کر میں غمگین ہوتا ہوں کیونکہ اس سے فساد کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ذوالقرنین اپنی تمام رعایا کی مردم شماری کرتے تھے اور جب کوئی عورت دودھ کی ہنڈیا ان کے پاس سے گزرتی وہ اس کو دیکھتی اگر اس میں چکنائی پاتے تو خوش ہوتے اور اگر نہ پاتے تو غمگین ہوتے اور کہتے تھے میں کاشتکار کی مثال نہیں پاتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سلطنت کی بنیاد کاشتکاری پر ہے اگر کاشتکار نہ رہیں گے تو سلطنت کے خزانے میں کیا داخل ہوگا۔ اور لشکر اور اہل کاروں کی تنخواہ کہاں سے تقسیم ہوگی۔ غرض کہ ساری سلطنت کاشتکاری پر منحصر ہے۔ اور جب متغیر طعام کو تبدیل کر سکتا ہو تو ضرور کر دے۔

ماموں عباسی ہتھیاروں اور دیگر آلات حرب اور خیمہ اور خرگاہہ منجانبین وغیرہ کو تھوڑے عرصہ کے بعد تبدیل کر دیتا تھا اور اپنے داروغہ اصطلیل سے کہتا تھا کہ کل اصطلیل کی چیزوں کو اسی طرح تبدیل کیا کرو جیسے کہ باسی گھاس تبدیل کرتے ہو۔

### چھٹا مقالہ (ترتیب حکام کے بیان میں)

حاکم ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو رعایا کے ساتھ شفیع مہربان منظم باہیت و باوقار ہو اور اس قدر کام اس کے سپرد نہ کئے جائیں جو اس کی طاقت سے باہر ہوں اور تنخواہ اس کی معقول مقدر کرنی چاہیے ایسے اپنے لشکر کو بھی پیٹ بھر کر کھانا دے اور اگر کسی وقت قلعہ بند ہونے کا موقع ہو تو اپنے لشکر کو نہایت ترتیب کے ساتھ قلعہ کی حفاظت پر مقرر کرے اور قلعہ کی فصیل کو پہلے ہی سے درست کرے اور پہرہ داروں کو بدلتا رہے تاکہ تھک نہ جائیں اور پانی اور غلہ کی خوب حفاظت کرے اور جس راہ سے یہ چیزیں قلعہ کے اندر آتی ہوں اس راہ کو بھی چوکی پہرہ سے محفوظ رکھنا چاہیے اور خود بہ نفس نفیس تمام



قلعہ اور درج و فضائل پر بادشاہ کو گشت کرنا ضروری ہے اور رات کے وقت اپنے لشکر سے لمبی پر خطر اور پر خطر رہنا چاہیے تاکہ کوئی ضرر نہ ہو۔ اور دشمنوں کے حالات بخوبی معلوم کرے اور چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو بھی بغیر نہ جانے کیونکہ مکھی اونٹ کو مار ڈالتی ہے اور وہبت سے چھوٹے ہیں جن کے کاٹے سے انسان مر جاتا ہے۔ چنانچہ کسی کا قول ہے:

وَلَا تَخْفَوْنَ أَتْرَابَ صَغِيرًا قَرِيبًا مَمْنُونًا كَلَّا فَلَاعْنَى مِنْ سُقُومِ الْقَعَارِبِ  
یعنی کسی چھوٹی سی بات کو بغیر نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر مرتبہ واقعی رسالتیں چھوٹوں کے زیر سے مر جاتی ہیں۔ اور دشمنوں کے مکر سے بھی ہر وقت ہشیار رہنا چاہیے۔ اور حاکم باوالی کو شراب نہ پینی چاہیے۔ کیونکہ شراب میں بہت سی اُفتیں ہیں اور خمر مٹا صاحب ملک سے بہت لوگ حسد کرتے ہیں۔

نجاشی جیش کے بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب سے سوال کیا کہ تمہارے نبی کا کھانے میں کیا طریقہ ہے جعفر نے فرمایا وہ زمین پر کھانا کھاتے ہیں نجاشی نے کہا یہ بات ان کی تواضع کے سبب سے ہے جس سے ان کے اصحاب کے دل اُن کی طرف مائل اور منجذب ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے تو خوان پر اپنے بھائیوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھوڑا ہوں اگر کسی کو جاگیر دی ہو تو خیر اور اگر ماہوارانہ نقد مقرر ہو تو ہر مہینہ میں دینی چاہیے اور بادشاہ کو السلام علیکم کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور جو سفیر غیر ممالک سے اُس کے پاس آویں تو اُن کی خاطر و مدارات میں کمی نہ کرے۔ کیونکہ اس کے سب سے بہت بڑی بدنامی ہوتی ہے اور شعراء اور عوام الناس ہجو کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہفتہ کے دنوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ بعض دن لشکر کی نگہداشت کے واسطے اور بعض دن فیصلوں کے واسطے اور بعض دن سفیروں کی ملاقات کے واسطے اور بعض دن عبادت اور ذکر کے واسطے اور فرماتے تھے اے ارکان سلطنت اہل علم و اصلاح کی محبت اختیار کرو کیونکہ جب تم گمراہ ہو گے تو وہ تم کو ہدایت کریں گے۔ اور جس بات سے تم جاہلی ہو گے وہ تم کو بتلائیں گے اور جب تم غضب میں ہو گے تو وہ تم



کو مہربان کر لیں گے اور جب تم محروم ہو گے تو وہ تم کو نفع دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔  
 وَلَا تَصْحَبْ أَخًا تَحْمِلُ وِثَاكَ وَإِيَّاكَ فَكَم مِّنْ جَاهِلٍ أَرَادَ حِلْمًا حِينَ أَخَا  
 یعنی جاہل کی صحبت میں نہ رہو اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کیونکہ بہت سے جاہلوں  
 نے حکیموں سے بھائی چارہ کر کے ان کو دھکا دیا ہے۔

بادشاہ کو چاہیے کہ زیادہ لوگوں کو اپنا ہم نشین نہ بنائے۔ اور منسی مذاق بالکل چھوڑ  
 دے ہیبت اور وقار کی عادت ڈالنے اور وزیر بھی نہایت قابل اور عالم تجربہ کار ہر شخص کے  
 مرتبہ اور عزت سے واقف ہونا چاہیے۔ جو ہر شخص کے ساتھ اس کی عزت اور قابلیت کے  
 موافق سلوک کرے۔ اور جاہل شخص کی خوش لباسی کچھ عزت نہیں رکھتی نقل ہے کہ بہلول  
 دانا ایک روز ہارون رشید کے دربار میں آئے اور جہاں لوگ جوتیاں اتارتے تھے وہاں  
 بیٹھ گئے ہارون رشید نے ان سے کہا کہ یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھئے بہلول نے کہا  
 جو مجلس کہنا ہونے والی ہے اس کا صدر کہاں ہے اور پھر یہ شعر پڑھے۔

كُنْ رَجُلًا وَارِضَ بِصِفِ النَّعَالِ وَلَا تَطْلُبِ الصَّدْرَ بَغْيًا لِّلْكَمَالِ  
 فَإِنْ تَصَدَّقْتَ بِدَلَا الْبَغْيِ جَلَّتْ ذَاكَ الصَّدْرُ صِفًا لِّلنَّعَالِ  
 یعنی تجھ کو چاہیے کہ ایک معمولی شخص بنے اور جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کے ساتھ راضی  
 ہو جائے اور بغیر کمال حاصل کئے صدر جگہ نہ تلاش کرے پھر اگر بغیر کمال کے صدر جگہ میں تو بیٹھا تو  
 ۱۲ صدر جگہ کو تو نے جوتیوں کی صف بنا دیا بادشاہی کے لوازمات میں سے یہ بھی ایک بات  
 ہے کہ بادشاہ ایک خاص کھانا اپنے واسطے پسند کرے جیسا کہ ماموں عباسی نے اپنے واسطے  
 ایک کھانا تجویز کیا تھا جس کا نام مامونہ تھا۔ ایسے مہلب عراق کے کھانے کا نام مہلبیہ تھا اور  
 نبی امیہ ہر لیسہ اور زلابیہ بکثرت کھاتے تھے اور گوشت کو دہواتے نہ تھے بلکہ صرف کھال اتار  
 کر کھواتے تھے۔ ابوطالب مکی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ اپنے  
 فرمایا میں نے جبرائیل سے قوت جماعی کے ضعف کی شکایت کی انہوں نے ہر لیسہ کھانے کو  
 کہا جس کے سبب سے میں اپنی پشت میں تیرت پاتا ہوں اور حضرت سکندر ذوالقنین  
 چوز بائے مرغ کا شور با پسند کرتے تھے۔ کیونکہ یہ ناپاٹا سفاردی کو تسکین دیتا ہے ایک



دوسرے سبب غلبہ صفراء کے ذواق فرین کی پیشانی میں درد ہوا تب انہوں نے سرکہ سکنجبین  
پی چھ رکھا اس سے میری پیشانی کو تسکین ہو گئی۔

بادشاہ کے واسطے درمیانے درجہ کے آٹے کی روٹی پکینی چاہیے کیونکہ میڈ کی روٹی دیر  
ہضم ہوتی ہے اور کمزور معدہ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اور موٹے آٹے کی روٹی ضعیف  
معدہ اور بلغمی مزاج کو مفید ہے۔

### ساتواں مقالہ (حاشیہ دولت کی ترتیب میں)

فرش کے واسطے ضروری ہے کہ پاکیزہ اور صاف طبیعت ہر چیز کو ستھرا کھنے والا اور  
قوی شخص ہو اور کھانے اور میوہ جات اور ترکاریوں کی ترتیب اور دسترخوان پر لگانے  
سے خوب واقف ہو اور یہی باتیں باورچی اور آب دار کے واسطے ضروری ہیں اور آب دار  
خانہ میں سرد پانی اور ہر قسم کے شربت وغیرہ موجود رہنے چاہئیں۔ اور سکنجبین کا نہار منہ پینا  
بہت نافع ہے کھانا اس سے ہضم ہوتا اور معدہ کو قوت ہوتی ہے۔ مگر معدہ میں نفخ پیدا کرتی ہے۔  
بادشاہوں کو کھانے پینے میں اہل تصوف کے آداب اختیار کرنے چاہئیں حضرت ابراہیم  
بن ادہم نے بادشاہوں کے بکرا نہ طریقہ کو چھوڑ کر اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اور  
کھٹی چیز کے ساتھ کھانا شروع کرتے تھے کھانے کے وقت جو خدمت گار اور کباب دار ہوں  
وہ نہایت چست اور چالاک اور جوان ہونے چاہئیں۔ اور لشکر کے سپاہی بھی ایسے ہی  
ہونے ضروری ہیں اور بوڑھے لوگ بھی ہیبت اور وقار اور مشورہ کے واسطے ساتھ ہونے  
ضروری ہیں اور لشکر کو دشمن کے مقابلہ پر اونچی جگہ اتارنا چاہیے۔ اور قلعہ کا محاصرہ کرنے  
کے واسطے جاڑے کا موسم بہتر ہے اور سامان سفر تیار کرنے اور جنگ پر جانے کے واسطے گرمی  
کا موسم ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو سفر میں اس وقت جانا چاہیے جب شمس برج سرطان میں ہو۔ اور جب شمس  
برج قوس میں ہو اس وقت سفر کو نہ جائے کیونکہ سال کی چار فصلیں ہیں نصف خیراں  
سے نصف ابلوں تک گرمی ہے اور نصف کانوں اول تک حریفہ ہے پھر نصف ازار  
تک جاڑا ہے۔ اور نصف ثریاں تک زریع ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب مہینے



اُدھے ہوتے ہیں زمانہ کا حال بدلتا ہے پھر اگر سوار ہو تو عصر کی نماز کے بعد سوار ہو  
ورنہ مفدمات طے کرنے یا کتابوں کے مطالعہ کرنے یا مخروں اور فصلوں کے  
سننے میں وقت صرف کرے اور یہ سب باتیں بادشاہ کو خلوت میں کرنی چاہئیں۔ کیونکہ  
پہلے زمانہ کے بادشاہ جب سلام لینے کے لئے بیٹھتے تھے تو خلوت میں بیٹھتے تھے اور چوہدر  
ایک ایک شخص کو سلام کے واسطے لاتا تھا تا کہ زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کو کسی طرح  
کا صدمہ نہ پہنچائیں۔

اور مخروں سے ہر قسم کی ادنیٰ باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اور کتب طب اور تواریخ  
خصوصاً شاہنامہ مخم اور سکندر نامہ اور مجموعہ واقعی وغیرہ کا ضرور مطالعہ جاری رکھے اور بادشاہ  
کے واقعات جیسا کہ شہر یار و بلبی اور رستم زاد میں ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس زمانہ  
میں بنی تھے۔ پھر جو فیضے ان میں واقع ہوئے اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کیا ان سب باتوں  
کو یاد رکھے تاکہ وقت پر کام آئیں۔

بادشاہ کے مصاحبوں کو چاہیے کہ اس کی حفاظت میں بہت کوشش کریں خصوصاً حمام  
میں کیونکہ اکثر بادشاہ حمام میں ہلاک ہوئے ہیں۔ اور بادشاہ کے ہر ایک راز کو نہایت  
پوشیدہ رکھیں اور اگر بادشاہ مر جائے تو اس کی موت کو بھی اس وقت تک پوشیدہ رکھیں  
کہ کوئی دوسرا قائم مقام ہو جائے پھر اس کی بیعت کے استحکام کے بعد اس کی موت کی خبر شائع  
اے بادشاہ جہاں تک تم سے ہو سکے ایسے کام کرو جن سے ہمیشہ تمہارا ذکر خیر کے ساتھ  
جاری رہے۔ اور ابن ابی الدنیا کی کتابوں اور تاریخ طبری کا ملاحظہ کرنا ضرور ہے اور حنفی یا شافعی  
جو مذہب رکھتا ہو اس کی کتابیں بھی ضرور دیکھنی چاہئیں۔ اور کوئی فعل بدعت اختیار نہ  
کرے کیونکہ بنی بوید وغیرہ کی سلطنت خواہش پرستی ہی کے سبب سے برباد ہو گئی۔ اور  
تم کو اپنے اور خدا کے درمیان میں صلاح اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حکایت ہے کہ ایک ظالم بادشاہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت کے واسطے جا رہا تھا۔  
ملک الموت نے گھوڑے ہی پر اس کی روح قبض کر لی اور وہ اپنی خواہش کو پورا نہ  
کر سکا اور ایک نیک بادشاہ کے پاس ملک الموت نے آن کر کان میں کہا کہ میں ملک الموت



ہوں بادشاہ نے جواب دیا کہ مرحبا تم خوب آئے اور بہت اچھے آئے تمہارا مجھے بہت انتظار تھا  
اب تم جس کام کو آئے ہو اس کو شروع کرو ملک الموت نے کہا میں یوں تمہاری روح قبض  
نہ کروں گا بلکہ جس حالت کو تم اختیار کرو اس میں تم کو قبض کروں بادشاہ نے اسی وقت وضو کر کے  
سجدہ میں سر رکھا اور سجدہ ہی میں ملک الموت نے روح قبض کی۔ اور ایک لطیف حکایت  
یہ ہے کہ جب محمود بن بوبہ ملک عراق کا ملک ہوا تو اس نے اپنے غلام کو ایک ہزار اشرفیاں  
دیگر کہا کہ تو اصفہان میں جا اور وہاں شاہی رستہ کے قریب ایک مکان ہے اور اس میں  
ایک بڑھے بڑھیا رہتے ہیں ان کے پاس جاز نام کر کے یہ اشرفیاں ان کو دینا اور کہنا کہ  
تمہارے بیٹے نے پوچھا ہے کہ اس کے فراق میں تمہارا کیا حال ہے۔ جب یہ غلام وہاں  
پہنچا اور ان سے حال بیان کیا انہوں نے کہا یہ اشرفیاں تو واپس لے جاؤ اس نے کہا تم  
دونوں محتاج ہو بہتر ہے کہ یہ تمہارے کام آئیں گی انہوں نے کہا ہمارے دلی تو نکری  
باقی ہے پھر یہ شعر پڑھا۔ ۱۔ لَا قَبْرَ دَرِیْنِیْ وَكَذَرِیْ خَلْقِ قَائِمًا الدُّرْدَا فِی الصَّدَفِ  
مجھ کو برا نہ کہہ بلکہ میرے اخلاق کو برا کہہ پس بے شک موتی سیپ کے اندر داخل  
ہوتا ہے۔ اور شافعی رحمۃ اللہ کے بھی دو شعر اسی مضمون میں ہیں۔

عَلَى شَيْبٍ لَوْ بَاعَ جَمِيعُهَا بَعْلَسَ لَكَانَ ۲ نَفْسٌ مِثْلُهَا أَكْثَرُ  
وَمِثْلُ نَفْسٍ كَوْ قَنَاسٍ بِبَعْضِهَا نَفْسٌ الْوَسْطَى كَانَتْ أَجَلُ وَالْبَدَا  
یعنی میرے جسم پر ایسے کپڑے ہیں کہ وہ سب ایک پیسہ کو فروخت کئے جائیں تو ایک  
پیسہ بھی ان سے بہت زیادہ ہے اور ان کے اور یک ایسا نفس ہے کہ اگر مخلوق میں سے  
بہت سے نفوس کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا جائے تو ان سے بزرگ اور بڑا ہے۔

اور بادشاہوں کے واسطے ایک گانا سنانے والے شخص کی بھی ضرورت ہے جو علم موسیقی  
سے خوب واقف ہو اور شاعر اور خوش آواز بھی ہو اور کتب موسیقی کا مطالعہ کرتا ہو  
خصوصاً شیخ الرییس ابو علی بن سینا کی کتابیں ضرور دیکھتا ہو اور ہم نے اس کی تفصیل اپنی  
کتاب سبیل الدین الہی میں بیان کی ہے اور ایک نکتہ یہاں بھی بیان کرتے ہیں نکتہ کہ  
گیا ہے کہ گردش افلاک سے ایسے نغمہ ہائے خوش ظاہر ہوتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی غافل



سنے تو بیہوش ہو جائے اور اسی گردش افلاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نغموں کے ترجیحات مثل مزاح اور مسدس اور مثنوی کے جو ذوق وایا ہے بطریق تلحیحین کے اخذ کی ہیں اور اسی گردش سے زردشت بنی مجوس نے زمزمہ مرتب کیا ہے اور نصاریٰ نے بھی اس میں سے کچھ لیا ہے چنانچہ الحان روم ہیں اور تجنیس عراق ہیں اور زقالتی عجم ہیں اور طبل زنی حبشہ ہیں اور لوق یہودیوں میں ہے۔

اور یہ کل ستر داستانیں ہیں مثل داستان رجبل کے اس کے وزن میں کہتے ہیں اَلْکَلْبُ قَانَتْ الْمُظْفَرُ اَرْکَبُ فَامَلَهُ اَكْبَرُ اور باقی لڑائی کے وقت اور منزل پر اترنے کے وقت وغیرہ کی داستانیں ہیں۔ سقراط کا قول ہے کہ آواز کے نغموں کا مشتبک ہونا عبادت کی صورتوں سے ہے اور اصل اس کی گردش افلاک سے ہے اور اس کی تاثیر ایسی ہے جیسے نظر بردار جادو کی ہم اس کے موقع بیان کریں گے۔

بادشاہوں کی خدمت میں حکما کے اس قول کے مطابق رہنا چاہیے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں ہے تو ہر وقت خوف کا لباس پہننے رہ اور جب تو ان کے پاس جائے تو اندھا ہو کر جالعتی ان کے کسی سبب پر نظر نہ کر اور جب ان کے پاس سے آئے تو گنگا ہو کر آجبتی ان کی بات کسی سے نہ کہہ۔

**اٹھواں مقالہ (چوہداروں اور وزیروں اور منشیوں کی ترتیب میں)**  
چوہدار پس پشت کھڑے ہوں اور وزیر داییں ہاتھ کی طرف بیٹھے اور منشی بادشاہ کے تخت کے پاس زیر دست بیٹھے اور تخت کے قریب کوئی شخص نہ بیٹھا اور دربار بہت دوقار سے پر ہو۔

بادشاہ کو جو کام ہو وہ چوہدار سے کرائے اور خطوط کے چوب منشی سے لکھوائے اور جو بات دریافت کرنی ہو وزیر سے دریافت کرے اور معاملات ملکی میں خود بادشاہ غور کرے اور ملازموں کی ترتیب و تادیب میں بادشاہ کے بعد وزیر خیال رکھے۔

بعض لوگوں کا قول ہے کہ بادشاہ جمعہ کی نماز میں جائے تو ایک علیحدہ مسجد کے حجرہ میں نماز پڑھے جس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہو اور معتبر لوگ بادشاہ کے ساتھ



جس حجرہ میں موجود ہوں اور بادشاہ سب لوگوں کے بعد اپنے خاص دروازے سے مسجد میں داخل ہو۔

ہفتہ میں دو روز بادشاہ کو قرآن خوانی اور لوگوں سے ملاقات کرنے اور اہل علم سے صحبت رکھنے کے واسطے ہونے چاہئیں۔ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر بادشاہ قرآن شریف پڑھے۔ پھر قاری لوگ آن کر توبت نبوت قرآن سنائیں پھر واعظ و عظم کہیں۔ پھر شاعر شعر سنائیں۔ پھر قل ہو اللہ احد اور معوذتین اور فاتحہ اور اکم مفلحون تک پڑھ کر امام ختم کرے اور بادشاہ اور مسلمانوں کے حق میں دوائے خیر کرے اور ہفتہ میں ایک روز بادشاہ عبادت اور ذکر اور حساب کتاب دیکھنے میں صرف کرے۔

### نواں مقالہ

(نان پز اور باورچی اور قصاب کی ترتیب کیا نہیں)

قصاب اور نان پز اور باورچی غیر مذہب نہ ہوتا چاہیے کیونکہ غیر مذہب پاک ناپاکی کے پرواہ نہیں کرتا ہے اور طعام پزی کا کل سامان باورچی خانہ میں موجود رہنا چاہیے اور گوشت کو زیادہ دھونا اور ہاتھوں میں لٹنا اچھا نہیں ہے باورچی نہایت تجربہ کار اور ہوشیار اپنے فن سے خوب واقف ہونا چاہئے اور کشاجم کی کتابیں جو اس فن میں ہیں اس کے مطالعہ میں رہیں اور شریعت اور مریے اور روغن اور مٹھائیاں اور خوشبوئیات اور عجیب و غریب رنگ بادشاہوں کے واسطے ہر وقت موجود رہنے چاہیں

جو مرغ یا پرندے گھروں میں بند رہتے ہیں ان کا گوشت کھانا مفید نہیں ہے بلکہ عمدہ اور مفید گوشت آزاد جانوروں کا ہے جن میں ترش پانی ڈال کر پکایا گیا ہو اور روٹی اس کے شوربے میں بھگو کر کھائی جائے۔ اور مٹھائی عمدہ وہ ہے جس میں آٹا زیادہ اور مٹھاس بقدر ضرورت ہو۔ مفصل حال ان سب چیزوں کا اس فن کی کتابوں سے معلوم ہو سکتا ہے مختصر طور پر اس کا بیان ہم نے اپنی کتاب سلسبیل میں کیا ہے۔

اور اگر اعلیٰ درجہ کی باتیں معلوم کرنی ہوں تب کتاب شفاء شیخ اور نجات کو دیکھنا چاہئے۔ اور اگر کتب اصول دینیہ دیکھتی منظور ہوں تو شافعی مذہب میں امام الحرمین



کی کتاب اور ارشاد اور ہماری کتابوں میں سے الاقضاء فی علم الاعتقاد اور کتاب قواعد العقائد جو احیاء علوم الدین کا پہلا حصہ ہے اور رسالہ قدسیہ وغیرہ کو دیکھو اور کتب طب کو بھی ضرور ملاحظہ کرو اور علوم شرعیہ کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مولوی اور مفتی کی غلطی معلوم کر سکو اور علم حساب سے بھی واقف ہونا چاہیئے اور تحصیل دار بھی ایسے ہی لوگوں کو بناؤ جو حساب میں پورے مہارت رکھتے ہیں اور جب مقابلہ اور مساحت سے خوب واقف ہیں اور امتحان میں پورے اترتے ہیں جیسے کہ منشیوں سے رسائل اور جواب لکھو اگر امتحان لیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو کتب قوانین سے بھی آگاہ ہونا چاہیئے اس کام کے واسطے صاحب بن عباد بن اسحاق صابی کا رسالہ بہت مفید ہے اور منشی کو نہایت فاضل اور جلد لکھنے والا اور کتب و قاری سے واقف ہونا چاہیئے۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ اپنے کل حکام اور عمال سے ان کے کاموں کا حساب لے اور ہر شہر کے وکیلوں سے عدل یا ظلم کا حال دریافت کرے کہ وہاں کے حاکم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور بادشاہ کو بد مزاج یا کھلاڑی یا بد زبان نہ ہونا چاہیئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شرطیج کھیلنا بادشاہ کو جائز ہے مگر نزدیک چوسر نہ کھیلے کیونکہ یہ قمار بازی سے مشابہت رکھتی ہے جب اردو شہر نے نزدیک کو ایجاد کیا ہے تو کسی نے اُس سے کہا کہ اس کی منشا یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں اردو شہر نے کہا کہ میں اس کی طرف سے ہاتھ کاٹ لوں گا یعنی اس کے ساتھ نہ کھیلوں گا ایسے ہی حجاج بن یوسف نے اپنے مٹی کھانے کی شکایت کی کسی نے کہا اپنی ہمت اور اپنا عزیمت پر ڈال دے پس حجاج نے پھر کبھی مٹی نہ کھائی۔

اے بادشاہ معلوم ہو کہ سب کام صبر ہمت کے ساتھ انجام کو پہنچتے ہیں دیکھو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وَمَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ سَهَرَ اللَّيْلُ	بِقَدْرِ الْكَسْبِ يَكْتَسِبُ الْمُعَالِي
يَعُوْمُ الْبَحْرُ مَنْ طَلَبَ الدَّوْلَةَ	تَرَوْا الْعَزَّزَ ثُمَّ تَنَامُ لَسِيلًا
أَحْبَبُوا إِلَى مَنْ مَثْنُ الْمَرْحَلِ	لَنَدُلَّ الصَّغْرَ مَنْ قَتَلَ الْحَبِيبَ
نَقَلْتُ الْمَكْرَ فِي ذِي السَّوَالِ	وَقَالَوْهُ فِي مَكْسَبِ عَمَلٍ



اِذَا عَاشَ اَسْرًا بِسِتِّينَ عَامًا      فَنِصْفُ الْعُرْثِ لَهُ الْيَتَامَى  
وَنِصْفُ النِّصْفِ يُخْضَعُ كَيْسَ يَكُنْ      اَتَقْضَى فِي يَمِينِ اَوْ شِمَالِ  
وَرُبَّ الْحُمْرِ امْرَاضٌ وَشَيْبٌ      وَشُعْلٌ بِالتَّقْطِرِ وَالْعِيَالِ  
فَحُبُّ الْمَرْءِ طَوَّلُ الْعُمْرِ قُبْرٌ      وَقِسْمَتُهُ عَلَى هَذَا الْمِثَالِ

تکلیف کے برابر بلند مرتبے حاصل کئے جاتے ہیں اور جو شخص بلندی کا طالب ہو تب ہی وہ راتوں کو جاگتا ہے تم غرت کا قصد کرتے ہو اور پھر رات کو سوتے ہو جو موتیوں کا طالب ہو تا وہ سمندر میں غوطہ لگاتا ہے میرے نزدیک پہاڑی کی چوٹی سے بہتر ڈھونا کسی کا احسان لینے سے بہتر نہیں جو ان سے لوگ کہتے ہیں کہ کما کر کھانے میں بزمانی ہے میں کہتا ہوں کہ بنامی اور ذلت سوال کرنے میں ہے اگر کوئی شخص ساڑھے برس زندہ رہا تو آدمی عمر اُس کی راتیں مٹا دیتی اور ایک چوتھائی عمر اس طرح گزر جاتی ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ دائیں طرف گئی یا بائیں طرف اور ایک چوتھائی عمر بیماریوں اور بڑھاپے کا حصہ ہے اور اہل و عیال کے فکر و کار و بار کا۔ پس انسان کا درازی عمر کی خواہش کرنا بہت برا ہے کیونکہ عمر کی تقسیم اس طرح ہو چکی ہوگی۔

## دسوال مقالہ

اے بادشاہ اگر تمہارا ارادہ کسی بادشاہ سے جنگ کرنے کا ہو تو پہلے اپنے لشکر کو دیکھو کہ کس قدر ہے اور کیسی طاقت رکھتا ہے اور اہل لشکر کے دلوں کو نفاق سے پاک و صاف کرو پہلے اپنے دشمن کی قوت کو دیکھ کر اگر وہ تم سے زبردست ہو تو اس کی طرف رخ نہ کرو بلکہ اُس کے ساتھ محبت اور دوستانے کی راہ و رسم اختیار کرو اور اگر وہ خود تم سے چھوٹا چھوٹا شروع کرے اور تم اُس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے ہو تو جہاں تک ہو سکے صلح کر لو کیونکہ زمانہ ہمیشہ یکساں نہیں رہتا ہے اگر تم اُس وقت کمزور ہو اور ہمت سے کام لو گے تو امید ہے کہ تھوڑے عرصہ میں زبردست ہو جاؤ گے اور جہاں تک تم سے ممکن ہو اپنے دشمن کے مقربوں اور مصاحبوں اور سرداروں اپنے سے ملو اگر چہ رشوت دینی پڑے اور جس طرح ہو سکے دشمن کے لوگوں میں عداوت ڈالو اور ایک کو دوسرے کی طرف سے بہکا دو اور خوب دھوکے دو مگر نہایت ہوشیاری اور عقل بندی سے کہ تمہارا راز فاش نہ ہو جائے اور اگر تمہاری سلطنت میں کوئی ایسا شخص ہو جس سے تم



اندیشہ رکھتے ہو اور اُس کو نہ ادا دینے کا موقع نہ ہو تو حکمت اور تواضع کے ساتھ اس کو اپنے سے ملو تاکہ تمہارا راز کسی سے ظاہر نہ کرے اور تمہاری دشمنی سے نہ بچائے اور پھر اس کی تاک میں رہو یقین ہے کہ تھوڑے عرصہ میں تمہارا قابو پیل جائیگا اور تم بخوبی بدلہ لے لو گے اور اگر تم کسی قلعہ پر رو تو لازم ہے کہ ایسی ترکیب رکھو جس سے قلعہ والوں میں اختلاف ہو جائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب رستم زاد پر لشکر کشی کی اور وہ قلعہ بند ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے رستم زاد کو لکھا کہ تمہارے ساتھی اور رفیق چاہتے ہیں کہ تم کو گرفتار کر کے تمہارے دشمنوں کے حوالہ کر دیں اور ایک خط علیحدہ اس کے بڑے بڑے سرداروں کو اس مضمون کا لکھا کہ رستم تم لوگوں سے اندیشہ ناک ہے اور یہ خط اُس نے میرے پاس تمہارے کمرہ فریب کے متعلق بھیجا ہے۔ پس اگر یہ قلعہ شہر بار کے قبضہ میں گیا تو تم سب لوگ قتل ہو جاؤ گے پھر جب رطائی ہوئی وہ سب لوگ بھاگ کر شہر بار سے جا ملے اور رستم قتل ہو گیا۔ اور حضرت سلیمان نے نہایت اطمینان سے دونوں کو منگوا لیا پیچھے رستم کو بھی اور شہر بار کو بھی اور چیمپوں کے قتل و غارت کی وہ حالت ہوئی جو نبی اسرائیل کی سخت نصرت کے زمانہ میں ہوئی تھی اور عورتوں کی حالت ایسی ہیکسی کی تھی کہ جس کا بی چاہتا ان پر تصرف کرتا تھا۔ اور اے بادشاہ تم اس شخص کی طرح نہ بنو جس نے شہر کے قلعوں کے چلنے پر اکتفا کرنی تھی اگر تو ایسا کرو گے تب تینوں شخصوں میں سے زیادہ بد نصیب ہو گے مظلوم کو ثواب ہوتا ہے اور ظالم اپنا مقصد حاصل کرتا ہے۔ اور تم پر فقط حساب کی سختی باقی رہے گی اور حسرت سے یہ کہو گے کہ اے کوئے یہ دیر نہ کب آباد ہو گا اور جب تم قلعہ کا محاصرہ کرو تو قلعہ والوں کو پیغام بھیجو اگر آدمی کے ہاتھ کلن نہ ہو تو لکھ کر تیر میں باندھو اور قلعہ پر پہنچا دو کہ جو کوئی اپنی سلامتی چاہتا ہو وہ ہمارے پاس آ جائے پھر جب قلعہ فتح ہو جائے تو ہر طرف اس میں محافظ مقرر کرو کہ کوئی شخص اس میں آنے جانے نہ پائے اور جو لوگ تمہارے مخالف ہوں جس طرح چاہو ان سے سلوک کرو۔ اور شیر ذنی شروع کر دو اور لوٹ اور قتل کا چاروں طرف قلعہ میں حکم دے دو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب خیبر کا محاصرہ کیا ہے تو نکلنے والوں کو راستہ دے دیا تھا مگر کسی کو قلعہ میں جانے نہ دیتے تھے اور جو لوگ قلعہ سے نکلے تھے وہ بہت بھوکے تھے حضور نے ان کو کھانا کھلایا پھر اگر تم کو نقب زنی یا منجینیق نکلانے کی ضرورت ہو تو فوراً ان کاموں کو کرو اور دشمن کو خوب خوف دلاؤ اور اپنا رعب ان پر بٹھاؤ اور اگر



قلعہ کی رعایا کسی طرف کو بھاگ رہی ہو تو ان کو بھاگ جانے دو اور ان کی طرف سے اپنے دل میں  
برائی گوارہ نہ دو۔

### کیا رہوال مقالہ

سفر میں جانے سے پہلے سامان سفر تیار کر لینا چاہیے۔ اور سفر میں جانے سے پہلے شخص  
اپنے لشکر میں تیاری کا اعلان کر دو پھر جب تم سفر میں چلے جاؤ تو کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام کرو  
جو تمہارے سچے فوجیوں تیار کر کے تمہارے پاس بھیجتا رہے اور جس  
قدر جس جس کام کے کاربگروں کی تم کو ضرورت ہو وہ سب تمہارے پاس موجود ہونے چاہئیں اور  
تمہارے لشکر کے بازار میں نہایت امن و انتظام ہونا چاہئے اور تمہارے وزیر کو کتب سیاست  
پر پورا عبور ہونا چاہئے مثلاً کتاب مسالک والممالک اور سیاسیات مغربی جس کو شیخ الرئیس نے  
اپنی کتاب ادویہ قلبیہ کے آخر میں لگا دیا ہے اور کتاب قوانین الملک ابن مرہون بن بیہر یعنی سلواری  
کے فن کی کتابوں کو بھی دیکھنا ضروری ہے، مثلاً بیہرہ کشاجم اور بیہرہ ابن قتیبہ و کنہی الرومی ان  
کتابوں میں چوپایوں کی بیماری اور ان کے علاج و ادویات کا مفصل ذکر ہے اور ان کی کل اقسام کا  
بھی بیان ہے چنانچہ گھوڑے کی ساٹھ قسمیں ہیں حضرت سکندر گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مرض کو  
پہچان لیتے تھے۔ جانوروں کی طب نہایت مشکل ہے کیونکہ ان کے مرض کا حال کہنے سننے  
سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت سکندر ایک بلند جگر خیمہ لگا کر اس میں بیٹھتے۔ اور جانوروں  
کا معائنہ کرتے کسی نے کہا کیا یہ کام آپ خود کرتے ہیں کہا ہاں کیونکہ یہ کام میری ذات کا ہے  
ایک گھوڑا ان کے سامنے بیمار ہو گیا فوراً انہوں نے اشنان کا پانی اس کو پلایا وہ اچھا ہو گیا اور  
چوپایوں کے واسطے ایک قرب علاج یہ ہے کہ کفاروں کے قبرستان میں ان کو لیجا یا جائے حضور  
صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا آپ فرمایا جانور ان کی قبروں سے عذاب کے  
آواز میں سنتے ہیں اور خوف زدہ ہو کر ان کے آرام ہو جاتا ہے حیوانات اور نباتات اور محادات  
کے بہت خواص اسی قسم کے ہیں جن میں سے مختصر سمجھنے اس کتاب کے بعض مقالوں میں بیان ہوئے ہیں۔  
ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے عبد اللہ  
بن مسعودؓ کو دلاں کا امیر کیا تو میں ہجرت کر کے بیت المقدس پہنچا اور عبد اللہ کے پاس گیا تو میں  
نے ان کے ہاں نہ کوئی چوب دار دیکھا نہ دربان دیکھا میں نے اُس کا سبب ان سے دریافت کیا



انہوں نے کہا عنقریب عثمان اس کو حاصل کریں گے پھر تم سنو گے کہ اُن کے مکان میں کیا ہو گا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر میں نے ابن مسعودؓ کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے درست اور صاف کر رہے تھے میں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگے میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے جو شخص اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے صاف کرے گا ہر فائدہ کے بدلے اُس کو دس نیکیاں ملیں گی اب تم بتاؤ کہ میں اپنا یہ ثواب غیر کو کیوں کر دوں اور جو بات کہ تم کو حیات دے وہ تمہارے اس تکبر سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنا دے۔

اور ایسے ہی ابو حازم سے منقول ہے کہ میں عس بن عبد العزیز کے پاس گیا رات کا وقت تھا چراغ خاموش ہونے لگا عمر خود چراغ کو درست کرنے کھڑے ہوئے میں نے کہا میں تمہارے غلام کو جگا دیتا ہوں کہا نہیں میں نے کہا میں درست کر دوں کہا نہیں پھر خود ہی اس کو درست کیا اور کہا جب میں کھڑا ہوا تو میں عمر تھا اور جب میں بیٹھ گیا تو میں عمر تھا بکبر کرنے والوں کو خدا غار کرے۔

إِذَا عَظَمَ الْإِنْسَانُ زَادَ قَوَاعُصًا وَإِنْ كُتُمَ الْإِنْسَانُ زَادَ تَرْفَعًا  
كَذَا الْغُصْنُ إِنْ تَقَوَّى الْمَخَارِئَ كَذَلِكَ وَإِنْ بَعَثَ مِنْ حَيْثُ الثَّمَرُ تَرَفَعًا

## بارہواں مقالہ

### آداب سفر کے بیان میں

اے بادشاہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے محافظ اور چوکیداروں کو خوب ہوشیار رکھو اور خود بھی ہر وقت ہوشیار رہا کرو دن کو پیٹ بھر کے کھایا کرو اور رات کو بیدار رہا کرو اور صبح کی خبریں اور واقعات مجبوروں سے سنا کرو اور جب گھر پر ہو تب بھی دروازہ کی وہ چوکی خوب مقبوط رکھو اور دربان نہایت خیر خواہ ہونا چاہیے اور محل میں ایک خاص کمرہ اپنے رہنے کے واسطے تیار کرو جس کی کبھی تمہارے ہی پاس رہے پھر اگر تم کو کسی وقت حرم کی ضرورت ہو تو سرسبز مزاج یعنی گوری عورت سے پرہیز کرو حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ سیاہ لے جب انسان بزرگ ہوتا ہے۔ تب تو وضع زیادہ کرتا ہے اور اگر نالائق ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بلند سمجھتا ہے اسی طرح جو چھٹی درخت کی پھل مار ہوتی ہے وہ بھکتی ہے اور جو غالی ہوتی ہے وہ اونچی رہتی ہے۔

نہا شاخ پر ہموہ سر ہرزہ میزند۔



رنگ کو سفید رنگ ہر کیوں تزیین دیتے ہیں فرمایا ایک سرد مزاج ہے اور ایک گرم مزاج ہے۔  
اور سرد مزاج کام کی نہیں ہے کسی کا قبل ہے کہ عمدہ جماع وہ ہے جو نہایت  
بیباکی کے ساتھ ہو ایک بادشاہ نے قوت جماعی کے ضعف کی شکایت کی احد یہ بادشاہ گرم  
دواؤں کے استعمال سے خوف کرتا تھا حکیموں نے اس کے واسطے ایک کتاب لکھی جس میں بطریق  
حکایات کے لکھا تھا کہ فلاں عورت نے فلاں شخص کے ساتھ یہ کیا اور فلاں شخص نے فلاں عورت  
کے ساتھ اس طرح کیا بادشاہ کو اس کتاب کے پڑھنے سے آرام ہو گیا اور قوت اس کی از حد تیز ہو گئی  
جماع نے اسی مضمون میں شعر کہا ہے۔

وَإِذَا كَرِهَتْ النِّسَاءُ لِلشَّيْخِ الْأَمْرِ مُؤْذِنٌ بِخَوْفٍ لِّذَلِكَ  
عورتیں بڑھاپے کو اسباب سے برا سمجھتی ہیں کہ مرد بڑھے ہو کر سو جاتے ہیں اور  
عورتوں کے کام کے نہیں رہتے۔

ماموں رشید کی دو لونڈیوں ایک سیاہ اور ایک سفید برہمن ٹکڑا ہوئی سفید نے سفیدی  
کی تعریف کی اور کہا برف دوا میں کام آتی ہے اور سورج کی سفیدی نہایت عجیب ہے اور کپڑوں  
میں بہتر کپڑا سفید ہے سیاہ لونڈی نے جواب دیا کہ عنبر اشہب اور عود قماری گردنوں کے مار میں  
خوشبو میں لگائے جاتے ہیں اور جاڑے میں کوئلے گرمی کے ٹھنڈے پانی سے زیادہ عزیز ہوئے  
ہیں اور آنکھ میں سفیدی اندھا کر دیتی ہے۔ اور شب قدر ہزار مہینوں بہتر ہے اور ہوائی کی  
سیاہی کو سب عورتیں تلاش کرتی ہیں بنی عباس کے قبوں کی سیاہی کیسی ہیبت ناک ہے پھر  
اُس نے یہ شعر پڑھا۔

أَحِبُّ مَحَبَّاتِ السُّودَانِ حَتَّىٰ أَحِبُّ لِحْيَتَهَا سَوْدًا كَالْكَوَابِ

ایک معتبر شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ منصور نے بہت سے سادات علویہ کو شہید  
کرایا چنانچہ بقیہ سادات یمن کی طرف ہجرت کر گئے جب مامون بادشاہ ہوا تو اُس نے اہل بیت سے  
محبت اختیار کی اور ان کو تلاش کرنا شروع کیا چنانچہ معلوم ہوا کہ بہت سے سادات بنی ہاشم  
یمن میں ہیں مامون نے ان کے بلانے کو قاصد روانہ کئے جب ان سادات کو خبر ہوئی تو انہوں  
نے باہم مشورہ کر کے یہ بات فرمادی ہم لوگ بذات خود تو نہیں جاتے بلکہ ہمارے وہ غلام



جو شکل و شمائل میں ہم سے مناسب تر رکھتے ہیں ان کو اپنے نام سے بھیج دیتے ہیں پھر انہوں نے ایسا ہی کیا کیونکہ مامون کی طرف سے سادات موصوفیہ مطمئن نہ تھے الغرض جب یہ سادات جو دراصل غلام تھے مامون کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کی بہت خاطر کی اور یہ لوگ سادات بھی مشہور رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی اسی سبب سے جب تم کسی سید کو یہ صورت بد خلق بد باغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہیں غلام زادوں میں سے ہے کیونکہ سادات کا خاندان عالیشان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے اور یہی حضور علیہ السلام کے اس قول کا مطلب ہے کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں نہ ہم خود فتنہ و فحور کرتے ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

## تیرہواں مقالہ

(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان میں)

شراب میں اگر لہسن ڈال کر جوش کریں تو تو بچ بارو کے مریضوں کو نافع ہے اور ہمارے بہت سے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں جس اختلافی مسئلہ کی صحت کا حکم کر دے اس کا اختلاف زائل ہو جاتا ہے۔

قسم ایسے الفاظ کے ساتھ کھانی چاہیے جن سے اُس کے فسخ میں تاویل کر سکے اور قسم کھانے والے کی نیت پر موقوف ہوتی ہے وکیل کی عقل سے پرہیز کرنا چاہیے اور الفاظ قسم کے محدود نہ ہونے چاہئیں۔

اور اے بادشاہ تم حکماء کے قول اور اُن کے ساتھ فتویٰ دینے کی مخالفت نہ کرو اور اگر تمہان کو اختیار کرو تو پوشیدہ رکھنا چاہئے اور خدائے تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کے ساتھ قسم کھانے سے بہت خوف رکھو اور دیگر بزرگ چیزوں کی قسم کھانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور جھوٹی قسم کھانے سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور جھوٹی قسم یہ ہے کہ جس بات کو جھوٹ جانتا ہو اُس کے صحیح ہونے کی قسم کھائے اے بادشاہ جب تم دربار میں بیٹھو تو نہایت ادب اور وقار کے ساتھ بیٹھو اور کلام بہت کم کرو کیونکہ بادشاہوں اور ہر ملک کو بہت کلام کرنا برا ہے اور علماء کو بہت سے فوائد کلام کے ساتھ تامل دیتے ہیں اور خود محنت مباحثہ نہ کرو بلکہ مباحثہ



کرنیوالوں میں باہم مقابلہ کرنا تو تم نے سنا ہو گا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اپنے  
 دل سے فتویٰ نہ اکر چہ لوگ کج رہے فتنی دیں کیونکہ حلال اور حرام دونوں ظاہریں اور ان کے  
 درمیان میں امور متشابہات ہیں پس اس چیز کو چھوڑ دو جو تم کو شک میں ڈالے اور اس چیز  
 کو اختیار کی اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور مروت اُس کے اندماتی ہے اور اندرون اُس کا  
 بہتر ہوتا ہے اور نام اُس کا بلند ہوتا ہے اور ابید اس کی حاصل ہوتی ہے اور موت اُس کی  
 اچھی ہوتی ہے اور اولاد اُس کی پاک ہوتی ہے اور نطفہ اُس کا نورانی ہوتا ہے اور انسواں  
 کے رفیق ہوتے ہیں اور حکمت اُس کی ظاہر ہوتی ہے اور غصہ اس کا دور ہوتا ہے اور قلب  
 اس کا نرم ہوتا ہے اور گناہ اُس کے ہٹکے ہوتے ہیں ساور حضور نے حضرت علی رضی اللہ عنہ  
 سے فرمایا اے علی ایک درہم مال حرام کا نہ لینا خدا کے نزدیک چالیس ہزار مقبول مجوں سے  
 افضل ہے اے علی جس نے ناحق غصہ کیا اس پر غصہ کیا جائیگا اور جس نے ظلم کیا اس پر ظلم  
 کیا جائیگا اور جس نے کثرت کے ساتھ صدقہ دیا اُس کی اولاد کی مدد کی جائے گی۔

حرام کے اندر داخل ہے کہ کل نفوس کی محار ایک ہے اور کل نفوس کا قبض ہونی کے بعد  
 مرجح اسی کی طرف ہے پس جب ایک شخص ظلم کرتا ہے وہ ظلم کل نفوس کے اندر سرایت کر جاتا ہے  
 اور پھر اس کلام الہی کے معنی ہیں۔ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ ... فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ  
 جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا — یعنی جس نے کسی  
 نفس کو بغیر قصاص کے قتل کیا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا اور جس نے اس کو زندہ کیا  
 یعنی قتل ہونے سے بچایا تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا اور جب تم کسی نیکی یا صدقہ کا ثواب  
 کسی روح کو بخشتے ہو تو اس کا اثر سب روحوں کو پہنچتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ جب کوئی  
 شخص اپنی بیوی سے کہتا ہے تیرا طلاق والا ہے تو کس طرح طلاق ساری عورت  
 پر واقع ہو جاتی ہے۔ کیونکہ طلاق ایسی چیز نہیں ہے جس کے حصے ہو سکیں۔ اے بادشاہ  
 تمہارے واسطے ایک امام ضرور ہونا چاہیے جو تم کو تانہ پر طعنا کہنے اور امام بوڑھا یا  
 اندھا بولا اور عالم بددعا یا جو نام نہان اپنے غلاموں اور خدمتکاروں کو بکھنا پر مقرر  
 اشارت بہت خوب تعلیم کروا دینا کہ ظلم بھی بڑھا شخص ہونا چاہیے اور عورتوں کے



تعلیم دلوانے کو نیک نخت معلمہ تلاش کروائے بادشاہ زمانہ کے لوگ بہت خراب ہیں مرد مردوں سے اور عورت عورتوں سے بد فعلی کرتی ہیں اور یہ بات نہایت غضب الہی کے نازل ہونے کی ہے اور ایسی ہی باتوں میں لوگوں نے غلو کر کے تخیل و تحویم کو اڑا دیا ہے اور عقلی اور نقلی یہود و دلیس قائم کر لی ہیں مثلاً نقلی دلیل خدا تعالیٰ فرماتا ہے **هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَنَاقِبَ الْأَشْيَاءِ جَمِيعًا** یعنی خدا کی وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے اندر سب چیزیں تمہارے واسطے پیدا کی ہیں یہ لوگ کہتے ہیں پہلے زمانہ میں لوگ اسی طریقہ پر تھے کہ نہ کسی چیز کو حلال جانتے تھے نہ حرام انبیاء نے چیزوں میں حلال و حرام کی تفریق کی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **وَيُؤْتِي الْمَرْءَ نِكَاحًا ذُنُوبُهُ** یعنی خرابی ہے ان مشرکوں کے واسطے جو زکوٰۃ نہیں دیتے ہیں اور یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے اموال نبی حنیفہ کو مباح کر لینے کی حجت لاتے ہیں کہتے ہیں کہ رسول کا خطاب موجود کے واسطے ہوتا ہے یا معدوم کے اگر معدوم کے واسطے ہے تو معدوم ایسی چیز نہیں ہے جس کا خطاب کیا جائے پس جو لوگ کہ ان کے زمانوں میں موجود تھے وہی ان کے مخاطب تھے اور اسی شبہ کے ہاتھ بصریہ وغیرہ فرقوں نے تمسک کیا ہے اور عنقریب ہم ان کے دلائل ان کے مواقع میں بیان کریں گے۔

اے بادشاہ ہم تمہارے طریقہ کے متعلق تم سے پورا بیان کر چکے ہیں کہ تم کو درہ اور نفیس کپڑا پہنا اور کم گفتگو کرنا اور اپنے دوستوں اور ملازموں کو مودب رکھنا چاہیے اور یہ بات ضرور ہے کہ وہ لوگ تم سے قریب ہوں یا دور ہوں مگر مطمئن ہوں تمہاری طرف سے شک میں نہ ہوں جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تین شخص میں اگر تو ان پر ظلم نہ بھی کریگا تو وہ تیرے اوپر ضرور ظلم کریں گے ایک اولاد دوسری بیوی تیسرا بادشاہ اور اے لوگو! تم کو بادشاہوں کے قریب سے دور رہنا چاہیے کیونکہ اگر وہ تم کو اپنے پاس رکھیں گے تو ضرور کسی وقت فتنہ میں ڈالیں گے اور اگر کہیں دور پہنچیں گے تو غلبہ میں کریں گے۔

یہ سب وصیتیں حصول سلطنت کے متعلق ہیں اگر تم اس کے حاصل کرنا مقصود کرو

اے نبی حنیفہ ایک قوم کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر جہاد کیا تھا ۱۲۔



تو اُمید ہے کہ خدا تمہاری مدد کرے گا اور جب خدا کسی کام کا ارادہ فرماتا ہے اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے اور ہر کام کے واسطے اسباب کا ہونا ضروری ہے دیکھو خدا نے تعالیٰ نے حضرت مریم کے واسطے خشک کھجور میں پھل لگائے پھر حضرت مریم کو حکم کیا کہ اس کو اپنی طرف بلاؤ تو تازہ تازہ کھجوریں جھڑیں گی حالانکہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ بغیر مریم کے بلائے ان پر کھجوریں بھاڑ دیتا ایسی طرح ہر کام میں حرکت کا ہونا ضروری ہے کیونکہ فی الحقیقت ہرگز یعنی حرکت میں برکت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ قَالَ لَمُوسٰی وَهٰرُونَ اِلٰیہِ الْیٰسٰیۃُ شٰہِدُوْا لِقٰلِیْہِ الْوَقْتُ

وَلَوْ شِآءَ اَخْنٰ الْیٰسٰیۃُ مِنْ غٰیْرِہِمْۤ اَوَّلٰیئِکَآ اَلَا مَشِآءُ نَّجۡوٰیہِمْۤ اِلٰہَا سَبَبُکَیْ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خداوند تعالیٰ نے مریم سے فرمایا کہ کھجور کو اپنی طرف بلاؤ تم پر تازہ کھجوریں جھڑیں گی۔ اور وہ چاہتا تو بغیر مریم کے بلائے کھجوریں بھاڑ دیتا۔ مگر ہر چیز کے واسطے سبب ہونا ضروری ہے۔

اے طالب سلطنت اگر تم سے ہو سکے تو سرخ و سفید بنانے کی ترکیب حاصل کرو مگر یہ کام تم سے ہونا مشکل ہے مگر جب ہمت سے کام لو گے تو کچھ نہ کچھ راستہ تم پر کھل جائیگا اور اگر تم یہ کہو کہ کیمیا نہیں بن سکتی تو اگر یہ بنتی تھی تو اب بھی بنتی مکن ہے کیا تم نے حضرت ابیہر المنین علی علیہ السلام کی رموز میں نہیں سنا کہ زینق جراج میں شب معصوم کے ساتھ بے انتہا مال ہے مگر کم ہمت لوگ تم کو تمہارے حصول مقصد سے باز رکھتے ہیں ورنہ جو شخص کوشش کے ساتھ تلاش کرتا ہوں کہ ایک درویش ذی علم نے اس حدیث کو سن کر کہا کہ میں اس کا تجربہ کرتا ہوں کہ بادشاہت مجھ کو حاصل ہوتی ہے یا نہیں اور یہ شخص لائق سلطنت بھی تھا کیونکہ ذی علم مہذب و مودب آدمی تھا بادشاہ کے ہاں جا کر فراشوں میں نوکر ہوا اور اپنی خوش اخلاقی اور قابلیت سے تھوڑے عرصہ میں مشہور ہو گیا اور فراشوں کے سردار کے مرتے ہی اس کی جگہ قائم کیا گیا پھر جب وہاں بھی اُس نے بڑی دیانت سے کام کیا تو اس کی اور ترقی ہوئی یہاں تک کہ وزیر نے اس کو اپنے خاص ہاتھ کے نیچے بلایا پھر یہ خود وزیر ہو گیا اور نہایت عدل و انصاف سے کام کرتا شروع کیا ظلم کے دروازے بند کر دیے۔ اور حساب کتاب صاف کر دیا لوگوں کو نہایت راحت نصیب ہوئی یہاں تک کہ

۱۔ یعنی کیمیا کے ذریعہ سے سونا چاندی بنانا کیمیا کی بحث کتاب کلید اسرار سے ملاحظہ فرمادیجئے ۱۲۔



بادشاہ بھی مر گیا اور بالاتفاق اس کو بادشاہ بنایا گیا اور اس نے اس بادشاہ کی طرحی سے شادی کر لی۔  
 پس اسی طرح تم کو اپنا عزم بالجزم حصول عزت کے واسطے رکھنا چاہیے اور پہلے آلات،  
 سلطنت کے حاصل ہونے کا فکر کرو جن کو ہم تمہارے تئیں خوب بتلا چکے ہیں اور تم نے حسن بن  
 صباح کا قصہ سنا ہو گا۔ جب کہ یہ الموت کے قلعہ کے نیچے زاہد بن کر رہا ہے اور اس قدر لوگوں کو  
 اُس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ تمام اہل قلعہ یہ چاہتے تھے کہ یہ قلعہ کے اندر آئے مگر یہ اُس میں نہ جاتا  
 تھا اور رات دن لوگوں کے مرید کرنے میں مشغول تھا اور کچھ طریق ارادت اور عدل ان کو تعلیم کرتا  
 تھا پھر اُس کے بعد اپنے دل سے عجیب عجیب باتیں گھر کے ان کی عقلموں کے موافق ان کو سناتے  
 مثلاً کہتا لا الہ الا اللہ کہنے والے کے حق میں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر ہے تو وہ کہتا کہ یہ  
 تو یہودیوں اور نصاریوں کی ہے اور اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر نہیں ہے تو وہ کہتا کہ پھر اُس کو کیوں پر  
 ہو پھر اُس نے مریدوں کو خوب اپنا مطیع فرمان کیا اور ان سے کہنے لگا کہ دیکھو لوگوں نے کس طرح  
 شریعت کو چھوڑ دیا ہے ان کی اصلاح کرنی ضروری ہے پھر جب مریدوں کی تعداد معقول ہو گئی  
 تب یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا تب بہت مخلوق اُس کے ساتھ جمع  
 ہو گئی پھر ایک روز بادشاہ قلعہ سے نکل کر شکار کے واسطے گیا اور اکثر اہل قلعہ اسی کے مرید تھے  
 اُس نے جھٹ پٹ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو شکار گاہ ہی میں پہنچ کر قتل کیا پھر دن بدن  
 اُس کے مذہب اور سلطنت کو ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ اس کے مدین کتاب تو ام الباطینہ لکھی  
 گئی اور ضرور ایسے ہی لوگ آخر زمانہ میں دین کے طریقے چھوڑ دیں گے اور عورات کو اختیار کرینگے۔  
 اب تم ان سب باتوں کو خوب غور کرو ہم نے اشارہ کے طور پر سب کچھ تم کو بتا دیا ہے۔ اور  
 یہ ہمارا بیان تمہارے واسطے ایک سیرھی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہو۔  
 حضرت عمر بن خطابؓ نے حبشیہ کو عیش اور دنیا کے قصے جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا ایسی  
 کتابوں کے جمع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ بس تم کو ایسی ہی ہمت کرنی چاہیے کہ تم کل مراتب  
 سے اعلیٰ اور اعلیٰ مرتبہ حاصل کرو اور اگر تم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں دیکھو تو یہ  
 بھی تمہاری ہمت بڑھانے کے واسطے بہت کافی ہیں کیونکہ تم کو معلوم ہو گا کہ انہوں نے تبلیغ  
 احکام کے واسطے کس قدر مصائب سہے ہیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر اپنے مطلب کی پہنچ



ہیں اور تم نے داؤد بنی البنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد کا قصہ بھی سنا ہو گا کہ جب تائبند  
غیبی ان کو مددگار مبعوثی نہ جاوے تو قتل کر کے انہوں نے طاہوت بادشاہ وقت کی بیٹی سے شادی  
کی اور بادشاہ بن گئے اور اگر تم کو ضرورت ہو تو کتاب اسباب بد العارف تصنیف ابن قینہ کا  
ملاحظہ کرو اور سفر کے خیال کو چھوڑ دو دیکھو جیوان جو بالکل بے زبان ہے ماریٹ سے ادب  
اور تہذیب اور ناچنا اور کرتب دکھانا حاصل کر لیتا ہے ہارون رشید کے مرنے کے بعد جب  
آمین خلیفہ ہوا تو مامون بھاگ کر شہر صفہان میں پہنچا حسن بن سہل اس کے ساتھ تھا اور  
خود مامون ذی علم ادیب اور عقل مند شخص تھا جامع مسجد میں جا بیٹھا اور اپنے غلیچہ کا  
فرش اس میں بچھو دیا لوگ علم تحصیل کرنے کے واسطے اس کے پاس دوڑنے لگے اور حسن بن  
سہل لوگوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ خلیفہ حق نہیں ہیں ان کی بیعت کرو کیونکہ یہ بالکل اگلے  
درجہ لوگوں کے طریق پر ہیں یہاں تک کہ اسی ہزار آدمیوں کا لشکر اس کے ساتھ جمع ہو گیا اور غم  
کے جس قدر لوگ تھے وہ اس کی خراب حالت سن کر اس سے بد دل ہو گئے تھے سب بھاگ بھاگ  
کر مامون کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ مامون نے ظاہر بن حسین کو لشکر کا سردار کر کے امین کے  
مقابل روانہ کیا اور انہوں نے جاتے ہی اس کو قتل کر دیا پھر مامون کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔  
اس قسم کی بہت سی حکایات منقول ہیں اور ہم نے تم کو یہ واقعات اس واسطے  
سنائے ہیں تاکہ تمہاری ہمت قوی ہو اور پہلی کتاب میں مثل کلیدہ دو منہ اور کتاب المغازی  
اور عبد الوہاب کا قصہ وغیرہ کو ملاحظہ کرو اور ان کے غلط یا صحیح ہونے سے غرض نہ رکھو بلکہ  
ان حکمتوں پر غور کرو جو ان کے اندر مذکور ہیں شافی فرماتے ہیں سرکارنا انسان کا گرانے والا  
ہے یعنی بادشاہ کی تباہی رعیت کی بربادی ہے، اور تم کو عہد اور بات کا پورا ہونا چاہیے  
اور شہر میں ایک کو تو الی مقرر کرو جو تمہارے محل اور تمام شہر کا انتظام کرے اور شہر کے راستوں  
اور ہر چیز کے نرخ مقرر کرنے کا بھی انتظام کرو اگرچہ نرخ مقرر کرنے کی ممانعت ہے مگر اس  
زمانہ میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالت خراب ہو گئی ہے اور امانت جاتی رہی ہے۔  
جیسا کہ کتب ملائم میں حضور کا خط منقول ہے اور اس میں حضور نے آئندہ زمانہ کی حالت کا  
بیان فرمایا ہے۔ اقبال مندی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔



منتقل ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو کسی حکیم افلاطون سے کہا کہ تمہارا شاگرد موسیٰ علتہ العلل سے خطاب کرتا ہے افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا حضرت موسیٰ اُس کے سامنے آئے تو پوچھا کہ اے فرزند کیا تم علتہ العلل سے خطاب کرتے ہو حضرت موسیٰ نے کہا ہاں افلاطون نے کہا تم یہ بات کس دلیل سے کہتے ہو کہا ہم السعادت سے افلاطون نے کہا کس طرف سے تم اُس آواز کو سنتے ہو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہر طرف سے افلاطون نے کہا ہر نبی کا ایک معجزہ ہوتا ہے تمہارے پاس کیا معجزہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈال دیا جو فوراً اڑ دیا بن گیا ایک حاسد بولا کہ جزیرہ سراندیپ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے کہ جب اس کو اس ملک میں لاتے ہیں تو وہ سانپ بن جایا کرتی ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا تو اس لکڑی کو لے اگر تیرا کہنا سچ ہے تو تیرے ہاتھ میں بھی یہ عصا سانپ بن جائیگا اس بات کو سنکر وہ شخص حیران ہو گیا افلاطون نے کہا اے لوگو! موسیٰ کی پیروی کرو کیونکہ یہ شخص معجزہ اور سعادت کلیہ فیض اول سے لیکر اُسے ہیں اور فیض اول علتہ اول سے بطریق فیض فہمی کے جس کی حقیقت کے ادراک سے عقول عاجز ہیں جاری ہوتا ہے اور جو فیض اول علتہ العلل سے صادر ہوتا ہے وہ عقل فعال ہے جو بالکلیہ اس سے صادر ہوتی ہے اور نفس کلیہ وہ ہے جو فیض کو اُس سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق میں عقل کی تجلی کی مثل ایسی جیسے سورج کی شعاع روشن دانوں اور سوراخوں اور مکانوں میں پہنچتی ہے اور انبیاء علیہ السلام کے اندر عقل کا ظہور ایسا ہے جیسے صاف جلیل میدان میں چھوٹ جاتی ہے اور اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہونچا اُس نے ہمت پائی اور جس کو نہیں پہونچا وہ کافر رہا اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ اَللّٰهُ شَرَحَ لَكَ صَدَقَ اور فرماتا ہے۔ اَقَمْتُ شَرَحَ لَكَ صَدَقَ لَكَ لَوْلَا سَلَامٌ فَهُوَ قَلْبٌ نُوْمِنُ شَرَحَ۔

اور یہی نور ابراہیم علیہ السلام پر ابتدا میں بقدر کو اکب ظاہر ہوا تھا پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے مجاہدات میں ترقی کی انوار قدسیدان کے دل پر مشکشف ہوئے اور شمس و قمر کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا پھر جب علت صاف ہوئی تو خلعت خالص ہو گئی اور القیاس الخط کے ساتھ انہوں نے علت اولیٰ کی اصل کو جس کے اندر سعادت کا فیض ہے مشاہدہ فرمایا اور فہم سعادت کے



ساتھ کہنے لگے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیَّ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ اَنَا کَرِہٌ لِّیْنِیْ  
اپنے چہرہ کو متوجہ کیا ہے اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور جب  
نور الہی کے اشراق کو پایا تو مال اور اولاد کی طرف بالکل التفات چھوڑ دیا اور اس عالم ذوق و شوق  
میں اپنے کمال پر نظر کر کے کہنے لگے کہ میرا جسم آتش عشق کے واسطے ہے اور میری اولاد راہ خدا  
میں قربان ہیں اور میرا مال بہانوں کے واسطے ہے۔

پس اسے بادشاہ تم کو بھی طریق اعد تیرہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ باطن کا راز تم پر منکشف  
ہو اور تم تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے احوال معلوم کرو اور انہی فرست کے نور سے ظلم و مظلوم کو پہچان لو  
معلوم ہو کر مال و اسباب حصول سلطنت و نبوی و انروی کا ذخیرہ ہیں پھر جب تم یہ طریقہ  
اختیار کرو گے تو فہم السعادت کے ذریعہ سے اپنے کل مخالفوں پر غالب ہو جاؤ گے اور اسی  
سے تم کو ہم علوی کی تسمیہ حاصل ہوگی یعنی فرشتے تمہارے مطیع ہوں گے اور تم سے ملاقات کرنے  
آویں گے اور یہ بات اس وقت ہوگی جب تم اپنی روح کو پاک کرو گے کیونکہ فرشتے ارواح مجزہ  
ہیں یعنی ان کی روح ہی ان کا جسم ہے خدا کی حمد و ثنا کرنے سے ان کی تالیف قلوب ہوتی  
ہے الطائف حکایات میں وارد ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے پروردگار نے ناپاک  
نطفہ سے اپنا دوست پیدا کیا ہے اور بہت بڑا ملک اس کو عنایت فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے  
فرشتوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنے میں سے ایک بہت بڑا زاہد اور سرور فرشتہ چھانٹ لو  
پس سب فرشتوں کا اتفاق جبرائیلؑ اور میکائیلؑ پر ہوا یہ دونوں فرشتے بصورت انسان  
ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے حضرت ابراہیمؑ نے اس روز اپنے تمام جانوروں اور  
مال و اسباب کو جمع کیا تھا اور آپ کے پاس چار ہزار کتے تھے جن میں سے ہر ایک کے گلے میں  
ایک طبق چاندی کا اور ایک سونے کا تھا اور چالیس ہزار بکریاں و دودھ والی تھیں اور گھوڑے  
اور اونٹ وغیرہ کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے یہ دونوں فرشتے راستہ کے دونوں طرف آن کر  
کھڑے ہوئے اور ایک نے نہایت خوش آواز سے سُیُوْمٌ قَدْ اُوْثِقَ کہا دوسرے نے رَبُّ الْمَلَائِکَہِ  
وَالشُّرُوْجِ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں پھر یہی کہو میں اپنا نصف مال تم کو  
دید ونگا انہوں نے دوبارہ کہا پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر اب کے پھر کہو تو میرا تمام مال و



اولاد اور میرا جہم تک تمہارا ہے پس اس وقت آسمان کے فرشتوں نے آواز دی کہ یہ خشش ہے اس کو دیکھو اور ایک منادی نے عرش کے نیچے سے آواز دی کہ خلیل دوست! اپنے خلیل دوست سے اس موافق ہے۔ اور اے بادشاہ تم کو مال کے ہونے کی خوشی اور نہ ہونے کا کچھ غم نہ کرنا چاہیے اور جب پورے طور سے تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اس وقت کتاب سلسبیل اور احیاء علوم الدین میں سخاوت اور خشش کے سبق پڑھو اور اگر تم پہلے بزرگان کے قدم بقدم چلنا چاہتے ہو تو کتاب فتوح محمد الدین کو فی میں لکھا ہے کہ جب بیت المقدس کے لوگ صحابہ کے حصار سے تنگ آئے تب انہوں نے کہا کہ ہم یہ شہر خاص امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حوالہ کریں گے صحابہ کرام نے یہ حال حضرت عمرؓ کو لکھا حضرت عمرؓ جب اس سال سے واقف ہوئے تو ایک گھوڑا اور ایک گدھا آپ نے سواری کے واسطے تیار کیا اور ایک غلام ساتھ کیا۔ اہل مدینہ نے عرض کیا کہ اس طرح آپ کے تشریف لے جانے میں اسلامی سلطنت کی بزمانی ہے آپ نے فرمایا سلطنت کا دینے والا آسمان والا ہے تم اپنے دلوں کو صاف رکھو اور اپنی ہمتوں کو بلند کرو تاکہ سعادت کو تم نورانی نقل کے ساتھ افلاک کے اوپر سے دیکھ لو۔ پھر آپ ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور بحسب اتفاق ایسا موقع ہوا کہ جس روز آپ بیت المقدس میں پہنچے وہ دن آپ کے گدھے پر سوار ہونے اور غلام کے گھوڑے پر سوار ہونے کا تھا اور گدھا آپ کو لے کر ایک پانی کے گڑھے میں گر پڑا اور تمام کپڑے آپ کے کچھڑ میں تر ہو گئے ہر چند لوگوں نے آپ سے کہا کہ یہ کپڑے اتار دیجئے اور گھوڑے پر سوار ہو جائیے کیونکہ بیت المقدس کے سب لوگ آپ کو لینے اور دیکھنے آئے ہیں حضرت عمرؓ نے ان باتوں کی طرف کچھ التفات نہ فرمایا یہاں تک کہ شامی لوگ اپنے ترک و احتشام کے ساتھ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ عمرؓ میں ہم آپ کو شہر تسلیم کرتے ہیں اور آپ کے مطیع ہوتے ہیں اور آپ کا دین اختیار کرتے ہیں جیسا کہ مسیح ہم کو فرما گئے ہیں کہ جب تمہارا پاس کچھڑ پانی میں تر کپڑے پہنے ہوئے امیر آئیں تو ملک انکو تسلیم کر دینا پس یہ خبر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسرار معارف کی ہے کہ آپ کا قلب کیسا صافی و دافی تھا خداوند تعالیٰ نے آپ کو تمام اسرار گزشتہ و آئندہ کے بتلا دیے تھے اور انہیں ہمارے نبوت سے لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق روشنی حاصل کی ہے خصوصاً حضور کے



کے سپہ اور عزیز القدر حضرت علیؑ نے اسی نور سے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت جامع اور کتاب خطبہ البیان جس میں اکثر واقعات آئندہ کا بیان ہے۔

اے بادشاہ اگر کوئی بادشاہ تم سے صلح کرنی چاہے تو اگر وہ مسلمان ہو تو اس سے صلح کر لو اور اگر کافر ہو اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو صلح نہ کرو کیونکہ پھر شاید فرصت کا موقع نہ ملے اور اگر اس نے قوت حاصل کرنی تو پھر ضرورتاً تم کو نقصان پہنچائیگا۔ اور صلح ایک مدت مقرر تک ہونی چاہئے جس کی میعاد کم از کم چار ماہ ہے۔ اور اگر صلح کرنے والوں میں سے ایک شخص مرجائے تو دوسرے کو فائدہ پہنچائیگا۔ پھر اگر تمہاری بہت صاف ہے اور تمہاری روح ملکوت اعلیٰ سے مجاہست رکھتی ہے۔ پس تم اپنے ستارہ کی دھوت کرو؟ کہ وہ تثلیث یا تسدیس کی تم سے نظر رکھتا ہو اور اس کا بخور پیش کرو اگر وہ تمہارا دوست ہو گیا تو گویا وہ تمہارا وزیر ہے اور ان اعمال کے واسطے بلند ہمتی اور تزکیہ نفس اور کم کھانا اور خلوت میں رہنا اور ہر وقت ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے غیب کا راز کھل جاتا ہے اور عالم باطن سے مکاشفہ کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور تم فرشتوں اور دف تک کی باتیں سننے لگتے ہو اور تمہارا لاہوت و ناسوت پھر غالب ہوتا ہے پس تم معیاد مشکوٰۃ انوار الہیہ کے زیر بنجھاتے ہو چنانچہ کسی کا قول ہے۔

نَقَلْتُ ذَٰلِكَ جَاوِزًا اَتَتَّنَا فَرَعًا يَحْتَنِي اِذَا مَلَيْتُ بِصَنْفِ الزَّاجِ

خَفَّتْ وَكَادَتْ اَنْ تَطْلِي بِمَخْرُجِ وَكَذَٰلِكَ الْجَسُومُ تَخْفُ بِالْاَزْجَارِ

جوشیشے ہمارے پاس خالی آئے وہ بھاری تھے یہاں تک کہ جب ان میں خاص شراب

بھر گئی وہ اس قدر ہلکے ہوئے کہ قریب تھا ہوا کے زور سے اڑ جائیں اور ایسے ہی جسم و حویں کے ساتھ ہلکے ہوتے ہیں اور جب سعادت کا غیر تم کو اس علت سے حاصل ہو جائے تو کل علتوں کی مبرا ہے اور اس کے حاصل کرنے میں تم پورے مجاہدہ سے کام لو تب تم پر انوار محبت نازل ہوں گے اور تمام مخلوق تمہاری بغیر شمشیر زنی اور ہیبت بٹھانے کے مطیع ہو جائیگی۔

اور اگر مجاہدہ تم سے نہ ہو سکے اور باب طلب کو سد و پاؤں بند رہا اختیار کرو کیونکہ

انسان دو قسم کے ہیں یا بادشاہ یا فقیر اور سب سے بدتر وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان میں ہے حضرت علیؑ فرماتے ہیں۔



إِذَا مَا لَمْ تَكُنْ مَلِكًا مُطَاعًا كَمَا تَرْغَى فَكُنْ عَبْدًا مُطِيعًا

فَإِنْ لَمْ تَمْلِكِ الدُّنْيَا جَمِيعًا كَمَا تَخْتَارُ فَاتْرُكْهَا جَمِيعًا

هَمَّاسَتَيْنِ مِنْ نُسْلٍ وَمُلْكٍ بُنِيَّانِ الْفَقْرُ شَرٌّ وَأَشْرَفُ فَيْعًا

إِذَا مَا الْمَرْءُ عَاشَ بِكُلِّ شَيْءٍ سِوَى هَذَا يُنْعَاشُ بِهِ وَضِيْعًا

معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو لکھا کہ اگر ملک تجھ سے جاتا رہا ہے تو غراب ہرگز نہ چھوڑے  
یعنی عبادت اختیار کیجو! لوگوں نے اسی طریق سے اپنے مطالب حاصل کئے ہیں اور ہم نے بہت  
سے بادشاہوں کو فقیروں کے در پر حاضر دیکھا ہے چنانچہ قشیری فرماتے ہیں ۷

إِذَا أُمُّ الْفَقِيرِ لِبَابِ الْأَمِيرِ فَيْشُ الْأَكْمِيرِ وَبَيْشُ الْفَقِيرِ

وَأَمَّا الْأَكْمِيرُ لِبَابِ الْفَقِيرِ فَنِعْمُ الْأَكْمِيرُ وَنِعْمُ الْفَقِيرُ

معلوم ہوا کہ جب دل صاف ہو جاتے ہیں اور نور جلال برائین باطن کے ساتھ ان پر منکشف  
ہوتا ہے اور تجلیہ اور تصنیف پورے طور سے حاصل ہو جاتا ہے تب عالم سفلی و علوی کے اسرار ظاہر  
ہو جاتے ہیں اور کیا برا کبر کی معرفت نصیب ہوتی ہے فرشتے خدمت گزار بنتے ہیں اور جنت  
اور اُس کی نعمتوں کو بخشہ اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے جیسا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
نے حارث سے فرمایا۔ حارث تم سے کس طرح صبح کی عرض کیا میں نے خدا کے ساتھ حق کے  
ایمان کی حالت میں صبح کی ہے حضور نے فرمایا برحق کی حقیقت ہے پس تمہارے ایمان کے  
کیا حقیقت ہے عرض کیا حضور میں نے اپنے نفس کے آگے دنیا کو پیش کیا پس سونے اور  
مٹی کو یکساں پایا اور گویا کہ جتنے لوگ میرے سامنے باہم ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخیوں کو  
دوزخ میں عذاب ہو رہا ہے۔ اور گویا خدا کے تعالیٰ کا عرش میرے سامنے ہے حضور نے فرمایا  
یہ شخص مومن ہے خدا نے اُس کے دل کو منور کر دیا ہے۔

اے بادشاہ اب سب مراتب تم کو معلوم ہو گئے پس تم ان کو لازم پکڑو اور اپنی

۸ جب تک کہ تو بادشاہ نہ بن جائے اور لوگ تیری جس طرح تو چاہتا ہے اطاعت نہ کریں پس تو خدا کا عباد و بند بن جاؤ۔

پس اگر تو ساری دنیا کا مالک ہو جیسا کہ تو چاہتا ہے پس اس کو بالکل ... دوسرے دونوں چیزیں یعنی عباد اور سلطنت آدمی  
کو شرف اور بزرگی نصیب کرتی ہیں کہ سوا اور کسی چیز کے ساتھ زندگی بسر کرے تو زندگی اس کی دلیل ہے ۱۲۔ حاشیہ نمبر  
۱۱۔ صغیر



میر یعنی دونوں کے تین تھے کہ ایک حصہ اپنے نفس کے واسطے اور ایک حصہ اپنی رعایا کے واسطے اور ایک حصہ اپنے رب کے واسطے معلوم ہو کہ سب لوگ تم سے اپنے منافع چاہتے ہیں اور اسی واسطے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں سو خداوند تعالیٰ کے کہ وہ تم سے تمہارا فائدہ چاہتا ہے پس تم اسوہ کے ساتھ ہو اور اس کو الزم پکڑو کیونکہ سایہ کے واسطے زوال ضروری ہے اگرچہ طیر نوح بھی تم کو نصیب ہو گا آخر زمانہ ہمارا جو نبی نے اپنے مشائخ سے رعایت کی ہے کہ کسی نے محمود بن یو یس سے پوچھا کہ تم نے طلب مملکت کا کیسے قصد کیا حالانکہ تم اس کے اہل نہ تھے کہا میں ایک عورت سے سنا کہ دف بجاکر یہ شعر گارہی ہے

مَنْ كَلَبَ خَلَبَ مَنْ جَسَرَ بَلَمَ الْمَنَا وَالْذَّخْرُ فِيهِ عَذُوبَةٌ وَعَذَابٌ  
جس نے خوف کیا وہ نقصان میں رہا اور جس نے بلند ہمتی کی وہ اپنی امید کو نہیچ گیا۔ زنا میں مٹھاس بھی ہے اور عذاب بھی ہے اور متنبی کہتا ہے۔

قَتَبَ وَانْقَابَ بِاللَّهِ وَشَبَّ حَازِمٌ بَيْتُ الْمَوْتِ فِي الْجَنَابَةِ الْفُتْلِ فِي الْفَمِ  
پس خدا پر بھروسہ کر کے ہوشیار و چالاک کی طرح سے اٹھ کھڑا ہو جو موت کو جنگ میں کھجور کا منہ میں آنا سمجھتا ہے اور منصور علاج کی بلند ہمتی کو دیکھ کر حاسدوں نے ان کو کیا کچھ کہا یہاں تک کہ سنگسار کر دیا اور حلوں کی تہمت لگائی مگر انہوں نے کچھ خوف نہ کیا اور وہی بات کہے گئے جس کی حقیقت سے جاہل لوگ ناواقف تھے چنانچہ شیخ ابوالجاس بن شریح سے پوچھا گیا کہ آپ علاج کے حق میں کیا کہتے ہیں فرمایا پس ایسے شخص کے حق میں کیا کہوں جو مجھ سے زیادہ علم فقہ سے واقف تھے اور درحقیقت میں نہیں سمجھا کہ وہ کیا کہتے تھے کسی نے کہا کہ اگر اپنے اُن سے کوئی بات سنی ہو تو بیان کیجئے کہا کہ ایک روز میں نے اُن سے سنا کہ وہ ہم حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتے تھے جو لوگ حاضر ہوتے ہیں اُن کی گواہی طلب کی جاتی ہے اور جو غائب ہوتے ہیں وہ اس جھگڑے سے محفوظ رہتے ہیں۔

اور اسی مطلب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے حَسْبُ الْاَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْسِدِينَ یعنی  
مگر جب فاجر امیر کے دروازے کا قصد کرے تو فقیروں و امیروں کے دروازے کا قصد کرے پس امیر و فقیروں دونوں اچھے ہیں۔



نیکوں کی نیکیاں مقربوں کے گناہ ہیں کیونکہ یہ لوگ تجلی کی صف میں کھڑے ہونے والے ہیں پھر ان کو کسی بات کا کیا خوف ہے مجاہد کرتے کرتے ان کے احوال صاف ہو گئے ہیں اور اپنے علوم مجموعہ کے پردوں سے مجاہد اور تصفیہ اور تزکیہ میں انہوں نے خوب پروانہ کی ہے اور حجاب نا سوتی کر توڑ کے مطلوب سے جانتے ہیں بندگی ان پر بہت تنگ ہوئی پس یہ چیز عالمی سے نکل گئی اور لاہوت بہت صفات لاہوت بہت کے ساتھ مل گئی اور نفوس طاہرہ اپنے معدن کی طرف رجوع کر گئے اور واجب الوجود کی رحمت کے جھونکے پر چلنے لگے پس یہ لوگ بعثت کے بعد خیام مات میں مقیم ہوئے فی مقعد صدق عند سلیمان مقتدر جیسا کہ ایک عاشق مدیون کا قول ہے

إِنَّمَا الْحُبُّ فَتَاءٌ كُلُّهُ رَحِمَ اللَّهُ الْيَتَى قَالَ بِهِ

إِنَّا مَنْ أَضْحَى بِقَلْبِي سَالِمًا لَمَرِيدًا رَمِينَهُ إِلَّا قَالِبَهُ

فِي ظِلَالِ الشَّوْقِ قَلْبِي وَاقِدًا مِنْ هَيْبَةِ الْهَيْبَةِ وَقَالَ بِهِ

اور اگر تم بندہ بہت نہیں رکھتے اور نہ قوت و شہمت کہتے ہو تب تمہاری یہ مثال ہے  
إِذَا كُنْتَ لَا تُجِئُ لِي نَافِعَ يَلَيْتُ وَلَا لِي وَحْيَ الْحَاكِمَاتِ عِنْدَكَ مَطْلَعُ  
وَلَا أَتَتْ دُوحًا لَا يُسَاسُ بِهَا هِمٌّ وَلَا أَتَتْ يَوْمَ الْحُسْرِ قَمَرٌ يَشْفَعُ  
فَقَبْلُكَ فِي الدُّنْيَا وَمَرَاتِكَ وَقَدْ خَلَّاهُ مِنْ حَيَاتِكَ أَنْفَعُ

سوچ کر مجاہد جواب دو اور ایچیوں کو خوب خوش کر کے رخصت کر دو کیونکہ اس میں تمہاری

جب تو ایسا شخص ہے کہ نہ کسی برائی کے دور کرنے کے وقت تجھ سے امید کجاتی ہے اور نہ حاجت مندوں کی تجھ سے کچھ ملے ہے، اور نہ تو ایسا مالدار کہ جس کے مال سے گزارہ کیا جائے اور نہ توان لوگوں میں سے ہے جو ہشر کے روز شفاعت کریں گے پس ایسی حالت میں دنیا کے اندر تیری موت اور زندگی یکساں ہے اور تیری زندگی کی بہ نسبت غلام کا تنہا نافع ہے اور تم کو چاہیے کہ لوگوں کے دل اپنے ہاتھ میں رکھو کسی کو خط لکھ کر اور کسی کو ہدیہ بھیج کر اور بڑے بڑے لوگوں کے ساتھ محبت کا بڑاؤ رکھو اور علما و مشائخ کی خدمت گزار رہ کر اور اگر ان سے کوئی خط یا قصور سرزد ہو تو ایک حد تک معاف کرو اور دیکھو کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم کو کیسا ادب سکھایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں مجھ کو حکم کیا گیا ہے کہ میں اُس کو معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے اور اس سے ملوں جو مجھ سے جدائی کرے اور ان پر غش کش کروں جو مجھ کو محروم رکھے۔ اور اپنی خاموشی کو فکر اور اپنی بات کو عزت اور نصیحت بناؤں اے بادشاہ اگر تم کسی کو جواب دینا چاہو تو جلد ہی کرو۔ اور ایچیوں سے جدا جدا گفتگو کرو ایک مجمع میں دو تین ایچیوں کے ساتھ گفتگو نہ کرو اور خوب



نیک نامی ہے عرب کا ایک حکم کسرے کے پاس گیا کسرے نے اس کو بہت کچھ انعام و اکرام دیا بعض امیروں نے کسرے کو اس پر ملامت کی کسرے نے کہا ملک میں حکومت اور مال اور طاقت یقین چیزیں ہیں دو ان میں سے دو اور ہیں اور ایک بیماری ہے پس غلبہ اکثر کے واسطے ہے اور اس آیت سے بھی تمکو نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ **وَتِلْكَ الْأَيَّامُ الَّتِي أَوْلَاهَا بَيْنَ النَّاسِ** یعنی ان دنوں کو ہم لوگوں کے اندر گردش دیتے ہیں آج ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے اور کل دوسرے کے پاس ہے جیسا کہ یہ سلطنت تھا جسے پاس آئی ہے ایسے ہی تم سے منتقل ہو کر دوسرے کے پاس جائیگی دیکھو میرا مومنین جیسا اسلام فرماتے ہیں۔ اشعار

النَّاسُ فِي زَمَانٍ الْأَقْبَالُ كَالْقَصَبِ  
وَكُلُّهَا النَّاسُ مَدَامَتُ لَهَا عَمْرًا  
حَتَّى إِذَا مَاتَتْ مِنْ ثَمَلِهَا انْقَرَفَ  
عَنْهَا عَفْوَ وَأَوْقَدَ كَأَنْفِهَا بَرَسًا  
وَمَا وَلَوْ لَطَعَهَا مِنْ بَعْدِهَا عَفْوَ  
دَهْرٌ عَلَيْهَا مِنَ الْأَكْبَارِ وَالْشَبَابِ  
قُلْتُ مَرَوَاتِ أَخْلُ الْأَرْضِ كُلِّهَا  
لَا أَكْفُلُ لَيْسَ الْعُشْرُ مِنْ مَكْرَمَةٍ  
لَا تَحْمِلُكَ أَمْرٌ أَحَقُّ بِجَبْرِكَ  
فَرَأَيْتُكَ يَكْفِي خَيْرًا خَيْرًا

اقبال کے زمانہ میں انسان مثل درخت کے ہوتا ہے جب تک اس میں پھل رہتا ہے لوگ اس کے گرد ہوتے ہیں اور جب درخت پھل سے خالی ہوتا ہے تو سب اس کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں حالانکہ پہلے اس کے ساتھ بہت نیک تھے اور اس درخت پر ایک ہفت ہوا اور غبار سے حفاظت اور شفقت و مہربانی کرنے کے بعد اس کو کاٹ ڈالتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کل اہل زمین کی مروتیں اسی قسم کی ہیں سو چند لوگوں کے جو عشر مشیر سے بھی کم ہیں کسی شخص کی بغیر اس کے تجربہ کے تعریف نہ کرنی چاہئے کیونکہ اکثر اوقات اس کی تعریف اس کے حال کے موافق نہیں ہوتی ہے اور خاص خاص لوگ اپنے مصاحب اختیار کر دیکھو کہ خداوند تعالیٰ نے ہی اپنی رسالت کے واسطے انسانوں اور فرشتوں میں سے خاص لوگوں کو اختیار کیا ہے اور جب تم عام میں غسل کے واسطے جاؤ تو بدھ کار و زبہتر ہے۔ اثر میں وارد ہے کہ جو شخص چالیس غسل کرے گا فقر سے امن میں رہے گا اور شب بخشنہ و جمعہ کو خلوت کیا کرو اور خدا سے اپنی حاجات کی واسطے دعا مانگا کرو کیونکہ انہیں راتوں میں



انبیاء و علما اور اہل مقاصد اپنے مطلب کو پہنچے ہیں جمعہ کے روز میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جو شخص اس میں دعا کرے قبول ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ساعت شروع دن میں ہے۔ اور بعض کہتے ہیں درمیان میں اور بعض کہتے ہیں آخر روز میں اور یہی حضرت فاطمہ علیہا السلام سے منقول ہے کہ وہ اپنی ایک نوٹری سے فرمایا کرتی تھیں کہ جمعہ کے روز غروب آفتاب کا وقت ان کو بتا دے۔

اور اس ساعت میں سورہ انعام پڑھو اور درمیان میں کسی گفتگو نہ کرو اور جب اس آیت پڑھو **رُسُلُ اللّٰهِ اَتَاكُمْ حَقِّكَ يَجْعَلُ لَكَ سَالَتًا** اپنے حصول مقصد کی دعا مانگو کیونکہ خدا اس شخص کی دعا کو رد نہیں کرتا ہے جو اس آیت کے درمیان میں دعا مانگتا ہے۔

ہر نبی کے واسطے ایک دن اس سے مخصوص تھا چنانچہ حضرت موسیٰ کے واسطے شنبہ اور حضرت عیسیٰ کے واسطے یک شنبہ اور حضرت ابراہیمؑ کے واسطے دو شنبہ اور سید شنبہ کے روز حضرت نوحؑ کے پاس خدا کی طرف سے امداد کی بشارت آئی تھی اور یہ کہ وہ زندہ دشت نے اہل ارمینہ پر فتح پائی تھی اور ہفت شنبہ اور جمعہ ہمارے حضور کے واسطے مخصوص ہیں اور انجیل میں ہر دن کو ایک کو کب سے متعلق رکھتے ہیں چنانچہ شنبہ قرعہ اور سہ شنبہ مرتج سے اور چہار شنبہ عطار سے اور ہفت شنبہ مشتری سے اور جمعہ زہرہ سے متعلق ہے اور یہ لوگ اسرار سے واقف نہیں ہیں ہم ان اسرار کو تھوڑا سا بیان کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مغرب کی طرف صومعہ کی کیونکہ محل کی اس طرف حکومت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا قبلہ مشرق کی طرف تھا بہ سبب آفتاب کے اور ہمارے حضور کا قبلہ کعبہ کی طرف ہے اس راز سے کوئی آگاہ نہیں ہوا مگر جس کو خدا نے چاہا اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضور غار حرا میں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو نہ محل آپ کی دائیں طرف اور سوچ بائیں طرف اور جدی سینہ کے مقابلہ میں اور سر طائر اور سعد بلع سر کے اوپر ہوتے تھے اسی سبب سے جو کچھ سعادت آپ کو حاصل ہوتی تھی وہ حاصل ہوئی جو کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور اسی کا سبب ہے کہ آپ کی حجت سارے عالم میں پہنچ گئی اور آپ کا نام و نشان بلند ہوا اور آپ کی دولت ہمیشہ کے واسطے قائم ہوئی اور امت کو آپ کی سعادت نصیب ہوئی اور شریعت آپ کی مستحکم ہوئی کہ ترکوں نے مشرق سے اس



کی مدد کی اور اہل مغرب نے مغرب سے اور یہ سب لوگ خوشی مسلمان ہوئے تو ان کا کچھ خوف ان کو نہیں تھا۔  
 عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جالینوس کا واقعہ بھی سننے کے قابل ہے جالینوس مالک ساحل کا  
 بادشاہ تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شہر و بلند ہوا تو اس نے عیسیٰ علیہ السلام کو لکھا کہ تم سے  
 مردہ کو زندہ کرنا نہیں چاہتے ہیں تم اس مریض کو جو مرض سل میں مبتلا ہے اسی مہینے میں آرام کر  
 اگر ایسا کرو گے تو میں تم پر ایمان لے آؤں گا مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک فریڈ لاؤ اور اس مریض  
 کو کھلاؤ تو لاؤ رکھاتے ہی مریض نے قے کی اور ایک سیاہ چیز جیسے جلی ہوئی روٹی ہوتی ہے اس کے  
 پیٹ سے نکلی اور حکم الہی سے وہ بیمار بالکل تندرست ہو گیا پھر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جالینوس  
 مجھ کو دھکاتا ہے میں اس کا علاج کرتا ہوں یہ کہ آپ اپنے عبادت خانہ میں داخل ہوئے وہاں  
 جالینوس کو نصف شب کے وقت سالو ریا اور کراٹھیہ کی بیماری شروع ہوئی اور صبح ہوئے  
 سے پہلے مر گیا مجھ سے شیخ یوسف بن علی نے اپنے ملک سیرکانہ کی ایک گھاس کے بہت خواص عجیبہ  
 بتلائے ہیں جن میں سے کچھ میں اس کتاب میں اور کچھ کتاب سلسبیل میں بیان کروں گا اذہی  
 شیخ یوسف مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میں شہر معرہ میں شیخ معری کے زمانے میں گیا اور ان  
 دنوں میں شیخ معری کی طرف سے لوگوں نے محمود بن صالح بادشاہ کے وزیر کو بہکا کر دشمن بنا  
 دیا تھا اور وزیر سے کہتے تھے کہ شیخ معری ہند کے یہ یمنوں میں سے ہے تصویریں کو برا  
 نہیں سمجھتا ہے اور وہ جانور کا گوشت کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ رسالت قلب کے صاف کرنے سے  
 ہوتی ہے اور وزیر نے بادشاہ کو بہکایا یہاں تک کہ بادشاہ نے شیخ معری کے حاضر کرنے کے  
 واسطے پچاس سوار روانہ کئے شیخ کے دوستوں میں سے دو شخصوں نے جا کر شیخ کو خبر کی شیخ  
 تو مسجد میں چلے گئے اور شاہی سواروں کو دیوان خانہ میں ٹھہرا دیا پھر شیخ معری کے چچا شیخ  
 مسلم ان کے پاس آئے اور کہا اے فرزند تم کو اس حادثہ کی خبر ہے جو ہم پر نازل ہوا ہے یعنی بادشاہ  
 نے تم کو طلب کر لیا ہے اب اگر ہم تم کو جیلانے نہیں دیتے ہیں تو مخالفت شاہی کی ہم میں طاقت  
 نہیں ہے اور اگر ہم کو شاہی سواروں کے حوالے کر دیتے ہیں تو یہ ہمارے واسطے بڑی ماسکی  
 بات ہے شیخ معری نے جواب دیا کہ آپ اپنے رنج و فکر کو دور کیجئے امدان سواروں کی بھائی  
 فرمائیے میرا ایک بادشاہ ہے جو میری محنت و حفاظت کرے گا اور میرے دشمنوں سے بدلہ



نے گا پھر شیخ معری نے اپنے غلام قبر سے کہا کہ لاوہ پانی شیخ نے غسل کیا اور نصف شب تک نماز پڑھتے رہے پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ مریخ کہاں ہے اس نے کہا فلاں منزل میں ہے شیخ نے کہا تو اس کے نیچے گاڑ دے اور ایک رسی شیخ کے متصل میرے ہاتھوں میں باندھ دے غلام نے ایسا ہی کیا پھر اس کے بعد ہم نے سنا کہ شیخ نے یہ دعا پڑھی۔ **يَا عَلَّةَ الْعَالِ يَا قَدِيرَ الْاَكْثَرِ يَا صَانِعَ الْمَصْنُوعَاتِ اِنَّا لِحِمَاكَ الْيَتَامَى لَا يُضَا شَرٌ**۔ پھر کہتے رہے وزیر وزیر وزیر یہاں تک کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور ایک بڑے غل و غشور کی آواز ہمارے کان میں آئی ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وزیر صاحب کا دیوان خانہ صبح وزیر صاحب اڑتالیس آدمیوں پر گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد شاہی پرواز ان سواروں کے پاس آیا کہ شیخ کو ہرگز نہ ستانکیوں کہ وزیر دب کر گیا ہے شیخ یوسف کہتے ہیں پھر شیخ معری نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو میں نے کہا خدا کی زمین سے کہا تم زمین ہرکان سے آئے ہو اور تمہارا نام یوسف ابن علی ہے تم کو لوگوں نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ میں زندیق (بے دین) ہوں۔

پس اے بادشاہ اگر تم یہ وصف رکھتے ہو تو مقاصد تمہارے حاصل ہو گئے اور بہت اعلیٰ مقام تمہیں حاصل کیا کل دشمن تمہارے زیر میں گئے بے درد سر قلعے تم فتح کر لو گے اور ملک و مال و زنا سب میں برکت ہوگی اور اگر تم نے کوشش کی تو ان ذرائع سے تم ان مقاصد کو حاصل کر دے جو سکندر نے حاصل کئے کیونکہ جو بات ہو چکی ہے وہ پھر بھی ہو سکتی ہے، اور غلبۃ البیان میں منقول ہے کہ ایک بادشاہ عادل و زاہد کا دنیا میں پیدا ہونا فروری ہے جو خدا سے خوف کرنے والا ہو گا ملکوں میں انتظام کرے گا اور لوگوں کے ساتھ احسان فرمائے گا اور اس بادشاہ کا لہور تہتر برس کے بعد ہوگا۔

دیکھو کہ غیبی خبریں کس طرح آئینہ دل میں منکشف ہوئیں جب دل کا حجاب رفیق ہوتا ہے تو ہر وہاں ٹھہرتا ہے اور لوح محفوظ پر نظر جا پہنچتی ہے۔ اس میں جو کچھ غیب کی باتیں تھیں ہیں وہ یہ شخص لوگوں سے بیان کرتا ہے اور ان میں کچھ شک و شبہ نہیں ہوتا۔

بادشاہوں کو چاہئے کہ اپنا راز کسی سے بیان نہ کریں سوا اس کے جس سے محبت اور سچا خلاص رکھتے ہوں سلطان محمود کی ایانہ کے ساتھ تم نے حکایت سنی ہوگی پس اے بادشاہ ان نکتوں اور اشاروں کو معلوم کر کے جاگ اٹھو میں نے تم کو بہت اچھی نصیحت کی ہے اگر تم نصیحت کر نہ لو گے







پانی پر چلتا ہے کوئی ہوا میں جاننا نہ چکا نماز پڑھتا ہے کوئی..... پانی سے چراغ جلا کر دکھاتا ہے غرضیکہ اسی طرح کی باتوں کو لوگ کراہتیں سمجھتے ہیں۔

معجزہ اور سحر کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور سحر اور شعبدہ قائم نہیں رہتا ہے مثلاً قرآن مجید معجزہ اکبر اور ناموس اعظم ہے اور اہل کرامت وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدمت کی ہے اور خدمت لی ہے اور عمل کیا ہے اور کراہت پس عمل نے ان کے دل سے غفلت کے حجاب کو دور کر دیا اور ذکر نے ساری سیاہی اس کی دھو ڈالی پھر اس وقت ان کو مجاہدہ کے بعد شاہدہ نصیب ہوا اور دل ان کے انوار صدق و تصدیق کے ساتھ منور ہوئے اور نفوس مقدسہ مقام صمانیت میں ترقی کر گئے لوح محفوظ کا راز وار دیو میہ سے منکشف ہوا اجسام رذیلہ معلولہ کے غطرات پاک و صاف ہو گئے اور کمال و جود کے قالب میں دھل کر اہل وجود کی صحبت میں جا پہنچے اور آسمان طائق سے عقائد کے چاندان پر جلوہ گر ہوئے چنانچہ ابتداء حال میں ایک ستارہ دکھائی دیا پھر عرض ایمان کے نقش سے وہ نور پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ ابراہیمی چاند بن گیا پھر محبت ربانی کے چشمے شمس حقیقت برہانی کے فیض سے جاری ہوئے پھر اس کے بعد طلب صادق صافی و دانی بلند ہمتی کے براق پر سوار ہو کر آسمان اور فرشتوں کی سیر کرنے لگا پھر میدان محبت میں اشتیاق کے پر کھول کر قرب کاشیت پہنچے لگا اور بشریت کے کپڑے پھاڑ کر عیش و طرب کی حالت میں بالکل اس کے ساتھ جا ملا۔

جب مجالس طرب کے دروازے کھل جاتے ہیں عاشق صادق ہجر کے صدیوں اور خلوت کی رحمت سے تاب نہ لا کر لہر لہے شوق لگاتا پھرتا ہے پس یہ شخص ابتداء حال میں مجنوں اور انتہا میں ذی فنون ہو جاتا ہے۔ جب تم اس کو ابتدا میں نعمات اور سماع کا شوقین دیکھو تو اگر اس نے اسی کو اپنا تیرہ اختیار کر لیا اور ترقی کے دروازہ سے روگردان ہو گیا پس سمجھ لو کہ یہ شخص نصیب ہے اور اس کے اور اس کے مقصد کے درمیان میں ایک دیوار حائل ہو گئی ہے اور اگر اس نے نعمات اور سماع کو عالم اصغر سے عالم اکبر میں ترقی کرنے کا ذریعہ بنایا ہے تب یہ شخص معارف سے واقف ہو کر عاشقین کے حالات اور صادقین کے مقامات میں داخل ہو گا پس رب العالمین کے پاس لاہوتی منوں کے سرسبز درخت کے نیچے آرام کرے گا اور جہانیت کا شیشہ ٹوٹ جائیگا۔



اور اس کی سعادت کا زمانہ گردش کرنے لگیگا۔ پس اس وقت اُس کا اولیٰ مقام کرامت کا ظاہر کرنا ہے اور جب یہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو دیکھیں گے اپنے رخسارہ کو اُس کے خاکپا کے نیچے رکھیں گے جیسا کہ لیلئے مجنوں کی حکایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ مجنوں اپنے کندھے پر ایک کتے کو بیٹھائے ہوئے کھائے چلے آ رہے ہیں لوگوں نے ان کو ملامت کی انہوں نے کہا میں نے اس کتے کو لیلیٰ کے در پر بیٹھ دیا ہے اس سبب سے اس کی یہ تعظیم و توقیر کرتا ہوں پھر مجنوں نے یہ اشعار پڑھے۔

سَمَايَ الْجَنُّونِ فِي الْغُلُوَاتِ كَلْبًا      فَخَمَّ إِلَيْهِ بِالْإِحْسَانِ فِدِيًّا  
فَلَا مُوَكَّلَ عَلَيْهِ مَا كَانَ مِنْهُ      وَقَالُوا لِمَ مَنَعْتَ الْكَلْبَ شَيْئًا  
فَقَالَ ذَرُونَا مَلَا مَنَاسِكُمْ فَعَيْبِي      وَأَنَّهُ مَسْرُوفٌ فِي بَابِ لَيْلِي

اور اسی کی تائید میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا حضور سے عرض کیا گیا کہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھاویں فرمایا میں ایسے شخص کی نماز نہیں پڑھتا جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی حضرت عمرؓ نے عرض کیا میں نے اس کو عید کی دو رکعتیں پڑھتے دیکھا ہے حضور نے فرمایا میں اس شخص پر کیونکر نماز پڑھوں جس نے سوا نفل کے کوئی نماز نہیں پڑھی پس جبرائیل حضور کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمدؐ خدا فرماتا ہے کہ کیا لوگوں نے آپ کو ہمارے دروازہ پر ایک بار بھی نہیں دیکھا ہے اور جب تم اس کو میرے دروازے سے بٹا دو تو پھر یہ کس کے دروازے پر کھڑا ہوگا اے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی اس کو بخش دیا ہے اور فرشتوں نے اس پر نماز پڑھی ہے اور بے شک خدا تمام عالم سے بے پردہ ہے۔

## چند نصابی مقالہ

### چند نصائح میں

بادشاہ ہو کر چاہیے اشخاص میں سے جو ان کی اطاعت کا لوگوں میں غلط



کہیں اور لوگ غوثی مان کی فرمانبرداری کی طرف مائل ہوں ہم پہلے حصول سلطنت میں تین طریقے بیان کر چکے ہیں اور جو شخص بطریق طنز کے یہ کہے کہ فلاں شخص کیا حیثیت رکھتا ہے۔ جو سلطنت اس کو حاصل ہوگی کیا اس کے پاس مال سے یا کثرت سے اولاد ہے یا مال باپ اس کے صاحب ملک تھے تو اس سے کہنا چاہئے کہ نرود بن کنعان کون تھا اور شداد جس نے جنت بنائی کون تھا اور حضرت ادریس جو درزی کا کام کرتے تھے وہ کون تھے اور حضرت نوح بخار کی کرتے تھے اور حضرت ابراہیم بھڑ بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد زرہ ساندے تھے اور طالو کھالوں کو وباغت دیا کرتے تھے اور حضرت صالح سوداگر تھے اور حضرت سلیمان خواص تھے اور حضرت یسے سراج تھے اور حضرت آدم کشتکاری کرتے تھے پھر ان لوگوں کو یہ سلطنت اور عظمت کیونکر نصیب ہوئی کیا تم کو اس فرمان الہی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ **فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ** معلوم ہو کہ لوگوں کے واسطے بادشاہ کی بہت بڑی ضرورت ہے، تاکہ اس کی اطاعت

کریں اور اس کی طرف مائل ہوں۔ دیکھو جانوروں میں بھی ایک سردار ہوتا ہے اور شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں وغیرہ میں سلطنت کا دستور ہے۔ اسی واسطے لوگوں کو بادشاہ کی اطاعت کرنی چاہیے ورنہ پھر ان کی گردن ہے اور تلوار ہے کیا تم نے حضور علیہ السلام کا فرمان نہیں سنا کہ اطاعت کرو اپنے امیر کی اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو بادشاہ ہو اس کی پس ان نصیحتوں کو تم غور سے سمجھو اور اگر پھر بھی حالت باقی رہے تو باز اور عقاب گر گس اور مکھی کو خیال کرو اور جیسا کہ اہل عقل نے فرمایا ہے۔ **يَا طَالِبَ الرِّزْقِ السَّمِيعُ بِقُوَّةٍ هَيْهَاتَ أَنْعَابِ بَاطِلٍ مَشْغُوفٌ** اے طالب کریمو اے عمدہ ذوق کے قوت کے ساتھ افسوس کہ تو بیکار کاموں کے درپے ہو رہا ہے

**وَمَعَ الدَّابَّ الشَّهَادَةُ وَهُوَ ضَعِيفٌ** گدھ وغیرہ مردار جانور قوت کے ساتھ جب گل کے سرداروں کو کھاتے ہیں۔ اور مکھی بھی قوت ہی کے ساتھ شہد کھاتی ہے حالانکہ نہایت ضعیف جانور ہے۔ اور اے عقل مند تم کو زمانے کے اگلے قصوں سے کچھ بحث کرنی چاہیے اہل ریاضت تمہارے مخالف ہوں تو نہایت حکمت کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالو کیونکہ ریاضت کرنے والوں میں ایک مقناطیسی



قوت جذب ہوتی ہے کیا تم نے انہیں سنا کہ جب سکندر کو ہندوستان کے چالیس بڑھمنوں کا حال معلوم ہوا جو سکندر کے نہایت مخالف اور بڑے ریافت کرنے والے تھے سکندر نے حکمت کا ایسا پہلو اختیار کیا جس سے خود بخود وہ پرہمن نہایت پریشان ہو گئے مساوی ہمتیں ان کی ٹوٹ گئیں اس وقت سکندر نے ان سب کو لشکار کر لیا۔

جو جو معانی اور مطالب اس کتاب میں ہم نے بیان کئے ہیں ان میں غور کرو کیونکہ یہ کافی ہیں اور ان کی تکذیب بھی کیونکہ مثل معجزات کے ہیں معلوم ہو کہ جسم بغیر سر کے اور آسمان بغیر سورج کے اور زمین بغیر عمارت اور چھت اور زمین اور زندگانی اور موت اور غنا اور فقر اور ملک و سیاست اور امارت و زراعت کے ابھی نہیں معلوم ہوتی ہے غریب کمال امور ایک دوسرے سے وابستہ ہیں جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے۔

### ہندو معانی مقالہ

#### دلیل مستدل کے قطع کرنے میں

اے ناظرین تم میں سے ہر شخص نے ایک ایک دلیل کے ساتھ تمسک کر رکھا ہے اور اپنے نزدیک اس کو کافی دلیل سمجھا ہے پھر وہ دوسرا منظر اس سے ایسی ہی دلیل کے ساتھ معارضہ کرتا ہے جس سے وہ دلیل ٹوٹ جاتی ہے اب تمہارے کہہ دینے والے عقول من ہو گئی وہ کیسے دلیل ہو سکتی ہے اور ناقص ہے جب اس کو کیا تو اس میں علت داخل ہوئی اور دلیل کے مرتبہ سے یہ دلیل ناقص ہو گئی اور علت نے نقص کے ساتھ اس کا معارضہ کیا جس دونوں دلیلیں مزلزل معلول غیر مقلوب ہو گئیں پھر یہ دلیل منقول ہے اور نقص کے ساتھ اس کا معارضہ ہوا ہے تو اس کا حکم باطل باطل ہو گا پس اگر تم یہ کہو کہ قول باطل ہو تا تب تو شریعت بھی جاتی رہی کیونکہ حکم اور قول دونوں تابع ہیں اور اگر یہ کہا جاتا کہ حکم باطل ہوا پس اس کے ساتھ عمل بھی باطل ہوا اور اگر تم یہ کہو کہ حکم اور قول دونوں باطل ہوئے پس استدلال کی فقر کے آثار کہاں ہیں اور اگر تمہاری دلیل معقولی قیاسی ہے تو پھر کس طرح قیاس کے ساتھ منقول منقول پر بلند لجا سکتی ہے اور اگر دلیل غیر قیاسی ہے پھر اس کے ساتھ سوال کیسے حل سکتا ہے لہذا انہی کے متعلق کلام باطل ہوا اور جب تم نے یہ جان لیا کہ تمہارے کلام کے واسطے علت و معلول کے نیچے مدخل ہے پس وہ علت ہی کیا



ہے جو معلول سے جدا ہو یا وہ معلول سے غیر منفصلہ ہے پس اگر علت معلول سے غیر منفصلہ ہے تو کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ دلیل ہو اور اگر معلول میں داخلہ ہے تو یا وہ جلیبہ ہوگی یا غیر جلیبہ ہوگی پھر اگر تم یہ کہو کہ غیر جلیبہ ہے تو قول کے ظاہر کرنے کی دلیلیں کہاں ہیں اور اگر یہ کہو جلیبہ ہے تو پھر ظاہر کے بعد بلا قیصر اس کے لانے سے کیا فائدہ کیونکہ وہی علت ہے اور وہی معلول ہے اور جس نے کسی چیز کی فقہ حاصل کی ہیں وہ قبیحہ ہے پھر کیونکہ فقرہ کی خصوصیت باقی رہی اور اس کے ساتھ تخصیص کے آثار اور اس کی دلیل مقطوع کہیں ہے اور نظر کہاں ہے اور مناظرہ اور مجاورہ کے معنی کیا ہیں اگر تم یہ کہو کہ مجاورہ بطور بیان کے محبت سے اشکال کا دور کرنے ہے جیسا کہ کہا جاتا کہ فلاں شخص خوب عربی جانتا ہے یا فلاں شخص نے اپنا قصیدہ یا رسالہ پڑھا اب بتلاؤ کہ تمہاری محبت ظاہر ہونے کے آثار کہاں ہیں جب کہ دلیل اور برہان قطع ہو گئیں اور اگر تم کہو کہ حملہ مشابکہ ہے یا اور کچھ معنی بیان کرو تو ان لغویاتوں سے کیا فائدہ کیونکہ تمہاری دلیل منقوض ہے اور مخالف کی طرف سے علت اس پر داخل ہے اس کے واسطے معقول جواب دینا چاہئے کیونکہ اس مقام پر اس گفتگو میں مناظرہ اور مبالغہ کی گنجائش نہیں ہے پس اگر تمہارا جواب سوال کے خلاف ہے تو یہ مبالغہ ضعیفہ ہے اور اگر نفس مسئلہ سے ہے تب برہان قاطع غیر منقوض معلول ہے جواب کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

جب تم سے کسی چیز کی بابت مجتہد یا معرفت کا سوال کیا جائے پس یا تو تمہاری معرفت برہان قاطع ہوگی مثلاً یا نقلاً غیر منقوض پس یہ دلیل مشتبہ ہے اس کے ساتھ محبت پکڑو۔ کسی چیز کی معرفت یا تو بنفسہ ہوتی ہے یا بغیر ہوتی ہے اگر بنفسہ ہے تو یہی برہان مقطوع یہ ہے جب کہ بغضیت کو اس کے اندر داخل نہیں ہے۔ چنانچہ براہین تصدیقہ میں برہان اور تصدیق ایک ہے جیسا کہ تم کہو کہ یہ ایک مرد ہے یا کہو یہ رات یا یہ دن ہے یا دس یا پنج سے زیادہ ہوتے ہیں پس ان کے واسطے برہان کی ضرورت نہیں ہے ایسی ہی دلیل تم کو بھی لانی چاہئے کیونکہ تم جانتے ہو کہ علت اپنے معلول سے جدا نہیں ہوتی ہے۔ براہین یا تصدیقہ ہوتے ہیں یا مطولہ یا منقولہ غیر منقوضہ اور جب نقض ان کے اندر داخل ہوتا ہے تو دلیل کا حکم زائل ہو جاتا ہے اور یہی ہمارے قول قاطع دلیل کا مطلب ہے۔ پھر تو تم جو اخبار احاد اور مراسیل کو محبت لاتے ہو حالانکہ ان کے اندر طعن



اور شکار کے لڑائیوں کو تم جانتے ہو پھر متواتر تفسیر ہی تمہارے نزدیک دلیل ہے اور تم علم کا اس کے اندر اعتبار نہیں کرتے یہ کیونکہ تم کو صرف خصوصیت اور جھگڑے سے مطلب ہے اور الہیہ حقیق کے واسطے بحث کرنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

## سولہواں مقالہ

طہارت اولیٰ کے آداب و اسباب کے بیان میں

معلوم ہو کہ طہارت فرض ہے ظاہری ہو یا باطنی یا طہارت قلب کا ہر چیز سے سوا اللہ کے پاک کرنا ہے جب یہ طہارت قلب کے اندر حاصل ہو جائے تو قلب فیض ربانی اور علوم و انوار الہیہ کا محل ہو جاتا ہے سائر کے پر وے سا ٹھہرتے ہیں کرامات کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور عقل حقیق شہوات سے آسمان معارف کی طرف ترقی کرتی ہے پھر کشف اسرار و بوہیت کے آسمان پہنچتی ہے پھر عقل کامل کرسی مراقبہ کی طرف ترقی کرتی ہے چہر شمس حضرت القدس میں جا پہنچتی ہے پھر طعام محبت کے تحفے اس کے سامنے آتے ہیں امدان کا نور طبائع مظاہر کے اجسام کو روشن کرتا ہے اور تائید کے طور پر توحید کے قلم لوح تجید پر جاری ہوتی ہے پس کوئی مان میں سے نیک بخت ہے اور کوئی بد بخت ہے جب یہ باطنی سلطنت تم کو حاصل ہوگی تو موت کی طرف تم کچھ اتفاق نہ کرو گے کیونکہ موت دوستوں کے جمع کرنے والی اور متنافر طبیعتوں کی متفرق کرنے والی ہے۔

جب مقام تخلیہ میں وصال کے پیالے تمہارے سامنے آویں گے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا تم پر پڑے گی مناوی تقدیم مذاکرہ لگا کر اسی میں کوشش کرنا ہواؤں کو چاہیے کہ کوشش کریں اور اس وقت تمہاری روح خوب روشن ہو جائیگی معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حیوان کو پیدا کر کے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک قسم عقل مجرد ہیں بغیر شہوت کے یعنی فرشتہ اور ایک قسم شہوت مجرد ہیں بغیر عقل کے یعنی بہائم اور ایک قسم شہوت اور عقل سے مرکب ہیں یعنی انسان۔ پس جس انسان کی عقل شہوت پر غالب ہوئی وہ ملائکہ سے مل جاتا ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب ہوتی ہے وہ بہائم سے مل جاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ناستقم ما امرت یعنی جیسا کہ تم کو حکم کیا گیا ہے اُس کے موافق قائم ہو۔



اب ہم طہارت ظاہری کا بیان کرتے ہیں برتن میں پانی لے کر وضو سے پہلے تین بار ہاتھ دھو ڈالو اور قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارے کپڑوں پر چھینٹیں نہ پڑیں اور پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر مسواک شروع کرو اور وضو کی نیت یہی کرو۔ وضو کے اندر فرض چھ یا تین ہیں ایک تو وضو کا فرض رکن یعنی ہنہ دھونے سے پہلے نیت کر لینا پھر منہ دھونا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھونے پھر سر کے اگلے حصہ کا مسح کرنا پھر دونوں پیروں دھونا مع ٹخنوں کے اور ترتیب اور موالاتہ ہی دو قولوں میں سے صحیح قول کے موافق فرض ہے اور حیض اور عتبات کے غسل میں وضو کر کے تین تین بار تمام اعضاء کو دھونا چاہیے اور عتبات یا حیض کے غسل کی نیت جدا گانہ کرنے وضو کے تو طہ نے دیا ہے یا نہیں ہیں لیٹ کر آرام سے سو جانا یا عقل کا کسی سبب سے دور ہونا یا مرد و عورت کو بغیر حائل کے باہر لگانے اس سے ہاتھ لگانے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے عورت کا نہیں ٹوٹتا اور فرج کو ہاتھ لگانے استنجے کو جب جھٹکے تو قبلہ اور چاند اور سورج کی طرف منہ یا پشت نہ کرے مگر جب کہ درمیان میں حائل ہو اور داخل ہونے کے وقت بایاں پر اندر رکھے اور نکلنے کے وقت وایاں پر باہر نکالے اور اسم الہی لکھے ہوئے کوئی چیز پاس ہو تو اس کو باہر رکھا جائے استنجا ہر ایک پاک چیز کے ساتھ جائز ہے مگر جس میں بزرگی ہے جیسے کھانے کی چیز وغیرہ اور بڑی یا شیشہ یا ایسی چیز سے جو نل کو تکلیف پہنچانے والی ہو استنجا کرنا جائز نہیں ہے حضور علیہ السلام فرمایا ہے بڑی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی جناتوں کا کھانا ہے اور خداوند تعالیٰ بڑی پر گوشت پیدا کرتا ہے جس کو وہ کھاتے ہیں اور افضل یہ ہے کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرے اور یہی اہل فنا کی طہارت ہے پاخانہ میں جانے کے وقت یہ کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخَبَائِثِ وَمِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

النجس اور جب پاخانہ سے باہر آئے یہ کہے عَفُوْكَ اَنْتَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ عَفًیْ اَلْاَدَمِیْ وَ عَافًیْ

عَافًیْ — بند پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے اور نہ عین کے سوراخ میں نہ

۱۔ اے اللہ میں تیرے ساتھ کل نجیث باتوں سے بچنا چاہتا ہوں اور شیطان نجس و ناپاک ہے۔  
۲۔ شکر ہے اس خدا کا جس نے اذیت کو میرے اندر سے نکالا اور مجھ کو عافیت دی۔



لاستہ کے درمیان میں نہ پھلدار درخت کے سایہ میں یا ایسے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں لوگ آرام پاتے ہوں اور بیماری یا سخت سردی کے غلہ سے تیمم کرنا جائز ہے مٹی یا بنار ہو کچھ ہاتھ میں لگ جائے اور تہت جنابت سے بھی خوفناک غلہ کے وقت تیمم کے واسطے وافر نہیں لگائے ایک گھنٹہ بعد ایک دونوں ہاتھوں پر کہتیوں تک علماء کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے نکلے مثلاً پتھر وغیرہ اس کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے مگر تیمم نانہ کے وقت داخل ہونے کے بعد کرے اور انگوٹھی اتارے تیمم کرے نہ والے کو وضو کرے نہ والوں کی امامت کرنی جائز ہے اور صحابہ کرام نے ایسا کیا ہے زخم کے پیٹوں پر سچ کرنا جائز ہے بشرطیکہ پاک ہوں۔

## ستر ہواں مقالہ

کم سے کم حیض کی مدت ایک شبانہ روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں پھر ان کے بعد جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور کم سے کم مدت ہر پچھنہ باقی کے جو حیضوں کے درمیان میں ہوتی ہے پندرہ دن میں حیض والی روزہ اور نماز کو چھوڑ دے پھر روزوں کی قضا کرے اور نماز کی قضا نہ کرے معلوم ہو کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے پھر سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب موقوف ہونے کو ہوتا ہے تب سفیدی ظاہر ہوتی ہے حیض یا نفاس والی پہلے نماز کے وضو کی طرح سے وضو کرے پھر تین بار تمام اعضا کو دھوے اور حیض یا نفاس کے غسل کی نیت کرے۔ نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز اور کم سے کم ایک ہی بار خون کا آنا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرزند پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دیتی تھیں اور اسی سبب سے بتوں آپ کا نام ہوا ہے کیونکہ نفاس کا خون اور دنیا کی محبت آپ سے منقطع ہو گئے تھے۔

معلوم ہو کہ نجاست کی یہ چیزیں ہیں خون، بپ، کچ، لہو، خنزیر کا گوشت اور اس کی چربی اور کتے کے منہ کا لعاب اور وہ کتا جس کا جسم تر ہو اور چوہا اور شراب اور پیشاب اور پاخانہ اور جو پاک چیز کو سڑ کر بدبودار ہو گئی ہو اور مردار سب چیزیں نا پاک ہیں اہل کام بہار



کایہ مختصر بیان بطور اشارات کے ہے اور اگر تم کو مفصل دیکھنا ہو تو بڑی بڑی کتابیں دیکھو جیسے ہماری کتاب سبب اور وسیعہ اور دھیرہ ہیں اور اگر علم خلاف حاصل کرنا ہو تو ہماری کتاب تحفین اور کتاب الاشرف فی مسائل الغاف دیکھو اور اگر انتہا کی واقفیت چاہو تو ہمارے امام اور ابو المعالی الجونی الحریثین کی کتاب نہایت المطلب فی الخلاف والمذہب دیکھو اور اگر علم اصول دین کی کتابیں چاہو تو ہمارے استاد کی کتاب ارشاد اور محیط اور مفید کو ملاحظہ کرو اور ہماری کتاب الاقتصاد فی علم الاعتقاد کو دیکھو اور اگر اصول فقہ کا ارادہ ہو تو کتاب معجول فی علم الاسول اور کتاب الملل فی علم الجدل اور کتاب بصرہ ابواسحاق اور ملل افکار الفصائل اور شفا العین کو دیکھو اور اگر فلاسفہ کی کتابیں چاہو تو کتاب شفا ابوالوالی بن سینا اور کتاب الشائیں اور کتاب الہیات اور کتاب اشارات اور نباتات اور ہماری کتاب تنہا فترہ الفلاسفہ اور مقاصد کو دیکھو اور تفاسیر میں تفسیر حضرت علیؑ اور تفسیر ابن عباسؓ اور تفسیر سدی اور تفسیر کلبی اور ثعلبی اور رباعی اور تفسیر خلف المزاسانی اور علی الواحدی کی بسیط اور وسیعہ اور دھیرہ وغیرہ کو دیکھو۔ اور معلوم ہو کہ تصانیف بہت کثرت سے ہیں مگر سب میں بہتر وہ ہے جو آخرت کا راستہ دکھائے جیسے قوت القلوب شیخ ابوطالب مکی کی اور ہماری کتاب اجماع علوم الدین وغیرہ۔ ان سب کتابوں کو دیکھ کر ان علوم میں قوت حاصل کرو اور ہماری اس کتاب کو خوب یاد کرو تاکہ لوگوں سے ہر قسم کی گفتگو کر سکو اور قصص و حکایات کی کتابیں دیکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے دامغانی کی کتاب جموع الحکایات اور علیہ الاولیاء قاضی ابونعیم کی ہے اور طبقات مشائخ کی کتابیں بھی ملاحظہ کرو کیونکہ چھوٹے سے نالہ ندیاں مل کر بڑا دریا بن جاتے ہیں۔ جو علم کہ معنی معلوم کرنے کے واسطے حاصل کیا جاتا ہے جیسے علم الغیب اس سے اسماء مشقوقہ اور اصطلاحات کا ہوتا ہے اور خواہے اور نحو ہے اعراب کی حالت یعنی زیر و بر پیش اور سکون کا معلوم کرنا مراد ہے، مثلاً ان وغیرہ اسماء کے نصب کرنے والے حروف اور کان وغیرہ اسماء کے رفع کرنے والے حروف اور حروف ظرف اور حروف جارہ اور اسماء مدح و ذم مثل حبیباً و نفیعاً و بشر و ساء اور حروف شرط اور ان ثقیلہ اور ان خفیفہ وغیرہ کے عمل معلوم کرنے۔ الفاظ شرط میں سب سے زیادہ عام کلمہ کا لفظ ہے اور ابن شریح کے نزدیک دور کے مسئلہ کی بنا اسی پر ہے، پس جب اس مسئلہ کی دلیل نحوی اور اس کا مبنی



اقتطاب حاصل پر ظاہر ہو گیا تو کوئی نقص اس میں باقی نہ رہا اور بہت قوت اسکو حاصل ہو گئی اور مسئلہ کی صحت میں قرآن کا مضمون روشن ہوا لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ يَبُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ  
 وَالْأَمَانُ يَأْتِيَنَّ بِفَلَاحٍ شَتَّى مُبْتَلًى اس دلیل کی قوت نے مجھکو اس بات پر آمادہ کیا کہ مسائل  
 دوزخ کے اندر ہیں پورا غور کروں علم فقر سے مراد ان آداب اور احکام کا معلوم کرنا ہے جو دوزخ سے  
 نجات دینے والے اور جنت میں پہنچانے والے ہیں اور علم منطوق گو یا عقل کی نحو ہے یعنی معانی  
 کو اس کے ساتھ اس طرح قید کیا جاتا ہے جیسے علم نحو کے ساتھ الفاظ کو قید کیا جاتا ہے اور  
 خطائیات اور ظنیات اور اوزان معانی قلیدہ کی پہچان ہوتی ہے مثلاً شک اور ظن اور یقین  
 میں غرق کو معلوم کرنا۔ اوزان لفظیہ میں سے الفاظ قرآنی کا جو وزن ہے وہ نہ شعر کے مشابہ  
 ہے نہ خطیب کے نہ فصول کے مثلاً اس مجرہ میں حیران ہو گئے اور فصحا کو اس کی آیات  
 نے گونگا کر دیا اور متکلمین کی زبان دلائی اس کی فصاحت نے قطع کر دی پس یہ مجرہ ہمیشہ  
 رہنے والا ہے جس نے بولنے والوں کا بولنا بند کر دیا۔ وَابْتَغِ الْكِتَابَ عَزِيزًا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ  
 مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ خَفِيٍّ اور علم طب کی بنا علت اور معلول  
 اور دوا ہر ہے۔

اب ہم ایک ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کے جواب سے اطباء عاجز ہیں ہم کہتے  
 ہیں جب یہ بات ثابت ہے کہ حرارت غالبہ اور برودت غالبہ دونوں قاتل ہیں پس جب  
 دوا ہی مریض ہوئی تو پھر شفا کہاں ہے اگر حکیم نے کہا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے تو پھر یہ کہا  
 جاتا ہے کہ دوا کی کیا ضرورت رہی اور اگر حکیم نے کہا کہ دوا کے اتحاد اجزاء کے ساتھ علاج کرتے ہیں۔  
 جس سے اعتدال پیدا ہوتا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مثلاً گرم دوا مریض کے واسطے مفید ہے۔  
 تو پھر سرد دوا نقصان کرے گی پس شفا جو مطلوب ہے کیونکر حاصل ہوگی اور اگر شفا کو تعدیل  
 کے ساتھ رکھا جائے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ تعدیل سے اجزاء کا وزن ملے گا یا تعدیل کے ساتھ  
 لہ اور بیشک البتہ یہ کتاب عزیز ہے نہ اس میں باطل اس کے آگے سے آتا ہے نہ اس کے پیچھے سے نازل ہے  
 یہ حکمتوں والے حمد دلے کے پاس سے ۱۲۔

نہ نکالو تم عہد توں توان کے گھر دں سے اور نہ وہ خود نکلیں مگر اس سورت میں کہ ملائکہ کوئی فحش حرکت کریں



کوئی اور خاصیت اس کے اندر آجاتی ہے پھر اے حکیم یہ مزاج جو ایک چراغ مجتمہ ہے بطریق کمال کے جب اُس کو اُسکار و شن کر نیوالا گل کر دیتا ہے تب اُس کا نور کہاں چلا جاتا ہے۔ اور پھر اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ہیز کا کھانا بیماری ہے اور اخروٹ کے ساتھ اس کو کھانا دوا ہے حالانکہ یہ دونوں گرم خشک ہیں اور ہر ایک مان میں سے فی نفسہ نقصان دہ ہے پھر دوا کا وجود کہاں رہا معلوم ہو کہ نجومی کہتے ہیں جب دو ستارے مغوس ایک برج میں جمع ہوتے ہیں ضرور کوئی منفعت ظاہر ہوتی ہے ایسی ہی چیز جب اخروٹ کے ساتھ جمع ہو تو یہ دو غلطین شک ہو گئیں اور ایک بخار لطیف ان سے ظاہر ہوا جس میں بہت سی اچھی تاثیریں ہیں اب تم نے سمجھ لیا کہ علموں کے حاصل کرنے سے کیا کیا فوائد ہیں اور معلوم ہو کہ سب علموں سے افضل علم وہ ہے جو تمہارے ساتھ تمہاری قبر میں جائے اور وہ علم توحید اور معرفت الہی کا ہے اس کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ معلوم کرو اور یہ جان لو کہ کشف حاصل نہیں ہو سکتا ہے مگر علم پر عمل کرنے سے اور جب کشف حاصل ہو جاتا ہے اس وقت مراقبوں کے چشموں سے محبت کی حلاوت ظاہر ہوتی ہے۔

جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ علم بالکل حماقت ہے اور ایسا عالم مغز کو چھوڑ چھوٹنے کے ساتھ راضی ہو گیا ہے ایسے لوگ بہت برے علما ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کے پاس تلوار ہے مگر وہ رطائی کا فن نہیں جانتا ہے ایسے شخص کو چاہیے کہ تلوار سے چاندی سوتا آتار کر اس کا زیور بنا کر عورتوں کی طرح سے پہن لے کیا تم نے ایک طویل حدیث میں جو ابودرداء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نہیں سنا کہ فرمایا ہے بے شک خداوند تعالیٰ بڑے علماء کو قبیح صورتوں میں مسخ کر دیگا اور ریشمی کپڑے جو وہ پہنتے ہیں وہ ان کی گردنوں میں سانپ بن جائیں گے یہ وہ علما ہیں جنہوں نے علم نظر پر قناعت کرنی ہے اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت چاہتے ہیں ان لوگوں کے واسطے بہت بڑی خرابی ہے۔ دنیا اور آخرت میں ان کے واسطے کوئی غدر نہیں ہے۔ اور بہت سی حدیثیں ان ناپاک علما کی شان میں وارد ہیں حضرت ابوسعید خدری صحابی رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس سے گذرے جن کے اندر بحث ہو رہی تھی حضرت ابوسعید نے فرمایا یہ کیا بدعت ہے اور



کی شہادت اور نفاق کا فعل ہے پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو محاد لہ سیکھیں گے اور رشوت کھاویں گے اور لوگوں کے سامنے شیخی اور تکبر کریں گے اور باریک کپڑے پہنیں گے اور میدہ کی روٹی کھائیں گے اور بادشاہوں کی صحبت پسند کریں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم علماء ہیں اور ان کا فتوے لیا جائیگا افسوس ہے اس امت پر جس کے علماء ایسے ہوں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توبہ کرنی چاہتا ہوں آپ نے فرمایا کس گناہ سے اس نے کہا زنا اور شرب سے آپ نے فرمایا جھوٹ اور مناظرہ سے پہلے توبہ کرے تاکہ تیرے اندر خلوص آجائے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ تباہ مناظرہ کرنے والا اپنے ہاتھ پر حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے یا اپنے بھائی مقابل کے ہاتھ پر اگر وہ اپنے بھائی کے ہاتھ پر چاہتا ہے تب وہ سلف صالحین کے ساتھ پہلی صف میں جنتوں کے اندر خدا کے پاس رہے گا اور اگر اس مناظرہ کرنے والے نے غلبہ اور قہر اور جھگڑے کا ارادہ کیا ہے تب یہ دوزخی ہے۔ **وَمَنْ عَلَّمَ الذِّينَ ظَلَمُوا آتَىٰ مُنْقَلِبٍ يُنْقَلِبُونَ ۝**

## کتاب الصلوٰۃ

اسی کے اندر دو مقالہ ہیں ایک مقابلہ احکام ظاہرہ میں اور دوسرا احکام باطنہ میں۔

### پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور ان کی کل سترہ رکعتیں ہیں اور کل سنتوں کی گنتی سترہ رکعتیں ہیں اور نماز کے واسطے یہ احکام ظاہری ہیں جیسے پاک پانی سے وضو کرنا کپڑے اور بدن کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اور سورہ فاتحہ پڑھنی اور رکوع و سجود اطمینان کے ساتھ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا اور رکوع میں تین بار **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ** اور سجدہ میں تین بار کہے **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ** اور تین بار کہنا **اِنِّیْ دَرَجَہِہٖ** اور نماز کے وقتوں کا بیان یہ ہے کہ صبح کا وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج کے

لہ اور مغرب جانشین کے ظلم کہ کوئی پہلو بدلتے ہیں۔







تو یہ سمجھو کہ قیامت کے میدان میں جمع ہیں

اور سوزن کی اذان کو صور کی آواز تصور کرو پھر امام کے خطبہ پڑھنے کو حق تعالیٰ کی تعالیٰ خیالی کرو کہ نہایت عظمت اور جلال و ہیبت کے ساتھ موجود ہے اور جب لوگ نماز میں گھرے ہوں تو اس کو خدا کے آگے حاضر ہونا سمجھو پھر سجدہ سے باہر جانے کے وقت یہ خیال کرو کہ حساب و کتاب کے بعد کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں۔

وضو کے اندر حکمت یہ ہے کہ ایک تو اعضا پاک ہوتے ہیں دوسرے ان کو تنبیہ ہوتی ہے انسان بھی مثل درختوں کے ایک درخت ہے اس کی خدمت بھی اس طرح کرنی چاہیے جیسا کہ درخت کی خدمت کی جاتی ہے یعنی جمعہ کے روز تاخن کترے اور زیر ناف کے بال کے یہ درخت کو چھاننا ہے اور وضو غسل کرے یہ درخت کو پانی دینا ہے اور اس باغ میں نیلا گھاس پھوس کو نکال کر ملوم کے پھل پھول لگائے اور خدمت کی نہروں سے پانی دے اور افعال قبیر سے باز رہے تاکہ فصل کا پانی عقل کی نہروں میں جاری ہو اور بیل تو جید و معرفت ہر شاخ درخت پر نغمہ سنی کرے یقین کے انوار و برکات نازل ہوں اور صدق کی نسیم باغ معرفت کی خوشبو لائے اور رازل کا منادی مریدوں کے دلوں میں آواز دے اور ایسے باغ کی سیر کرو جہاں زیتون کا وہ مبارک درخت ہے جو شرقی ہے در مغربی ہے روغن اس کا قریب ہے کہ بغیر آگ کے لگے روشن ہو جائے اور یہی مطلب اس حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے میرا مومن بندہ نوافل کے ساتھ میل و قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو دوست رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنالیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس وہ میرے ہی ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور کم سے کم چیز جو میں اس کو عنایت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کر دیتا ہوں جس میں سے وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور مجھ کو بغیر مثال کے دیکھتا ہے اور میں اس کو ایک ایسا نور دیتا ہوں جس کے ساتھ وہ عقائد و معلومات میں تفریق کرتا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مقرب لوگوں کے دل میں نماز میں خطبہ قدس کی طرف



روح کہتے ہیں اور جلال ربوبیت کا دیومیت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور آسمانی دل کے صاف ہونے سے معرفت کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں میزان عقل اور مراط یقین سب ظاہر ہو جاتے ہیں یہی اس آیت کے معنی ہیں وَنَجِدُ اقْتِرَابَ یعنی سجدہ کرو اور اس میں خدا کی قربت چاہو حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں جب عارف سجدہ کرتا ہے محراب اٹھ جاتا ہے اور قلوب طاہرہ سمدۃ المنتہی کی طرف ترقی کرتے ہیں اور انوار قدس اپنی منجلی ہو جاتے ہیں۔ حرم حق کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جو کچھ یہ چاہتا ہے اسکو دیا جاتا ہے۔ جب نماز میں دل و سوسوں سے صاف ہوتے ہیں اس وقت افلاک و املاک کا مشاہدہ انکو نصیب ہوتا ہے اور ایک اور مثال تمہارے سمجھانے کے واسطے بیان کرتا ہوں سنو دل ایک میدان ہے اور اس کے اندر ایک درخت ہے جس پر پرندے بسیر لیتے ہیں اور تم اس درخت کے نیچے نماز پڑھو رہے ہو پرندے تم پر بیٹھ کر رہتے ہیں اور اڑنے سے نہیں اڑتے ہیں اب اگر تم آسائش سے نماز پڑھنی چاہتے ہو تو اس درخت کو کٹو اور اویسے ہی تم نے اپنے دل میں جب دنیا کا درخت لگایا ہے اور تمہارے دنیاوی تفکرات کے پرندے اس پر بیٹھے ہیں اگر تم اس درخت کو کاٹ ڈالو گے تو حال تمہارا صاف ہوگا اور بزرگی تمہاری بڑھ جائیگی اور جلال الہی کی تم پر تجلی ہوگی جیسا کہ حضرت جنید نے فرمایا

تَرَكْتُ دُنْيَا فَصَفَى عَيْشِي وَتَرَكْتُ دُنْيَا فَصَفَى قَلْبِي

دنیا کا فکر میں نے چھوڑ دیا لہذا میری زندگی صاف و پاک ہو گئی اور آخرت کا فکر جو میں نے چھوڑ دیا تو میرا دل خراب ہو گیا۔

نماز میں زبہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جیسے خادم کا اپنے مخدوم سے مقرب ہونا وقت ہوتا ہے اور جب مخدوم اپنے خادم کو عجز و انکساری کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس پر مہربانی ہو جاتا ہے۔

بعض اہل نجوم بیان کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں پانچ ستاروں سے متعلق ہیں اور چھٹے ستارہ سے سنیتیں اور ساتویں سے وتر متعلق ہیں۔ نماز ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے اور اسکی متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔



اور یہی معنی سقراط کے اس قول کے ہیں کہ اوزاروں کے نغمے عبادت کی صورتوں سے پیدا ہوئے ہیں اور ان سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو گردش کرنے والے افلاک میں پوشیدہ ہیں۔ اس لئے کہ خواص ادعیہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں خدا فرماتا ہے

اَلَيْسَ بِصَعْدِ الْكَلِمِ الطَّيِّبِ وَالْعَلِّ الصَّالِحِ يَرْفَعُهُ۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کا مزایر کے ساتھ شوق و ذوق حاصل ہونا مشہور ہے۔ جب ان کو کوئی حاجت درپیش ہوتی تھی تمام زاہدوں کو مسجد میں کھڑا کر کے ہر زاہد کے پاس ایک باجیجا <sup>نیوالا</sup> مقرر کرتے تھے تاکہ باجے کی آواز سے ناہدیکسو ہو کر حضرت داؤد کی حاجت کیواسطے دعا کرے چنانچہ اس ترکیب سے دعا بہت جلد قبول ہوتی تھی۔

اور اسی طرح یکسوئی کے ہونے سے استقامت اور سحر میں اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہو کہ اوزان قلبیہ بغیر طہارت محل کے پاک نہیں ہوتے ہیں پھر جب دل سے محاب دودھ ہو جاتا ہے معارف اُس کے اندر حاصل ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ظاہر ہوتا ہے معرفت الہی کے باغ کا دروازہ کھل جاتا ہے جب دنیا کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

جب تم یہ طریقہ اختیار کرو تو اپنی کل حاجات اپنے مولا سے طلب کرو اور معرفت کی خوشبو میں لگا کر ندامت کے کپڑے پہنو اور اپنا رخسارہ تواضع کی خاک پر رکھ دو اور جان لو کہ ہر چیز کا وزن ہوتا ہے شعر کا وزن عروض سے معلوم ہوتا ہے اور ضمیر کا نظر سے اور ماکول و مشروب کا ترازو اور سونے و جواہرات کا کانٹے سے اور صوفیہ دن کی اوقات کا وزن کرتے ہیں اور خطبوں کا وزن تعدیل کلام سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت کا وزن قصاص افعال سے ایک پلہ میں تمہارے ظلم کی ظلمت ہوگی اور ایک پلہ میں تمہارے پاک اعمال کا نور ہوگا اب تم کو اختیار ہے کہ اپنے حال کو معلوم کرو اور ہدایت پر قائم ہو حضرت ابراہیم کو دیکھو کہ جب ان کو حیران نظر سے ظاہر ہوا تو بطریق تشکیک کے کہنے لگے هَذَا رَقِيْ يٰعِيسٰی کیا یہ ہے میرا رب پھر جب ترازو کے دونوں پلوں میں قائم ہوئے تو فرمایا فَجَبَّهْتُ وَجْهِيْ۔ یعنی میں نے اپنا منہ خدا کی طرف کر لیا۔

لے اسی کی طرف پاک کلمے جانتے ہیں اور عمل صالح کرو۔ کر لیتا ہے ۱۲۔







مستقریب ہوا اور اسکے طلسم کی یہ ترکیب ہے کہ جب قمر مغرب میں ہو تو ایک انگوٹھی پر اسکی صورت بناؤ اور ہاتھ میں پہن لو اس کی خاصیت یہ ہے کہ عورتوں کی جانب سے کوئی مسرت نہ کو نہ پہنچے گی اور اگر پانی میں دھو کر پھر کے کاٹے ہوئے کو پاؤ گے تو اس کو آرام ہوگا اور اگر یہ پانی دشمن کی چہیت پر یا اس کے گھر میں پھونک دو گے تو اسی سال میں اس کا گھر تباہ ہوگا جب قمر برج اسد میں ہو تو انگوٹھی پر سیاہی سے شیر کی صورت اور یہ کلمہ نقش کرو لَتَيْنَا طَائِعِيَتِ پھر بادشاہ کے پاس جاؤ بادشاہ تمہارا مسخر ہوگا بادشاہوں کو تابعدار کرنے کے کلمات یہ ہیں۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفَيْلِ ذٰلِكَ الْجَمْعُ لِبَعْضِ اَسْرٰئِيلَ شَهِتِ الْوَجُوعُ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ وَلَا يَعْقِلُوْنَ وَلَا يَحْتَسِبُوْنَ وَهَ كَلِمَاتِ جِنِّ كَہنۃ سے وہ شخص امن میں رہتا ہے جو بادشاہ سے خوف رکھتا ہو جس وقت اس کے سامنے جائے یہ کہتا رہے۔ يٰ اَقْدِمِ الْاَكْسَبِ بِلُحَا اَقْدِمِ کلمات جن کے پڑھنے سے بادشاہ کی زبان بری بات کہنے سے بند ہو جاتی ہے۔ اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ وَلَا يَذْكُرُوْنَ لَكُمْ نَبِيْعَتَيْنِ رُوْنِ حُسْرٰى لَكُمْ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ وَلَا يَعْقِلُوْنَ وہ کلمات جن کے پڑھنے سے مفسدوں کی جماعت متفرق ہو جاتی ہے چند تو دانے لیکر چار بار یہ کلمات پڑھ کر دم کرے اور ان کے مکان میں ڈال دے ہا طاس نا طاس ہا طاشہ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَا فِي يَوْمٍ الْقِيٰمَةِ پھر دیکھو کہ خدا نے تعالیٰ کیا کرتا ہے۔

دو شخصوں کے درمیان عداوت ڈالنے کے واسطے ایک انڈے پر یہ کلمات لکھ کر بھون کر کہلا دو ومن قنہم کل کلمۃ و جمل بَیْنَهُمْ قُطْعًا بَغْضًا دیگر۔ ایک انڈے پر سات حرف صا و لکھ کر ایک کپڑا پیٹ کر سی دیں اور کونوں پر کھیں انڈا بریان ہوگا اور کپڑا نجلے گا و صا نڈا بخار والے کو کہلائیں اس قسم کی بہت سی ترکیبیں ہیں جنکو سمجھنے کتاب علین الحیات میں بیان کیا ہے یہ کتاب اگرچہ چھوٹے حجم کی ہے مگر فوائد اس میں بہت ہیں اور اس کے ایک مقالہ میں اجساد اور ارواح کے جمع ہونے کا سبب بھی بیان کیا ہے اور یہی طریقہ اکبر کا ہے۔

معلوم ہو کہ علم ضاعت الہیہ یعنی علم کی بے گنجی تھا تو اب بھی ہو سکتا ہے اور سب لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ علم پہلے تھا لہذا اب بھی ہو سکتا ہے اور منقول کے دلائل بھی اس کے جواز پر ثابت ہیں منقولی دلائل یہ ہیں۔ وَمِمَّا تُوْقَدُوْنَ عَلٰی فِی النَّارِ اَبْتِغَاءَ







اس کام سے پہلے چالیس کام سیکھنے چاہئیں تاکہ یہ کام درست ہو مثلاً سرد بنانا اور براہ کزنا اور دوا بنائیں ہم یہاں چند عجیب و غریب صناعتیں بیان کریں گے مگر اصل صناعت کا مفصل بیان مبین الحیات میں ہے اور اس صناعت میں سب سے بڑا کام زرنیخ کی تصحید اور اس کے اجر صاف اور معتدل وقت کا معلوم کرنا ہے کہ نہ زیادہ سردی ہو نہ گرمی۔ چاندی بنانے کو اس فن کے لوگ صناعت قمری کہتے ہیں اور اس کی اکیس انڈے کی سفیدی اور زرنیخ مصعد سے جو معتدل القوام اور ہموزن ہو بنتی ہے اس بات کو غور کرو اور معتدل زمانہ میں اس کام کو جلاؤ نہ اس قدر گرمی پہنچاؤ کہ جلا دے نہ اس قدر سردی پہنچاؤ کہ اس کے اجزا کو متفرق کر دے اکیس کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جیسے بچوں کی سردی گرمی کا لحاظ رکھا جاتا ہے اب پہلے تم کو صنعت ابراہ اور سردیوں کا بنانا سیکھو جیسا کہ عزیز ہندی صغیر اور کبیر اور جلا صدفی کے نسخے ہیں۔ ترکیب اس کی یہ ہے کہ عرق سیب و صمغ و انار و عرق مایہوں و عرق زنج و داؤدی جعفران و بہمنی سرد و عرق زانہ یا زنج و عرق حاک و توتیا لے اغضر فیتق ان سب کو ملا کر دھوپ یا سایہ میں رکھو تاکہ خشک ہو جائے پھر اس کے قرص بنا لو یہ توتیا ہندی تیار ہو گیا ایک مشقال اس کی ایک مشقال کو کافی ہے اور اگر اس میں عرق مایشا اور عرق جی العالم ملا دیں تو بہتر ہے کیونکہ یہی سردی جامع اور جلا نافع اور توتیا سے ہندی قاطع ہے اور یہی کیمیا براہ ہے اور اسی سے تم کو ایسا کسب حاصل ہو سکتا ہے جس سے تم راحت کے ساتھ گذران کر سکتے ہو اور کوئی مشقت تم کو نہ پہونچے گی اور اگر تم لاون بنانا چاہو تو ایک تولہ خالص لافن لیکر یقین تولہ صاف موم اس میں ملا کر نرم آگ پہ گھلاؤ اور نیچے اتار لو۔ ہر مصنوع چیز میں اصلی چیز ملانی ضرور ہے کیونکہ اس کی اکیسروی ہے۔

## زعفران بنانے کی ترکیب

گائے کے گوشت کی بوٹیاں سرکہ میں زعفران حل کر کے اس کے اندر جوش کرے اور پھر صحر اس کے ریشہ جدا جدا کر کے زعفران حل شدہ میں ملا کر خشک کرے ایک چوتھائی زعفران اصلی اس کے اندر ملانی چاہیے۔ اور گوشت لان کا ہونا چاہیے۔

لہ ایک رطوبت ہے جو بیڑ یا بکری کے سم پر نکال کر جم جاتی ہے اور دوا میں کام آتی ہے ۱۲۔



## مشک بنانے کی ترکیب

مشک اصلی میں ہم وزن اس کے کلیجی سوختہ ملائے مصنوعی مشک تیار ہوگی بہت سی منافع پرودہ کے اندر پوشیدہ ہیں جب ان کا پرودہ اٹھ جاتا ہے۔ لازم ظاہر ہوتا ہے اور اس قسم کے بہت سے عجائبات نسخے عین الحیات میں مذکور ہیں۔

معلوم ہو کہ مشک بہن کا منجد خون ہے اور یہ بہن جنگل کی خوشبو دار گھاس کھاتا ہے جس کے سبب یہ خوشبو اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور عنبر کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ شہر عنبرویکے ایک چشمہ سے اس کو نکالتے ہیں اور کافور بھی ایک چشمہ سے نکلتا ہے اور عنبر و دیگر کے اندر مختلف رنگ کے پتوں میں چپک جاتا ہے آسمان سے دس چیزیں نازل ہوتی ہیں جیسے شیر خشک اور تر نجبین اور لادن وغیرہ اور بعض کا قول ہے کہ لادن شہر مرعش کے پہاڑ کے ایک چشمہ سے نکلتا ہے اور مینہ بھی آسمان سے برستا ہے اس میں تھوڑا سا دھندلے سے ملا کر آب جو میں جوش کرے اور اسے عورتوں کو پلائے جن کو دودھ یا جھنڈا نہ آتا ہو فوراً جاری ہو جائیگا اور کبھی آسمان سے بہت بڑے گرتے ہیں یہ بواہر کے واسطے بہت مفید ہیں اور کبھی ملک سقین میں آسمان سے سوخ رنگ کے نرم اور ٹھنڈے گیہوں پرستے ہیں مزہ انگامی اور شہد کا ہوتا ہے اور مثل برف کے ٹھنڈے ہوتے ہیں اگر ان کو حل کر کے عیب دار پر لگائیں تو عیب اسکا جاتا رہیگا اور اگر کوئی شخص ان کی دھونی سے فرشتوں کو دیکھنے لگے اور انہیں گیہوں کے ساتھ عطار وکے عمل کے وقت دھونی روشن کی جاتی ہے انبیاء علیہم السلام بھی اس دھونی کی پابندی کرتے تھے چنانچہ حضرت کلیم اللہ نے رحل کے واسطے ہفتہ کے روز دھونی روشن کی تھی اور عیسیٰ علیہ السلام نے مشتری کے واسطے پنجشنبہ کے روز اصرارہیم علیہ السلام نے شمس کے واسطے یکشنبہ کے روز اور آتش کے واسطے معکل کے روز دھونی روشن کی تھی اور زردشت نے مزخ اور عطار وکے واسطے اور ہمارے حضور نے زہر کے واسطے عمو کے روز دھونی روشن کی تھی اور اسی واسطے غار حرا میں خلوت کیا کرتے تھے یہاں تک کہ جبریل و جبرہ کلیجی کی صورت میں آپ پر ظاہر ہوئے جو شخص جنوں سے ملاقات کرنی اور ان سے کلام کرنا اور ان کا کلام سننا چاہے اس کو لازم ہے کہ ایک خالی مکان میں یکشنبہ یا چہار شنبہ کو بیٹھ کر یوں ان کی دھونی روشن کرے اور عمل کے ختم ہونے تک برابر روشن کرتا رہے۔ پھر ایک کنڈل کھینچ کر



اُس کے اندر بیٹھ جائے اور چالیس بار سورہ جن پڑھے جنہوں کا لشکر مانر ہو گا ان میں سے جسکو چاہے اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کرے اور ان سے کچھ خوف نہ کرے اور پھر اس سے تسبیح یا تلمیذ بنائے یا خزانہ نکلانے یا حبیب بعض کام لے۔

معلوم ہو کہ خواص نہایت بہت کثرت سے ہیں ہم چند خواص ان میں سے بطور اختصار کے بیان کرتے ہیں جو شخص یہ چاہے کہ سب کو دیکھے اور کوئی اسکو نہ دیکھے اسکو لازم ہے کہ سیاہ بلی کی کھوپڑی میں ازبک گانہ سجھائے پھر جب اس درخت میں پھل آنے شروع ہوں تو اس پر ایک کپڑا لپیٹ دے تاکہ کوئی ازبک ضائع نہ ہو پھر جب ازبک پختہ ہو جائیں سب پھلوں کو توڑ کر ایک ایک پھل منہ میں رکھے اور آئینہ میں صورت دیکھے جس پھل کے منہ میں رکھنے سے صورت نہ دکھائی دے وہی کام کا ہے۔

ایک یونٹی ہے جسکو ابھر کہتے ہیں یہ یونٹی انسان کی صورت ہوتی ہے جو شخص اسکو اپنے پاس رکھے اگر پتھر کی طرف اشارہ کرے وہ بھی اس کے ساتھ ہوئے۔

اور ایک یونٹی ہے جسکو ماسین کہتے ہیں اس کے پتوں کی دھونی جس شخص کا نام لے لیکر روشن کرے وہ شخص اس کے پاس آجائے گا اور دھونی کے وقت کلمات پڑھے۔ یا جامع یا جن اجمعوا وقد صولنا فی تالی عجلاد عجلاد شریکنا شریکنا کلمہ اللہ اللہ اللہ اور یہ عمل اتوار یا جمعہ کے روز کرنا چاہیے اس گھاس کی ایک شرب بھی بنتی ہے جسکو شرب ملاکہ کہتے ہیں سو وادی مزاج والوں کے واسطے مفید ہے اور عورتوں کے امراض حرارت کے واسطے بھی مفید ہے اور اگر اس کے پتوں کو خشک کر کے پیسکر آنکھ میں لگائیں تو پتوں کے جھک جانے کو مفید ہے اور حلق میں کوئے کے جھک جانے کو بھی اس کے دوا بنتی ہے اور بخار والے کو اس کی دھونی دینے سے بخار جاتا رہتا ہے اور جس عورت کے حمل میں بچہ کی پہلی بوقت پیدائش رہ گئی ہو یا اور کچھ رہ گیا ہو اس کی دھونی دیں نکل آئیگی اور اس کے پتے زیتون کے پتوں کیساتھ سرکہ میں جوش دیکر پیس لیں اور درد والے دانت پر لپک کریں تو بہت مفید ہے۔ ایک گھاس ہے جسکی جڑ زمین پر نہیں ہوتی بلکہ درخت بلبل و بلوط پر کثرت ہوتی ہے۔ اور حب العصفور اس کو کہتے ہیں کیونکہ چڑیا نہایت رحمت کے ساتھ اس کو کھاتی ہے اُس کی دھونی گھروں میں شیطان اور جادو کا اثر دور کرتے کے واسطے حضور نے فرمایا ہے اترے ہوئے بالوں



کو ضائع نہ کرو کیونکہ جادو گر اکثر انہیں پر جادو کرتے ہیں اور جادو باطل کرنے کے وقت سورہ لہرہ کے آیت کی دس آیتیں پڑھتی چاہئیں۔

اس یونیٹی کے دانوں سے تدا سو جو ایک خوشبو دار چیز سے نبٹا ہے کٹکی اور زعفران اور  
عود قمار کی کا برادہ پیسکر یہ دانے اس میں ملائیں اور عرق گلاب نہایت عمدہ ڈالکر جوش کریں جب  
خوب گاڑھا ہو جائے اتار لیں اور ٹھنڈا ہوتے کے بعد قرض تیار کریں۔

ترباق نافع ہندق عروق کو اخروٹ اور بادام اور تل اور پستہ کے ساتھ پیسکر شہد اور قدہ  
گلاب ملا کر رکھ لیں پھر کے کاٹے کے واسطے بہت مفید ہے اور قوت جماعی کو بے حد زیادہ کرتا  
ہے اور مخر اخروٹ کا گیہوں کے آٹے کے ساتھ مریرہ بنا کر کھانا کر کے ورد اور قوت جماع کو مفید  
ہے اور زیاج بارودہ کے مریض کو نفع کرتا ہے اور ترباق ابکر کا نسخہ جس کے اندر چالیس اجزاء ہیں  
عین الحیات میں مذکور ہے معلوم ہو کہ حیوان اور نبات اور روغنوں میں اس قدر تاثیریں ہیں  
جن کا بیان بہت طویل ہے ہم صرف ایک روغن کے عمل کا ذکر کرتے ہیں ابھی سماعت دیکھ کہ جس شخص  
پر عمل کرتا ہو اس کے نام کے ساتھ موسم ربیع کے بعد اس کے لئے لو اور اس کو ایک شیشی میں روغن  
زیت کے اندر ڈال دو اگر بغض کا عمل کرنا ہو تو طنبوب حبشی لو اور اگر محبت کا عمل کرنا ہے تو قرشی لو اور  
بادشاہ کی تسخیر کرنی ہے تو فارسی لو اور بیماری یا نقصان سے نکلنے کے واسطے کرمانی لو اور دھوپ  
میں رکھ دو اور جس قدر روغن کم ہو اسی قدر بڑھا دو اور روز اس کی خدمت کرتے رہو ہر روز صبح  
دو اور یہ کلمات کہو اَیُّهَا الطَّيِّبُوثُ الطَّاهِرُ لَا تُكُونِي لِمَا أَسِيئُ وَأُذْئِبُ وَأُحْزِنُ وَلَا تَكُنْ لِي  
و۔۔۔ یہ روغن چاند کی کمی میں کم ہو گا اور زیادہ میں زیادہ ہو گا اگر اس روغن کو جسم پر مل لیں آگ  
اثر نہ کرے گی۔

بعض پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کا چھوڑ دیا کلباڑا بنا بیٹیں اور اس سے کام لیں تو بالکل آواز نہیں ہوتی اور ایک پتھر ایسا ہوتا ہے کہ اگر اس کو تنور میں ڈال دیں تو کوئی روٹی سالم نہ نکلے تنور میں گرہاڑے گی۔ اور مقناطیس کے خواص یہی تم کو معلوم ہیں اور حیوانات کے خواص کتاب الحيوان میں تلاش کرو۔



## پیسوان مقالہ

علم عزائم و تسخیر کواکب کے بیان میں

ہفتہ کے روز صبح کے وقت سیاہ یا نیلگوں لباس پہن کر مغرب کی طرف منہ کر کے یہ نحمدہ رقص کرو لو بان سیاہ دانہ انار کے چمکے لائی اور زحل کی تسخیر کے واسطے یہ عمل پڑھو مگر تدریس یا تثلیث کا

وقت ہونا ضروری ہے۔ عزیمت یہ ہے۔ اَيُّهَا السَّلَاحَانُ الْاَعْظَمُ وَالْمَلِكُ الْعَزِيزُ مَلِكُ الْفَلَاحِ السَّيِّئَةِ لَهُ النُّجُومُ الْخَاسِفُ الْمُنْزِلُ شَرُّ حَالٍ اَنْتَ اَشْرَفُ الْكُوكُوبِ وَسَيِّدُهَا وَمُؤَيِّدُهَا اَسْأَلُكَ اَنْ تُعْطِنِي وَاَنْ تَخْفِي وَيَصْلُمَ مِنْكَ لِي۔

اور ایک شنبہ کے روز طلوع آفتاب کی وقت اس کی طرف منہ کر کے حضور قلب کے ساتھ یہ عزیمت پڑھو۔ اَيُّهَا السَّيِّدُ لَا الرَّفِيعَةُ وَالْمَلِكَةُ الْمُطِيعَةُ وَالْمُسْتَبِيرَةُ الْكَبِيرَةُ الْيَتِي حَاسِبُكَ بَغِيضُهَا عَلَى الظُّلُمِ فَصَارَتْ اَنْوَارُ اَذَلِّهَا طَاهِرَةً وَسُلْطَنُهَا قَاهِرَةً اَسْأَلُكَ اَنْ تُعْطِنِي مَا يَصْلُمُ مِنْكَ لِي وَاُخْرِجَنِي مِنْتَكَ اِلَيَّ وَاَنْتَ الْمَلِكَةُ الْعَزِيزَةُ وَالسُّلْطَانَةُ الْحَمِيدَةُ يَحَقُّ مَنْ سَعَدَ بِكَ وَهُوَ الْمَلِكُ الْعَظِيمُ۔

اور ہر کے روز پہلی ساعت میں تم کرایہ عمل پڑھو اَيُّهَا الْكُوكُوبُ الْاَظْهَرُ وَالْقَمَرُ الْاَكْبَرُ الْبَارِدُ الرَّطْبُ الْحَالُ فِي الْفَلَاحِ الْمُعْتَدِلِ الْبَارِدِ الْلطِيفِ اَسْأَلُكَ بِحَقِّكَ وَيَحَقُّ الْمَلِكُ الْمُعْطِيكَ مِنْ نُجُومٍ اَسْأَلُكَ اَنْ تُعْطِنِي مَا يَصْلُمُ مِنْكَ لِي۔ اور شنبہ کے روز مزج کے واسطے یہ عمل پڑھے۔ اَيُّهَا السُّلْطَانُ الْحَارِ الْنُورِيُّ النَّارِيُّ الْمُنْزِعُ الْمُنْهَشُ اَنْتَ بَهْرَامُ السُّلْطَانِ صَاحِبِ السَّيْفِ وَالسَّكْفِ ذُو الْعَرْشَةِ الدَّائِرَةِ الْفَتْرِ الْاَكْظَمِ صَاحِبِ الْحَرْبِ وَالصَّلَاحِ وَالْاَمْنِ اَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُلْطَنَتِكَ وَوَلَتِكَ وَقَمَرِكَ اَنْ تُعْطِنِي مَا يَصْلُمُ اور چار شنبہ کے روز عطار کے واسطے یہ عمل پڑھو۔

اَيُّهَا الْكُوكُوبُ الْلطِيفُ الشَّرِيفُ وَالْكُوكُوبُ الْكَاتِبُ الْحَاسِبُ الْعَالِمُ

طہ اسے بڑے بادشاہ نحت شکر والے مسلمان کے ملک جس کے ستارے تالچ ہیں اور وہی دھنا لاندہ زلزلا والے والا ہے کون بھنے زحل تو سب کواکب اشرف اور ہر داس اور رہبر اور ان کی تائید کرنے والا ہے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھ کو اپنے پاس سے ایسی چیز عنایت اور بخشش کر جو میرے واسطے درست ہو۔ اس طرح کل غزیتوں کے معنی قیاس کر لینے چاہیے۔



مَمَّا كَرِهَ الْغَلَّكَ وَكَرِهَ مِيرَا وَمَلَا طِفَّةً وَمَشِيرًا بِطَافَةٍ أَخْلَقَكَ وَطَيَّبَ عَرَاؤِكَ وَحُسِّنَ  
نَمَتَكَ وَصَفَاتِكَ الْحَمِيدَ لَا وَخْلًا قَلْبَكَ الْحَمِيدَ لَا الْحَسَنَةَ الطَّيِّبَةَ أَنْ تُعْطِيَنِي مَا يُصْلِحُ لِي مِنْكَ  
اس عمل کے وقت خوش طبیعت رہنا اور منشیوں کی حالت بنانا ضروری ہے۔

اور پنجشنبہ کے روز یہ دعا مشتری کے واسطے پڑھے اَيُّهَا الْكَوْكَبُ الدَّيُّمُ الصَّالِحُ  
الْقَوِيُّ الرَّفِيعُ السَّابِغُ الْمَطْبُوعُ السَّمِيعُ الْخَوَّصُ الذَّاكِرُ الشَّاكِرُ الْعَاشِرُ الْحَامِدُ  
الْبَاهِرُ لِحَافَتِكَ الْمُسْتَغْفِرُ عِنْدَكَ الْكَثْرُ أَحْيَاءِ الْأَمْوَاتِ وَالَّذِي يَبْرُءُ مَنْ عَلَى دَاوِ  
أَمَّا لَكَ بِحَقِّ دِينِكَ وَأَمَانَتِكَ وَمَوَدَّتِكَ وَلَهْ وَاتِّكَ وَطَاعَتِكَ أَنْ تُعْطِيَنِي  
مَا يُصْلِحُ لِي مِنْكَ۔

اور جمعہ کے روز زہرہ سے مخاطب ہو کر یہ وظیفہ پڑھو۔ اَيُّهَا النَّفْسُ الطَّاهِرَةُ الزَّهْدَةُ  
الْبَاهِرَةُ ذَاتُ الْقُوَّةِ وَالنَّظَرِ وَالرَّافِعِ وَاللَّعِبِ وَالشَّرِبِ وَلَا كَلَّ الْفَرِحَةِ  
النَّزْهَةِ النَّاطِرَةِ الْمُرْتَبَةِ الطَّائِعَةِ لِرَبِّهَا الْحَرَّةُ الظَّاهِرَةُ أَسْأَلُكَ أَنْ تُعْطِيَنِي  
مَا يُصْلِحُ لِي مِنْكَ۔

اس فن کے علما فرماتے ہیں کہ ہفتہ کار روز حضرت موسیٰ کے واسطے مخصوص تھا اور اتوار حضرت سلیمان  
کے واسطے اور بہت سے نبی بھی اس میں شریک تھے اور بہت سے بادشاہ بھی اس روز میں شمس  
کے واسطے بخور روشن کرتے تھے اور پیر کار روز قمر سے متعلق ہے اور روز یروں کے واسطے مناسب  
ہے اور اسی دن میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بھی دھونی روشن کی تھی اور بدھ کار روز عطارد سے  
متعلق ہے اس میں زر دشت مجوسوں کے بتی نے دھونی روشن کی تھی اور جمعرات کار وزعیس علیہ  
السلام کے واسطے مخصوص تھا اور جمعہ کار وزہما سے مخصوص ہے واسطے مخصوص ہے زحل کی تسخیر  
سے اس قسم کے منافع پہونچ سکتے ہیں خزانوں کا لگانا نہروں کا کھودنا درختوں کا لگانا وغیرہ اور  
شمس سے ملک و سلطنت کے فوائد پہونچتے ہیں اور قمر سے وزارت کے اور مریخ سے لڑائی  
جھگڑے کے اور عطارد سے کتابت اور حساب اور نقاشی و ہندسہ وغیرہ کے اور اعمال  
عزائم بھی اس سے متعلق ہیں اور مشتری زہرہ اور دیانت اور زحل طلسمات سماویہ کے واسطے  
اور جمعہ زہرہ کے واسطے ہے علما و فن کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے جو بعد زوال کے لوگوں



کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں حکمت ہے کہ اس وقت خواص حصول مطالب میں اثر کرتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔

معلوم ہو کہ لوگوں نے خاصیت کے اندر بہت اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم اول کتاب میں ذکر کر چکے ہیں حیوانات و نباتات کے خواص بہت ہیں جن کے متعلق ہم نے ایک طویل فصل حاجت سے زائد بیان کر دی ہے۔

### اکیسواں مقالہ گفتگو کے بیان میں

جبکہ کلام کی حد یہ ہے کہ سننے والے کو فائدہ پہونچائے لازم ہوا کہ ہم تم ہی سے تمہارے عقائد کے موافق تمہارے قول کی حقیقت معلوم کریں تم کہتے ہو کہ کلام فی النفس قائم ہے اور پھر کہتے ہو کہ کلام کرنے والا حکم کرنے والا ہوتا ہے یا منع کرنے والا اور حکم یا منع ایک ہی نفس ہوتا ہے اب بتاؤ کہ جو بات اس کے نفس میں ہے اس کو وہ ہمارے تیل کیسے سنا سکتا ہے اور کس طریق سے وہ ہم تک پہونچ سکتی ہے اگر تم کہو کہ الہام کے ذریعہ سے تو وہ ایک مخلوق ہے جس کو اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ تم اس بات کو سمجھو جس کو نہیں سمجھتے تھے اور اگر تم کہو کہ کتابت کے ذریعہ سے تو یہ ایک قسم کا مفاعلت ہے اور نیز تمہارے مقابل کلام کو جوف اور آواز کے اقرار کرنے سے اور بھی تنگ کیا ہے اس کے متعلق اس قدر بیان کافی ہے۔

اور چونکہ علم توحید کا طلب کرنا فرض ہے ہم پر واجب ہوا کہ اس کی طرف بھی ہم اشارہ کریں اور جو بیان اسکا سمجھنے اپنی اور کتابوں میں کیا ہے اس میں کچھ بیان بھی نقل کر دیں بس سب سے پہلے ہم صانع کا ذکر کریں ہمیں معلوم ہو کہ کوئی صانع سے خدا نہیں ہے اس صورت انسانہ کو دیکھو جو الف کی شکل رکھتی ہے کہ اس کے صانع نے اس کے اندر کیا کیا بدائع اور عجائب رکھے ہیں دیکھو اس کا سر اس کے جسم کا آسمان ہے اور دونوں آنکھیں ستارے ہیں اور چہرہ شمس قرعہ فرمایا ہے خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ پھر پانی کو دیکھو کہ پانی کے مختلف رنگ اور مختلف مزے ہیں کوئی کڑوا ہے کوئی ٹھیکین ہے اور کوئی پیٹھا اور کوئی بد بو دار ہے۔

زمین میں جو چیزیں ہیں وہ سب جسم انسانی میں موجود ہیں۔ دونوں مونڈے پہاڑ ہیں اور دونوں بازو اور کلاہیاں درخت ہیں۔ اور انگلیاں شاخیں اور ناخن پھل ہیں اور بال گھاس ہے اور دانت اور زبان اس کی بادشاہ کا ترجمان ہے اور معدہ اس کا باورچی ہے۔ اور ایک قوت اس کے اندر ایسی ہے جو غذا کو روگوں اور پیٹھوں اور بالوں اور کھال اور گوشت پر تقسیم کرتی ہے جو خون غلیظ ہوتا ہے



اس کے ساتھ جسم کی تربیت ہوتی ہے اور جو رقیق ہوتا ہے وہاں ایک مقاموں میں پہنچتا ہے پھر بھی خون پشت میں پہنچ کر حرارت مغزری کے اثر سے پختہ ہو کر ایک گاڑھا سفید پانی بن جاتا ہے جیسا کہ فقہا بیان کرتے ہیں پھر وکیل حرارت اس کو خصبیوں کے خزانہ میں پہنچاتا ہے اور خصبیوں کی رگیں اس سے پھول کر مرو کے دل میں عورت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک گرم بخار قصبیہ کی رگوں میں پہنچ کر اس کے اندر استادی پیدا کرتا ہے اور شہوت کی قوت قصبیہ کے منہ سے خزانہ تصویر میں جو اسکا محل قابل ہے اس پانی یعنی منی کو رحم میں داخل کرتی ہے پھر قدرت کا ہاتھ برا سطر حرارت کے اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے زمین میں دانہ کی پرورش ہوتی ہے اور یہ پرورش اس کی طرح ہے جو سونے یا چاندی کی اکیر کے واسطے کی جاتی ہے اور سلطنت یا فقر کی سعادت یا نحوست نطفہ کے رحم میں آنے کے وقت لکھی جاتی ہے پھر یہ نطفہ حلقہ یعنی خون میں جوتا ہے پھر قدرت اس کو بواسطہ حرارت مغزری کے تربیت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک جسم پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں خطوط مثل تصویر کے پیدا ہوتے ہیں اور اندر پیٹ و سینہ میں تجویف پیدا ہوتی ہے اور قلب وغیرہ اعضاء پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح کے انوار بطریق بخار صادر کے مکشوت ہونے میں طہیوں کے نزدیک یہی بخار روح ہے، اور یہی بخار خون سے پیدا ہوتا ہے اس روح ہی کے ساتھ جسم حرکت کرتا ہے اور وہ نفس لطیفہ غورہ جو کلمہ کن ہے پیدا ہوتا ہے وہ ان جابا مذکورہ لطیفہ اور انجہ مصورہ علاوہ ہے وہ نفس عالمہ محققہ مدکہ لطیفہ زبانیہ حساسہ متکلمہ عالمہ موت کے بعد باقی رہنے والا ہے جیسا کہ جسم سے پہلے اپنے مبدئ میں موجود تھا پھر جب یہ بچا اپنے وقت مقررہ کو پورا کرتا ہے اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر اختیار کے نکل آتا ہے جیسے کہ اس کا مرنے اور پھر قیامت کو اٹھنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثل نیند اور بیداری کے یہی نفس ناطقہ جسم کے اندر بادشاہ ہے جو قلب کے تخت پر متمکن ہوتا ہے اور یہی امر نہیں کہنے والا ہے عقل اس کی حاجب ہے اور علم وزیر ہے اور نفس چراغ ہے اور تصدیق منہاج ہے اور قلب دریا اور حکمت موتی اور باقوت ہیں اور جسم ایک شہر ہے اور اعضاء لشکر ہیں اور دسویں دشمن ہیں اور حسن اقوال و افعال فرشتے ہیں اور خیر سے روکنے والے خیالات شیاطین ہیں۔

عارفوں کے نزدیک قلب ہی عرش ہے سینہ لوح ہے اور امر و نہی کا الہام قلم ہے جو جو شر کو



روح پر لکھتا ہے اور زبان ترجمان ہے اور اسٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ چار حواس ظاہری ستارہ بکھتا سو نگھتا چکھتا اور چار باطنی علم اور عقل اور تصدیق اور یقین ہیں اور خوف رکھنے والے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب یہ قلب کا عرش جو خدا کا گھر ہے دوسو سوں اور رذائل سے پاک ہوتا ہے اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فکر کی خوشبو اس میں روشن ہوتی ہے اس وقت وہ تجلی الہی کا مستحق ہوتا ہے اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور محبت کا ساٹھان طہارت قلب کی کرسی پر قائم ہوتا ہے اور معشوق سدرہ وصال کی سرحد پر جلوہ فرماتا ہے اور مجاہدہ کر نہوا لا مجاہدہ کی حکمتوں کے درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تشنہ صمد کے حوض سے توجید کا نور پیتا ہے اور خصال حمد کے خاص کپڑے دیکھ کر غزانہ سے زیب بدن فرماتا ہے اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا مشاہدہ غافل لوگ نہیں کرتے بیشک یہی بڑی کامیابی ہے اور اسی کے واسطے چاہیے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

پھر اے وہ شخص جو علم و عمل کے ساتھ کامل اور اخلاق مجیدہ کے ساتھ تصف اور اخلاق ذمہ سے منزہ ہے جب تک کرسی کمال پر چٹکن ہو گئے اعضا کے فرشتے تمہارے مطیع ہو کر سجدہ کریں گے اور مہربانی کا ہاتھ تمہارے دل کی جنت کے دروازے کھول دیں گے اور تمہارے احسان کی خوب صورت حور جلوہ کریں گی اور محبت دنیا سے پیچھے رہنے اور بھٹ جانے کے عمل تیار ہونگے اور اپنی ہمت کے موافق تم اپنی تمنا کو پہونچو گے۔

پھر تمہارے بدن کا آدم اور محبت حق میں رونے کا نوح اور تمہارے خلوص و عشق کا خلیل تمہارے حسن جمال کے ساتھ جلوہ کرے گا اور یعقوب تمہارے عقوبت نفس اور دفع شہوات کا اور موسیٰ تمہارے کھسار حال کا اور داؤد تمہارے دوا کا اور سلیمان تمہاری سلامتی کا تمہارے بساط انصاف پر جلوہ فرمائے گا اور تمہارے اعضا کے جنات اور تمہارے مجاہدہ کی خوشبو ہو تمہارے سحر ہوگی پھر تمہارا خضر ایمان تمہارے چشمہ حیات کے قریب ابراہیم کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمہارے عقل کا ذوالقرنین تمہارے بلند ہمتی کی لگام پکڑ کر تمہیں شہوات کے دریا نکالے گا اور تمہارے مغرب شمس ایمان کے پاس پہنچا دیگا پھر وہاں سے مطلع شمس عقل کی طرف لے آئیگا پھر تمہارے غفلت اور شہوت کی دونوں سدوں کے درمیان میں کھڑا کرے گی تاکہ تم کو چاہئے کہ اپنی جہالت



کے سب کو مجاہدہ بھی میں لگاؤ والا اور اس وقت تم اپنے اعضاء نفس اور قلب کو توجہ میں ملاؤ  
دیکھو گے اور غدا و عقاب سے مخوف ہو کر قرب کی چھڑکھٹ میں بعیش بہ آرام ہو گے۔ **اِنَّ الْمُتَّقِينَ اَحْسَنُ مَلٰٓئِكَةٍ بِرِصِيصَتٍ** ہے اور یہ شک متقیوں کے واسطے اچھا سکنا ہے پھر تمہاری لذت  
عیش و زندگی کا عیسے اور تمہارے لطائف اعمال کی حمد کا حمد تم پر منجلی ہو گا اور یہی اس حدیث کے  
معنی ہیں کہ تم میں اپنے رب کا زیادہ پہچاننے والا وہی ہے جو اپنے نفس کو زیادہ پہچانتا ہے دیکھو کہ  
بزرگ دلوں پر روح کے اسرار کس طرح منکشف ہوتے ہیں جو اسرار کہ جاہل اور عوام لوگوں سے  
پوشیدہ ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ عاشقان خدا عشق الہی کو دوسروں کا نام لیکر کس طرح چھپاتے  
ہیں جنہوں کو دیکھ کر اس نے یہی کا نام لیکر کس طرح عشق الہی کو پوشیدہ کیا جس کی دلیل اس اشعار میں موجود ہے۔

لَقَدْ رَأَيْتُ الْحُبَّ سَيِّدًا هَغِغًا وَنَمَتْ عَلَيْهِ شَوَاهِدُ الصَّبِّ

اَوْقَعْتُ غَيْرَكَ فِيْ ذٰلِكَ فَسَتَرْتُ وَجْهَهُ الْبُحْبُ بِالْحُبِّ

جنوں سے کسی نے پوچھا کہ تم کو کونسا وقت پسند ہے کہا لیل یعنی رات پوچھا کہ قرآن میں سے کون  
سی آیت تم کو محبوب ہے کہا **اَلَّذِيْ تَشْتٰى بِلٰجِنٰہِمْ** کا قاعدہ تھا کہ ملاحوں کی خدمت کیا کرتے تھے کیونکہ  
ملاح جیب رسی کو کھینچتے ہیں تو لیل لیل کہتے ہیں اسے بھائی یہ اصول اس خلعت کا فیہ کے ہیں کیا  
میں صالح قدیم کے وجود پر دلیل نہیں ہے اور پھر بھی اگر تم شک میں ہو تو شہد کی مکھی کو غور کرو کہ  
کس طرح پھولوں کو لاکر مسدس اور صمن خانے بناتی ہے اور موسم سے شہد کے خانوں کے بیج میں  
دروار کھڑا کرتی ہے اور ان خانوں کے منہ کو اس ترکیب سے بند کرتی ہے کہ چاہے کس قدر بارش ہو مگر  
شہد تر نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ کہ یہ الہام اس کو خدا کی طرف سے نہیں ہوا ہے۔ تو کسی کی طرف سے ہوا ہے اور  
اگر یہ کہو کہ یہ الہام اسی نفس کی طرف سے ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اور کسی حیوان کے نفس نے ایسا  
کیوں نہیں کیا اور حیوان کی عقل کو دیکھو کہ جب وہ غلہ جمع کرتی ہے تو دانوں کو بیج میں سے کتر کر دو  
حصہ کر دیتی ہے تاکہ بارش ہونے سے دانہ پھوٹ نہ آئے اور مکرپی کو دیکھو کہ شکار پکڑنے کے واسطے  
کیسے جال پھندے تیار کرتی ہے پس کیا جس نے ان سب کو یہ باتیں سکھائی ہیں وہ صالح نہیں ہے۔

نہ جب میں نے دیکھا کہ محبت مجھ کو دہشت دلاتی ہے اور عشق کی گواہیاں میری چٹخوری کرتی ہیں پس میں نے تیرے  
غیر کو ان کے گمانوں میں ڈال دیا اور محبت کے چہرے کو محبت کے ساتھ پوشیدہ کیا۔



بڑے تعجب کی بات ہے کہ مجہود کی نافرمانی کی جگہ یے یا کوئی اس کا انکار کرے ہر ایک حرکت و سکون میں  
توحید خداوندی کی گواہی موجود ہے اور ہر شے میں اس بات کی نشانی ہے کہ وہ واحد اور یکتا ہے  
اے شخص سننے اور دیکھنے اور بڑھنے اور بکھنے وغیرہ میں وجود صانع کی نشانیاں ہیں اس کے متعلق  
سورہ نمل اور شروع سورہ ذاریا اور اسلاام سورہ نبا کی آیات دیکھو اور سورہ شرا اور حدید کے  
توجید ملاحظہ کرو پس پاکی ہے اس ذات کو جو قدیم باقی یکتا ہے اپنی کل مصنوعات میں اس کے ارادہ  
میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے زندہ ہے علم والا ہے غالب حکمتوں والا ہے سننے دیکھنے ارادہ  
کرنے والا ہے اپنے کلام قدیم کے ساتھ متکلم ہے جو کچھ ہوا یا ہوگا سب اس کی لوح میں موجود ہے اور  
سب کو وہ جانتا ہے پس اے بھائی اسی کو اختیار کرو اور جس اسی کو کافی سمجھو تم کو راحت اور فلاح  
نصیب ہوگی۔ اور اس کے ساتھ تجارت کرنے سے تم کو بہت بڑا فائدہ ہوگا۔

### پانچواں مقالہ (وجود عالم کے بیان میں)

معلوم ہو کہ عالم مخلوق ہے خدا نے اسکو بغیر کسی ضرورت کے اس واسطے پیدا کیا ہے کہ اپنے خالق  
کو پہچانے اور خالق کی سلطنت اور قدرت ملاحظہ ہو پس سب سے پہلے جو چیز خدا نے پیدا کی وہ عرش  
ہے پھر کسی پھر آسمان پھر روزخ و جنت پھر زمین اور کل کائنات کی اصل ایک جو ہر سے ہے جسکو فلاسفہ عقل  
فعال اور نفس کلیہ کہتے ہیں پھر اس جو ہر کے بخار سے آسمان اور اس کے جھاگوں سے زمین پیدا کی  
اور ہوا کے سبب زمین بانی پر نمود ہو گئی فلاسفہ کہا کرتے ہیں یہ فیض اس جو ہر کو عقل فعال اور نفس کلیہ  
سے ہو چکا ہے پس عقل ہمارے نزدیک عرش ہے اور نفس کلیہ لوح ہے اور نفس فیض متقاویر کا جاری  
ہونا ہے سب عبادات و اصطلاحات ہیں کیونکہ فیض کے اندر مزاج ایک ہے اور عبادات مثل روزہ  
کے کہ اس میں کھانے پینے سے رکنا ہوتا ہے بے کار نہیں ہے بلکہ ان کے اندر بہت سے اسرار ہیں  
چنانچہ ہمارے سر کے اوپر کون نامہ کرہ ہوا میں جس شخص کو عبادت کی عادت ہوگی وہ اپنے صبر کے  
ساتھ ان کو طے کر جائیگا اور اس معتدل مکان میں ہوا پہنچا جہاں نہ سردی ہے نہ گرمی یعنی جنت  
میں فرشتوں کے ساتھ رہیگا اور اہل معارف سے نہایت خوشحالی کی حالت میں ملاقات کریگا اس مکان  
یعنے جنت میں نہریں جاری ہیں ہوا یہاں کی معتدل و مفرج ہے اور اس کے رہنے والوں کے  
واسطے ہمیشہ کی زندگانی ہے اور خدا کا پڑوس ہے اور یہ سب نعمتیں ان لوگوں کے واسطے ہیں



جنہوں نے اس دارغور یعنی دنیا میں عبادت کی محنتیں کی ہیں اور دارابایت و سرور کی طرف راغب ہوئے ہیں۔ جس شخص کا نفس مرتے وقت اپنے پس ماندہ مال و اسباب میں مچنسا ہوا ہوگا اس کی مثال پر قبیح پرند کی سی ہے یعنی یہ شخص حجاب شرک کے سبب ہے۔ آسمان پر نہ پہنچ سکے گا۔

اور جس نے دنیا کو اپنے پیر کے نیچے ڈال دیا اور کسی چیز میں دل نہ لگایا وہ معظم و مرقم ربیگا فرشتے اس کے استقبال کو بشارتیں لے کر آئیں گے اور اپنے خالق کے دیدار سے مشرف ہوگا اور مشاہدہ کے ہوتے ہی اس دور دراز سفر کی تھکان بالکل جاتی رہے گی اور راحت کے سارے مقصد حاصل ہونگے اور اس کے گھر بار اہل و عیال کے بڑے نہایت عمدہ گھر بار اور نیک اہل و عیال اس کو ملیں گے اور اس کے اور اس کے دنیاوی دوستوں کے درمیان میں بھول کا پردہ ڈال دیا جائیگا یہ حالات اُن لوگوں کے ہیں جو کھانے پینے کی خواہشوں سے بالکل منزہ ہیں اور نیند بھی ان کو نہیں آتی ہے یہ حالات ان پاک نفسوں کے ہیں جو مجاہدہ کی آگ میں پگھل چکے ہیں اور علوم و اعمال کے ساتھ اختیار کی کدورت سے صاف ہو چکے ہیں اور جو نفس کہ خبیث اور جب دنیا میں مقید ہے وہ اس عالم سے جدا ہو کر اپنی طبیعت کی ظلمت میں گرفتار ہو جاتا ہے جو اس نے اعمال کئے ہیں ان کے سبب سے محبوب اور جو اُس نے چھوڑا ہے اس کے خیال میں مقید رہتا ہے اور یہ قید اس کو مروج سے مانع ہوتی ہے کیونکہ وہ نفس اپنے مظالم کے ساتھ مریون ہے کل اُخیری بِمَا كَسَبَ رَهُونًا اور دونوں سرد و گرم کروں کے درمیان میں اسکو عذاب ہوتا ہے اور جس قدر زمانہ اسکو عذاب میں گزرتا ہے اپنی رستگاری کے ذریعے دھونڈتا رہتا ہے مگر ان کا ملنا دشوار ہے پس اس عذاب سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں ہے اس کے افعال ناپاک سے بچو اور اس کی جہالت کے اُچی اسکو کاٹتے ہیں کیونکہ یہ جہالت کے سبب سے نور عقل سے محجوب تھا اور اس وقت رب الرباب کی طرف سے یہ خطاب سننا ہے۔ اَذْهَبْنِمُ ظِلْمًا تَكْمُرُ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا۔ باوجود ان باتوں کے پھر تم دنیاوی عیش و طرب میں مشغول ہو کیا تم یہ سمجھتے ہو کون مل گیا ہے جو تم اس قدر خوش ہوتے پھرتے ہو نصیحت سے تم کو کچھ اثر نہیں ہوتا اذْهَبْنِمُ ظِلْمًا تَكْمُرُ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا تَكْمُرُ حُوتٌ فِي الْاَرْضِ بِخَيْرِ الْحَيِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَكْمُرُ حُوتٌ طَائِفٌ فِي الْفَرَجِ لَمَّا اَتَمَّ كَوَانِیْ غَلَاصِیْ كَے فکر میں مشغول رہنا چاہیے ۵

اِذَا نَتَّ لَمْ تَمْسُدْ لِنَفْسِكَ مَوْضِعًا فَانْتَ عَلَيَّ بِالنَّجَاةِ بِخَيْرٍ

نہ جب کہ تم نے اپنے نفس کے واسطے کوئی جگہ تیار نہیں کی پس تم اس پر نجات کے ساتھ قبول ہو



تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا عبادت میں مشغول ہونا بھی عین عبادت ہے، مگر تمہارا راستہ تم چلتے ہو اور پھر یہ کہتے ہو کہ تم نیک ہو یہودہ باتوں میں مشغول ہو کر ان کو سچا سمجھتے اور اپنے نفس کے خواص کی معرفت سے جاہل رہتے ہو تم کو خبر نہیں ہے کہ تمہارے بالوں پر جادو ہوتا ہے اور تمہارا اپنے دانت سے کاٹنا دیوانہ کتے کے کاٹنے سے بڑھ کر ہے اور تمہارے منہ کی بھاپ لڑائی پیدا کرتی ہے اور تمہارے کٹے ہوئے ناخن ہلاک کرتے ہیں اور اسی قسم کے بہت سے خواص حیوان کے اندر ہیں جن کو تم نہیں جانتے ہو مثلاً کچھ کلپتہ اور چرنی فریب کرتا ہے اور گوشت اس کا باوجود حرام ہونے کے ریاحوں کو دور کرتا ہے خرگوش کا جگر جگر کو فائدہ کرتا ہے اور اس کی آنکھیں آنکھوں کو مفید ہیں اور چرنی اس کی ریاحوں کو فائدہ کرتی ہے خنزیر کی چرنی جانوروں کے چارہ میں ملا کر دینی ان کو فائدہ کرتی ہے۔ اندھے کا تیل بالوں کے واسطے مفید ہے اور کانٹوں اور گہیوں کا تیل مسوں کے واسطے نافع ہے۔

اور سی کی چرنی ریاحوں کو نافع ہے اور گناٹھالی کو دفع کرتا ہے۔ گدھے کا دماغ قاتل ہے اور ہر میں بہت سے منافع ہیں جن کو کتاب الحیوان کے مصنف نے وضاحت سے لکھا ہے اور جوزہ ہندی یعنی اخروٹ ہر لیسہ کے اندر جماع کے واسطے نافع ہے اور بہت سی مچھوئیں اور روغن ایستادگی کو فائدہ کرتے ہیں غالب سردی اور غالب گرمی دونوں قاتل ہیں کھانے کے بعد پانی پینا نقصان کرتا ہے اور پیشاب کا رکنا بہت ضرر پہنچاتا ہے فصد بہت اچھی ہے اور کچھنے لگانے اور بھی زیادہ مفید ہیں قے معدہ کو پاک و صاف کر دیتی ہے قدرے ٹکڑی کا گوشت نافع ہے اور مرغ کا شوربا سرخ مزاج والے کو فائدہ کرتا ہے گہیوں کے پڑے گئے جماع کر نبولے کے واسطے بہتر غذا ہیں ہر پسوں کا کھانا بہت افضل ہے۔ شربت انار معدہ میں کمزوری کرتا ہے تربوز میں دس فائدے ہیں کھانا بھی ہے اور پینا بھی ہے اور ٹھنڈا خوشبودار بھی ہے پیشاب کو جاری کرتا ہے اور مثانہ کو دھو ڈالتا ہے اور اس کو کھا کر قے کرنے سے غلط فاسد نکل جاتی ہے اور اس کے اندر چار مغزی ہیں حلق کو نقصان کرتا ہے صفر کو زیادہ کرتا ہے اور کھجلی پیدا کرتا ہے اور سکنجبین اس کی مصلح ہے۔ بہتر میوہ وہ ہے جو پختہ اور تازہ ہوتا ہے کھانے سے پہلے کھانا چاہیے سوا امرود کے کہ اس کو کھانے کے بعد تھوڑا سا کھا لینا نافع ہے۔

خواہش سے کم کھانا کھانا آنکھوں کو مفید ہے کیونکہ بعض اوقات یہ ہضمی کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ کھانے کے بعد جلد پانی پینا چاہئے اور نوالہ کو چبا کر اور بڑی کو چوس کر کھانا بہتر ہے اور بغیر جانے کے نوالہ



کھانا بہت برا ہے گرمی کے موسم میں ترش چیز نفع کرتی ہے اور جاڑے کے موسم میں میٹھی چیز مفید ہے کل میوؤں میں بہتر انجیر اور انگور ہے اور انار ملاسی قسم کا عمدہ ہوتا ہے کھانا کھانے کے بعد یا سونے کی وقت قدرے کھا لینا چاہئے جماع کرنے والوں کو نقصان کرتا ہے خصوصاً ترش انار۔

### تیسواں مقالہ (شربتوں کے بیان میں)

سکنجبین کو سب سے پہلے ذوالقرنین نے ایجاد کیا ہے صفرا اور بد بھنی کو مفید ہے شربت انار عمدہ کو کمزور کرتا ہے اور جگر میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے شربت غنقاش و بنفشہ و نیلو فرسب سرکے واسطے مفید ہیں شربت و اسن خلط سوداوی کو دور کرتا ہے یہاں تک کہ ابو نعر فارابی کا قول ہے کہ اس شربت کے آگے مفرح صغیر کی ضرورت نہیں ہے شربت سیب میں قلب کے واسطے فوائد ہیں۔ شربت گلاب خلط صفراوی کو دور کرتا ہے اور اگر پانچ ماشہ تربد اور سات ماشہ سورخان کا سفوف بنا کر اس شربت سے پہلے یا اس کے بعد چھانک لیا کہ وہ تو بہت بہتر ہے۔

### مردوں کا بیان

بھی کام بہ گرم مزاجوں کو نفع کرتا ہے سیب کامر بہ جنضع قلب کو جو گرمی سے ہو مفید ہے شہتوت کلبت حلق کے دکھنے کو آرام کرتا ہے کل شربت اور مرے اور دوائیں اس وقت فائدہ کرتی ہیں جب کہ پرہیز کیا جائے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ عمدہ مکان دوا کا ہے اور پرہیز دواؤں کا سردار ہے اور جس بدن کو جس چیز کی عادت ہو وہ اس کو کھلاؤ جس شخص کو جس شربت کی عادت ہو اس کے واسطے کچھ مریج نہیں ہے کہ بوقت ضرورت اس کو پانندی کے ساتھ نوش کرے ابو طالب لکھی فرماتے ہیں تندرستی کے وقت دوا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ اس سے بھی بیماری پیدا ہوتی ہے موسم خریف میں دوا کا استعمال بہ نسبت ربيع کے بہتر ہے کیونکہ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو سہولت پیدا کرتی ہیں ساگوں میں بہتر ساگ ملیون اور پالک کا ہے ابن قتیبر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا چار ساگ جنت کے ہیں اور شب میں پانچ ایک قطرہ جنت کے پانی کا برتنا ہے پالک اور کاسنی اور ملیون اور کاہو کاسنی میں تیرید ہے اور پالک اور ملیون میں ترتیب ہے اور کاہو خون صالح پیدا کرتا ہے ملیون کے ساگ کھانے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ زردہ بیغنہ مرغ کے ساتھ کھایا جائے اور عمدہ لکڑی وہ ہے جس کے اندر خانی جگہ کم ہو کر قس کا قلیل استعمال



سہ سہل جاتے ہیں اور بعض شہروں میں لوگ اسکو تبرک سمجھتے ہیں سداب کے استعمال جذام پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کی اصلی کمپیوں کے گروہ سے ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے انجیر کھایا جائے یا خشک جذام اور نقرس اور برص کو فائدہ کرتا ہے۔ بعض اطباء کا قول ہے کہ انجیر میں ناسور کے آرام کرنے کی خاصیت ہے۔ خون جھن کو یہ جاری کرتا ہے بہتر انجیر وہ ہے جو چھوٹا نیلگوں اور تختہ ہو نہار منہ اس کا نوش کرنا بہت مفید ہے اور آخر فصل کا انجیر شروع فصل کے انجیر سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور تربوز شروع فصل کا آخر فصل کے تربوز سے بہتر ہوتا ہے موسم خریف میں لکڑی کا کھانا بخار پیدا کرتا ہے اور تخم ریحان کے اس موسم میں پینے سے زکام ہوتا ہے عام کلاس میں پانی پینا طرح طرح کے دکھ پیدا کرتا ہے کیونکہ ایک شخص کے منہ کے انجیرے دوسرے کے منہ میں سرایت کرتے ہیں اور پیشاب کے روکنے سے سنگ مثانہ یعنی پتھری پیدا ہوتی ہے پیشاب کی تکلیف کے ساتھ آنے کو مغز تربوز کا پینا فائدہ کرتا ہے اور اسکو کوٹ کر اور مسور کے ساتھ استعمال کرنا بدن کو نرم اور عمدہ بناتا ہے اور اس کے عیب دور کرتا ہے مسور مل کر حمام میں نہانا نقصان کرتا ہے مگر کھلی جگہ نہانا نقصان نہیں کرتا آشنا کے ساتھ نہانے سے بدن کی رطوبت اور میل صاف ہو کر رنگ نکھرتا ہے مجون سم کے استعمال سے بالوں میں طراوت اور بدن میں قوت پیدا ہوتی ہے اور شقاق القدر میں جذام سے امان ہے دماز گھیا یعنی کدو خلط سودا دی کو فائدہ کرتا ہے اور اس کا علو ابھی بہت مفید اور دماغ کو نافع ہے اور بدن کے رنگ کو نکھارتا ہے بشرطیکہ خشکاش و بادام کو بیدہ فارچینی و زعفران گلاب میں حل شدہ اس کے اندر اضافہ کی جائیں اور شہد ملا کر تربوز کے سر میں رکھ دیا جائے اور یہی ترکیب سکجبین میں کی جاتی ہے عمدہ حلوہ وہ ہے جس کے اندر آماز زیادہ ہو اور زیادہ تراوت والا حلوا ہیضہ مرغ کا ہے اور قطائف سب کھانوں کی سردار ہے اور سیر معدہ میں ثقیل ہے اور بہتر وہ حلوا ہے جو جلد ہضم اور نرم ہو جیسے صابونیاہ اور کافور یہ بادام کا علو ثقیل ہے مگر وہ بہتر ہے جس میں بہت سی خشکاش ڈالی گئی ہو اور عمدہ ہر لیسہ تازہ اور خوب بھنا ہوا ہوتا ہے اور گوشت بکری اور بھیر کا عمدہ ہوتا ہے۔ مرغ کا گوشت اطراف میں حرارت پیدا کرتا ہے یہ تھوڑا اشارہ ادویہ اور اطو کے بیان میں کافی ہے یہ کھانے دولت مند لوگوں کے ہیں۔ حضرت عثمان بن عفانؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں قطائف فند اور پستہ اور دمن کدو کے ساتھ بھیجے حضور کا چہرہ اس کو دیکھ کر متغیر ہو گیا اور



حضور نے دیکھ کر فرمایا اے یہ کھانا دو لقمہ دوں گا پس انیسویں دو لقمہ دوں گا اور حساب دینا ہو گا اور پھر ایک دودھ کا پیالہ اور کھجوریں حضور کی خدمت میں آئیں آپ نے فرمایا اے عائشہ اس کو نوش کرو کیونکہ تم عورتوں کو جسم کی قربہا زیادہ لائق ہے اور حضور اکثر اوقات صرف شہد سے روٹی نوش فرماتے تھے۔ پس جس شخص نے باوجود قدرت کے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ دیا اس کو بے حساب ثواب ملے گا اور اس میں راز یہ ہے کہ اُس نے اپنے نفس کا خلاف کیا اور نفس لذتوں اور شہوتوں کے نرک کرنے کا عادی ہو گیا پھر جب اس نفس نے دنیا سے جو نہایت ذلت کا ظلماتی تہید خانہ ہے مفارقت کی تو ان حقیر چیزوں کی جدائی پر غم نہیں کرتا ہے بلکہ عالم اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے اور جو علم کہ اس کے اندر منتقلش میں مثلاً علم توحید جو اس نے براہین عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ حاصل کیا ہے اس کے سبب سے شرف حاصل کرتا ہے اور ایسے بازو اس کو حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ یہ عالم ملکوت میں اترتا ہے کیونکہ روحیں قین قسم کی ہیں ایک روح عارف کی ہے ایک تاسک کی اور ایک تاجر کی اور جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہوں گی اس کو موت و فوت سے کچھ غور نہ ہو چکا کیونکہ یہ روح کامل ہے عالم کمال کی طرف اسے ترقی کی ہے پس یہ روح جنت میں مقامات علیہ اور انوار قدسیہ کے اندر حضور خداوندی میں پھرتی ہے روحانی فرشتے اُس کے پاس آتے جلتے ہیں اور جو علوم کہ اس کے پاس ہیں ان کو سنتے ہیں پس یہ روح اس عالم کون و فساد سے جدا ہو کر عالم بقا میں پہنچتی ہے جس کے واسطے فنا نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت میں وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے اوپر اس کا قطرہ گذر معلوم ہوا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کی نعمتوں کے علاوہ ایک اور نعمت ہے جس کو کوئی نفس امارت نہیں کر سکتا ہے مگر شاہدہ کے ساتھ اور مشاہدہ کی بات بیان نہیں ہو سکتی ہو کیونکہ یہ لذت ذاتی ہے اس کا بیان اور تفسیر نہیں ہو سکتی ہے چنانچہ اگر مرد سے لذت جماع کا بیان کیا جائے تو وہ ہرگز اس کو نہ سمجھ سکیگا اور جو شخص کسی لذت کا اور اک کرتا ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا اسی طرح یہ مشاہدہ کی لذت ہے کہ مشاہدہ کرنا ہوا اسے کے سوا کوئی اس کو اور اک نہیں کر سکتا ہے اور اس مشاہدہ سے مراد خدا کریم کی طرف نظر کرنا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ بغیر دیکھے مشاہدہ کی لذت معلوم کرو سو یہ معلوم نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ بزدل کو جنگ کا ذکر سننے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا ہے جب تک کہ اپنی آنکھ سے مشاہدہ نہ کرے اس غفلت کے ساتھ تم کیسے مجاہد کے اپنے کی طرح کرتے ہو میں نے سنا ہے کہ



حضرت دین العابدین علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو خدا کے اور ان کے درمیان کا محاب اٹھ جاتا تھا اور وہ اپنے قلب کے ساتھ ملکوت اعلیٰ کا طواف کرتے تھے اور یہی مطلب حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان کا ہے کہ سے آسمان کے راستے دریافت کرو میں تم کو بتاؤں گا اور تو اے غافل باطل پرست اپنے نفس کا غلام اور اپنی خواہش کا قیدی ہے اور پھر تو ایسا اور مقربین سے ملنا چاہتا ہے اور اپنی محبت اور جہالت سے صالحین کی کرامات میں طعن کرتا ہے پس تم کو چاہئے کہ مجاہدہ کرو اور انکار کو چھوڑ دو اور حسن خلق کے گھوڑے پر سوار ہو کر مسافت طے کرنی شروع کرو یہاں تک کہ تم ایک نشانی بن جاؤ اور اگر خدا سے ملنا چاہتے ہو تو شفا کے کپڑے پہن کر مختصر عیش کے ساتھ راضی ہو جاؤ اگر بزرگ عالم میں مقام ملکوت کے اندر ترقی کرنی چاہتے ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے زاہدوں نے دنیاوی عزت اور نعیم آخر کے ساتھ کامیابی حاصل کی ہے ایک دفعہ مجنوں نے لیلیٰ کو سلام کیا لیلیٰ نے جواب نہ دیا مجنوں نے سبب پوچھا لیلیٰ نے کہا میں نے سنا ہے کہ تورات کو ایک لفظ بے سوا تھا اگر محمد کو سچا عشق ہوتا تو کیوں ستوا مجنوں نے کہا چونکہ تمہاری ملاقات کی اُبید تک نہ تھی اس واسطے میں نے چاہا کہ خواب ہی میں تم کو دیکھ لوں اور میں سورا لیلیٰ نے کہا معلوم ہوا کہ میری صورت مثالی تیرے دل سے زائل ہو گئی مجنوں نے کہا مثال تو میں خوب پہچانتا ہوں مگر مثال کے دیدار کا بہت مشتاق ہوں۔ لیلیٰ نے یہ شعر پڑھے:

لَا وَفَدُكُنْتُ كَمَا كَأْتِ  
بَلْ دَلِي عَلَيْكَ الْفَضْلُ مِنْ أَجْلِ مَا

مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل اس حالت میں مبتلا تھی بلکہ مجھ کو اس پر اس سبب سے فضیلت ہے کہ اُس نے اپنے عشق کو ظاہر کر دیا۔ اور میں پوشیدہ کرنے سے رہ گئی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ بشر اور ہند باہم محبت میں مر گئے ہیں فرمایا یہ دونوں محبت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز ہو کر مر گئے پھر فرمایا اے عائشہ میرے بعد تم کو مجھ سے ملنے کا شوق ہو گا عائشہ رض نے عرض کیا کہ کیا میں آپ کے بعد باقی رہوں گی فرمایا ہاں تم باقی رہو گی مگر جب تک مجھ سے نہ ملو گی یہ چین رہو گی حضور نے فرمایا اے عائشہ جب دو میاں بیوی مرتے ہیں اور انکی باہم محبت ہوتی ہے تو ان میں سے ایک دوسرے کا اس طرح انتظار کرتا ہے جیسے سفر سے آنیوالے کا انتظار کرتے ہیں

۱۔ مجنوں کسی حالت میں نہ تھا مگر کہ میں بھی اسی کے مثل تھی بلکہ مجھ کو اس پر اس بات میں فضیلت ہے کہ اپنے عشق کو ظاہر کر دیا اور میں اس کے پوشیدہ کرنے ہی میں مر گئی۔



جب حضرت صدیق کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو انکی بیوی کہنے لگیں ہائے جدائی! حضرت صدیق نے کہا نہیں بلکہ جھکے بہت خوشی ہے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے ملو لگا اس واسطے تمکو بھی موت سے نہ ڈرنا چاہیے اگر تم اپنے دوستوں سے ملنے کی مشتاق ہو اور ملاقات دار البتہ میں ضروری ہے پس تم ہاتھ میں اپنی لکڑی لے کر شام چالاک کے ساتھ منزل پر جا پہنچو کیونکہ جو شخص راتوں رات چلتا ہے وہ جلد منزل پر پہنچ جاتا ہے اور جو رات کو آرام کرنا مقدم سمجھتا ہے اس کو دن کے وقت دھوپ میں ہولناک جنگل طے کرنا ہوتا ہے پس تم کو چاہیے کہ خدا پر بھروسہ کر کے جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہو حضرت جنید نے جب ایک بچہ کو یہ کہتے سنا اپنا گریبان چاک کیا وہ بچہ یہ کہتا تھا میں اپنے زمانہ کو دیکھتا ہوں کہ بیکاری اور مغالطہ میں گزارا جاتا ہے اور میرے زمانہ نے جھکوا ایسے حال میں کر دیا کہ میرا کچھ حال نہ رہا جب اعمال درست اور اجسام پاک ہوتے ہیں اور عاشق شب بیداری کرتے ہیں اور کھانا اور سونا کم کر دیتے ہیں باغبات اشتیاق کے دروازے کھلتے ہیں اور معرفت کے سورج طلوع کرتے ہیں اور قرب کے پھول پر دوں کتے پیچھے سے ظاہر ہو جاتے ہیں تمنائیں منقطع ہو جاتی ہیں اور انوار جمال کے ساتھ قلب روشن ہو جاتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو آواز دیتا ہے کائنات سب اسپر منکشف ہو جاتے ہیں حقائق موجودات مشاہدہ کرنا ہے اور انواع مکاشفات کے ساتھ محفوظ ہوتا ہے کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اعلیٰ مقامات کی انکو بشارت ملتی ہے۔

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں ہم ابو یزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہو اور ان کے پاس ہم نے کھجوریں رکھی ہوئی دیکھیں انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ یہ حضرت خضر علیہ السلام کا بدیہ ہے جسکو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے ہیں اور میں نے ان کو خاص خاوند تعالیٰ سے مانگا تھا خضر کے واسطے سے نہیں مانگا تھا اور خضر نے ان میں سو برس سامنے کھائی ہیں۔ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں پھر ہم دوسرے جمعہ کو حضرت جنید کی خدمت میں گئے تو ایک سونے کے طباق میں ہم نے تر کھجوریں رکھی دیکھیں ہم نے کہا اس میں سے ہم کو نہیں کھلاتے ہوا انہوں نے کہا نہ یہ میرے واسطے ہے نہ تمہارے واسطے ہے ہم نے کہا اس کا قصہ ہم سو بیان کیجئے فرمایا میں رات کو بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ میں نے سنا یہ ہمارا بدیہ بغیر واسطہ خضر کے لو۔

اے غافل جو لغت معرفت سے محجوب ہے تجھ کو معلوم ہو کہ خدا کے دوست خدا کے ساتھ



ایسے انداز کرتے ہیں جیسے معشوق اپنے عاشق کے ساتھ انداز کرتا ہے چنانچہ ایک دفعہ حضرت رابعہ بصریہ نے دعا کی کہ اے خدا بظہیل اس معاملہ کے جو میرے اور تیرے درمیان میں ہے آج شب کو میرے پاس میرے مرشد یونس بن عبیدہ کو پہنچا دے۔ یونس بن عبیدہ آئے اور کہا اے رابعہ تو نے ایسے کام کے واسطے اپنی دعا کو کیوں ضائع کیا جو ضروری ہو نہیو الا تھا رابعہ نے کہا اے شیخ اس خیال کو چھوڑو اگر یہ بات ہو تو دوستوں کے انداز کہاں رہیں اور تم سبب بغیر شے چاہتے ہو پس یہ اور باتوں کی خواہش ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے جو اہرت معمولی بانٹ رہا تھا فرمایا کہ صاحب آپ انکے ساتھ ہم کو کیوں نہیں دیتے ہیں اس شخص نے کہا اے صاحب حق تیرے نفس کی یہ تنہا کرنا بالکل فضول ہے اگر تو بھی یہ کام کرتا تو اس کی اجرت لیتا شبلی ایک مکان میں جا کر رہے سنا کہ بیوی میاں سے کہ رہی ہے تو اپنے کام سے زیادہ اور ابید نہ رکھو تو بغیر کسی چیز کے خاق اور زقاق چاہتا ہے خداوند نے کہا میری سستی اس سے زیادہ کام کرتی ہے پھر حسرت سے کہنے لگا کہ اگر میں کچھ کام کرتا تو میرے دوست مجھ سے راضی ہوتے

### چوبیسواں مقالہ دکھانے پینے کے ادب میں

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے آدمی کو پیدا کر کے اس کی زندگی کا سبب غذا کو بنایا ہے پھر اس غذا میں آدمیوں کی بہت قسمیں ہیں بعض ایسے ہیں جو قہوری غذا پر قناعت کرتے ہیں عابد لوگ ہیں جو اپنی خصال و عادات کے ساتھ فرشتوں مشابہت رکھتے ہیں اور کھانا اور سونا ان کا بہت کم ہوتا ہے جس قدر غذا کم ہوگی اس قدر راہل آسمان سے مشابہت زیادہ ہوگی اور کم کھانے کا ایک ظاہری ثمرہ یہ ہے کہ عافیت حاصل ہو کر طبیب کی ضرورت نہیں رہتی ہے اور کم کھانے سے ہی قلب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور باخا نہ کم آتا ہے جو شخص اپنی ہمت کو اپنے پیٹ کے اندر داخل کرنے میں مصروف کر لگا اس کی قیمت وہی ہے جو پیٹ سے نکلتا زیادہ سالنوں اور میوؤں کا نہ کھانا سلامتی پیدا کرتا ہے۔

معلوم ہو کہ زیادہ کھانا وہی نقصان پہنچاتا ہے جو نقصان اونٹ کو اس رسی کے کس کر باندھنے سے پہنچتا ہے جو اس کی رفتار کم کرنے کو باندھتے ہیں تم نہیں دیکھتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ



علیہ وسلم کبھی دو طرح کے سالن نہ کھاتے تھے اس بات میں زہد بھی ہے اور طب بھی ہے پیٹ کے اندر ایک آتشی قوت ہے جو غذا کو کھالتی ہے۔ دوزخ کے ساتھ دروازے ہیں اور پیٹ کے اندر بھی سات دروازے ہیں جیسے حرص اور لالچ اور جغلخوری اور زیادہ بھوک اور خطاؤں پر دانہ کرنی وغیرہ دروازے ہیں اور سب سے بڑھ کر گناہ مال حرام کھانا ہے اور ایسے ہی جہنم کے دروازوں کی مثل جسم کے اندر بھی دروازے ہیں کان۔ آنکھ۔ پیٹ اور فرج اور دونوں ہاتھ اور دونوں پیر یہ سب دروازے قباہت کی طرف راہبری کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر برا پیٹ ہے اور افعال قبیحہ میں سب برا فعل بندوں پر ظلم کرنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے دو قلمے حرام کھائے چالیس روز تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور جس شخص نے اپنے پیٹ کو مال حرام سے بھر لیا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے اور حرام مال غصب اور چوری اور کس لینے اور قزاقی اور رشوت وغیرہ کا ہے جس کی تفصیل ہمنے کتاب احیاء علوم الدین میں لکھ دی ہے اور حلال مال وہ ہے جو آدمی اپنی محنت مزدوری یا تجارت سے جس میں دھوکا نہ ہو حاصل کرے شکار کے متعلق علما نے اختلاف کیا ہے لہذا اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور خصوصاً جو کام کر تم اپنے ہاتھ سے کرو وہ سب سے بہتر کسب ہے ایک دفعہ ابو الحسن نوری اور ابو بکر صدیق اور سفیان بن عیینہ نے جمع ہو کر اپنی اجرتوں میں سے تھوڑی اجرت کی روٹی خریدی اور باقی اجرت کا صدقہ دیدیا پھر جب یہ لوگ کھانے بیٹھے تو سفیان بن عیینہ نے کہا تم جانتے ہو کہ تم نے کھیت کاٹنے میں مالک کی کچھ غیر خواہی کی تھی سب نے کہا اس بات کا ہم کو کچھ خیال نہیں ہے پھر یہ سب روٹی کو دیں چھوڑ کر چلے گئے معلوم ہو کہ حرام کار از نہایت باریک ہے ہم تھوڑا سا ظاہر کرتے ہیں معلوم ہو کہ صانع ایک ہے اور کل مخلوق اس کے فیض سے ہے پس جب کوئی شخص ظلم کرتا ہے اس کے ظلم کا اثر ساری مخلوق میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے **فَمَا أَقْتُلُ النَّاسَ جَمِيعًا مَثَلِ خِيَاةٍ إِذَا قُتِلَتْ شَجَرَةٌ أَحْيَاهَا فَأَكُونُ مِنَ الشَّجَرِ أَكْثَرَ بَعْدَ مَوْتِهِ** اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تیرے بالوں پر طلاق ہے پس اس کہنے سے تمام جہنم پر طلاق ہو جائیگی اور جب تم صدقہ دو گے تو خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرو گے حلال روزی کا ایک نوالہ خدا کے نزدیک بڑے صدقوں سے افضل ہے جب کھانے بیٹھو تو اپنے آگے سے تین انگلیوں کے ساتھ کھاؤ بہت بھوک



کے وقت کھانا چاہیے اور اتنا کھائے کہ پھر بھوک باقی رہے اور کھانے کے وقت اس طرح بیٹھو جیسے استاد کے سامنے سبق پڑھنے بیٹھتے ہو معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حرام اور گرم کھانے کی برکت اٹھالی ہے اور گرم کھانے میں بارف نقصان ہیں دانتوں کو گرانا ہے اور رنگ کو نہ دگرتا اور جگر کو بھی ضرر پہنچاتا ہے اور بعض اوقات اور خرابیاں بھی گرم کھانے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ دھونے چاہئیں اور بدبو دار چیز کو میاں بی بی کے تئیں کھانا نہ چاہئے مگر جب ایک دوسرے کو اجازت دیدیں کیونکہ اس کے کھانے سے باہم نفرت پیدا ہوتی ہے اور خوشبو کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھونے سے جوئیں اور بدبو پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی وارد ہے کہ جھوٹے ہاتھ کو شیطان چوس لیتا ہے اور ایسا آدمی گناہ اور چونکہ حلال روزی کھانے سے مقصود تصفیہ قلب اور تقلیل ذنوب ہے۔ طلب کرنا فرض ہوا جیسے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کیونکہ علم جب تک کہ خیر کی طرف راہبری نہ کرے تو وہ علم نقصان دہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے ایک سال تک مال حلال کھایا اس پر عرش منکشف ہوتا ہے اور اس کی خواہش کے انوار صاف ہو جاتے ہیں حلال روزی کا کھانا کیسا سعادت ہے سینا سے کھل جاتا ہے اور معرفت کے انوار صاف ہوتے ہیں اور قلب سے حکمت کی نہریں بہتی ہیں اور غفلت کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور غرور کی دیوار دور ہوتی ہے پھر آسمان تو حید صاف ہو کر نوح مجید منکشف ہو جاتی ہے اور اپنی صفا خاطر کے کان کے ساتھ ملا کر مقربین کی تسلیح سنتا ہے۔

معلوم ہو کہ رو میں مرنے کے بعد کسی گناہ کے سبب سے رہن نہیں ہوتی ہیں مگر بندوں پر ظلم کرنے سے رہن ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کا مطالبہ خدا کے سامنے ہوتا ہے جو نہایت عادل حاکم علیم باقی ہے اور اس کے بندوں میں برابر ہی ہونی ضروری ہے اَلَا مَن آتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ اور جو روح کہ مظالم مذمت سے پاک ہوتی ہے وہ قید نفوس سے چھٹ جاتی ہے اور جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے رو میں اپنے گھروں میں آتی ہیں اگر اپنے لوگوں کو بخیر دیکھتی ہیں شکر کرتی ہیں ورنہ نفرت کرتی ہیں اور کہتی ہیں اے ہمارے لوگو دنیا سے بچو اور اس کے فریب میں نہ آؤ جیسا کہ ہم اس کے فریب میں آگئے یہ ندامت کی خوشبو ہے اور جو رو میں کہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوتی ہیں وہ جہاں چاہتی ہیں اڑتی



پھرتی ہیں اور زوجیں جو ہر یوں یا بیعت ملکوتی یا جسم لطیف ہوں جیسا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کچھ بھی ہوں اراک کر نیوالے اساس اور اپنے جسم کی مفارقت سو خبردار ہوتی ہیں اور علم و اہل پر ترقی کر جاتا ہے حدیث میں لکھا ہے کہ ظلم سے ایک ہم کو روکنا خدا کے نزدیک چار بڑے مقبول مجبوں سے بہتر ہے پھر جب کہ تم حج اور جہاد گناہوں کے خوف سے کرتے ہو تو پہلے تم کو گناہوں کی بڑھ قطع کرنی چاہئے۔

### پچیسواں مقالہ (تہذیب نفوس کے بیان میں)

معلوم ہو کہ تمہارا نفس تمہارا سخت دشمن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تیرا نفس جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے تیرا سب دشمنوں سے بڑھ کر دشمن ہے وبال کی طرف تجھ کو بلاتا ہے اور گمراہی کا راستہ تجھ کو دکھاتا ہے اور ذلت و ناپاکی میں تجھ کو گرا دیتا ہے اور نفس خواہش کو تیرے اوپر سوار کر کے تجھ کو طرح طرح کی طرح اور آرزو دلا کر بلا کر تباہ ہے، پس لازم ہے کہ اسکی خصلیت اور عادتیں ترک کرو اور اس کے شر اور شرک کو چھوڑ دو اور اس کی طرح اور آرزو اور عادتوں کو گھٹا کر

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں کون ہوں اُس نے عرض کیا کہ اور میں کون ہوں پس خداوند تعالیٰ نے اسکو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کیا اور پھر جب اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے یہی کہا کہ اور میں کون ہوں یہاں تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کیا تب اسے کہا کہ تو وہ خدا ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تیرا نفس زنجی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو یہ طرح کرتا ہے اور نافرمانی کر کے رخص کر تباہ ہے یہی بلاؤں میں پھنسا نیوالا اور کل برا بیٹوں کا قرین ہے اس کو ایک نہایت مکار بھیڑیا اور سخت دشمن سمجھو اسکی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے

اِذْ صَلَبْتَكَ النَّفْسُ يَوْمًا بِفَهْوَةٍ عَلَيْهِمُ النَّهْرُ اَوْ طَرِيقٌ

فَخَالَفَ هَوَاهَا مَا اسْتَطَعَتْ فَاَنَامَا هَوَاهَا عَدُوٌّ وَالْخِلَافُ صَدِيقٌ

جب تک مریض دوا کی تلقین پر سہم نہ کرے صحت کی خوبی نہ پاسکیگا پس نفس کو اس قدر تکلیف پہونچانی چاہئے کہ وہ مہذب ہو جائے اور اس کے اخلاق و آداب درست ہوں۔

اور جب تم اس کے مہذب بناتے کا پورا ارادہ کرو تو ایسے تازیانے اُس کے لگاؤ میں اُسکو



سخت تکلیف پہنچے اور تواضع کے ساتھ اس کے ٹکمر کو نکال دو اور امتحان کی آگ پر اسکو خوب جوش کرو اور علم کو اس کا دوست اور عمل کو اس کا رفیق بناؤ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اعمال صالحہ کی مشق کراؤ اور لطائف و ظرائف اور عقل و کیاست سے اسکو آراستہ کرو۔

معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ لطیف ہے اور لطیف کو یہ لائق نہیں ہے کہ لطیف کو خدا کرے اور لطافت اس میں اسوقت پیدا ہوتی ہے جب یہ مجاہدہ کی آگ میں عذاب کیا جاتا ہے اور چھبی اس کی تہذیب ہے۔

معلوم ہو کہ شر سے بچا کر خیر کی عادت نفس کے اندر پیدا کرو اور نوافل کے ساتھ اس کی پرورش کر کے اپنے شیخ یعنی مرشد کے سامنے ان کی اطاعت کے ساتھ اس کو مہذب بناؤ۔

معلوم ہو کہ شیخ کی حرمت سے زیادہ ہے اور شیخ ہی حقیقی والد اور طریقت کا راہبر اور مرید کو جہالت کی تاریکی سے معرفت کے نور اور سعادت ابدی اور نجات سرمدی کی طرف نکالتے اور فرشتوں کے ساتھ ملائیوا لا ہے کیونکہ شیخ ہی گناہوں کا طبیب ہے اور والدین صرف اپنی حاجت شہوانی کو پورا کر کے تیری پیدائش اور عدم سے وجود میں آنے کے سبب ہوئے اور ان کی اس نیت سے جو وہ تیرے ایجاد سے پہلے وطی یعنی صحبت کے وقت رکھتے تھے تو نے شہوت کے پھل چنے۔ پس انہوں نے تجھ کو عدم سے وجود میں نقل کرنے کا تو اچھا کام کیا مگر شہوت کے سبب سے عقل میں قاصر رہ گئے اور تمہارے علم کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے تمسخر کریں تم کچھ پرواہ نہ کرو اور اگر وہ تمہارے کام میں خلل ڈالیں تم ان کی طرف متوجہ نہ ہو غرض کہ ان کے افعال و حرکات سے تمہارے دل میں اثر پڑنا موقوف ہو جائے اور جہالت تک ہو سکے تکبیر سے برہیز کرو اور جب تم تہذیب نفس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہو تو لازم ہے کہ ایک تنگ و تاریک مکان میں چالیس شبانہ روز خلوت کرو اور اگر پورے چار مہینے خلوت میں رہو تو بہت بہتر ہے اور لوگوں سے ترک تعلق میں میت کی مثل ہو جاؤ اور مہینے کے لائق کھانے کا سامان اپنے پاس رکھو گویا کتے کا سفر کر رہے ہو اور متابعت شریعت کو سواری بنا کر منزل مقصود کی

نہ جب کسی روز نفس تم سے کوئی خواہش کرے اور نفس پر خواہش کا طریق ہو۔ پس تو اس کی خواہش کی جہالت ہو سکے مخالفت کر کیونکہ نفس کی خواہش تیری دشمن اور اس کا خلاف تیرا دوست ہے



راہ لو اور نفس کشی کے جنگل و بیابان طے کرنے شروع کرو۔

اس خلوت کے واسطے جاڑے کا موسم بہت مناسب اور سوا فرض کے زیادہ نوافل نہ پڑھو صرف یہ ذکر دل اور زبان سے ہمیشہ جاری رکھو لا الہ الا اللہ الحق القیوم اور بغیر بند کے غلبہ کئے نہ سوؤ اور جب نہ بان ذکر سو تھک جائے تو فقط دل ہی سو جاری رکھو اور جس قدر بھوک ہو اسے ایک تہائی کم کھانا کھاؤ اور دو سو رتیں اشنا چد کشی میں تم کو نظر آئیں ان سے خوف نہ کرو بعض جنات اور شیاطین تم کو دسو کے دیں گے ان کے دسو کے میں برگز نہ آنا کوئی کسے گا کہ میں کیمیا سکھاتا ہوں اور کوئی کہے گا کہ میں خزانہ بتاتا ہوں اور کوئی ڈرا بیگا اور کوئی خوشی کی باتیں نہا بیگا ان سب کا ہر طرف تم کو توجہ ہونا نہ چاہئے اور اسی اشنا میں تم پر عجائب علوم و فنون منکشف ہونگے اور دل کی کثافت دور ہو کر قلب اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجاب اٹھ جائیگا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے سب تم مشاہدہ کر لو گے اور لوگوں کے سامنے بیان کر سکو گے اور بیداری میں تم پر وہ حالات منکشف ہوں گے جنکو تم خواب میں دیکھا کرتے تھے پس قلب تمہارا متور ہوگا اور سینہ النوار جمال کے ساتھ کشادہ ہو جائیگا کل کائنات اور موجودات پیش نظر آجائیں گے اور ایسی کرامتیں ظاہر ہوں گی جو معجزات کی ہم پلہ ہیں اور عرف اظہار و استنار اور تمدی کے اندر ان میں اور معجزات میں فرق ہے بلکہ جب یہ خلوت نشین مقام تمکین میں پہنچے گا کل اشیا اس کے زیر حکم ہوں گے جو کچھ چاہے کہ سکیگا خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اور جو بات خلوت میں تمہارے سامنے پیش یا کوئی شک شبہ واقع ہو اس کو فوراً اپنے مرشد سے بیان کرو کیونکہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور جس شخص کا شیخ نہیں ہے اس کا شیخ شیطان ہے، اور جو بغیر شیخ کے مراہہ جاہلیت کی موت مراشیخ اس کو تعلیم و تلقین کرتا اور خدا کی معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔

خلوت نشین پر قرب کی نسیم حجاب کے اندر سے چلتی ہے اور دلوں کے باز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ابدال اس کی ملاقات کو تشریف لاتے ہیں پس تم اس کو بے شمار خوش و خرم دیکھتے ہو اخلاق و معیشت اس کی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس کے قلب پر غلبہ فرماتا ہے اور وہ کلام الہی کو سنکر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے مشاہدہ کے آفتاب کا کاشف اور



اور تحقیقات کو معلوم کرنا ہے اور کائنات پر مطلع ہوتا ہے واصل بحق کی علامت یہ ہے کہ حسن خلق، کثرت علم، جلالت کلام اور تواضع سے آراستہ ہو اور باوجود ان سب خوبیوں کے نہ اس کے اندر حسد اور نخل ہو نہ تکبر ہو اور نہ وہ ظالم مستحار اور زیادہ کھانے پینے والا ہو اور نہ زیادہ نیند اس کو آتی ہو نفس اسکا مگھاتی ہو جبریل علیہ السلام اس کی ہمت کو قوی کرتے ہیں اور اسرافیل اس کی ہمت کے صورت میں سعادت کو پہونک دیتے ہیں پس وہ اسی ہمت کے ساتھ محبت کی راہ کو طے کرتا ہے اور معرفت کے میدان میں قدم اٹھاتا ہے یہاں تک کہ بیت الجلال کی اس پر تجلی ہوتی ہے اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی خاصیت اس کے اندر پیدا ہو جاتی ہے اور دراز کے راستہ اس کے لئے نزدیک ہوتے ہیں۔

اے لوگو ایسے شخص کو تلاش کر کے اس کی نزدیکی اختیار کرو اسکی خدمت سے تم کو وہی فیض پہونے لگا جو ماہتاب کو آفتاب سے پہونچتا ہے اور اکثر اوقات ابدال کے مریدوں اور شاگردوں کو حاصل ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انکے شاگرد یوشع بن نون کو نبوت مل گئی تھی اور معلوم ہو کر احوال و مقامات کی تصدیق وہی شخص کرے گا جو تھوڑا یا بہت ان کو جانتا ہو گا جیسا کہ علم کیمیا کی تصدیق وہی شخص کرے گا جو اس کو معلوم کر چکا، پس بے جو شخص کہ جاننے والے کے سامنے بیان کرے گا تو بیشک اسکو ہدایت ہوگی کیونکہ اندھا چاند و سورج کو نہیں دیکھتا ہے اور نہ لنگر طاہر شکار کے پیچھے دوڑ سکتا ہے، اور جب کہ تم نہ اس علم سے واقف ہو نہ تم کو اس کا شوق ہو پس تم اس سے بے نصیب ہو پیٹ تمہارا پیڑ ہے اور آنکھیں اور زبان گنگ اور علم قلیل اور امید طویل اور گناہ کثیر ہیں اور پردہ کار دانا اور مینا ہے۔ پس تم اپنے گناہ کو نیک کر دو کیونکہ تم نے گرایا پس تم گر گئے اور تم نے زخمی کیا پس تم زخمی ہوئے اور اگر تم میل جول کرتے تو ملجائے اور خدمت تمہارے سے محروم بنتے مگر تم لالچی ہو طمع تم نے اختیار کی ہے جس کے تنہوں حروف نقشہ سے خالی ہیں اسی سبب سے تم ہلاک ہوئے اور جو کچھ کمایا تھا سب کھو دیا اور آخری وقت بجز ندامت کے تمہارے ہاتھ کچھ نہ آتا۔

تم کو معلوم ہو کہ ان اللہ مع الذین اتوا الذین کم یحسنون یعنی خدا ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ کرتے ہیں اور جو نیکی کا رہیں



## چوبیسواں مقالہ

### نبوت اور سعادت کے بیان میں

علمائے اس کے اندر اختلاف کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ سعادت اور نبوت کیسی چیز ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا** یعنی جو لوگ ہماری راہ میں کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے بتلاتے ہیں اس آیت میں خداوند تعالیٰ مجاہدہ کو ہدایت پر مقدم کیا ہے اور اسکو ابواب ہدایت کی کنجی گردانا ہے اور سعادت کو اسباب اکساب قرار دیا ہے اور اس میں کسی ممانعت اور مشابکت نہیں ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ افعال خدا کی طرف سے ہیں جس کام میں چاہتا ہے ان کو مسخر کرتا ہے اور ایک شخص کہتا ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال مخلوقہ ہیں مگر بندہ کے ارادہ پر ان کو موقوف کیا گیا ہے اور بندہ کو ان میں تصرف اور اختیار اور اکساب ہے **وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ** پھر خدا نے اپنے ہاتھوں کو حرکت دی اور کہا حرکت دینے والے کی بیوی کو طلاق ہے تو کل اہل قضاوے کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق ہو جاوے گی۔

معلوم ہو کہ ہر چیز علم الہی کے ساتھ ہے یعنی مخلوقات میں سے جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب خدا کے علم اور اسکی تقدیر کے ساتھ ہے مگر یہاں گفتگو نفس کے کسب میں ہے کہ نفس جو برائی کا کسب یعنی برا فعل کرتا ہے جب وہ خدا کی طرف سے تو پھر خدا اپنے فعل پر ہم کو کیوں عذاب کرتا ہے اور اگر یہ برا فعل ہماری اور اس کی دونوں کی طرف سے ہے تب دونوں پر اس کی جنابت ہونی چاہیے اور اگر صرف ہم ہی سے وہ فعل صادر ہوتا ہے تب ہم ہی اس کی منزل کے مستحق ہیں کیا تم اس آیت کے معنوں میں غور نہیں کرتے؟ **إِنَّ النَّفْسَ لَأَكْثَرُ لَظُلْمًا لِّسَوْءِ أَعْمَالِهِمْ** اس آیت میں **وَمَنْ يَفْقَهُ** مستعد و فہم اور کا جہت کلمات میں بندہ کے فعل کو اس نے فاعل کی طرف اضافت

کی اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں ہم ضرور ان کو اپنے راستے بتائیں گے ۱۲

۱۳ اور خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اس کو رکھو ۱۴

۱۵ بے شک اللہ تعالیٰ کا حکم کرنا ہے ۱۶

۱۷ اور جو شخص مومن کو قصداً قتل کرے گا پس نہ سزا کا ملنا ہے ۱۸



کیا ہے اور نعت اور دوزخ میں ہمیشہ یہی سزا کا اسکو سزاوار بنایا ہے جیسا کہ متقیوں سے خطاب فرمایا ہے **يَا كُتُبُ تَعْمَلُونَ** اور آسمانی امور مثل بجلیوں اور زلزلوں اور بارش اور ہوا اور... برق اور موت و زندگی اور فقر و غنا اور مرض و صحت وغیرہ یہ سب خدا کی طرف ہیں کسی بندہ کا ان میں کچھ دخل نہیں ہے یہاں کلام صرف کسب نفس کے متعلق ہے جس کی شان میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے **لَهُمَا مَا كُتِبَتْ لَهُمَا** ایت میں بھی فعل کو نفس ہی کی طرف اٹھات کیا ہے جیسا کہ اس کی سزا کو نفس پر مقرر فرمایا ہے کیونکہ سزا عمل کے ساتھ ہے پس دیکھو کہ نہ ان کو نہ ان کی طرف اور جو وہی کو جو وہی کی طرف کس طرح مخالفت کیا ہے حالانکہ وہ ان دونوں کے فعل سے باخبر اور انکا جاننے والا ہے تفصیل اس کی بہت طویل ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ مجاہدہ اختیار کر کے کسب معالی میں کوشش کرو و حصول فیروزہ سے خالی نہ رہو گے دیکھو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی میں دس برس یا سات برس یا تین برس تک مجاہدہ کیا ہے حضرت ام المؤمنین خدیجہ کے پاس آن کر کھانے کا سامان کئی روز کے واسطے لے لایا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ تم کو اپنے رب کے عاشق ہو گئے ہیں اور حضور نے اس قدر مجاہدہ کیا کہ جسم مبارک بالکل لطیف ہو گیا اور ذکر کے مستقل بے قلب مہرہ کے آئینہ کو روشن کر دیا یہاں تک کہ حضرت کو ربوبیت کی تجلی ہوئی اور غفلت کے پردے اٹھ گئے اور نفس مبارک اجرام ظلم اعلیٰ اور ملائکہ سے متصل ہو گیا اور عالم غیب کی باتیں منکشف ہونے لگیں جب دنیا کی جوتی اتار ڈالی اور بیت الرب میں داخل ہوئے و سوسوں کا تمام کوڑا کرکٹ نکال کر چھینک دیا۔

چونکہ شرع شریف نے انہر دوں کے ٹکانے سے ممانعت کی ہے جن پر تصویر بنی ہوئی ہو اور کتے کے گھر میں رکھنے سے بھی منع کیا ہے اور فرمایا ہے جس گھر میں یہ دونوں چیزیں ہوں گی اس میں فرشتہ نہ داخل ہوگا پس ہم نے قلب کی طرف جو نظر کی تو اس کے اندر دس کتے و ایمان کے تحت کے پاس بیٹھے ہمارے ہم کو نظر آئے جو اس کے اور اس کے رب اور فرشتوں کے درمیان میں حائل ہیں کیونکہ جب کتا ایک وسیع مکان میں فرشتوں کے داخل ہونے کو مانع ہوتا ہے تو پھر قلب جیسے تنگ مکان میں کیوں نہ مانع ہوگا حالانکہ اس کے اندر تو دس کتے ہیں ایک کتا حرص کا دوسرا کتا طمع کا اور ایک لالچ کا اور ایک چغلیوری کا اور ایک حسد کا اور ایک بغل کا



اور ایک ریاکار اور ایک نفاق کا اور ان سب کتوں کا لباس پہننا کا کتاب ہے باقی یہ سب اس کے توابع ہیں پس جب قلب ان سب کتوں کی نجاست سر پاک اور وسوسوں سے صاف ہوتا ہے اس وقت اسکا غبار دور ہو کر اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے اور اسکا رب اسپر تجلی کرتا ہے کیونکہ قلب رب کا مکان ہے اور قلب فرشتوں سے متصل ہو کر ان کا خطاب بغیر واسطہ کے سنتا ہے اور غیب کے کھلا سر پر پردہ غفلت کٹے کچھے سر اسپر منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خدا تعالیٰ سے کلام کرنا چاہتے تو چار مہینے خلوت میں گزارتے تھے مگر قرآن شریف میں بغیر چار مہینے کے چالیس روز فرمائے ہیں قَتَمَ مِيقَاتُ بَيْتِہٖ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً اور حدیث شریف بھی اسی کی تائید کرتی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ جس نے چالیس روز خدا کے واسطے خالص کئے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اسی کی زبان پر جاری ہوتے ہیں امید بن صلت کا قطعہ تم نے سنا ہو گا ہم اس کو ذکر کے مظاہر میں بیان کریں گے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان فضول نہیں ہے کہ جو تلاش کوشش کے ساتھ کرتا ہے وہ غرور پالیتا ہے اور اون اور ریشم کی قیمتوں میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے وہی روٹی ہے جو ارٹائی ہکتی ہے اور اسی روٹی کا کپڑا کس قدر گراں ہکتا ہے پس یہ سارے فرق خدمت سے ہوتے ہیں یعنی جس قدر خدمت زیادہ کی جاتی ہے اس قدر قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بغیر خدمت کے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوئی سو اچند مخصوص آدمیوں کے پس اسکی کمی کی مثل سمجھنا چاہیے کیونکہ تمام لوگ کمی کے شوق میں اپنے کاروبار چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنے حرکات کے ذریعہ سوز و زق کو تلاش کرتے ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے فَاَمْسُوْا فِیْ مَنَکِبِہِمْ اَوَّلُ الْوَحْیِ اَنْ یَّظُنُّوْا اَنْ کَانَ شَرُّ مَا رَزَقَہٗ مِنْ شَیْءٍ متوکل کے رزق کے نہیں ہے جس نے محض غدا ہی پر بھروسہ کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر تم خدا پر پورا بھروسہ کرتے تو تم بھی پرندوں کے مثل ہوتے جو ہمیشہ کو بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں۔

لہذا تم کو خدمت اختیار کرنی چاہئے تاکہ بزرگوں کا درجہ تم کو نصیب ہو دیکھو ریشم جو ایک کیڑے کا جالا ہے خدمت کے بعد بادشاہ کا لباس بنتا ہے اور بلخار کے دریاؤں میں ایک جانور ہوتا ہے جس کی عادت یہ ہے کہ سب جانوروں سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اس کی کھال کا خدمت کے بعد شاہی ساج بنایا جاتا ہے۔



یہاں اشارہ تمہارے واسطے کافی ہیں اور انہی سے تم ولایت اور نبوت میں ظہور معجزات کے ساتھ اندازہ کر سکتے ہو اور یہ دونوں طبعاً غالب اور اکیسر جاذب ہیں جو شخص معجزات اور کرامات کا انکار کرتا ہے یہاں تک سمجھت نہیں کرتے کیونکہ اسکو حق ظن نہیں ہے کاش وہ دریا سے مجاہدہ میں غوطہ لگاتا تو مشاہدہ کی صورتیں اس کے اندر مرتب ہو جاتیں اور وہ سارا اکیسر فریبی بن جاتا۔ کسی ناظم نے کیا خوب کہا ہے

لَا تَيْسُرُ إِذَا سَلَكَتَ ذَا أَدَبٍ مَعَ الْخَمُولِ بِأَنْ تَرْقَى إِلَى الْفَلَكَ

بَيْنَا تَرَى الذَّهَبَ الْإِبْنِزَ طَرَفًا فِي الْأَرْضِ إِذْ صَارَ أَكْبَلًا عَلَى الْمَلِكِ

ہر شخص کے ارادہ کے موافق اس کی ہمت ہوتی ہے جو شخص ان نصائح پر عمل کریگا ضرور یہ اس کے واسطے حصول مقصد کے سبب ہوں گے کیونکہ مجاہدہ کے ذریعہ سے طبیعت اکیسر بن جاتی ہے اور بغیر مشقت کے مرتبہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ جو بچنے بیان کیا ہے اس عمل کا نسخہ ہے جس کے ساتھ بلند منزلیں ملے گی جاتی ہیں لہذا تم کو اعلیٰ مقامات کا شوق کرنا چاہئے اور اگر یہ شوق تمہارے اندر نہیں ہے تب تم ایک جسم مرطاب ہو تمہاری ناپاک اور مٹری ہوئی بدلو کے خوف سو تم کو زمین کے اندر پوشیدہ کر دیا جائیگا اور یہ بدلو تمہارے اندر تمہاری کمزور اور ذلیل ہمت کی ہے پس تم خدا سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو اگر تم اس راستہ کے اندر گئے تب بھی تمہارا ثواب خدا کے ذمہ میں واجب ہو گیا اور اگر تم اپنے مقصد کو پہنچ گئے تب تم کو درد و اندھیرے پر ٹھیننا چاہیے چنانچہ کسی کا قول ہے کہ میرے ذمہ میں آپ کے در پر حاضر ہونا ہوا اور آپ ملنا میرے ذمہ میں نہیں ہے مرنے کا آپ کو اختیار ہے چاہے آپ ملیں یا نہ ملیں یہ آپ کا فعل ہے ہمارا کام یہی ہے کہ ہم حاضر ہو جائیں۔

خواب میں معصیت اور طاعت کے بھل کا مزہ تم چکھ چکے ہو پس رات اور دن وہ عزائے ہیں انکو تم ایسی چیزوں سے پر کرو جو تم کو نفع پہنچائیں اور ایسی چیزوں سے پر نہ کرو جو تم کو نقصان پہنچائیں ضرور ہے کہ ایک روز تمہارا سارا سامان بادشاہ کے حضور میں پیش ہو گا پس یا تم انعام کے مستحق ہو گے اور یا تم کو سزا سخت ملی۔ اس مقالہ کے متعلق یہاں اشارات کافی ہیں۔

لے جبکہ تم صاحب ادب ہو تو حالت گمناہ میں اپنی ترقی کو فلک پہنچانے سے ناامید نہ ہو سونے کو تم دیکھتے ہو

کہ زمین میں بڑا ریتا چاہو کیا کی تاہ شای بن جاتا ہے سید سلیمان علی مرتزم۔



## سائنسواں مقالہ

### اذکار کے بیان میں

معلوم ہو کہ ذکر کے متعلق بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں چنانچہ آیت **فَاذْكُرُونِي اَذْكُرْكُمْ** اور **اَذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا** اور **وَكُنْ لِّلّٰهِ اَحْكَبَرًا** **وَ اذْكُرْ تَرَاتِيْدَكَ فِيْ رَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ خِيْفَةً وَ دُوْنَ اَلْبَهْرِ مِنْ اَلْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَ اَلْاَصَالِ وَ لَمَّا كُنْتُمْ مِنَ اَلْغَا فَلَئِنَّ** آیات میں ذکر کے مراتب اور اوقات سب بیان کر دیے ہیں اور ذکر خفی بہت بہتر ہے کیونکہ اس کے ساتھ سننے والوں کو تکلیف نہیں پہنچتی اور ریاض و نفاق سے بالکل خالص ہوتا ہے مثل پوشیدہ روزے اور پوشیدہ صدقہ کے اور فضائل اس کے بے شمار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سحر و ریاض کیا گیا کہ ایک شخص تو اپنے حلال طیب مال سے صدقہ دیتا ہے اور دوسرا صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک خدا کا ذکر کرتا ہے ان دونوں میں کون افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا ذکر بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص طلوع فجر سے طلوع شمس تک خدا کا ذکر کرتا ہے اسکو سو سو درخت اور نیکیاں صدقہ دینے کا ثواب ہوتا ہے جن پر سوال لدا ہوا اور گویا اس نے آٹھ غلام بنی عبدالمطلب آزاد کئے پھر ذکر کی تین قسمیں ہیں ایک تو ذکر ظاہر یعنی ذکر جلی ہر اسکو عبادت اور تلاوت میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر خفی ہے جو چپکے چپکے کیا جائے اس کو عبادت اور صدقا میں بجالانا بہتر ہے اور ایک ذکر قلب ہے اس کے ساتھ تمام عالم سے بے پروائی اور محبوب کے ساتھ مشغولی پیدا ہوتی ہے فرماتا ہے میں اُس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر ہے اور میں اس کا ہم نشین ہوں جو میرا شکر کرے اور جو مجھ سے محبت کرے میں اسکا حبیب ہوں جو اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اپنے دل میں اسکا ذکر کرتا ہوں اور جو اپنی قوم کے لوگوں میں میرا ذکر کرتا ہے میں اپنے فرشتوں میں اسکا ذکر کرتا ہوں پھر اس بے پروائی کے بعد فنا حاصل ہوتی ہے یعنی حضرت قدس کے مشاہد کے باعث نفس کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے اور ذکر کی عادت ذکر کو ہو جاتی ہے اور مرنے کے بعد اس ذکر کی بدولت ملائکہ ذکر میں ہیں اُس کا شمار ہوتا ہے اور خبطہ قدس کے گرد لے پس تم میرا ذکر وہیں تمہارا ذکر و ننگانہ خدا تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو مگر اور البتہ خدا کا ذکر بہت بڑا ہے۔

لکھ اہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں تفریح و بازی کے ساتھ آجستہ طور سے صبح شام بجالاؤ اور غافلوں میں نہ بھولا۔



توفان کے کام نہ رہا سکو حاصل ہوتا ہے اور جب اس نے ذکر کیا ہے اس کے قریب کی سر فرازی پاتا ہے جو بڑے اکرام و احتشام کا مرتبہ ہے۔

اور یہ ذکر قرآن شریف ہے پھر ایک بعد تسبیح پھر روز شریف پھر استغفار اور دعائیں اللہ و ملائک کی پابندی تم کو لازم کرنی چاہئے اور ایسا کر گئے تو رابیت کا لازم تم پر منکشف ہو گا اور ملائکہ تمہاری ملاقات کو آویں گے اور مسلمان جنات تمہاری خدمت گزار ی کریں گے عداوت کی تسبیح تم کو سنائی دیگی

وَإِنْ تَنْ شَأْنِي إِلَّا يَسْتَبِيحُ بِحَمْدِكَ وَلَكِنْ لَا تَقْفَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ۔

اور ذکر کے نمبر سے بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جن کا تہذیب نفس میں بیان ہوا ہے اور بعض وہ باتیں بھی حاصل ہوتی ہیں جو سیدنا حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کو حاصل تھیں آپ ہر شبانہ روز میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور جب آپ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو کل کائنات آپ کے سامنے بیٹھتی تھی اور خلیفہ قدس آپ کے پیش نظر ہوتا تھا۔ ذکر ہی کی بدولت اصحاب مقامات درجات مکاشفات میں پہنچے ہیں۔ اور پانی پر چلنے اور ہوا پر اڑنے کی قدرت پائی ہو اور ذکر ہی کی بدولت ملائکہ شرف کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہیں اور دوام بقا کے مستحق ہوئے ہیں کیونکہ وہ ذکر کی مداوت کے ساتھ کھانے پینے وغیرہ ضرورت سے بھی منزہ ہیں اور یہ ذکر ہی کا طفیل ہے کہ ملوک و سلاطین زاہدوں کے وزیر حاضر ہوتے ہیں اور ذکر ہی کے بدولت عاشقوں کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور جذب قلوب کی خاموشیت پیدا ہو جاتی ہے اور ذکر کے سبب بعض اوقات ذکر پر ایسا حال طاری ہوتا ہے کہ تمام وسوسے اس کے ویسے دور جاتے ہیں اور جب دنیا سے نکل کر اپنے مقصد اصلی کو پہنچ جاتا ہے اور صفاء قلب کے طور پر کھڑا ہو کر اپنی پاکیزہ عقل کی داوی میں اپنے رب کا کلام سننا ہے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ اور امیب بن صلت ثقفی کا یہ قصہ سننا تم کو کافی ہے اس شخص کو نبوت کی از حد تمنا تھی اور اسی کے خیال میں ہر وقت گھٹا رہتا تھا ایک روز اپنے بھائی سے کہنے لگا کہ میں تو سوتا ہوں تم میرے واسطے کھانا تیار کر لو اس کا بھائی کہتا ہے کہ جب یہ سو گیا تو میں نے دیکھا کہ دو پرند آسمان سے اترے اور ان میں سے ایک نے اس کا سینہ چاک کر کے ایک سیاہ نقطہ نکالا دوسرے نے کہا کہ کیا اس نے یاد کر لیا اس نے کہا ہاں علوم اولین سب

۱۔ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر کہ تسبیح کرتی ہے خدا کی سکی حمد کے ساتھ مگر لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو ۱۲۔  
تو بے شک میں ہوں خدا پروردگار تمام عالم کا ۱۳۔



اس کو یاد ہو گئے پھر اس نے پوچھا کہ کیا یہ پاک بھی ہو گیا اس نے کہا پاک نہیں ہوا تب اس نے کہا کہ اسکے دل کو اس کی جگہ پر واپس کر دو کیونکہ یہ نبوت کے لائق نہیں ہے نبوت خلاصہ آل عبد المطلب کے واسطے ہے امیہ کا بھائی کہتا ہے کہ جب امیہ بیدار ہوا اور یہ واقعہ میں نے اس سے بیان کیا تو وہ اس کے رنج و صدمہ سے بہت رویا اور آخر کار اسی حسرت و افسوس میں مر گیا اور اس کے شرک نے اس کے مقصد کو حاصل ہونے نہ دیا کیونکہ شہوات قطع کر نیوالی اور لذت باز رکھنے والی ہیں جو شخص پانی کا قصد کرتا ہے وہ گدلے پانی پر بھی صبر کر لیتا ہے اور جو راتوں رات راستہ طے کرتا ہے وہ راستہ کی دھوپ سے محفوظ رہتا ہے اور جو اپنے نفس کو سراپا شہوت بناتا ہے آخر کار کسی نجاست کے کھڑے میں گر پڑتا ہے اور جو شخص مصائب و نوائب پر صبر کر کے مجاہدہ کی ہمت کے ساتھ بندی کو طے کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص زیادہ کھاتا اور کفس کو پالتا ہے کبھی بری تدبیر سے خطا نہیں کرتا اور کبھی فلاحیت پاتا ہے۔

## اٹھائیسواں مقالہ

### جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کا مجاہدہ اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا نیزا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور فرمایا میں بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کو پورا کروں۔

معلوم ہو کہ نفس کے اخلاق ذمیرہ اور غیر مستقیم ہیں کیونکہ اس کے اندر باوجود اس کے جہم کے صیغہ ہونے کے آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ نفس نار موحدہ ہے اور اسی کے اندر غنیت کے بھیڑیے اور شہوت کے کتے اور غصب کے درندے مخالفت کے چینیے اور عیلہ کی لومڑیاں اور لشکر شیطانی کی لکیں گا ہیں جو خواہش بے جاہ کے منجلیق اور دساوس قبیمہ عرفیہ یہ سب قلعہ نفس کے گرد اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

معلوم ہو کہ قلب ایک شہر ہے اور نفس لطیف اس کا بادشاہ ہے جو اور اک کر نیوالا اور عالم اور پاکیزہ اور پانی اور اس نفخہ کی صفت سے خارج ہے جس کے ساتھ روح کی طرف اشارہ کیا



جانتا ہے اور یہ نفس ان انجروں کے ساتھ پوشیدہ ہے جو قلب کے خون سے پیدا ہوتے ہیں اور قلب  
صنوبری شکل گوشت سے محو بنا ہوا ہے اور یہ وہ قلب نہیں ہے جس کی طرف خطاب کیا جاتا  
ہے اور روح وہ چیز ہے جس کی طرف خطاب ہوتا ہے۔ **فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ**  
اور فرماتا ہے۔ **إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ** اور یہی اس آیت کے معنی ہیں **أَذُنٌ**  
**وَأَعْيُنٌ** اور نفس جسکی طرف اشارہ کیا گیا یہی شہوتوں کا اسپر اور غفلتوں کا قیدی ہے مختلف خیالات میں  
پھنسا ہوا اور دنیا کا عاشق ہے اس کی نجاست اُس نے نوش کی اور اس کے نشہ ڈالنے میں ضبط  
الحواس ہو گیا جسد خاکی خدمت میں مشغول ہے اور مزیدہ میں ڈالنے کے واسطے اس کو لئے پھرتا  
ہے اور ہمیشہ ترتیب اور تغذیہ میں مشغول ہے پھر جب موت کے ساتھ ان دونوں میں تفریق  
ہوگی اس وقت نفس افسوس کریگا اور ایک عرصہ کے بعد جسم کو بالکل بھول جائے گا جیسے کہ  
کبھی اس نے اسکو دیکھا ہی نہ تھا اور پھر جب جسم میں قیامت کے روز دوبارہ داخل کیا جائیگا  
تو اس سے نفرت کریگا یہاں تک کہ قدس کا اشارہ سنیکاٹہ **يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ**  
**رَبِّكِ** یہ خطاب موجود کے واسطے ہے نہ مفقود کے واسطے کیونکہ معدوم کے واسطے خطا  
کرنا صحیح نہیں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری امت کے اعمال میرے سامنے  
ہر دو شنبہ اور پنجشنبہ کو پیش کئے جاتے ہیں پس جو نیکی ہوتی ہے اس کو میں دیکھ کر خوش ہوتا  
ہوں اور جو برائی ہوتی ہے اس کے واسطے میں مغفرت مانگتا ہوں۔ خدا کا غضب زنا کاروں پر  
سخت ہوا اور فرماتا ہے کہ میرے اوپر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود میرے سامنے  
پیش کیا جاتا ہے پس اے مذبذب غافل تاویل کرنے والے میں دیکھتا ہوں کہ تو صالح  
قادر کو عاجز سمجھتا ہے اور اے مسکین تو یہ کہتا ہے کہ اجسام و ارواح صالح قدیم قلوب کی طرف واپس  
نہیں ہوتے اور تو اس کو اس کی قدرت اور آیت اور نبوت میں عاجز سمجھتا ہے کیا جس ذات پاک  
نے تیر کو تیری ماں کے پیٹ میں پرورش کیا ہے وہ تجھ کو تیری قبر پرورش نہیں کر سکتا پھر تو جو یہ  
کہتا ہے کہ ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل جاتی ہیں پھر وہ کیسے خالص ہو سکتی ہیں اس کا جواب

۱۔ اے اہل عقل مجھ سے ڈرو ۱۲۔ اے بھیک اس میں نصیحت اس شخص کے واسطے ہے

۳۔ یعنی اسکی حفاظت کریں گا نہ حفاظت کرے گا تو اسے سننے میں نہ



یہ ہے کہ دیکھو سونے چاندی اور تانبے و لوہے وغیرہ کے ذرے خاک میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور تمہارے نزدیک ان کا باہم متصل ہونا کس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے مگر سنار کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے وہ فوراً ان اجزا کو مٹی سے بالکل پاک اور خالص کر لیتا ہے اور چونکہ تو خود عاجز ہے اس سبب سے تو قدرت والے کو بھی عاجز سمجھتا ہے اور ابو علی بن سینا کے مقالات کے قریب میں آگیا ہے کیا ابو علی سینا تیرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ راست گو ہے تجھ کو لازم ہے کہ ابو علی کے مقالات اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانے میں خوب غور سے نظر کر کے اپنی عقل سے فیصلہ کرے اور یہ نقل ہے تب ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب تو بیمار ہو کر طبیب سے علاج کرتا ہے اور طبیب تیرے واسطے نسخہ لکھتا ہے تب تو اس سے یہ سوال کیوں نہیں کرتا کہ یہ دوا قبض کیوں کرتی ہے اور یہ اسہال کرے گا تو تجھ کو یہ جواب دیں گے کہ تو مریض ہے یا معارضہ ہے پس جب یہ بات ہے تو اب تو اپنی آخرت کے طبیب کیوں معارضہ کرتا ہے اور ان کے بتائے ہوئے نسخہ پر کیوں محنت و برہان تلاش کرتا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ تجھ سے زیادہ عقل کی روشنی رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ اعتراض اور تعجیز کفر ہے پس وہ اس کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے اور ایمان کو انہوں نے اختیار کیا پس تجھ کو لازم ہے کہ اپنے کتاب کی جو قرآن شریف ہے تعلیم و تکریم بجالائے کیونکہ یہ کتاب تیری طرف خدا کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے اور وہ شخص نہایت نالائق ہوتا ہے جو اپنے بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہدیہ کی امانت کرے اور تھوڑے ہی عرصہ میں تو اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس وقت تجھ کو شرمندہ ہونا پڑے گا اور اگر روح اپنے مبادی کی طرف اپنے خالق کے پاس رجوع کر نیوالی ہے پس اگر شریعت کی تصدیق کی تو وہیں غلیظ تو بیخ ظاہر ہوگی اور حائیز تجھے زیادہ ہیں کیونکہ تو تنہا لوگوں کے شمار میں ہے اور اہل علم تیرے برخلاف ہے تو نے اپنے نفس کی پیروی کی ہے اور اس نے تجھ کو بلاؤں اور معیتوں میں بھنسا دیے تجھ کو رات اور دن اور گرمی اور ہارے اور ربیع و عریف اور ان کے تغیر اور انقلاب احوال میں نظر کرنی چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کس طرح زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تیرا سونا اور جاگنا تیرے اختیار سے باہر ہے اور ان کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ایسی ہیں جن سے تو غافل ہے اگر تو اپنے نفس کا عبادہ اختیار کرے گا تو تیرے نفس کی کلی صفات ذمہ دور ہو جائیں گی اور تو اخلاق مجیدہ سے آراستہ



ہوگا پس تجھ کو لازم ہے کہ غضب کو رضا کے ساتھ اور برکت کو تواضع کے ساتھ اور نخل کو سخاوت کے ساتھ اور امساک کو صاف کرنے کے ساتھ اور خاموشی کو ذکر کے ساتھ اور مخالفت کو خلوت اور غیبت کو بیداری اور کم بیری کو ہموک اور غفلت کو ہشیاری اور شرکت کو عزلت اور مدائنت کو صدق و صفا کے ساتھ دور کرو اور شہوت اور باطل کو حق کے ساتھ نکال کر باہر کرو اور جب تم اپنی صفا نالائقہ کو دور کر کے نیک صفات سے آراستہ ہو جاؤ گے اس وقت غفلت کا پردہ تمہارے دل سے دور ہوگا اور تم دیکھ لو گے کہ کس طرح مردے زندہ ہو جاتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے کہ تم سرکش شیطان بن کر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے مرید ہو پس اس کی توحید کی عداوت کے آثار کہاں ہیں حضرت داؤد کے پاس وہی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے اور پھر میرے ذکر کے وقت سو رہے وہ مجھ کو ملے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں آپ کے فرزند حضرت اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے اللہ صاحب یہ اس شخص کی جزا ہے جو اپنے دوست کو سو رہے اور آدم علیہ السلام جب سو رہے تو حوا پیدا ہوئی کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: عَجَبًا لِمُحِبِّ كَيْفَ يَسَاهُ كُلُّ نَوْمٍ عَلَى الْمُحِبِّ حَرَامٌ

معلوم ہو کہ تیرا قلب وہی شہر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں پس تیرے نفس کا شیطان خواہشوں کے رسالے اور جب دنیا کی پلٹیں اور وسوسوں کے نقاب اور بدگمانیوں کے مشعلی اور مخالفت کی منجیق اور تکبر کا بوق یعنی بگل اور سمعت کے نقابے اور دلچ کی شمشیر باز اور مکہ کے نیزہ باز کے اس شہر پر حملہ کرتا ہے اور چاروں طرف سے اسکو محصور کر لیتا ہے پھر اگر اس شہر میں اخلاق مجیدہ کے بہادر اور صفات حسنہ کا گوشہ وغیرہ نہیں ہوتا تو یہ شہر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس بادشاہ کی سلطنت چھین کر صدق کے رجز مہدم ہوتے ہیں اور ذکر کا نگہبان سو جاتا ہے اور اسرار قلب کے تخت پر شیطان جلوس کرتا ہے اعمال کے خزانے اکھڑے جاتے ہیں اور شکوک و شبہات تمام شہر میں چکر لگاتے پھرتے ہیں معاملہ کے درخت کاٹے جاتے ہیں اور اعمال کے اموال لٹے ہیں اور امیدوں کے پھل توڑ کر کھائے جاتے ہیں کتاب الہی میں شک واقع ہوتا ہے اور اصحاب کی مصائب سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے آقا اور مولا کی نافرمانی کرتا ہے اور خواہش کا مطیع ہو جاتا

۱۔ یعنی آپ جو سو رہے اس کے بدلے میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو ذبح کر دو۔  
۲۔ عاشق ہے نہج ہے کہ کیونکر سوئے کیونکہ عاشق ہر بالکل مجید ملام ہے۔



ہے پس انجام یہ ہوتا ہے کہ سب سب ناک کے بل دوزخ میں ڈالے جلتے ہیں اور اس وقت حسرت و افسوس کے ساتھ کہتے ہیں ۱ وَمَا لَنَا لَا نَرَىٰ رَجَاً لَّا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ۚ أَكُنَّا نَحْنُ دَسِخْرِيًّا ۚ أَمْ تَرَاغُثُ عَنْهُمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَبِالنَّبِيِّينَ الْأَوَّلِينَ ۚ اُنہوں نے اپنے دل میں نور ایمان کو ملاحظہ کرو گے اور روز قیامت کا سامان تم پر منکشف ہو گا اور تم اپنے نفس کے ساتھ روحانی فرشتہ بن جاؤ گے اور خواہش و غفلت کے ساتھ شیطانِ رجیم بنو گے پس تم کو نفسِ امارہ پر جہاد کرنا لازم ہے تاکہ اس کی صفاتِ مذمومہ دور ہو کر وہ نفسِ نوابہ بنے اور پھر نوابہ ترقی کر کے مطمئن ہو جائے جیسا کہ بادشاہ اپنے فراش کو ترقی دیکر مٹھی بناتا ہے اور پھر وزیر کر لیتا ہے اور اس وقت یہ وزیر بادشاہ کی سلطنت میں ہر طرح کے تصرف کرتا ہے اور بادشاہ کے نزدیک اس کی نیکیاں بھی یاد کیاں ہوتی ہیں جیسا کہ کہا گیا ہے۔ حَسَنَاتُ الْأَبِلَاءِ سَيِّئَاتِ الْمُقَرَّبِينَ اور خدا کی طرف راستہ انفاسِ خلافت کے شمار کے ساتھ ہے اور مقامات بھی انفاس کے ساتھ بلند ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سانس میں ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف ترقی کرتے تھے اور یہ مقامات کشف اور محارف کے ہیں اور اسی کی نسبت فرمایا ہے کہ جب تک میں روز و شب میں سو بار استغفار نہیں پڑھتا تو میرے قلب کے قریب تپتا ہے اور میں عین سے بھی سخت تر ہے۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی نظم سنو جو آپ نے نفس کے متعلق فرمائی ہے۔

صَبَرْتُ لِنَفْسِي عَنِ الْكَذِبِ مَا تَوَكَّلْتُ      وَالزَّمْتُ نَفْسِي صَبْرَهَا فَا  
كَانَتْ عَلَيَّ الْيَوْمَ نَفْسِي عَسَىٰ يَزِيدَ      فَلَمَّا رَأَتْ عَنِّي عَلَى الْذِلِّ ذَلَّتْ  
لَهَا يَا غَنَسُ يَوْمِي تَوَوُّتِي يَوْمِيَّةً      فَقَدْ كَانَتْ الدُّشْيَا لَنَاثِمَةً وَكَلَّتْ

ملک کی ختم ہو جائے

۱۔ یہ بات ہے کہ ہم جن لوگوں کو سربردوں میں شمار کرتے تھے ان کو یہاں دوزخ میں نہیں ... اس کا حکم طریاقا ہماری نظر پر نہیں ملتی ہے نہ اپنے ہر سانس کے ساتھ راہِ خدا میں۔ ملک کو ترقی ہوئی ہے اور یہ ترقی کبھی ختم نہیں ہوتی یہاں تک کہ نور کے دنیاوی لذتیں جب کہ چلی گئیں تو ان کی طرف سے میں نے نفس کو میرا اور ان کا میرا نفس پر ہمیشہ لازم رکھا اور میرا نفس فنانہ میں بڑا فکرتِ نفاق کہ جب اس نے ذات کی طرف میرا قصد دیکھا تو وہ بھی ذلیل ہو گیا اور میں نے اس سے کہا کہ اسے نفسِ امارہ کے ساتھ چل کر دیکھو کہ دنیا ہمارے پاس تھی مگر پھر دیکھو کہ کبھی گئی جب دنیا آتی ہے تو عادت سکوننا نہیں کر سکتی اور جب وہ جاتی ہے تو غفل اس کو باقی نہیں رکھ سکتا ۱۲۔



فَلَا تُجْرِدُ فِيهَا إِذْ هِيَ أَقْبَلَتْ وَلَا تُبْخَلُ بِبَقِيَّتِهَا إِذَا مَا تَوَلَّتْ

پس تم نفس کو ہند بناؤ اور مجاہدہ کی تکلیف دیکر دروازے سے اسکو قریب کرو اور انبیاء و اولیاء کے مقام کو دیکھو اور ثواب و ثنا کو غنیمت سمجھ کر مادیات کا ذکر فاسقین کے ذکر کی مثل نہیں ہے اور اس کی خبر تم کو موت کے بعد معلوم ہوگی اور تم نے جو لغو مقالات سنے ہیں انہیں کے سبب یہ تم سستی کرتے ہو اور میں بارہا تم کو سمجھا چکا ہوں تھوڑے عرصے میں تمکو خود معلوم ہو جائیگا دنیا میں لوگ سوتے ہیں مرنے کے بعد بیدار ہونگے اور تمہاری مثال اس درخت کی سی ہے جس میں نہ پھل آتا ہے اور نہ سایہ اسکا اس قابل ہوتا ہے کہ کوئی اس میں بیٹھ سکے یا تمہاری مثال اس عورت کی سی ہے جس کے سر میں گنج ہو اور مصنوعی بال لگا کر اصلی بال والی عورتوں پر فخر کرے اور جب اس کا سر کھول دیا جائے تو اپنے ہم نشینوں میں ذلیل اور شرمندہ ہوا اے شخص تو اپنے لباس کی آرائش پر بھولا ہوا ہے کل قافلہ کوچ کر لگا اور اے غافل تو راستہ پر ہٹا رہا ہو جائیگا اور یہ غرور سامان بیٹھا رہیگا اور قافلہ باشی سے کیلگا کہ فجر کو واپس کر دے تاکہ میں نیک عمل کروں مگر میری اجازت نہ ملے گی صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میت کے آنسو رخسار پر بہنے میں کیا حکمت ہے فرمایا چھوٹا بچہ تو اپنے والدین کا حال لوح محفوظ میں دیکھتا ہے اور بڑا آدمی اپنے اعمال اور اپنی بیوی اور اپنے مال کے منتقل ہونے کو دیکھ کر روتا ہے پس اے شخص تو اسی حال میں ہے اور میں تجھ کو بلند کرنا چاہتا ہوں اور تیری ہمت تجھ کو پست کرتی ہے اور اس میں نہیں کتری ہمت ہی غالب ہے پس جس کی ہمت ان چیزوں کی طرف ہوگی جو اس کے پیٹ میں داخل ہوں تو اس کی ہمت وہ چیز نہ ہوگی جو اس کے پیٹ سے خارج ہوتی ہے اگر تم اس مطلب کو سمجھ گئے ہو تو پیشیار ہو جاؤ ورنہ تم جانو اور تمہارا نفس جانتے ہم نے نصیحت کر دی مگر تم نصیحت نہ ہواؤں کو دست

## انٹیسوال مقالہ

نہیں رکھتے ہو۔

محبت اور حقوق اور مشاہدہ و مکاشفہ اور مواظظہ و اجتر عقیلیہ و نقلیہ کے یہاں میں معلوم ہو کہ محبت جائز ہے اور سب پہلے محبت خدا اور اس کے اولیاء کے درمیان میں ہماری ہے چنانچہ قرآن شریف اسی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **وَالَّذِينَ آمَنُوا سَتُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ** اور فرماتا ہے **يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ** اگر تمہارا نفس عجیب یہ سوچ پیدا کرے کہ اس ذات پاک سے کیسے محبت ہو سکتی ہے جسکو دیکھا نہیں ہے اور نہ وہ ہماری جنس سے ہے تو اس کی مصنوعات کو دیکھنا اور عجائب و غرائب اور حسن و جمال میں غور کرنے سے



اس کی محبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہی انکا صانع ہے اور اسی کی قدرت و کمال سے یہ سب چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور زمین کا فرش اور ہری گھاس کا سبز رنگ اور درختوں کے پھول بوٹے اور پھل اور دریاؤں کی لہریں اور آسمان اور رات دن اور چاند اور سورج اور چھوٹے بڑے ستارے یہ سب اس کی صنعت اور قدرت کی دیلیں ہیں اور اس کے استمرار وجود پر گواہی دیتے ہیں پس پاکی ہے اس ذات کو جو کل مخلوق کا خالق اور کل مصنوعات کا صانع ہے اے شخص اگر نظر نور سے دیکھا جائے تو تہہ بے نفس کی تربیت میں ان سب چیزوں سے بڑھ کر عجائب و غرائب ہیں جو تم نے دیکھی اور سنی ہیں اور ان سب دلائل سے بڑھ کر جو دلیل کہ تم کو اس کی طرف راہبری کرتی ہے اور اس کی محبت دلاتی ہے وہ اس کا کلام معجز نظام ہے پس اسی کے ساتھ اس کے متکلم کی محبت پر دلیل یو جاتی ہے اس کے متعلق بہت سی حدیثیں سمجھنے اپنی کتاب ایما علوم الدین میں بیان کی ہیں اور یہاں صرف ان کی طرف اشارہ کافی ہے چنانچہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شخص جھوٹا ہے جو میری محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور رات کو سو رہتا ہے اور فرماتا ہے کہ میرا مومن بندہ میری طرف نوافل سے تقرب حاصل کیا کرتا ہے یہاں تک کہ مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے پس جب مجھ کو اس سے محبت ہو جاتی ہے تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے آخر حدیث تک۔

معلوم ہو کہ محبت اور عشق دونوں ایک ہیں اور اصل عشق کی یہ ہے کہ پسندیدگی کی نظر سے شوق کے ساتھ کسی صورت کو دیکھے اور اس شوق کا بخار جو نہایت گرم ہے تیز اور فانی خاطر سے مجاہدہ کی آتش کے سبب سے اٹھتا ہے اور اس آگ کے انحراف کے پیچھے سر ظاہر ہوتے ہیں اور فکر کی ٹکیں بائیں دماغ کے اگلے حصہ میں پیدا ہوتی ہیں اور قلب کی صورت کے دوار سے لے جاتے ہیں یہ معشوق کا خیال عین یقین کے سامنے بیٹھ جاتا ہے اور نفس کا آئینہ مجاہدہ مصقل و مجلا ہو کر محال محبوب کی نظر کے لائق بنتا ہے محبت کے اندر اصل باسناد و رافت اور معشوق کے کلام کو بہتر اور خوب سمجھتا ہے جب یہ بات ہوتی ہے تب پھر معشوق کی تلاش میں ہمت ابعارتی ہے اور شوق کی آگ بھرک اٹھتی ہے پس اس وقت عشق غالب ہوتا ہے اور عاشق راستوں میں مثل دیوانوں کے پھرتا ہے اور اسی آتش شوق سو بغم وغیرہ اخلاط فاسدہ جل کر آسمان قلب صاف ہو جاتا ہے اور معشوق کا چاند اس میں تجلی کرتا ہے اور معشوق کی تجلی حلال سے عاشق والہ و شہیدا ہو کر از خود فرشتہ ہو جاتا ہے اور اس عالم بے خودی میں نہ



غیر ہوتی ہے نہ قرار ہوتا ہے عشق کی آگ لحظہ بل لحظہ کر شعلہ مارتی ہے اور بدن کی قوتوں کو کمزور کر کے  
خفیف و ضعیف اور زار و زار بنا دیتی ہے۔ کسی شاعر کا قول ہے یہ

میتوان داشت نہایت مشق ز مردم لیکن روی رنگ رخ و خشکی لب را چہ علاج  
حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر شب کو ایک منادی ندا کرتا ہے کہ اے لوگو! خدا نے تمہارے زیادہ  
کھا نیوالے اور زیادہ سو نیوالے کو لعنت کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اے ابن آدم! اس واسطے تو پیدا کیا گیا ہے  
قناعت کرتا کہ تیرا خراب ہلکا ہو اور کم سویا کرتا کہ تجھ سے ذکر زیادہ ہو سکے اگر تو ایسا کریگا، تو پس تیر  
محبوب تجھ کو اپنی طرف کھینچ لیگا اور اپنی طاقت کی تجربہ کو تو فیتق دیگا اور اپنے گناہ سے محفوظ رکھیگا پس نوافل  
زیادہ پڑھا کرو۔ **فصل در شوق اور مکاشفہ کے بیان میں**

معلوم ہو کہ شوق ہی سے مکاشفہ کی حالت پیدا ہوتی ہے اور شوق یہ ہے کہ بقائے معشوق کی تمنا ہو  
اور معشوق کی ملاقات بغیر مکاشفہ کے حاصل نہیں ہوتی اور مکاشفہ یا تو عیاں ہوتا ہے اور یا قلبی ہوتا ہے  
اور یہ معشوق کے ایسے حال کے ساتھ تجلی ہے جسکو عاشق کا دل تحمل کر لیتا ہے مگر عیاں مکاشفہ قلبی مکاشفہ  
سے افضل ہے اور جو مکاشفہ عیاں اور قلبی دونوں طور سے ہو وہ دونوں سے افضل ہے جیسا کہ حضو  
صلی اللہ علیہ وسلم کو شب معراج میں ہوا اور حضرت ام المومنین عائشہ اور حضرت امیر المومنین علی  
اور حضرت ابن عباس کی روایتوں کے جمع کرنے سے ثابت ہے اور معلوم ہو کہ حقیقت مکاشفہ کی  
یہ ہے کہ محبوب کی طرف نظر کرے اور پھر یہ نظر عاشقوں کے درجوں کے حساب متفاوت ہوتی ہے کیونکہ  
کل مخلوق کی نظریکساں نہیں ہے اور ادنیٰ درجہ اسکا قلب کی نظر ہے اور آنکھ کی نظر بعض لوگوں کے نزدیک  
عرض غیر دائمی ہے اور سب بڑا مرتبہ بھی ہے کہ قلب اور آنکھ دونوں کی نظر سے مکاشفہ ہو۔ پھر حقیقت  
غفلت کا پردہ دور ہو کہ محبوب تجلی کرتا ہے تو محب بشر ہی پردوں اور جسمانی محاب سے نکلا کہ خطاب کو سننا  
ہے اور محاب کو دیکھنا ہے وَمَا كَانَ لِلْبَشَرِ أَنْ يَكَلِّمَهُ اللَّهُ لَكُنْجَبًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ  
اور اس وقت کل جہات سے خطاب اسکو سنائی دیتا ہے اور یہ شخص عیسوی حال ہو جاتا ہے وَمَا  
أَنْتُمْ بِمَعْلُومُونَ وَمَا تَنْتَظِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ۔ اور ملاکر اور جنات مومنین خاص کے  
نہ اور کوئی ان اس لائق نہیں ہے کہ خدا اس سے بالمشافہ ہمکلام ہو مگر بطور وحی کے پروردگار کے جسے اللہ اور میں  
تم کو ان چیزوں کی خبر دیتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گمروں میں جمع رکھتے ہو۔ ۱۱



مطلع حکم ہوتے ہیں اور خدا کے اور اس کے درمیان میں ایک روز نے کھل جاتا ہے جس سبب سے کل کا تیل کے  
اسرار اسکو معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس مرتبہ کا حاصل ہونا علم و عمل پر موقوف ہے اور جب لطف کی نسیم  
غفلت کا حجاب دور کرتی ہے تو کائنات میں یہ شخص جو کچھ تعریف کرنا چاہے کہ سکتا ہے جو کچھ یہ چاہیگا وہی  
ہو جائیگا کیونکہ دونوں ارادہ ایک ہو جاتے ہیں جیسا کہ احوال صوفیہ میں بیان کیا گیا ہے فَإِذَا أَهْبَطْنَا  
أَبْصَرْنَا وَإِذَا أَعْرَضْنَا نَكَبْنَا سَوْتٍ ایک لطیف معنی بن جاتا ہے اور غیب سے اسکو ایسی  
قوت اہم پہنچتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کو جو اس پر وارد ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے اور بھی  
کرامتوں کے ظہور اور غیب کی خبریں بیان کرنے کا باعث ہے اور نفس اعراض فاسدہ کے دور ہونے  
سے جو ہر قدسی نجاتا ہے اور غیبی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ ان باتوں کے ساتھ ایک قسم  
کی انبیاء علیہم السلام سے مشارکت ہوتی ہے پھر انکو اولیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ  
غیب کی اصل خداوند تعالیٰ سے ہے اور یہ اسکا احسان ہے کہ وہ اپنے علم غیب میں سے کچھ ان پر ظاہر کر  
دیتا ہے تمہنے اسکا یہ فرمان نہیں سنا اور من رسول کا لفظ صرف اس واسطے فرمایا ہے تاکہ عالم لوگ اسکو غیبی  
مشارکت نہ سمجھیں اور یہ بات یعنی غیبی اور سے مطلع ہونا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ شاہی خزانوں سے  
شاہی غلام آگاہ ہوتے ہیں اور معشوق کی خوبصورتی کو دیکھ کر عاشق صادق اسکی بہت سی پوشیدہ باتوں  
کو اس کے حسن پر قیاس کر کے معلوم کر لیتا ہے اور حالانکہ اور لوگوں سے وہ باقی پوشیدہ ہوتی ہیں۔  
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ لِنَاصِرٍ لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے  
ہیں ہر ایک شخص علاج تو ہے مگر خراج نہیں ہے اور ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمکین  
کے درجہ میں پہنچا پس وہ طبیب ہمارا خلق کے تحت پر بیٹھ کر اپنے مالک کے حکم سے بادشاہوں کے  
راز پر مطلع ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا پیارا غلام تمہارے بہت سو پوشیدہ حالات سے واقف ہو جاتا ہے۔  
فاطمہ سلما سیہ جو ایک بزرگ عورت تھیں اس وقت شہر سلما سے نکلتی تھیں جب موذن ظہر کی  
اذان کہہ دیتا تھا اور بسطام میں آنکر جماعت سے نماز پڑھی تھیں پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ بات غیر ممکن ہے اور  
ایسی حالت انبیاء کی بھی نہیں ہوتی تو پھر اور کسی کی کب ہو سکتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم تم خدا  
تعالیٰ پر لگاتے ہو یا اپنے نفس پر اگر اپنے نفس پر لگاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا نفس جانے اور اگر  
ملہ جلانے والا ہے عیب کا پس اپنے غیب پر گسیکو آگاہ۔ مگر تاہم مگر رسولوں میں سے جسکو برگزیدہ کرتا ہے۔  
تہ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں ان کو مگر غافل عالم لوگ ۔



تم خدا تعالیٰ پر یہ حکم لگاتے ہو تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جب تم اپنے بدن کی رگیں اور پٹے شمار نہیں کر سکتے اور تم کو اتنی خبر نہیں کہ تمہارا سر پر جو اماں ہے۔ اس میں کس قدر تسبیح ہیں پھر ایسی بے خبری کے ساتھ تم خدا اور اس کے غلام کے درمیان میں کیوں دخل دیتے ہو اور پھر تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اپنے انبیاء کو کیا اختیار اور مقام عنایت کئے تھے اور اگر ایسے بعض علوم تم کو بطریق نقل کے معلوم ہو گئے تو پس معجزہ عقل کی تکذیب کرتا ہے اور جب کہ تمہارے خاص اسرار سے تمہارا ہٹیا تک واقف نہیں ہوتا ہے پھر تم کیسے اپنے مالک اور خالق کے اسرار سے واقف ہو سکتے ہو جب تک کہ تم اس واسطے نہیں ہوئے اور وصول کا پردہ اٹھ جائیگا اس وقت تمہارے معاملہ منکشف ہو گا جو خدا اور رسول کے درمیان میں ہے اور اس واسطے ہم تم سے پہلے ہی کہ چکے ہیں کہ تم مجاہدہ کرو مجاہدہ نہ کرو مجاہدہ مشاہدہ کے ساتھ شکوک کا بغاوت کرو تباہ ہے اور تم نے جو اپنی آنکھ پر حب دنیا کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ہمت تمہاری نہایت ضعیف اور حسیس ہے تو پھر ایسی ناپاکی کے ساتھ تم شریف مقام میں کب پہنچ سکتے ہو حسن ظن وہ اکسیر اعظم ہے جو تمہاری ہر ایک جہالت کو علم سے بدل دے سکتا ہے اور جو شخص اسکو مضبوط کر لیتا ہے وہ راحت پاتا ہے عجز اور شوق و مکا شفہ کا یہ مختصر بیان تھا جو کیا گیا۔

### فصل (دعوت و نصیحت کے بیان میں)

جن آیات و اخبار میں کہ وعدہ و وعید کا مضمون ہے اور جو حکایات و اشعار جاذب و مخوف ہیں ان کے ساتھ بیتی کو خوف دلانا اور منتی کا شوق برطمانا چاہیے کیونکہ بیتی کے گمراہ ہونے اور جہالت کی طرف میں کرنیکا زیادہ اندیشہ ہوتا ہے اس واسطے اسکو ڈرانا چاہئے تاکہ وہ لاستہ پر قائم رہے اور منتھانے چونکہ گناہوں کو ترک کر دیا ہے اور اس کا قلب رفیق ہو گیا ہے اور مجاہدہ کی مشقیں اٹھا چکا ہے اس واسطے اسکو شوق دلانا چاہیے جب اونٹ کو گیت سنائے جلتے ہیں تو بھاری بوجھ کو لیکر وہ بہت سہولت سے منزل قطع کرتا ہے پس گو یا مجاہدہ کی مشقت نعمات کی بدولت اس پر آسان ہو جاتی ہے جیسا کہ زمین پر جہاں میں ہر ساادہ وہ ہری بھری ہو گئی یہی حال مرید کا ہوتا ہے ابو نو جیدی فرماتے ہیں کہ اگر تو نعمات کے فوائد و منافع کا منکر ہے تو اونٹ کو دیکھ جو تھک کر زیادہ غلیظ طبیعت رکھتا ہے اور گیت کو سنکر بے تکان منزل طے کرتا ہے پس اسے طالب تھک چالیس دن کا چلہ کرنا ضرور ہے اور اس چلہ میں ہر روز تم کو اپنی خوراک ایک لقمہ کم کرنی چاہیے یا پہلے روز ایک ترنگری سے اپنے کھانے کو وزن کر کے کھاؤ



اور پھر اسی کلری سور و زور زن کیا کرو جس قدر وہ خشک ہوگی کھانا کم ہوگا اور اس ترکیب و تدبیر سے تم عالم ملکوت میں داخل ہو گے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اے لوگو تم میں جو شخص دنیا کے اندر بڑا شکم پیر ہے وہ قیامت کے روز سب سے زیادہ بھوکا ہوگا اور جب تم ایسا کرو گے تو تمہارا نفس قدسی ہو جائیگا اور عالم قدس کے ساتھ تم کو انس ہوگا پس تم دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہو پس حالت محمدی تمہاری طرف منتقل ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میرا رب مجھ کو کھلا پلا دیتا ہے پس یہ حالت صادقین کے ہیں اور یہ منزلیں متقیوں کی ہیں پس تم تکذیب کرنے والوں میں سے نہ بنو اور اگر تم مقربوں میں سے نہ بنو تو اصحاب الیمین ہی سے بن جاؤ

### تیسواں مقالہ (علم و عمل کے بیان میں)

معلوم ہو کہ مخلوق اکہی میں سے تین شخص مخصوص ہیں علم اور عارف اور ناسک عالم تو وہ شخص ہے جو علم ظاہری حاصل کر کے اس پر عمل کیا اور اس کے سبب سے خداوند تعالیٰ نے علم باطنی اس کو عنایت کیا جیسے کہ علم محبت اور علم شوق و رضا اور علم قدر اور علم مکاشفہ اور مراقبہ اور علم قبض و بسط وغیرہ ہیں اور یہی صوفیہ صافیہ کے علوم کہلاتے ہیں اور صوفیہ یہ لوگ ہیں جیسے صنیعیان ثوری ابو یزید بسطامی ابوالحسنین نوری حبیب بھی معروف کرنی شفیق بلخی محمد بن حنیف بشر بن سعید حانی احمد غزالی احمد واران جارش محاسنی سری سقطی ابوالحسنین بن منصور علاج جنید بغدادی ابو بکر شبلی ابو نعیم قاضی پس یہ طائفہ الہیہ وہ لوگ تھے جن کا ذکر جاری ہے اور یہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو علوم اور شہوات میں مشغول ہوتے ہیں اور دھوکا بازی اور نکر و دغا کو انہوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان لوگوں نے تو واحد شاہد کو مضبوط پکڑا ہے اور یہ لوگ شاہد کی محبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے تو مناسب کو چھوڑا اور ترک کیا ہے اور یہ لوگ ان کے فکر میں رہتے ہیں اکثر کلام ان کا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو بچاؤ عہد تنگ کیلا جائے اور علم خلاف ان کے نزدیک مثل برگ خلاف کے ہے اور علم اسول ان کے نزدیک بالکل فضول ہے اور غیور ہے پس کل علوم ان کے گانے بجانے اور قصے و سرود پر منحصر ہیں قرائت اور صحابت میں یہ لوگ تفریق نہیں کرتے ہیں پس ان کے محبوب کس قدر کثیر ہیں اپنے محبوب کو یہ لوگ بھول گئے ہیں اور طاعت کی مارج کو چھوڑ کر کھانے کے مشغلوں میں مصروف ہیں خلق کے واسطے سجاوے بچھائے ہیں اور خدا اور حق کو بالکل فراموش کیا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کے



شان میں یہ حدیث وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کے کپڑوں کو تار کر جنت کے دروازوں پر لٹکائیگا اور انہیں لکھدیگا کہ یہ کمزور و غصے کے پٹے ہیں پس یہ لوگ دنیا کے صوفی ہیں اور وہ لوگ آخرت کے صوفی ہیں انہوں نے علم و عمل کو جمع کیا ہے اور اس قدر شب بیداری کی ہے کہ کامیاب ہو گئے ہیں اپنے قول کی بدولت انہوں نے پالیا اور صدق اختیار کیا پس تحقیق کو پہنچ گئے علم حاصل کیا پھر عمل کیا پس حال و قال کے جامع ہوئے اور یہی لوگ علم اور معرفت اور تسک اور زہد والے ہیں اور ان کی حالت نے ان کے اندر قوت الہی پیدا کی جس کے سبب سے وہ اشتیاق کے پودے یازو کے ساتھ ریاض قدس کی طرف پرواز کر گئے اور علوم غیبی کے پھل و میوے چھنے لگے پس یہ لوگ فقراء آخرت ہیں اور صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے یہ جانا کہ نعمت منعم کی طرف سے ہے اور پھر انہوں نے اسباب کو ترک کر کے صرف منعم پر بھروسہ کیا۔

اور علماء آخرت یہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان بن عیینہ سفیان ثوری۔ داود طائی ظاہری۔ ابو سعید بن مبارک مخزومی۔ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بنے فوطا الکوفی مالک بن انس المدنی۔ محمد بن احمد بن الشافعی لمطانی۔ احمد بن حنبل السخسانی۔ ہشام بن علی شریح۔ حلاو۔ قتال بوالطیب۔ ابو حامد اور ہمدانی۔ استاد امام الحرمین ابوالعالی الجونی اور شیخ امام ابواسحاق ابراہیم فیروز آبادی المعروف بشیرازی الکاہل ہمدانی۔ استاد امام الحرمین سے بادشاہ کے سامنے مناظر ہوئے تھا اور میں بھی اس وقت موجود تھا میں نے دیکھا کہ اس مناظرہ میں ان کی غرض سوائے الظہار حق کے اور کچھ نہ تھی نہ اس میں کسی آیت کی باطل تاویل کرتے تھے اور نہ خیر نبوی میں نقص نکالتے تھے نہ کلام میں ان کے سختی تھی نہ جھگڑا یہ لوگ ایک تہہ دوسرے کے پاس فتوے بھیجنے میں صحابہ کرام کے مشابہ تھے اور کہتے تھے کہ تمہارا اکبر تقلید کا زیادہ معتاد ہے اور ہم لوگ تو بڑے علماء ہیں دنیا کی آرائش و زینت اور سامان میں مشغول ہیں۔

پس اب تم خود ان طائفوں میں فرق کو دیکھو حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جھگڑے کو ترک کیا وہ حق پر ہے پس اس کے واسطے جنت کے بلند حصے میں ایک محل سونے کا تیار ہوگا پس ہمارے واسطے نہ تو محل ہیں نہ تخت ہیں نہ حوریں ہیں۔

شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا اور اس سے پہلے ابو یوسف کے ساتھ ایک مسئلہ



میں انکا جھگڑا ہو چکا تھا دیکھا کہ گویا یہ جنت میں داخل ہوئے ہیں اور وہاں ایک حور بیٹھی ہے جس کے چہرہ کی روشنی سے تمام مکان روشن و منور ہو رہا ہے انہوں نے حور سے دریافت کیا کہ تم کس کے واسطے ہو اس نے کہا جو شخص جھگڑا کرنا چھوڑ دے چاہے وہ حق پر ہی کیوں نہ ہو اور پھر اس نے کہا کہ اے شافعی قبل قتال اور گفتگو کر تم کو یہ لباس اور زیور حاصل نہ ہوگا اگر تم سچے ہو اور جنت کا مالک بننا چاہتے ہو تو مثل مالک کے علم و عمل اختیار کرو کیونکہ ملک سلطنت کا ارادہ کرنا ہوا ملکوں پر صبر کرنا ہے شافعی کہتے ہیں پھر جب میں بیدار ہوا تو میں نے جان لیا کہ یہ لوگ خوابش کی طرف لیجانے والے ہیں اور آخرت خدا کے پاس متقیوں ہی کے واسطے ہے حدیث شریف میں ہے کہ علم عمل کے ساتھ قائم رہتا ہے اور اگر عمل نہ ہو تو علم چلا جاتا ہے پس یہ لوگ دنیا و آخرت کے علماء اور دنیا اور آخرت کے فقراء ہیں اور تم ادنیٰ چیزوں کے لالچ میں اعلیٰ مقامات سے محروم ہو گئے ہو تم مثل بھیڑیے کے ہو اور تشکیک و تکذیب میں تمہارا قصہ ہے ۵

نَسُوفَ تَرَىٰ اِذَا اُنْكَشَفَ الْغُبَارُ اَفَرَسِي تَحْتَ سَحَابٍ اَمْ جَبَّارُ

اور علوم کثرت کے ساتھ ہیں مگر ان میں آخرت کو بتلانے والا علم شریعت کا ہے اور کتابیں اسکی مثل تفاسیر و احادی و صحاح و سدا و قرابہ قرآن اور وہ اور ادا اور وظائف جو کتاب احیاء میں مذکور ہیں اور اگر علم عقائد میں معتبر کتاب دیکھنی چاہو تو قواعد الادب ہمارے شیخ امام الحرمین کی دیکھو یا قواعد العقائد کو ملاحظہ کرو اور اگر سلف صالحین کا طریقہ تم کو اختیار کرنا ہے تو کتاب نجات الابرار کا ملاحظہ کرو جو اصول دین میں ہماری آخری تصنیف ہو اور اس کتاب کے اندر ہم بہت سی کتابیں تم کو بتلا چکے ہیں ان میں سے جو ممکن ہو پڑھو اور جو چاہو عمل کرو کیونکہ ملاقات عنقریب ہے۔

معلوم ہو کہ سال کے اندر چار فصلیں ہیں محل سے جو راتک ربیع اور سرطان سے آخر سیدہ لکڑی اور میزان سے آخر قوس تک خریف اور جدی سے آخر حوت تک جہاں اوقات رکعات نماز لیتے علموا

عَدَا السَّفِيَّتِ و اور امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ہوا جب آوے تو اسکو خوشی قبول کرو اور جب یہ جاوے تو اس پر غم کرو کیونکہ یہ تمہارے جسم کے ساتھ وہی سلوک کرے گی جو تمہارے درختوں کے ساتھ کرتی ہے۔

اور بعض ایسے ہیں جو نقصان پہنچا نیو اے ہیں مثل علم سحر و کھانت و کیمیا کے کہ تانبے کو سفید کر کے

عنقریب جب بخار صاف ہوگا تو تم دیکھ لو گے کہ تمہارے پیچھے کھڑا ہے یا گدھا ہے نہ اور اس کا نرہیں بنائی ہیں تاکہ تم سالوں کا شمار اور حساب معلوم کرنا



چاندی بنا کر فروخت کرتے ہیں حالانکہ وہ چاندی نہیں بنتا اور بعض مکاسب ایسے ہیں کہ نفس انکو قبول نہیں کرتا بے مثلاً غسل اور حجام اور بھنگی و چارہ غیر کے کام پس جو منافع ہمنے بیان کی ہیں ان میں کسی کو اختیار کرو اور عالم و عامل بن کر اپنے مقصد کو حاصل کرو خدا ہی کے ہاں حسنی میں تمہارے نفس کو قرار دے گا اور وہیں تم جنتوں اور نہروں میں خدا کے پاس آرام سے رہو گے۔

### فصل (عجائب اسفار کے بیان میں)

حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قاف کشتی کے مشابہت کی طرف ایک سفید زمین ہے آفتاب اسکو چالیس برس میں قطع کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس زمین میں مخلوق رہتی ہے فرمایا ہاں مومن لوگ ہیں جو ایک پاک زون بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور آدم اور ابلیس کو مطلق نہیں جانتے فرشتے انکو ہماری شریعت کے موافق تعلیم دیتے ہیں اور قرآن شریف ان کو پڑھاتے اور انکے باہم فیصلہ کرتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ زیادہ بیان فرمائیے فرمایا مسلمان جنوں میں سے ایک عورت میری واقف ہے وہ کئی سال غائب رہی جب وہ آئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں گئی تھی اس نے کہا میں اپنی بہن کے پاس اس سفید زمین میں تھی جو قاف کی پرلی طرف ہے میں نے کہا کیا وہ لوگ مومن ہیں اس نے کہا ہاں میں نے آپ کی کتاب ان کے سامنے پڑھی پس ہماری قوم کے سب ایمان لے آئے ہیں نے پوچھا کہ اس زمین کے پرے کیا چیز ہے اس نے کہا برف کے پہاڑ ہیں اور پانی اور ہوا اور اندھیرا اور پھر اسکے پرلی طرف جہنم ہے میں نے کہا کہ کیا ان شہروں میں بھی سوچ بہت ہے اس نے کہا ہاں۔

اور تبسم بن حبیب واری کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ان کو جنات راستہ گم کر کے ایک جزیرہ میں گئے اور وہاں انہوں نے وہ محل دیکھا جس میں دجال مقید ہے اور اس نے اس کو پوچھا کہ تم کس امت میں سے ہو انہوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دجال نے کہا کیا وہ مبعوث ہو گئے تبسم نے کہا ہاں اس نے کہا تو اب میرے نکلنے کا وقت آگیا اور بیٹا الجحش کا واقعہ بھی نہایت تعجب خیز ہے عبد اللہ بن مسعود کہتے ہیں میں نے علی بن ابی طالب از جبری بات میں حضور کے ساتھ چلے یہاں تک کہ حضور ایک سو راخ پہنچ کر کھڑے ہوئے اس سو راخ میں سے ایک شخص نکلا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اندھ تشریف لائیے پس حضور اور علی تو اندھ تشریف لے گئے اور مھکو اپنے نام کپڑے دیکر وہیں بٹھا دیا اور جب صبح کی نمود شروع ہوئی تو حضور اور چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور نے مجھ کو زبانا کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنات ہیں اور پھر میرے پاس نیند



نہی اسکو آپ نوش فرمایا اور باقی سے وضو کیا پس نیند سے وضو کرنا بلا نزاع صحیح ہو مگر بعض اہل خواہش نے اپنی مرضی کے موافق اسکو تاویل کی ہے جسکو اسکی تحقیق منظور ہو وہ ہماری کتاب منائب المذاہب میں ملاحظہ کرے اور زہیم بن بلعام کا قصہ بھی نہایت عجیب ہے اسنے یہ چاہا تھا کہ دریا نیل کا منبع دریافت کرے اور چلنا شروع کیا یہاں تک کہ حضرت خضر سر اس کی ملاتا ہوا اور خضر نے اس سے کہا کہ اب عنقریب تم ایسے اور ایسے مقام

میں پہنچو گے چنانچہ زہیم ایک پہاڑ کے پاس پہنچا جس میں ایک برج یا قوت کا چار ستونوں پر کھڑا تھا اور دریا نیل اس برج کے اندر سوار ہوا تھا اور اس پہاڑ میں ایسے میوے تھے جو کبھی خراب ہوتے تھے زہیم کہتے ہیں پھر میں اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا اور اسکی برٹی طرف مینے بڑے بڑے عالی شان محل اور باغ دیکھے اور کہتے ہیں میں ایک بوڑھا شخص تھا اور بال میرے سفید تھے پس ایک ہوا اس طرف سو ایسی مائی کہ میرے تمام بال سیاہ ہو گئے اور میں نئے سرے سے جوان ہو گیا پھر اس باغ میں سواواز آئی کہ اے زہیم یہاں ہمارے پاس آ جاؤ کیونکہ یہ متقیوں کا مکان ہے کہتے ہیں میں نے اس آواز پر چلنے کا قصد کیا مگر خضر نے جھکو پکڑ لیا

اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس فرمان کا راز ہے کہ سات نہریں جنت میں ہیں جہنوں اور سجوں اور جلد اور فراط اور نیل اور ایک چشمہ برون میں اور مقدس میں چشمہ سلوان کیونکہ اسی رزم کا پانی ہے۔

اور اس سبھی تعجب خیز بلوقیا اور غفان کا واقعہ ہر اور بہت طویل طویل واقعہ ہے ہم اسکی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں یہ دونوں سفر کرتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام کا تابوت رکھا تھا

پس اسکو دیکھتے ہی بلوقیا نے دوڑ کر ہاتھ بڑھایا کہ حضرت سلیمان کے ہاتھ میں سے انگوٹھی اتار لے اور جو

کہ اس انگوٹھی پر موکل تھا اسنے اسپر ایسی پھونک ماری کہ وہ جل کر راکھ ہو گیا غفان نے ایک تار یا مادہ کہ

اسکو زندہ کیا اور اس نے تین بار اسی طرح کہا کہ جب یہ ہاتھ بڑھائے تو سانپ پھونک مارے اور یہ جل کر راکھ ہو چلائے یہاں تک کہ جب چوتھی مرتبہ بھی یہ راکھ ہو گیا تب غفان وہاں سو یہ کہتا ہوا نکلا کہ شیطان نے ہلاک

کر دیا شیطان نے ہلاک کر دیا سانپ نے اسکو آواز دی اور کہا کہ تو یہاں آ اور تجربہ کرے یہ انگوٹھی سوا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کے ہاتھ میں جاویگی اور ان کو کہہ دو کہ فرشتوں نے تمہاری اور تم

پہلے انبیاء کی فضیلت میں اختلاف کیا تھا پس خدا نے تم کو اور انبیاء پر اختیار کیا پھر غفان نے کہا کہ اس سانپ نے مجھکو حکم کیا اور میں وہ انگوٹھی اتار کر لے آیا اور آپ کی نذر کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی لیکر حضرت علی کو دی حضرت علی نے اسکو اپنی کن انگیوں میں پہنا اسی وقت ویرنا اور خواتین اور آدمی سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درمیان جہنمی بھی آیا اس کا قصہ بہت طویل ہے پھر جب نماز







اور وہ جھوکا ہے پھر اس نے بادشاہ کے دروازے پر گنا اور وہیں دیکھیں اور گنا اس کو اندر جلتے سے روکنا ہے پس اگر اس شخص کی ہمت بلند ہے تو یہ روٹی کا خیال چھوڑ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جس وقت کتا روٹی کھانے میں مصروف ہوتا ہے فوراً یہ شخص اندر داخل ہو جاتا ہے اور اگر اس کی ہمت اپنے پیٹ کی طرف متوجہ ہوتی ہے تو یہ روٹی کھانے کی طرف سبقت کرتا ہے اور پھر کتا اس کو اندر داخل ہونے نہیں دیتا اور روٹی اس کے پیٹ میں متعفن ہو کر جھکنا بادشاہ کی حضور سی روکنا ہے پس پھر کو لازم ہے کہ روٹی کتنے کی طرف پھینک دے اور خود آرام سے بیٹھ کر اعلیٰ درجہ کے اعمال میں مصروف ہو تاکہ انکنا نیک بدلہ قیامت کے روز تم کو ملے اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے ایک حمایت ظلمات میں داخل ہوئی اور وہاں کے حال سے واقف شخص نے کہا کہ یہاں کے کنکر پتھر یلوئم کو فائدہ ہوگا پس جس شخص نے اسکی بات پر یقین کیا اس نے پتھر اٹھائے اور جس نے یقین نہ کیا اس نے نہ اٹھائے یہاں تک کہ جب لوگ ظلمات سے باہر آئے اور ان کنکروں کو دیکھا تو سب کے سب حیرت اور موتی تھے پس جنہوں نے لئے تھے وہ تو خوش ہوئے اور جنہوں نے نہیں لئے تھے وہ حسرت میں رہ گئے پس یہی صورت دنیا میں تیرے اعمال کی ہے کہ یا تو غفلت کے تو غلام ہو جائیگا اور یا عمل کرنے سے تجھ کو خدا کی طرف سوسلام اور یلگاپس لازم ہے کہ تو اپنا تکبر چھوڑ دے اور کم کھانا اختیار کرے اور پیٹ کو پاک صاف بنائے اور غنبد آنکھوں کی حفاظت کرے امید ہے کہ جب تو ایسا کریگا تو تیری برائی ہوگی دوسرا ور دین تیرا پورا ہوگا اور قیامت کے روز ہر ایک نعمت کا تم سے حساب لیا جائیگا کیا تم نے سنا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سر خدا نے ایک بار جو کی روٹی اور کھجوروں کے پیٹ بھر کر کھانے کا حساب لیا ہے اور انکو تنبیہ کی ہے چنانچہ اس نے فرمایا ہے۔ ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔

## فصل (بلند ہمتی کے بیان میں)

معلوم ہو کہ ہمت دایے کا اپنے دل کو حصول مقصد کے واسطے جمع کرنا اور خاص اسی کی طرف متوجہ ہونا ہے اور ہمت والا اپنے حصول مقصد میں اغراض متفرقہ کا ارادہ نہیں کرتا ہے اور جو ایسا کرتا بھی ہے سو اس سے ایک کام کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

ہمتیں نفس کی شاخیں ہیں جسکا نفس بلند ہوتا ہے اس کی ہمت بھی بلند ہوتی ہے اور جسکا نفس پست ہوتا ہے اس کی ہمت بھی پست ہوتی ہے دیگر ذیل لوگوں کی ہمتیں جیسے بھنکی چار وغیرہ ہیں ان کے عشیت کے موافق ہوتی ہیں اور ہمت کرازل میں ان کے واسطے ہو مقدر ہوتا ہے اور ان کے غیر میں پڑ چکی ہے البتہ اس دن تم سے نعمتوں کی بابت سوال کیا جائیگا ۱۲۔



ہے اس سے بخلاف نہیں کہ اس اور یہ کہ تہذیب و تہذیب ملک ہے پس تم کو برگزیدہ اور ذلیل باتوں سے الفت نہ کرنی چاہیے کیونکہ ملک سلطنت نام و نسب پر موقوف نہیں ہے بلکہ بلند ہمتی پر موقوف ہے چنانچہ جو فیض کہ سب سر پہلے نفس کلی سے صادر ہوا ہے وہ علماء اور بادشاہوں کی ہمتیں ہیں اور پھر جوں جوں فیض دور ہوتا گیا ہمتیں ذلیل ہوتی گئیں یہ کہ انسان کے بعد حیوانات و ذالت میں ایک دوسرے سے بڑھتے چلے گئے ہیں اور ہر ایک نے اپنی ہمت کے موافق اپنا کھانا پینا اور طرز و روش پسند کیا ہے چنانچہ کوئی اناج وغیرہ سے پیٹ بھرتا ہے اور کوئی نے گھاس کھاتا ہے اور کوئی نجاست پر قناعت کرتا ہے۔ ذوالقرنین کے قصہ میں غور کرو کہ یہ سیلانہ کے بیٹے اور باپ انکا جولا تھا اپنی بلند ہمتی سے یہ سلطنت کے فکر میں مصروف ہوئے اور صنعت و غبر کے کام کو پسند نہ کیا اور ان جیسے دنیا میں بہت لوگ ہوئے ہیں اور متقدمین نے اپنی بلند ہمتی سے علم موسیقی ایجاد کیا ہے کہتے ہیں کہ اس کا الحان افلاک کی گردش کے الحان سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ گردش افلاک سے عجیب و غریب نغمے اور آواز ان سے پیدا ہوتے ہیں اور موسیقار وادریس اور دیگر لوگوں سے منقول ہے کہ عود باپ اس پرندہ کی شبیر بنایا گیا ہے جو پہاڑ میں معلق رہتا ہے اور اسکی ناک میں اسقدر سوراخ ہیں جیسے نود میں ہوتے ہیں۔ اور یہ باتیں ہمت کی فروعات سے متعلق ہیں اور اخیر ہمت کے مقصد کا حاصل میوناد شوار ہے علماء کے مقصد کا حاصل ہونا درس و تدریس کی موانعت اور فاقہ و صبر کے ساتھ ہے اور سلطنت کے مقصد کا حاصل ہونا ان باتوں کے ساتھ ہے جو سلطنت کو جذب کریں اور اگر تم یہ کہو کہ یہ سب امور تقدیر سے متعلق ہیں جسکی تقدیر میں ہوتا ہے وہی پاتا ہے ورنہ ہزار کوشش کرے کچھ نہیں ہوتا بندہ کی پیشانی پر جو کچھ لکھا ہے وہ مٹ نہیں سکتا۔ بیشک یہ تمہاری بات سچی ہے کہ جو کچھ مقدمہ میں ہے وہی پیش آگیا پس اس واسطے تم کو چاہئے کہ عزت کی تلاش میں جان و ذلت کے ساتھ نہ مرو معاویہ کا قول تمہیں سنا ہو ملا کہنا ہے بلند کاموں کا ارادہ کرو تاکہ ان کو پاسکو دیکھو میں خلافت کے حلقہ نہ تھا مگر میں تلاش کی ہمت کی پس اسکو

سمنے کتاب ستر خزانہ الہدیٰ میں ایک حکایت نقل کی ہے اور یہاں بھی اس کو بیان کرتے ہیں کہ کسی شہر کا بادشاہ مر گیا اس کے امیروں و وزیروں نے شہر کو بند سے بند کر لیا اور کہا ہم اس شخص کو بادشاہ بنائیں گے جس کی کلائی میں چمکدار نور کی علامت ہو چنانچہ ایک فقیر انکے پاس آیا اور اس کی کلائی میں نور کی ویسی ہی نشانی تھی جو پہلے بادشاہ کی کلائی میں تھی وزیر نے اس فقیر کو خوب غور سے دیکھا اور اپنا بادشاہ بنالیا پھر ایک روز وزیر اسی بادشاہ کے پاس عود قمار کی لکڑی کے برتنے میں کچھ چیز رکھ کرے گیا بادشاہ



نے پوچھا کہ اے وزیر! کہاں سے آئی ہے وزیر نے کہا حضور ایسی لکڑیاں کثرت کے ساتھ ہمارے دریا میں کہیں سے بہ کر آجاتی ہیں بادشاہ نے کہا تم جلد اس بات کو تحقیق کرو کہ یہ لکڑیاں کہاں سے آتی ہیں ورنہ تم کو دنیا سے محروم کیا جائیگا وزیر اسی وقت کشتی میں بیٹھ کر دریا میں روانہ ہوا اور پھر ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس کے پہلے طرف اترتا ہوا دیکھا کہ بہت سے لوگ اس پہاڑ میں گوشہ نشین اور عبادت میں مصروف ہیں وزیر نے دریافت کیا کہ یہ لوگ کس واسطے اس قدر مجاہدہ و ریاضت کر رہے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ سب سلطنت کے طالب اور ایک سال کامل اس کے واسطے مجاہدہ کرتے ہیں اور جوان میں سے ترقی کرتے ہیں۔ اس کی کلائی پر ایک نورانی داغ ہو جاتا ہے پس وہی سلطنت کا مستحق ہے وزیر اس حال کو دریافت کر کے بادشاہ کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا بادشاہ نے کہا اے وزیر کسی کو حقیر نہ سمجھو ورنہ تو خود حقیر ہوگا بلکہ تجھ کو سفر اور عمل کرنا چاہیے تاکہ تیرا ذکر خیر کیا جائے پس یہ مجاہدہ کرنا اور بھوکے رہنا بلند ہمتی کی بات ہے پھر کہا کہ توجوش اور خود کو دیکھ کر خوش نہ ہو جیو اس کے اندر لڑکیوں کے سے دل ہوتے ہیں۔ اور خود تنہا اپنی آنکھ سواستقامت اور جادو اور کہانت میں بندھتی اس کا کرشمہ دیکھ لیا ہوگا اور اگر تم کرامات کا ظاہر کرنا چاہو تو فاقہ اور علم اور غلوں اختیار کرو اسرار کا ناشکی علامات تم پر منکشف ہونگی پھر سے بیان کیا گیا ہے کہ مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو مسلمان جنوں کو عزائم کے زور سے سرخس کر لیتے ہیں اور اس کے متعلق مفصل بیان ہم نے کتاب خزائن سراپہدای میں کیا ہے اس میں تلاش کر کے حصول مقصد میں کوشش کرے۔ کتاب ہر العالین کا یہ حصہ ختم ہوا اب اسکے آگے دو مراحقہ شروع ہو گا اور وہ بھی امام حجتہ السلام ابی حامد محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ کی تصنیف سے ہے۔

## مقالہ ابن سینا پر رو کے بیان میں

اور جب یہ خیال ابن سینا کے دل میں سمایا بایں طور کہ اس نے کہا کہ شمس اور کل کو انکب اور بن کا خیال فیمض ہے نہایت شوق سے اس خیال کو اس نے مضبوط پکڑا اور بغیر زبان کے اس کا کلام ہرگز نہ پھلانگتا عقلی اور نقلی دلائل اس کے خلاف میں واضح طور پر موجود ہیں چنانچہ نقلی دلائل یہ ہیں کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ ۝۱۶** اور خسوف قمر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتا ہے: **وَالرُّسُلُ ۝۱۷** فرمایا ہے: **اِنَّ اللّٰهَ فَرَّجَ عَنّٰہُ**۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر اس وقت تنگی میں ہوتا ہے اور

۱۶ کہا تھے نہیں دیکھا کہ خدا کو سب سمجھہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ ۱۷ یعنی اللہ اس کی سختی کو کھول دے ۱۲۔



اس کے الم ٹوس کر ہے اسی واسطے اس کے لئے کشادگی کی دعا فرمائی ہے۔

پھر ابن سینا اسکی تعلیل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بیان شمس و قمر وغیرہ کے سجدہ کا ان سے زبان حال کے طور پر ہے اور یہ وجہ دلیل کی نہیں ہے کیونکہ سجدہ خلاف کلام کے ہے اور بہار کا سجدہ اس کا سایہ ہے۔

اور یہ آیت فَاَلَمْ يَكُنْ لَهُ سُلَاطَانٌ اَمَّا اس میں فَاَلَمْ يَكُنْ لَهُ سُلَاطَانٌ نہیں فرمایا ہے فاعل اور مفعول میں فرق کے واسطے اور اگر مفعول ہوتا تو مرکز یا محل قابل اس کے واسطے نہ ہوتا پھر خداوند تعالیٰ نے قسم کھائی ہے اور فرمایا ہے وَالسَّمَاءُ ذَاتَ الْبُرُوجِ ہر وج مقامات ہیں جس میں فاعل واقع ہوتا ہے نہ مفعول کیونکہ فاعل وہ معنی ہیں جن سے ان کے مفعول کی توجیہ ہوتی ہے صحیح اخبار اعداد میں وارد ہے کہ فرشتے سورج کو عرف کے پہاڑوں میں کھینچتے ہیں اور اس کی تقدیس اور تعجب سنتے ہیں

اور اگر سورج مجاہد ہوتا تو خداوند تعالیٰ قرآن شریف میں اس قدر اس کی قسمیں نہ کھاتا اب ہم عقلی دلائل یہاں کرتے ہیں ارباب نقل اور اہل نجوم کا اس بات پر اجماع ہے کہ شمس فلک کا صاحب ہے کیونکہ اس کی امر و نہی مشاہدہ کی جاتی ہے اور یہ ذات فلک میں اخراق کرنے والا ہے اور پھر کہ سفلی پر بھی اس کی حکومت ہے اور ہر ایک عارف و عالم اس کے آثار و افعال کو مشاہدہ کرتا ہے اور جو اس کا انکار کرے وہ جاہل ہے اور دلیل و برہان حقیقت خوف پر قطعی حکم لگا چکی ہے پس نقص ایک چیز کا مستل ہے اور چمک کے اور جب کہ اعتراض واقع ہو روحانیات اور جسمانیات میں مجاہدست کہاں رہی یہاں تک کہ وہ اپنی طبیعتوں سے اہل کون و فساد کے عالم میں اثر کریں پس جواب کو اس کے ارباب کے واسطے ظاہر کیا ہے اور دوا اور سکے پینے والے میں کیا متا سبت ہے جس کے سبب ہے وہ تیش کرتی اور اس سال وقتی ہے کہتا ہے اس لئے کہ سب چار طوائف سے مرکب ہیں پس جواب صحیح ہوا کہ عناصر صلیب نے اثر کیا ہے حال میں بالکلیہ اور ایسے ہی نفس جو بدن سے خارج اور منفصل ہے اس کا نفس اس ہوا سے مانو ہے جو دورہ فلاکیہ سے جرم متخلل کے ساتھ متصل خفی پس یہ نتیجہ دور کا ہے جیسا کہ پنکھے کے ساتھ ہوا جھلی جاتی ہے پس اگر ہوا پنکھے سے ہوتو یہ باطل ہے اور اگر تم سے ہوتو پھر جو چیز تم سے ہے وہ تمہارے ساتھ کیسے متصل ہو سکتی ہے بلکہ اس کے اندر راز یہ ہے کہ ٹھیری ہوتی ہے اور پنکھا اس کو لاتا اور جدا کرتا ہے اور جب ہوا تم سے جدا ہو کر ٹھنک پاتی ہے تو پھر اسکو تمہیں طرف پہنچاتی ہے اور اس طرح کل مقامات اور جام میں ہوتا ہے۔

پس جب کہ نسبت صحیح ہوئی تو بعض و محبت کا تصور ہوا جیسا کہ ایک قوم سے خیال کو قوی کیا پس وہ اس سے مخاطب ہوئے اور قرآن شریف سے اجماع روحانیہ کا مقابلہ مشاہدہ کیا گیا ہے اور برہان



اس کی اہل غصہ نے نزدیک موجود ہے اور اے منطقیو تم یہ کہتے ہو کہ فلک اچھے اچھے نعموں کے ساتھ وسیع ہے  
 ہے پس کو اکب تمہارے نزدیک فلک کی روح ہیں پھر جب کہ زندگی بدن کے اندر موجود ہوتی تو روح کے بطریق  
 اولیٰ موجود ہوتی چلیے یہ تو صحیح کافی ہے جیسے کہ لطیف شربتِ حلاوت کے شروع میں عمل کرتا ہے اور جب غلط نہ یادہ  
 ہے دوا کی بھی زیادہ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر جب کہ دونوں عالموں کے درمیان میں نسبت کا سبب ہوا  
 کے ساتھ صحیح ہوا تو عشق اور بغض اور مرو نہی اور وصل و فصل مالک سے واسطے مملوک کے صحیح ہوا کیونکہ  
 اعلیٰ جانب اسفل سے زیادہ کشادہ ہوتی ہے اور اعلیٰ جانب کے رہنے والے روحانی عالم اسفل کے حاکم ہیں کیونکہ  
 بادشاہ کی نزدیکی کے سبب سے پہلے فیض نہیں کو پہنچتا ہے اور اس کے متعلق دفع و دخل کے واسطے قرآن  
 نے توضیح فرمائی ہے عِنْدَ مَلِكٍ مُّقْتَدِرٍ - عند کالفظ تو قریب کا ہے اور اہل لغت اس عندیت  
 کے معنی اتنا نفوں کے لیتے ہیں۔ پس جب یہ بات تمہارے نزدیک صحیح طور پر ثابت ہو گئی تو اب تم کو اس  
 اعلیٰ کی تمنا کرنی چاہیے اور مشغلات فاسدہ کر ترک کر کے مجاہدہ کے ذریعہ سے ترقی کرو اور جب تک کہ تم اسی عالم  
 اسی اسفل میں مقید ہو اپنے نفس کو کیسے عزت کی نظر سے دیکھ سکتے ہو پس تم کو لازم ہے کہ عالم بالا کی طرف توجہ کرو  
 اور اپنی ہمت کے ساتھ جنم کے مرکب کو قطع کر دو تاکہ روح اپنے عالم سے متصل ہو جائے یہ سبب اس قدیم عشق کے  
 جو اس کے اندر موجود ہے۔

### فصل زہد کے بیان میں

چونکہ لغت میں زہد کے معنی کسی چیز کے واسطے ترک کرنے کے ہیں اس لیے تو آخرت کے واسطے زہد کیا اور  
 ایک گروہ نے دنیا کے واسطے زہد کیا اور ایک گروہ نے نہ آخرت کے واسطے کیا نہ دنیا کے واسطے بلکہ ان دونوں  
 کے مالک یعنی خدا تعالیٰ کے واسطے زہد کرتے ہیں اور یہ تیسرا طریقہ نہایت سخت و دشوار ہے کیونکہ نفس آخرت  
 کا بیان سنگین خوش ہوتا ہے اور راحت پاتا ہے اور جس نے سب کو ترک کیا اور یہ بھی نہ جانا کہ کس چیز میں اس نے  
 رغبت کی ہے پس وہ زہد ہوا اور یہ مرض بالکلیہ ہے اس کی دوا غروبِ چلیے اور دوا اس کی ہمارے نزدیک  
 یہ ہے کہ جب نفوس نے اس بات کو جان لیا کہ زمین پر جو چیز ہے صرف وہ نائل ہو گی والی ہے پس پاکیزہ نفوس نے  
 ان چیزوں کو اپنے اختیار سے بغیر کسی مجبوری کے ترک کر دیا اور مجبوراً ترک کرنا ایسا ہے جیسے فقیر یا بوریسا آدمی ایسے  
 گناہوں کو ترک کرے جنکو کر سکتا ہو اور یہ طلاقِ مکہ سے مشابہ ہے اور جب کہ عقلا نے اس بات کی طرف  
 نظر کی کہ جو عمر گزر گئی اس میں کچھ مزہ نہ رہا اور جو باقی ہے اس کو دوام اور بیشک نہیں ہے تب یہ لوگ بطریق  
 منازعہ کلیہ کے ترک دنیا کی طرف رجوع ہوئے اور اس شخص کی مثل بن گئے جس نے دوا کی تلخی پر جلد صحت  
 پانے کی امید میں صبر کیا اور اسکی اغراض فاسدہ مثل اس مکان کے ہیں جس کے اوپر دھواں محیط ہوا



اس کی افراط فساد مثل اس مکان کے ہیں جس کے اوپر حواں محیط ہوا اور اسکے اندر موزی ہا تو را در گزند بھی  
 ہوئی ہوں پس اس کے ملک اسکی صفائی کا دستھائی کرنے اور اس کے فرید دور کرنے کی طرف متوجہ ہو چکنا چہ  
 آنکھ کا دھونا اور پاک کرنا اسکو جھکانے اور ادراد و مرند ڈالتے اور رونے کے ساتھ ہے اور زبان کے اندر بخونیا  
 ہے اسکو ذکر اور استغفار اور ندامت اور اعتدال کے ساتھ دھونا اور پاک کرنا چاہیے اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم  
 ہے کہ شہر بادشاہ کا مطیع حکم ہوتا ہے پس نفرت کے بعد فوراً ہی وہ واپس بھی آجاتا ہے مگر سارا خوف اور اندیشہ  
 بادشاہ کی طرف سے ہے کیونکہ جب فساد اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر رعیت کا ٹھکانا نہیں رہتا اسکی خوالی  
 سے ساری رعیت خراب و برباد ہو جاتی ہے اور جب تک عقیدہ سالم ہے تو اعضا کا علاج نہایت قریب  
 اور سہل ہوتا ہے جیسے کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ابن آدم کے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے جب وہ  
 درست ہوتا ہے تو سارا بدن درست رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہوتا ہے تو سارا بدن فاسد رہتا ہے پس سب  
 بڑا تمہارا زبردی ہے کہ جب تم اس بزرگ طریقہ میں قدم رکھو تو نفس طاہرہ اور جسم کے درمیان میں شہوتوں اور  
 لذتوں کا ترک واقع کرو اور جب نفس ان کو اپنے معشوق کی خاطر ترک کر دیگا تو ان سے جدا ہو کر ان کی طرف سے بیزاری  
 اور اپنے معشوق سے جدا نہ ہو سکیگا اور اگر پہلے اسنے مجاہدہ و ریاضت کا کچھ شوق کیا ہے تب اسکی طرف میل کرنے  
 طبائع اربعہ پر یہ نفس فوقیت لے کر اعلیٰ مرتبہ میں مقرب فرشتوں سے متصل ہوگا اور پاک لوگوں کی ہم نشینی  
 کے ساتھ انوار قرب کے فیض سے مستفیض ہوگا اور ان کی لذت اسکو کھانے پینے کی کل لذتوں سے افضل معلوم ہوگی  
 جیسا کہ عاقل بادشاہ کی ہم نشینی اور قرب سے اپنا حصہ لیتا ہے اور عقلی لذتیں جو علم اور مطرات کے  
 ستے سے حاصل ہوتی ہیں وہ کل و شرب کی لذتوں سے بدرجہا بڑھ کر ہوتی ہیں اور پھر انہیں انوار و فیوض و  
 برکات کے ساتھ نفس نوین آسمان کو ملے کہ اس مقام انوار میں پہنچتا ہے جہاں نہ دن ہے نہ رات ہے کیونکہ  
 دن رات کو خداوند تعالیٰ نے گردش فلک کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور غیر شمس کے قیضے انہیں پر مرتب ہوتے  
 ہیں۔ دوسرا فلک قمر کا مرکز ہے اور قمر اسکو ایک مہینہ کی مسافت میں قطع کرتا ہے جیسا کہ اول ایک شب روز  
 میں قطع کیا تھا اور اس طرح چوتھا فلک شمس کا مرکز ہے جسکو شمس ایک سال میں قطع کرتا ہے اور پھر اس طرح  
 افلاک کو ان کے کو ایک قطع کرتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں فلک کو زحل قطع کرتا ہے اور پھر اس کے اوپر آٹھواں  
 اور نواں آسمان ہوا اور اسے عاقل نواد نے اور فلک ہی منزل میں منہمک ہو رہا ہے جھکویہ خبر نہیں کہ اگر تو کوشش  
 کرے تو یہ پاک و پیر تیری نویں آسمان کے اوپر جسکو اصطلاح شریعت میں کرتی کہتے ہیں فرشتوں کی ہم نشینی ہو سکتی  
 ہے اور وہ مقام محبوب اور امراض اور ہر ایک طرح کی علت اور فنا و زوال سے بالکل پاک و منزہ ہے اور اسکا



سبب ظاہر یہ ہے کہ ہم فنا کو دیکھتے ہیں کہ وہ سوا اس کرہ خاکی کے رہنے والوں کے اور کسی کے پاس نہیں جاتی ہے کیونکہ اسی کرہ میں رات اور دن کے احوال منتقل ہوتے ہیں اور پھر یہ برہان بھی اس دعویٰ پر موجود ہے کہ نیرین اور کوکب باوجود دائرہ سفلی سے قریب ہونے کے باقی ہونے کے باقی ہیں پھر جو چیزیں کران سے اوپر ہیں وہ تو اور بھی زیادہ قائم و دائم ہیں اور جب کہ یہ بات جائز ہے کہ ہر دو آسمانوں کے درمیان میں میدان اور کشادگی و وسعت ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ نویں آسمان کے پر سمیت بڑی کشادگی اور وسعت ہے اور چونکہ انوار قدسیہ وہ مقام بہت نزدیک ہے اس سبب سورہ بڑی بزرگی اور بخشش ہوتی ہے اور اسباب نقل کے نزدیک جب یہ بات مسلم ہوئی کہ جرم بازی غیر جرم شمس ہے کیونکہ جرم ناری کے واسطے عرض فاسدہ مثل دھوئیں وغیرہ کے ہونے کی ضرورت ہے پس وہ ارواح غیبیہ کا مسکن ہوا کیونکہ جب دنیا نے انکو بھاری کر دیا ہے اور جب وہ محل اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کا قصد کرتی ہیں جب ہی عالم سفلی کا شوق اپنے غالب ہو کر انکو نیچے دھکیل دیتا ہے اور یہی اس آیت کا مضمون ہے **وَأَقَامُوا آتُونِي كِتَابَكَ وَتَرَاؤُا ظُهُورًا** اور جو رو عین جب دنیا سے پاک ہوتی ہیں وہ اپنے شوق کے ساتھ محل اعلیٰ میں ترقی جاتی ہیں اور ہی اس آیت کے معنی ہیں پس سب ظلتوں سے بڑھ کر نفس کی وہ ظلتیں ہیں جن سے یہ تجاوز نہیں کر سکتا ہے اور یہ اسکا وہ طائر ہے جسکو وہ چھوڑ کر بھاگ نہیں سکتا **وَكُلُّ الْإِنْسَانِ أَكْثَرُ ثَمَرًا** اور جب کہ یہ براہین صحیح ہو گئیں تو یہ بات ثابت ہوئی کہ وہاں ایک نعمتوں کا گھر جس میں خدا نے اپنے دوستوں کے واسطے نور اور حور و قصور اور قطوف دانیہ اور عرف عالیہ سے بے حد و نہایت ہیسا کیا ہے پھر جو شخص یہ خیال کرے کہ وہ دارالقرار کا درہم اور دنیا کی محبت کے ساتھ مالک ہو گا تو یہ خیال اس کا باطل ہے زہد کا سب سے بڑا اور جہد نفس کا جسم کے اندر زہد کرنا ہے تاکہ اسکی ظلتوں کو قطع کر کے اس کی لذتوں اور خواہشوں کو ترک کرے اور اس کے اندر جو مصائب و شدائد اسکو درپیش ہوں ان سب کو گوارا کرے پس جب وہ ان خواہشوں کو چھوڑ دے گاتب اس کے اندر نیک باتوں کے آنے کی گنجائش ہوگی چنانچہ سب سے پہلے مرید جن اخلاق ذمیمہ سے اپنے نفس کو پاک کرے وہ یہ ہیں - طمع - تکبر - مغلربا اور حمد ان اخلاق ناپاک کو نفس کے کتے اور دزدے اور سانپ و کچھو سمجھنا چاہئے جب بندہ مر جانا ہے تو یہ سب درندے اور گزندہ اپنے اپنے جھٹوں اور بلوں سے ٹھکرے نفس کو تکلیف اور عذاب پہنچاتے ہیں اور جہل کو بڑا اثر دے اور سم قاتل سمجھنا چاہیے پس جب نفس ان اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو کر اخلاق حمیدہ سے آراستہ ہو تا اور زہد کے ابتدائی درجہ میں پہنچتا ہے اور نور عقل کے بازو قوی ہوتے ہیں اور دریائے یقین میں یہ تیرنے لگتا ہے راستی کا قصد اس کے دل سے غفلت



کا پردہ اٹھا دیتا ہے اس دراصل دنیا آخرت کا ہی پوشہ ہے اور نفس کو جس بات کی عادت ڈالو اسی سے اسکو الفت ہو جاتی ہے بلکہ اسکا عاشق و درویدہ ہو جاتا ہے نفس کو طبائع اربعہ سے کیا نسبت کہ وہ ان کی طرف بالکل ہی مائل ہو جائے نفس سماوی ہے اور یہ ارضی ہیں جو الفت کہ ان کے درمیان میں ہے یہ فقط ہم صبحتی کے سب سے پہلے جس وقت سوار اپنی سواری سے جدا ہوتا ہے تو سواری کو آرام ملتا ہے پس بدلتے روح کا مرکب یعنی سواری ہے اور اگر تم اسکو روح کا محبوب بناؤ گے تو پھر یہ روح کے ساتھ رہے گا اور کبھی اس سے جدا نہ ہوگا اور سکرات موت میں جو سختی روح کو درپیش ہوتی ہے وہ صرف بدن کے ساتھ اس کے عشق ہی کے سبب ہوتی ہے کیونکہ روح اس کے سوا کسی کو اپنا محبوب نہیں جانتی ہے لہذا اسکی مفارقت روح کو گوار نہیں ہوتی اور روح کا بدن سے اس درجہ عشق کرنا بالکل روح کی خطا ہے اور بادشاہ کا قرب ہر حال میں بہتر ہے پس تنہائی کی اشد ضرورت ہو تو اپنے اختیار سے اسکی عادت ڈالنی چاہیے دنیا میں تابدوں کا اونے درجہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہ ان کے در پر حاضری دیا کریں جیسا کہ شارع علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ زاہدوں نے دنیا کی حرمت اور آخرت کی نعمت کے ساتھ کامیابی حاصل کی اگر تم شریعت کے قائل ہو تب تو تم کو طریق محمدی کا پابند ہونا چاہیے اور اگر تم اہل عقل کے طریق پر ہو تو افلاطون اور سقراط کا طریق اختیار کرو اور جب کہ تم کو یہ بات معلوم ہے کہ شہد کبھی کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اور بڑا قیمتی کپڑا جو جویرے کے لگے ہوئے جائے سو بنتا ہے اور سب سے عمدہ پینے کی چیز دنیا میں پانی ہے اور پینے والے اس میں ایک طریقہ پر ہیں۔ پھر گھوڑا ہے اور سوار اسکا اور ہے پھر عمدتیں ہیں اور ان کے ساتھ جو مشقت اور تکلیفیں ہیں وہ ظاہر میں پھر چاندی اور سونا ہیں جو ایک قسم کے پتھر ہیں اگر کل بادشاہ ان کے منسوخ کرنے پر متفق ہو جائیں تو ان کی کچھ قیمت نہ رہے اور باوجود ان سب باتوں کے تم یہ سمجھتے ہو کہ ان ساتوں باتوں کے ترک کرنے سے تم کو زہد حاصل ہو جائیگا جو یہ ہیں مِنَ النَّسَاوِ وَالْبَنِيَّةِ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْجَنِينَ الْمُسَوَّوَاتِ وَالْأَهْلَامِ اور تم کو یہ خبر نہیں کہ سات چیزیں پوشیدہ تمہارے اندر گھسی ہوئی بیٹھی ہیں ان کو بھی نکال کر باہر کرنا چاہیے اور وہ یہ ہیں عجب تکبر۔ بدگمانی۔ بغل۔ حسد۔ بغاوت۔ حد سے زیادتی پس ان باتوں میں زہد کرنا بہت بہتر ہے دیکھو بزرگان سلف بڑے مالدار تھے مگر اپنے مال کو وہ ماہ مستقیم میں خرچ کرتے تھے اور دل ان کے مال کی محبت سے پاک و صاف تھے خلاف تمہارے کہ تم لوگوں کے دل مال کی محبت میں پھنسے ہوئے ہیں جیسا کہ ظاہری طہارت ظاہری پاک کے ساتھ ضروری ہر ایسے

نے سونے اور چاندی اور عمدہ گھوڑوں اور عورتوں اور فرزندان اور مولیٰ اور کھیتی سے ۱۲۔



اس بات کو بھی جانتے ہو کہ دل خدا کا گھر اور اس کی رحمت کا محل اور علم کا سرچشمہ اور ٹاکر کا جائے تروں اور ذکر کی جگہ اور روح کا محل اور حکم کی لوح اور عقل کا آئینہ اور یقین کا چراغ ہے مگر یہ سب باتیں تم سے تخلیط اور غفلت کے سبب سے پوشیدہ ہیں اور تم ایمان کے نور سے اپنی طبیعت کے اندھیرے کی طرف گناہ کے پردہ کے ساتھ واپس ہو گئے اور اسی سبب سو یہ انوار تم پر پوشیدہ ہیں جیسے کہ بادل کا پردہ آفتاب کے رخ روشن کو پوشیدہ کر لیتا ہے اور مٹی پانی کے چہرہ کو ڈھکے ہوئے ہے جب تم اس کو دور کرو گے تو اس تک پہنچ جاؤ گے اور الہام کے ذریعہ سر مخفی اور لدنی علوم تم پر منکشف ہونگے لوح جیب کہ پر ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے سوا وہ کسی بات کی گنجائش نہیں رکھتی تو پس تم اپنے دل کو آفات دہم سے دھو کر صاف کر دو تاکہ وہ علوم جو حد و حصر سے باہر ہیں ان کے اندر منقش ہوں تم شرع کی رو سے اس بات کو جانتے ہو کہ گھر میں پھونے پرکتے کی تصویر کے ہونے سے فرشتہ اندر نہیں آتا ہے پھر باوجود اس کے تم نے اپنے دل کے اندر رسات کتے بلکہ زیادہ مثل حرص و غرور و غل و غیرہ کے باز رکھے ہیں پھر جس شخص کے دل میں یہ آفات بھر ہوئے ہوں اس بات کی آرزو کیسے کرنا ہو کہ قسیم قرب اس کے اوپر چلے کیونکہ یہ آفات قلب کے کتے ہیں۔

جب نفس دنیا میں زبدا اختیار کرنے سے عاجز ہوا اور شہوتوں کی طرف مائل ہو جائے تو اس کو کتاب و سنت کے وعظ و نصائح سنا کر تنبیہ کرو۔ اور اخلاق حمیدہ کی اس کو عادت ڈالو کیونکہ غیر عادت ہے اور شرع حاجت ہو جو شخص یہ جانتا ہے کہ وہ آخرت کی طرف راستہ چل رہا ہے تو اس کے واسطے ضروری ہے کہ کچھ سامان بھی تیار کرے اگر تم نے دنیا کو طلاق دے دی تو بہتر ہے ورنہ پھر خود وہ تم کو طلاق دے گی اور تمہاری اس کے درمیان کا وصل فنا کی چھری سے کٹ جائیگا اور جب یہ طریق علم اخلاص کے ساتھ تمہارے واسطے درست ہو جائے تب تم ٹاکر مقربین کا حیات ابدی اور سری لذتوں میں ساتھ اختیار کرو اور فردوس اعلیٰ میں بادشاہ بزرگ کے زیر سایہ امتدال کی جگہ میں رہو کیونکہ وہاں لذت و دن نہیں ہوتا ہے اور گردش افلاک سے ایسے نغمے سنائی دیتے ہیں جن کی لذت و سرور ہوش و ہوا اس گم اور عقل زائل ہو جاتی ہے اور نفس اہل قدیم کے پڑوسی میں اس عقل فعال کے پاس رہتا ہے جس کے پرہیز و واسطہ عالم نفتح ہے جو فیض الہی سے صادر ہوتا ہے پس کیسی خوشی اور مبارک باد ہے اس نفس کے لئے جو پاک و پاکیزہ ہو گیا بیشک لوگ سوتے ہیں جب خیریں گتو اسی وقت بیدار ہونگے۔ کیونکہ اس وقت اجسام کثیفہ سے ان کی مفارقت ہوگی اور نیز نفس بدن کا خادم ہے اس کی اغراض حاصل کرنے کے واسطے اور وہ اس کا والی ہے پس جب وہ اس شہر کی حکومت سے معزول ہو جاتا ہے تب ہر چیز اپنے اصل و محل کی طرف رجوع کرتی ہے اور جب معاد اور ارواح و اجساد کے



میں ہے کہ وہ روح کے واسطے ہے اجساد کے واسطے نہیں ہے اور یہ بات قبیل تعجیب سے ہے کیونکہ جس قدر  
 واسطے نے پہلے جسم کو پیدا کیا تھا وہی اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور بدن روح کا طاعت اور  
 دونوں میں شریک حال ہے جیسا کہ ایک اندھا اور ایک اباہج ملکر کوئی برم کریں تو اس کی نرا کے دونوں  
 مستحق ہوں گے یہ اشارہ سمجھنے والے کے واسطے کافی ہے اور جب کہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ دنیا  
 مثل تمہارے سایہ ہے اگر تم اسکو پکڑنا چاہو گے تو وہ تمہارے ہاتھ نہ آئیگی اور تم عاجز ہو گے اور اگر تم اس  
 سے روگردان ہو کر چلے جاؤ گے تب وہ تمہارے پیچھے پیچھے ہوگی اور یہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
 اپنے پروردگار سے روایت فرمایا ہے کہ وہ فرماتا ہے اے دنیا جس نے میری خدمت کی ہے اس کی تو خدمت  
 کیجو اور جس نے تیری خدمت کی ہے اس سو تو خدمت لیجو۔

اور جب تم نے جان لیا کہ دنیا کا یہ حال ہے اور اس کی نعمتیں ہمیشہ ایک قوم سے دوسری قوم کی طرف  
 منتقل ہوتی رہتی ہیں اور آدمی اپنے آئندہ و گذشتہ کے متعلق کچھ فکر نہیں کرتا ہے کہ کیا تھا اور کیا ہوگا  
 اور اگر کسی تکلیف سے اسکو راحت ملتی ہے تو اس تکلیف کو ہرگز یاد نہیں رکھتا اور جب روح جنتی ہوتی  
 ہے تو موت کی تکلیف اس کو کچھ نہیں معلوم ہوتی۔

تم نہیں دیکھتے ہو کہ لوگ غانی ریاست کی تلاش کس طرح کوشش سو کرتے ہیں پس اسبطرح جو شخص  
 دارالبقاء کی قدر و قیمت کو جانتا ہے اسکے واسطے کیوں وہ کوشش نہ کریگا حالانکہ دارالبقا کی وہ سلطنت  
 سے جو کبھی زائل نہیں ہوتی۔ تم اس بات کو جان چکے ہو کہ زہد دنیا میں عزت اور آخرت میں نعمت اور بدن کی  
 راحت اور لوگوں سے تو نگری اور خدا کے کریم کے ساتھ مشغولی کا موجب ہے بیضتے الوسع خوب نصیحت کر  
 دی ہے مگر تم لوگ نصیحت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔

## فصل روح کے بیان میں

چونکہ موت اور روح اور ان دونوں کے اسرار کے متعلق کلام کا ضروری تھا اس سبب سے پہلے روح کے متعلق  
 گفتگو شروع کی گئی ایک طائفہ اپنے گمان میں یہ سمجھتا ہے کہ روح عرض ہے اور ایک طائفہ کہتا ہے کہ  
 وہ جسم لطیف ہو فنا کو قبول نہیں کرتی۔ اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح ایک جوہر بسیط روحانی مدک  
 ہے جسم سے منتقل اور جدا ہونے کے وقت علموں کی صورتیں اس کے اندر منتقل ہو جاتی ہیں اور بعض لوگ  
 یہ کہتے ہیں کہ شریعت نے روح کی نسبت گفتگو کرنی منع کر دی ہے کیونکہ فرمایا ہے قُلْ رُوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي  
 یہ خیال ان لوگوں کا غلط ہے کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ شارع نے روح کے اندر خواص کرنے کو منع فرمایا ہے۔



حالات کی بات درست نہیں ہو کیونکہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ اپنے نفس کو جانتا ہے وہی سب سے زیادہ اپنے رب کو جانتا ہے۔

شارع علیہ السلام اگر کامل تھے تو بیشک انہوں نے روح کو جانتا تھا اور اگر ناقص تھے تب ان کو مبعوث ہونا جائز نہیں اور عرف عام انسان اور جہلا کو خوش کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ منہ کے بعد روح عقلی و نقلی دلائل کی رو سے باقی رہتی ہے نقلی دلائل یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: **لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَمُوتُونَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ وَمَعْنَى تَوْتِهِمْ يَبْتَغُونَ رَحْمَةً** اور یہ حال ہے درست نہیں ہے کہ قدرت میں موت کے اندر تخصیص اور عموم ہو اور فرماتا ہے: **الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ** اور فرماتا ہے: **رِزْقُكُمْ مِنْهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا** تمہیں ہے عشاء

کے سمجھانے کے واسطے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہونگے تو پھر صبح و شام کہاں ہوگی اور حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح جنت کے درختوں میں پھرتی اور انکے پھل کھا دے اور ان کی نہروں کے پانی پیوگی اور پھر عرش کے نیچے ٹٹکی ہوئی قندیل میں جا کر آرام سے قیامت تک رہیگی۔

اور برہان عقلی یہ ہے کہ ہم میت کو اسکی صورت میں بالکل کامل دیکھتے ہیں موت سے کوئی نقصان کے اندر پیدا نہیں ہوتا عرف کرکین اور نطق اور عقل اور کل وہ صفات جن سے انسان اور بہائم میں فرق معلوم ہوتا ہے، حاتی رہتی ہیں پس موت روح اور جسم کے درمیان میں فاصلہ سرحدت ہے جب یہ جسم روح

سے جدا ہوتا ہے تو روح اپنے عالم اول کی طرف رجوع کرتی ہے، جسکو ہم عرش اور یہ لوگ یعنی فلسفی عقل فعال کہتے ہیں پھر اگر اس روح کا شوق ملائق دنیا کو قطع کر کے محل اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہوتا ہے تب روح خوشی کے ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوتی ہے اور اگر شوق اسکا محل سفلی کی طرف غالب ہوتا ہے تب وہ

گناہوں کے بھاری بوجھ کے سبب سے اوپر کو اڑ نہیں سکتی اور نہ نیک لوگوں میں جا کر شریک ہو سکتی ہو یہی حال کا بہت بڑا گناہ ہے اور اسی کے سبب سے اس کو دوزخ میں عذاب کیا جاتا ہے اور اس لازم کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کلام میں ظاہر فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کی رو میں بنو ہرگز ان کے پوٹوں

میں جنت کے اندر جرتی پھر یہ گناہ درجیب شوق جسم کی طرف غالب ہوگا تو روح اپنے گناہوں کے موخذہ میں گرفتار ہوگی اور سب سے بڑا گناہ اس کا اپنے غیر جنس یعنی جسم سے محبت کرنا ہے اور بھول جوں جسم مضحل اور فنا ہوتا جانا اسی قدر روح کا اشتیاق بھی اس کی طرف کم ہوتا جاتا ہے اور دوسرا شوق

کے ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جو وہ خدا میں شہید ہوئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔۔۔ خوشحال ہیں۔۔۔



یعنے بلند مکان کا قوی ہوتا جاتا ہے اور اسی سبب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس قدر دیر تک بندہ کا جسم قبر میں رہتا ہے اس کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اور دلیل اس معنی کی یہ ہے کہ اہل میت کے دل اس کے اشتیاق میں ہوتے ہیں اور جس وقت سوا کا جسم قبر کے اندر مضجع ہونا شروع ہوتا ہے ان کے رنج و غم میں بھی کمی پڑ جاتی ہے اور یہی معنی کسی شاعر نے اس شعر میں نظم کئے ہیں۔

إِلَى الْحَوْلِ تَمَّ رَسْمُ السَّلَامِ عَلَيْكُمَا وَمَنْ سَلَ حَوْلًا كَامِلًا فَقَدْ اعْتَدَى

مرف راز جو ہے وہ اس روح کی وضع اور اس بدن کے ساتھ اسکی بلاست میں ہے باطن اور ظاہر سے اور یہ جسم روح کا مرکب ہے تاکہ اسپر سوار ہو کر وہ ان علوم سے جو اس کی ذات میں مقسم ہیں اپنے مقاصد کو حاصل کرے جب تم یہ چاہو کہ تمہارا نفس علوی اور رفیق اعلیٰ کی طرف راغب ہو پس تم اسکی صفات و سمیہ کو دور کرنا اور صفات مجیدہ کے ساتھ اس کو آراستہ کرنا شروع کرو مثلاً بخل کے بدلہ سخاوت اور کینجوسی کے بدلہ بخشش اور جہالت کے بدلہ علم اور انکاد کے بدلہ معرفت اور شر کے بدلہ خیر حاصل کرو اور شبہ کے اندھیروں سے نکال کر نور جلال کی طرف اسکی رہنمائی کرو اور تکذیب کو تصدیق میں اور بطالت سے خدا کے ساتھ مشغولی میں اور تزکیہ نفس کے واسطے خلوت اختیار کرو۔

ان سب باتوں کے بجا لانے سے تمہارا نفس رہائی قوی ہو کر درجہ کمال کو پہنچے گا اور اسوقت تم سوا علی علیین کی طرف منجذب ہونے میں جھگڑے گا اور تم اسوقت تک مقررین کے مرتبہ میں ہو گے اور عرش اور لوح کا جمال تمہارے سامنے ہو گا اور تم عقل فعال سو قوت الہی اور فیض الہی حاصل کرو گے اور اپنے جسم اور نفس کے درمیان میں قطع شہوت اور ہلاک لذت کے ساتھ ڈال لو گے پس جسم کے اندر نفس کا زہر پیدا ہو گا اور جسم سو جدا ہونے کی خواہش ظاہر ہوگی تاکہ واریدی میں لذت سرمدی حاصل ہو اور اگر نفس پر جسم کا عشق غالب ہو تب نفس جسم کے جدا ہونا نہ چاہے گا اور نہ اسکو اوپر کی طرف ترقی کرنے دیکھو إِنَّ الدِّينَ كُنْزٌ بَوَّابٌ آيَاتُهُ وَتَشْبِيرُ وَعَنْهَا لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِسُوا رِيْقَهُمْ زِيْنًا ط پس جب اس بات پر برہان قائم ہو گئی کہ پاک روح اعلیٰ عمل کی طرف ترقی کرتی ہے اور اپنے اختیار کے ساتھ آزاد ہوتی ہے بخلاف فلاسفہ اور اپنے لوگوں کے پاس آتی جاتی اور اپنے انہار جنس سر ملاقات کرتی ہے اور ایک دوسرے سے ملکر خوش ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رو میں ایک دوسری کے پاس جاتی ہیں اور نہی

لہ بیشک جن لوگوں نے ہماری آئیوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر کیا ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھلینگے اور نہ وہ لوگ جنت میں داخل ہونگے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے ۱۲۔



آینواری روح سے دنیا کے حالات دریافت کرتی ہیں وہ ان سے بیان کرتی ہے اور فرمایا ہے کہ بعض مجلس گونگی ہوتی ہیں بول نہیں سکتیں اور یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو بغیر وصیت کئے مر گئے ہیں اور وجہ شری کے موافق پس روحیں جو صحت چاہیں پرندے وغیرہ کی اختیار کر سکتی ہیں ان فرشتوں پر قیاس کر کے جو انسانوں کی صحت میں کمیغیروں کے پاس آئے ہیں پس قرب ملائکہ سے ان کے استقرار کے سبب علی سوا نہوں نے اس چیز کی استمداد لی ہے جو جو ہر خاصیت اکتساب ملائکہ سوا نہوں نے کسب کیا ہے پس اگر طبعاً ہے تو وہ انہیں کی مثل ہے اور امیر المومنین علیہ السلام نے باوجود اپنے علم اور فہم کثیر اور مشکوۃ الزوار نبوت سے قریب ہونے کے فرمایا ہے اور حالانکہ آپ چراغ ہدایت کی تھی اور زینتوں ابراہیمی کے مدغم تھے کس طرح مصطفیٰ کے در پر کھڑے رہے پھر انہوں نے ان سے جو کچھ شکایت حال کہنا تھی وہ کہی۔

اور بیشک قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے اور خاصیت مثل اتصال شمع کے ہے ساتھ مسموع کے اور نظر کے ساتھ منظوم کے۔

الغرض کوئی نفس خواہ نیک ہو یا بد ہو موت اس کے واسطے راحت ہے اور خوف صرف روح کے جسم سے مفارقت کرنے کا ہوتا ہے اور موت کی مثال نشہ کی سی ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی ہے تو اس کا خوف واپس آ جاتا ہے اور بھاری بوجھ اس پر ہے وہ ہو کر صفت کمال کی طرف روح رجوع کرتی ہے اور جو علوم یا اعمال اس نے کسب کئے تھے وہ سب اس کو یاد آ جاتے ہیں اور اسی سبب سے اشارہ کیا ہے کہ لوگ (دنیا میں) سوتے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے بہر حال موت اہل عقل کے نزدیک بندہ کی واسطے زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس میں رب العالمین سے نزدیک رہنا ہوتا ہے۔

## فصل موت کے بیان میں

اور جب کہ موت سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھ کر حادثہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ اور کوئی ہونا ک بات مخلوق نے نہیں دیکھی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کیونکہ برہان اس کی اجماع اور تصدیق ہے اور اس شخص سے تعجب ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے سے دلیل مانگتا ہے اور یہی قیامت صغریٰ ہے یعنی جب زندگی کا آفتاب جاوے اور صفات کے ستارے جھپٹ جھپٹ ہی اور معافی کی اونٹنیاں چھٹی پھریں اور جہل کے وحشی جانور عقل کی چراگاہ میں جمع ہو جائیں اور عاقبت کے دریا بیمار یوں کی آگ سے پاٹ دئے جائیں اور صاف نفوس کے دریا بیمار یوں کی آگ سے پاٹ دئے



جائیں اور صافی نفوس کے علم سراور غیر صاف کے ظلم سرشاوی کی جائے اور دیوان نظر کے سامنے اعمال تمامے پیش  
کئے جائیں اور سرکشی کا دوزخ ظاہر کیا جائے اور ایمان کی جنت آراستہ کی جائے پس اس وقت ہر نفس جان  
کہ اس نے توجہ کر کیا آگے بھیجا اور اس نفس کی سختی سے آسمان نفس انتشار کو ایک عقل کے ساتھ بھٹ  
جاتا ہے اور پندرہ دہ منزلوں کے درمیان میں رہتا ہے کیونکہ اگر چہ اس سر دنیا کے وسوسے اور خیالات  
منقطع ہو گئے مگر آخرت کے اسرار پر منکشف نہیں ہوئے بہانگ کہ جب اس نے فرشتے کی صورت دیکھی  
اسکا نفس اپنے مقتناطیس کی تلاش میں اڑا کیونکہ اس میں یہی خاصیت ہے کہ جو اس کی صورت دیکھتا  
ہے وہ ہلک ہو جاتا ہے۔ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ کوئی شخص اسکا انکار کر سکے کیونکہ بعض سانپ اس  
قسم کے ہوتے ہیں کہ جب کوئی شخص ان کی طرف نظر کرتا ہے تو فوراً مر جاتا ہے اور فرقہ دہریہ کے لوگ اس کے  
منکر ہیں وہ کہتے ہیں یہ بات کیسے ہو سکتی ہو کہ ایک فرشتہ آسمان میں رہتا ہے اور زمین والوں کی  
روحیں قبض کرتا ہے۔ معجزہ لوگوں نے بیان کیا اور دیکھا ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو مارا سانپ نے  
اس کے کاٹا اور وہ شخص اس وقت مر گیا اور سانپوں کی ایک قسم ایسی ہے کہ فیکر خواص بہت ہیں جنکا یہ  
مختصر بیان کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں قبض روح کس طرح ہوتی ہے حالانکہ بندہ اپنے روح کے قبض کرنے والے کو  
نہیں دیکھتا ہے۔ اور عقل کی آنکھ سے بار بار دیکھا گیا ہے کہ جب لوگ سوتے ہیں اور خواب دیکھتے ہیں  
اسکا حال ان کے پاس والے کو بھی معلوم نہیں ہوتا ہے چاہے وہ سوتا ہو یا جاگتا ہو۔ اور خواب ان کے نزدیک  
ایک مرضی ہے جو کل مروج میں حلول کرتی ہے اور حرارت یا برودت کے ساتھ خشک ہو جاتی ہے الفاس  
کی خاموشی کے ساتھ پھر جب وہ بخار جو علم غنوری یعنی دل سے اٹھتا ہے اور غم سے پیدا ہوتا ہے اور اس  
پرلی طرف لطیفہ آئینہ ہے جس کے آگے یہ بخار مثل پردہ کے ہے اور یہ بات بھی قابل انکار نہیں ہے کہ وہ  
نفس و موسیٰ اور روحانی ہے پس حرکت اور سکون اس کے اندر موت کی وجہ سے ہے اور علم اور حقائق معلوم  
کے درمیان میں فرق صفات روحانیت سے ہے اور عقل بھی اس کے انوار میں ہے ایک نور اور اس کے  
زیوروں میں سو ایک نہ ہو رہے پھر جب نفس تمام بدن سے جمع ہو جائے گا کہ وہ سانپ پھینکتا ہے تو لطیفہ  
عرش قلب کے نزدیک جمع ہو کر حلقوم سے نکلتا ہے اور پوشیدگی کے ساتھ مغرب ہو جاتا ہے۔  
کہتے ہیں کہ روح اگر جو ہر بسیط یا جسم لطیف ہوتی تو آنکھ اس کو ضرور دیکھتی اور یہ غیر ممکن ہے کیونکہ  
دیکھنے والی روح اس جسم خاکی اور زجاجیہ طبعی کے اندر اس کو مشاہدہ نہیں کر سکتی ہے کیونکہ یہ اپنے  
غیر جنس کے ساتھ مجبور ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے گھر میں بیٹھا ہوا آدمی نہیں دیکھ سکتا جو



کہ دیوار کے پیچھے کون ہے اور جب یہ روح بدن سے نکل کر اہل قرب و یقین کے مقام میں پہنچتی ہے تو اسکی علمی قوت اور اعمال کے موافق علائقے کا مشاہدہ اسکو میسر ہوتا ہے اسی واسطے حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنی میت کے سامنے قرآن پڑھا کرو کیونکہ قرآن کی خوش الحانی اور اس کے معانی کے سننے سے موت کی سختی آسان ہوتی ہے اور جیسا کہ گانا سننے سے اونٹ باسانی منزل طے کر لیا سی طرح قرآن کے سننے سے دنیاوی وسوسے دل سے منقطع ہو کر قلب خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور سکرات موت اسپر آسان ہو جاتے ہیں اور وہ غم کے دریاؤں میں غوطہ کھا لگتا ہے یہاں تک کہ سرالہی اسپر منکشف ہونے پھر اس کے بعد روح جسم سے نکل کر ہر ایک رگ و پسے سے صاف ہوتی ہے اور اس مصیبت سخت سے نجات پاکر آباد کرتی ہے اور نجات پانے کی مبارکباد اس طرح اسکو سنائی جاتی ہے اَلَّذِیْنَ تَتَوَقَّعُہُمُ الْمَلَائِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُولُوْنَ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ دَخَلُوْا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

یہ خطاب اس شخص کے واسطے ہو جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف کیا ہے اور دنیا کے تعلقات کو ترک کر کے ہمارے اندر میرے سر یا نکل یا ہر نکل آیا ہے اور صرف ایک طرف اپنے خیال کو متوجہ رکھا ہے پس یہ نفس جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس طرح دیکھتا ہے جیسے سو نیوالا خواب میں دیکھا کرتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ سونے والے کی حالت جاگ اٹھنے سے جاتی رہتی اور اس نفس کی حالت ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے اور جس قدر نفس کے اندر علم کی قوت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر نعمتوں میں اسکا حصہ زیادہ ہوتا ہے اَلَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ پھر اس کے بعد معاد باقی رہتی ہے پس انہیں کے پاس ارحام صافیہ کا نقل فعال کے پاس رہنے کے واسطے اور ہر چیز کے اپنے عنصر کی طرف خود کرنے کے واسطے محشر ہے اور نفس اپنی پاکیزگی کو وطن کی طرف ہونے کے وقت پاتا ہے تنہا نہیں دیکھا کہ مسافر کا دل ہمیشہ اپنے وطن کے شوق میں لگا رہتا ہے اور اگر یہ شخص مسافر فقیر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کا فکر اس کو وطن کی محبت کے یاد دلانے سے باز رکھتی ہیں اور دنیا کا معتقرب زائل ہونا ایک بدیہی بات ہے اس کے واسطے کسی دلیل و برہان کی غور نہیں ہر اپنے ہمیشہ کو روز یہاں سے سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

پھر تم کو یہ بھی خیال کرنا چاہئے کہ جو علم تمہارے کام آئیگا اور قبر میں تمہارے ساتھ جائیگا وہ کون علم ہے کیا یہ بیع و سلم اور فرائض کا ہے یا احکام نکاح و طلاق یا مسائل جنایات کا علم ہر نہیں ان علموں کو شامہ علیہ السلام نے انتظام و سیاست کے واسطے قائم کیا ہے ورنہ قبر میں نفع دینے والا علم وہ ہے جو نفس

لہ وہ لوگ جن کے پاس فرشتے اغوت کرتے ہیں اور کہتے ہیں تم پر سلامتی ہے اپنے غلوں کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔  
نہ کہہ دو کیا وہ لوگ برابر ہیں جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں ۱۲۔



کی فات میں مرسم اور منتقش ہو گیا ہے۔ جس وقت بندہ کو قبر میں رکھتے ہیں اگر خدا نخواستہ یہ بندہ گنہگار ہے تو اس پر انتقام کے افسے (سانپ) لکھ پڑتے ہیں اور اس کی جہالت کی صورتیں اس کے افعال ناشائستہ کے سبب سوان کو حرکت دیتے ہیں اور ندامت کے پھو اسکو کاٹنا شروع کرتے ہیں اور اپنی دولت کے واسطے یہ روتا ہے اپنے جسم کو یاد کر کے نہیں روتا اور وہیں یہ عقل کی میزان اور علم کی مشقال کو دیکھتا ہے اور وہ میزان عقل کی ہوتی ہے مگر ڈی کی نہیں ہوتی اور اس کو اس دلیل سے سمجھنا چاہیے کہ اندھے کے پاس اگر کوئی چیز وزن کی جائے تو وہ اسکو نہیں دیکھنے کا ہے کیونکہ اس کے پاس دیکھنے کا آلہ ہی نثار دے اور نظریک واسطہ ہے جو مشاہدہ کو قلب کی طرف منتقل کرتا ہے اور قلب فکر کے طریق پر صورتوں کو روح کی فات میں جو نفس لطیفہ الہیہ ہے مرسم کرتا ہے اور مقاصد ربانیہ کے موجود نہ ہونے ہی کے وقت شارع علیہ السلام نے جاہلی کے حق میں لوگوں سے فرمایا ہے کہ اُسکے واسطے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ تیری صفات مذمومہ ہی کی اُفتیں جب قبر کی تنگی میں تجھ پر ظاہر ہو گئی۔ تو شکر و بیکر وغیرہ سے تجھ کو کافی ہو گئی اور اگر تیرے اوصاف ان مذمتوں سے پاک اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ ہیں تو یقین صاف ہو کہ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ہے ایک باغیچہ بن جائیگی اور اس کے حاصل کردہ علم توحید کے نور کے ساتھ عقل کا آفتاب چمکے گا اور یہی علم آخرت میں نفع دینے والا ہے ﴿لَوْ هُوَ يَسْعَىٰ بَيْنَ يَدَيْهِمْ﴾ قیامت صغریٰ یعنی موت کے بیان میں یہ فعل کافی ہے اس شخص کے واسطے جو اہل یقین میں سرکلام کو سمجھتا ہو اور ان لوگوں کے واسطے ایسے درجے ہیں جو نور عقل اور صفاء علم ہی سے راک کئے جاتے ہیں پس موت اس جدائی سے عبارت ہے جو بدن اور روح کے درمیان میں واقع ہوتی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ فکر اور دہم نفس کی ذات کے ساتھ متعلق نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں دماغ کے اگلے حصہ میں ہیں پس جب روح جلاں کو معدوم کرتی ہے تو عالم ہو جاتی ہے اور غذا اس کی وہ علوم ہوتے ہیں جو اس کے پاس ہیں اگر یہ روح جاہلی ہوتی ہے تب نہایت رخ و غم کے ساتھ کہتی ہے یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ اور شرع شریف اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ روح گناہ اور ثواب کی باتوں کو سمجھتی ہے اور اگر وہ گنہگار ہے تو گناہوں کے قہر میں اس طرح گرفتار ہوتی ہے جیسے اندھا آدمی جو راہ ہے .... میں چٹس جاتا ہے نہیں جانتا کہ اس کے مقصد کا کونسا راستہ ہے پس اس طرح یہ روح قبر کی دیواروں میں ٹکراتی پھرتی ہے۔

اور اگر یہ روح گناہوں سے پاک ہے تب یہ انبیاء کرام کے مقام میں ترقی کر جائیگی۔



معلوم ہو کہ سعادت اور شقاوت کی اصل دنیا کی محبت اور اس کا بغض ہے پس جو شخص چاہے اسکی محبت کو کتنی کرے اور جس کا جی چاہے اسکو بڑھائے۔

## فصل قیامت صغریٰ اور کبریٰ کے بیان میں

اما بعد پس تم موت سے بہت بڑے خطرہ میں ہو اور ناز اسکا روح والوں میں زیادہ تر ہے اور

پھر باوجود اس کے متعلق اختلاف کیا ہے گرم اور ٹھنڈے اور تر و خشک مرض کے پیش آنے میں جو فساد

کی طرف رجوع کرتا ہے حال دو قیامتوں کا متضمن ہے ایک صغریٰ اور ایک کبریٰ کے احوال اور

خوفناک باتیں تو تم کو معلوم ہیں مگر ہم اب تم سے صغریٰ کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ تم کو اسرار اور معانی

قرآن کا علم ہو جب تمہارے عقل کا سورج لپٹ جائے گا اور تمہارے حواس کے ستارے جھڑپڑیں گے

اور تمہارے ذہن کی اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور تمہارے جہل کے وحشی جانور جمع ہوں گے اور تمہارے علم و عمل

سے تمہاری شادی ہو جائیگی اور تم کو اپنے اندرون کی خباثت معلوم ہوگی اور تم ملامت کے ساتھ اپنے افسوس

کرو گے پھر تمہارے حواس اور عروق کے صحائف یعنی اعمال نامے پیش کئے جائیں گے اور تمہاری بندی کا

آسمان گر پڑیگا اور تم عدم سے جا لو گے اور اگر تم سے علم کا توشہ درجہ رسا لینا قوت ہو جائیگا تب اپنے

نفس کو تمہارے ملامت کرنے کی دوزخ مشتعل ہوگی اور اگر تیرا نفس کامل اور پاک ہوا اور ذلیل و رذیل

اخلاق سے محفوظ رہا تب جمال قدسی اپنا حسن آراستہ کر لیگا اور تیری جہالت کا آسمان تیرے عقلی کے نور سے چھٹ

جائیگا اور تیرے جسم کی حسیات سے تیرے طمع کے ستارے بکھر جائیں گے پھر جب نفس اپنے علوم کا مدہ عقلیہ شامل

کے ساتھ خالص ہوگا تب عالم علوی سے نفس کے اپنے مکان کی طرف واپس ہونے اور علم سے جگہ پکڑنے کے ساتھ

فیض الہی کے دریا عالم علوی سے اس کے اوپر جاری ہونگے اور تیرے جسم کے پہاڑ اڑتے پھریں گے اور عدم

بطریق تحلیل کے تیرے تمام اجزاء میں سرایت کر لیگا اور تیرے افعال مشکوٰۃ کی صورت بن کر تیرے سامنے آویں گے

اور تیرے جہل اور ندامت کے سانپ پھو تیرے کاٹینگے۔

شارح علیہ السلام نے تم سے تمہاری عقل کے موافق گفتگو کی ہے اور جب کہ تم سلامت نہ رہے اور دوسرا

سلامت رہا تو اس سے تم کو کیا فائدہ ہے اور جو وقت تمہارے عقل کے صورت میں چھونکا جائیگا اس وقت تمہاری کیا

قدر رہیگی جب معاد ارواح میں واپس آؤ گے تو اپنے جہل کے نشہ میں ہو گے قرآن شریف کے عکس کو

دیکھو کہ پہلے تمہارے سامنے مثل کا خیال قائم کر کے پھر اسکا عکس کیا ہے وَ تَدْرِي لِلنَّاسِ سُكَارًی و مَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ

لے اور تم لوگو کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے ۱۲۔



تقریب کے طور پر ہے نہ نزدیکی کے طور پر کیونکہ عند اور این اور کیف کا دخول مکان پر ہوتا ہے اور یہ روح اپنے مرکب ہوا ہو کر ایسے عالم میں پہنچ گئی ہے جو کیف اور این سے منزہ ہے یہ سب عقل فعال کے پروس میں ہونے کے جسکو ہم عرش کہتے ہیں کیونکہ وہ کل کائنات پر محیط ہے جب تم اپنے نفس پر یہ راستہ پیش کرو گے اور حالت تفریط کو اس کے سامنے کھول دو گے حق کا راستہ اس کے سامنے قائم ہو گا اور علم کی میزان کھڑی ہو گی اور قرب کے حوض پر وارد ہو کر ملا ملائے سر ملاقات کرے گا اور خداوند تعالیٰ اسو بہت نزدیک ہو گا اور اس روح کو قرب الہی کے سبب سوکھانے پینے کی کچھ پرواہ نہ رہیگی اور بلندی اور بزرگی منزل میں فیض الہی اس کے علم اور توحید و معرفت کے موافق اسپر جاری ہو گا جسم مجاہدہ کے ساتھ صاف ہونے میں اور عقل علم کی برائی کے ساتھ صاف ہوتی ہے اور یقین تصدیق کے ساتھ صاف ہوتا ہے اور دل کشف کے ساتھ صاف ہوتا ہے اور صاف عقلیں غفلت کا پردہ اٹھنے کے ساتھ صاف ہوتی ہیں۔

نفوس کو دنیا فانی کی محبت سے پاک کرو اور طبائع کی کدورت سران کو خالص کر لو اور انبیاء علیہ السلام کے اخلاق کے ساتھ انکو آراستہ کرو اس طریقہ سے یہ اس فانی کھانے پینے کی چیزوں اور ذلیل حالت سے مستغنی ہونگے اور علم کے جنتوں سے جو بند اور بالانعام خدا کریم کے زیر سایہ ہے خوبصورت حوریں غیر کی طرف نظر نہ کرے وہ ایساں ان کے سامنے ظاہر ہونگی معافی کی حور سر بر سر کر اور کون سی حور اجسام حروف کے محل کے اندر ہے فکر کی پٹری تیر کے سامنے کھولتی ہے جسکو دیکھ کر کوئی جنت کے میوؤں اور انگوروں اور نوجوان حوروں کی طرف مائل نہ ہو گا اور نہ بہالت کے مرتبوں سے قاصر رہنے کی برابر تصور ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے انبی جنت میں وہ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر اسکا خطرہ گذرا۔ اور معلوم ہو کہ انگورا اور کھجور اور انار اور سونا اور چاندی اور حوریں مل کر نہ ہیں اور درخت یہ سب الفاظ سمجھانے کے واسطے مرکب کئے گئے ہیں جیسا کہ قرآن شریف میں وارد ہے **لَهُ فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ وَمَاءً مَّسْكُودٍ** ورنہ صحابہ کرام میں خاص خاص لوگ عام لوگوں کے طور سے ان الفاظ کو نہ سمجھتے تھے بلکہ معرفت الہی میں ان میں سے ایک کا یہ بیان ہے **لَهُ سُبْحَانَ مَنَلاَ سَبِيلَ إِلَى مَعْرِفَتِهِ لَا بِالْعِزِّ مَعْرِی دوسرے فرماتے ہیں لَنْ كُشِفَ الْخَطَا مَا زِدْتُ بِمَعْرِفَتِهِ**۔

۱۔ یہ کانٹے کی بیڑیوں اور دارے ہوئے کیلوں اور بھینے سلیوں اور پانی کے جھروں میں جنتی لوگ ہونگے ۱۱۔  
۲۔ ہاکی ہے اس ذات کو جسکی معرفت کی طرف راستہ نہیں ہے مگر اسکی معرفت سے عاجز ہونے کے ساتھ ۱۲۔ ۳۔ اگر پردہ کھول دیا جائے تو میر یقین کچھ زیادہ نہ ہو یعنی نہ کھو پیلے ہی یقین کا کمال حاصل ہے ۱۲۔



ایک فارسی نے یہ آیت پڑھی جَنَّتْ قَبْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْفُسُ تَبْلِي رَابِعُ بَصْرِي نے فرمایا مشتاق ملاقات  
لھانے بیٹے کو لیکر کیا رگیا بیشک بادشاہوں کے پاس رہنے میں یاوریوں کی ضرورت نہیں رہتی ہے مگر یہ  
خطاب خاص بھی ہے اور عام بھی ہے اور وہ ہر نفس کے واسطے بعض اجرام میں جو کچھ کوئی تمنا کرے اسی کی شکل  
بنتا ہے کیونکہ وہ معانی ہیں جو نفوس کے اندر منتقل ہوتے ہیں مثلاً کسی شخص کو دن کے تئیں کوئی خیال  
آیا اور رات کو اس نے خواب میں اس خیال کو دیکھا اور جب پاک اور علم والے نفوس نعمتوں میں ہونے  
تو اور نفوس کی بدبختی سے ان کو نقصان نہ پہنچا پھر جب قیامت صغریٰ یعنی موت کی قیامت قائم ہو  
گی تو اس میں ممکن قیامت کی یہی حالت کی خبر ہو جائیگی مگر فرق یہ ہے کہ قیامت کی یہی میں کل کام اعلان کے  
ساتھ ہونے کے ساتھ جناب لیا جائیگا اور منہوں پر ہر گے گی اور ہاتھ پر گواہی دیں گے اس علم و عمل کی  
جو حاصل کیا ہے اور فاسق جو عذاب کیا جائیگا وہ اپنے جہل کے ساتھ خارج ہے جب دنیا نے اپنے طالبان  
ازت کو بند اور خیر کی صورت میں سمجھ کر دیا ہے کیا بات ہے کہ تم نہیں سمجھتے نہ آدم عقل سر بڑا ہے نہ  
خواہش سر بڑا ہے شیطان ہے اور نہ جہل سر زیادہ قاتل کوئی نہ ہو جو شخص اس مضمون میں غور کرے گا وہ اسکو  
قُلْ هَلْ يَنْفَعُكُمْ بِالْاَنْفُسِ الَّذِينَ هُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا هُمْ  
يَحْسَبُونَ اَنْهُمْ يَخْسَرُونَ مَنْفَعَةً اسرار قرآن میں نظر نہیں کی کہ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ  
کہ یہ میزان دو پلڑوں والی ہے مگر جب تم صحیح علم کے ساتھ خود جمع کرو گے تو اس سرو ہی میزان عقل مراد ہوگی  
جسکے سبب سے تم کو ہلاک ہو نہ ہو اے اور نجات پائیو اے کا حال معلوم ہو سکتا ہے اور جب تم سر علوم  
عقلیہ الہیہ کے مقاصد فوت ہو گئے تب تم اپنی جہالت کی عقلی بڑے ندامت کے ساتھ کاٹو گے اور کہو  
گے۔ سَرَّابٌ اَوْ جَعُوبٌ صَلَّى اَعْمَلُ صَالِحًا مَعْرِفَتِ وَاَسْ کے واسطے سب کچھ ظاہر اور  
اور بیان ہو گیا ہے اور العری ہر طالب کو اس کے مطلوب کی توفیق دینے والا ہے بیشک وہ طالبوں  
پر لطف کر نیوالا اور مومنوں پر مہربان ہے۔

## فصل اسرار نبوت کے بیان میں

معلوم ہو کہ بنا بر سرنا خود ہے کہتے ہیں نبیانی یعنی خود سے بیان کیا نبوت کے واسطے بہت اسرار  
ہیں جن میں سب سے پہلا ازل کی طرف سے سادات کا غیر ہے اور بعض اسرار یہ ہیں کہ دنیا سے سوا فروریہ  
عمل تعلقات کو قطع کرنا اور خلوت کے مکان میں گوشہ نشین ہونا چاہیہ کہ ہمارے حضور قادر جل میں خلوت  
سے باغ جن کے نیچے ہرگز نہیں ہوتی ہیں ۱۲۔ کہہ دو کہ میں تم کو ایسے لوگ بتاؤں جن کے اعمال خسار سے ہیں



نشین ہوتے تھے اور ایک شخص کو اپنے دائیں طرف کھڑا ہوا دیکھتے تھے اور امیہ بن صلت کی بھی حالت ایسی ہی ہوئی تھی اور وحی غفی طور پر خبردار کرتا ہے اور یہ ایک شخص معین کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے ہر چیز میں خاص خاصیتیں رکھی گئی ہیں چنانچہ ہلیلہ میں قبض کر نیکی خاصیت ہے اور ہجی خاصیت ماز اور بلوط اور انار کے پھلکوں اور سنگ سیاق میں ہے پھر ان سب کو جمع کرنا اس شخص میں اثر کرتا ہے جسکی طبیعت بطریق حرالت کے نرم ہو گئی ہو اور محمودہ کی خاصیت اسہال لانا ہے اور یہی خاصیت بنفشہ کے شربت اور گلقدار و زرد اصفر اور شربت گلاب میں بخلاف باقی شربتوں کے برف کی خاصیت ہے اور خاصیت ہی کے متعلق دیکھو کہ مقناطیس کا پتھر لوہے کو جذب کرتا ہے اور سنگ بذلہ لکھنؤ کے واسطے ہے اور نمینہ نہ آنے کے واسطے ایک طلسم بنایا جاتا ہے اور ایسے ہی طلسموں مردوں اور عورتوں کے دلوں کو جذب کیا جاتا ہے اور ایک پتھر میں یہ خاصیت ہے کہ اسکو بجانے سے مینہ رستا ہو اور ایک پہاڑ میں یہ خاصیت ہے کہ جو شخص اسپر جاتا ہے نمینہ اسپر غلبہ کرتی ہے یہاں تک کہ مر جاتا ہے اور یا قوت کا پتھر آگ میں نہیں جلتا اور نیز و فن طلق بدن پر ملنے سے بدن بھی آگ میں نہیں جلتا ہے اور نہ آبرک کی بتی چراغ میں جل سکتی ہے اور چین کے خرگوش کی اون سے جو کپڑا بنایا جاتا ہے وہ بھی آگ میں نہیں جلتا ہے

اور جب نو کو دفع زہر میں عجیب خاصیت رکھتی ہے اور تراوند خالص جگر کی حرارت کو مفید ہے حالانکہ خود بھی گرم ہے اور کپڑے میں پٹے ہوئے اندھے پر آگ اثر نہیں کرتی ہے اور ایک بوٹی میں محبت کی خاصیت ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور ایک میں بغض کی خاصیت ہے اور عورتوں کے جادو میں بھی خاصیت ہوتی ہے اور جادو میں ایسی ہی تاثیر ہے جیسے قطر میں ہوتی ہے اگر تم ایسا کرنا چاہو تو ہر تین حرف کے بعد جو تھا حرف ثواب ت ث کے حروف میں سو اور پھر ان حروف سے کلام بنا کر جسکام میں چاہو لاؤ وقت عمل کے واسطے نیک ہونا چاہیے ترویج کا وقت نہ ہو۔ پس بندہ ہمتی کے ساتھ غرور اس عمل سے تاثیر پیدا ہوگی اور جادو سر مرد و غیرہ اشیاء ازینت اور سیب وغیرہ میوہات کے منگانے اور جانور کی دم پر سوار ہونے اور دیگر بہت سی باتوں کے ساتھ ہوتا ہے اور بڑے منتر ایسے ہیں جن کے ذریعہ سر کنوئیں پر جنات سے گفتگو کی جاتی ہے اور مگر ہی کے مانپ پھو بن جاتے ہیں اور سداب جادو کا اثر ہونے نہیں دیتی اور دای اوزہ جو پر بھی منتر پڑھا جاتا ہے اور زعفران کا طلسم بنا کر جسکو نہانا منظور ہو کھلاتے ہیں غرضیکہ اسی طرح سے ہر چیز میں



ایک ایسی خاصیت ہے جو دوسری چیزیں نہیں ہے۔ پس قادر قدیم نے اسی طور سے نبوت کے اسرار خاص خاص لوگوں میں مرتب کئے ہیں اور وحی ایک شخص کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے دوسرے کے ساتھ نہیں ہوتی جیسا کہ ہر شخص کی قوتوں میں بہ نسبت اور لوگوں کی قوتوں کے فرق ہوتا ہے دیکھو تم بعض چیزوں کو دیکھتے ہو اور تمہارے ساتھ کو نظر نہیں آتیں اور ایسے ہی کوئی بات تم کو سنائی دیتی ہے اور تمہارے ساتھ کو سنائی نہیں دیتی۔ اور اہل فراست کے فہم نے تم نے سنے ہونگے اور بعض اوقات خیال پختہ ہو کر صورت بن جاتا ہے اور آنکھوں والا ان چیزوں کو دیکھتا ہے جو اندھے کو معلوم نہیں ہوتیں کیونکہ دیکھنے کا آلہ یعنی آنکھ اس کے پاس نہیں ہے۔

پس تم لوگوں کے حالات سیدھے نہیں اور سب سے بڑا محاب تمہارے واسطے دنیا کی محبت ہے۔ ایک دفعہ بنی اسرائیل کے جنگل میں کثرت سے سانپ ظاہر ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تانبہ کا ایک عصا بنایا اور اس کے سر پر ایک صلیب لگا کر اس میں طلسم بنایا جس کے دیکھتے ہی کل سانپ مر گئے اور پھر اس اثر سے لے جا کر ان سب کو کھالیا۔

اور خواص ہی کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو پتھر مارا سانپ نے پتھر پر کاٹا اور وہ شخص مر گیا اور ایک سانپ صرف دیکھنے سے مار ڈالتا ہے اور اب حیات سے خدائے تعالیٰ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے ان بنی پروری کا نازل ہونا بھی مثل انہی خواص کے تصور کرنا چاہیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس میں مجہد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء متقدمین کے راز و اسرار سے آگاہ تھے اور ان علوم کے سبب سے جو چاہتے تھے سو کرتے تھے یہ قول ہمارے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ قادر متکون اور حکیم ہے اس کی سعادت کا فیض بطریق فکر کے ارادہ کے ذریعہ سے اس شخص کی طرف پہنچتا ہے جسکو وہ مخلوق کی مصلحت کے واسطے قائم کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے بستر کی نسبت بیان کرتے ہیں کہ اس کے نیچے سحر و فون تھا یہ بات بالکل غلط ہے۔

اور اب اس زمانہ میں ملک مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو طلسمات اور عزائم کے زود سے جناتوں سے خدمت لیتے ہیں اور نجومی لوگ انجورات کے ذریعہ سے کو اکب کا کلام سنتے اور ان سے گفتگو کرتے ہیں اور کوئی شخص اس بات کا انکار کرے کہ کو اکب کسی سی بات نہیں کرتے تو اسکا یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اس بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ کو اکب و نجوم غیر مجاد اور زندہ جملنے اور ارادہ کرنے والے ہیں اور ان سے

۱۲- یعنی علم قیام کے جاننے والے ہر شخص کی صورت دیکھ کر اس کے وہ حالات معلوم کر دیتے تھے جو انکو معلوم نہیں ہوتے۔



بنی مخصوص کے واسطے قدرت نے وحی مبین کے اسرار منکشف کر دئے تھے۔

یہ لوگ (یعنے فلاسفہ) کہتے ہیں کہ بطلموس آسمان کے فرشتوں سے باتیں کرتا تھا پس جب کہ تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے تو ایسے ہی ہمارے ہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا اور کوئی شخص نہیں ہے ان کی خاصیت ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے بطلموس کی اور چونکہ مزدوں کو ان کے لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے یہ جملے بھی دہرا رہی ہیں رکھے گئے تاکہ ان کے سمجھنے والے سمجھ لیں۔

اور جب تم اپنے نفس کو ان مقامات کی سیر کرو تو اس کی پاکی ضروری ہے کمال علوم اور مجاہدات کے ساتھ اسکو آراستہ کرو پھر دیکھو کہ اسی وقت اس کی عقل کا آدم اور اس کے فضل کا نوح صفا یقین کے پہاڑ پر ظاہر ہوگا اور فضل کا موسیٰ پہاڑ کے اوپر سے خطاب سے گا کہ جب دنیا کی جوتی دل سے نکال دے شک میں خدا ہوں پروردگار تمام عالموں کا۔

تیرے ہی اندر ابنیا ہیں اگر تجھ کو عقل ہے اور تھی سے فرشتے ہیں اگر تو سمجھتا ہے قلب پروردگار کا مکان ہے اور یہی عرش جلال ہے اور اسی میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہی رحمت کا جائز نزول ہے پس جس وقت اس میں سیر تیری بیماری کا داؤد ظاہر ہو تو اس کو جبریل عقل کے وصف کے ساتھ دفع کرتا کہ اس کے تخم سے تیری سلامتی کا سلیمان ظاہر ہو کر نفس کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر شہوات کے دروازے بند کرے اور جنوں کو قید میں لائے اور بلقیس نفس کا تخت حاضر کرے اسے شخص افسوس ہے کہ تو شہوات اور حب دنیا کے اندر پھنسا ہوا ہے تیری خواہش سے برہم کر کوئی شیطان نہیں ہے تیرے اطراف کے فرشتوں یعنی ہاتھوں پیروں وغیرہ کا سجدہ تیرے نفس کے آدم بعضہ روح کے واسطے ہر جو مقام قرب سے تیرے جسم خاکی تنگ و کشیف میں قید ہوئی ہے۔

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بستر پر کتے کی تصویر کا ہونا مکان میں فرشتوں کے نزول کو مانع ہوتا ہے اور حالانکہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اس واسطے تجھ کو ان کے دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہ دس کتے یہ ہیں۔ حرص۔ اُمید۔ جھوٹ۔ بخل۔ لالچ۔ ریا۔ نفاق۔ عقد۔ حسد۔ تہمت۔ چغلی خوری پس یہ سب تیرے دشمن ہیں اور تو ان سے غافل ہے تو انہیاء علیہم السلام کے مناقب میں عیب لگانا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ شارع علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے



قیامت کے روز بہت لوگ خنزروں اور ہندوؤں اور کتوں کی صورت پر شریکے جائینگے اور یہ صورت کا مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے یہ سارا حقد تیری ہمت پر موقوف ہے۔ اور جب تو کشف اسرار کے ساتھ انتہاء کمال چاہے تو جان لے کہ سرانذیب کا عصا سانپ بنجاتا ہے۔ اور اگر تجھ کو طلسمات کی تکیبیں معلوم کرنی ہیں تو جابر بن حیان کی کتب کا مطالعہ کر یہ حضرت امام محقر صادق علیہ السلام کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور محقر و کھانت میں انہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ اور ان دو سانپوں کی حکایت بھی تو نے سنت لی ہے جو تخت سلیمان کے محافظ تھے اور بلوقیا اور عفلان سیر کرتے ہوئے وہاں پہنچتے تھے اور جب کہ قرأت شریف نے تجھ سے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے مطلع شمس سے مغرب تک سفر کیا تو بس چاہیے کہ تیری ہمت عالی بھی مقام علم کے ساتھ طبیعت کی ظلمت میں سفر کرے تاکہ آفتاب یقین اسپر روشن و تاباں ہو اور تو تمام زمین جسم کا مالک ہو جائے اور دریائے طبیعت میں غوطے لگا کر جواہرات قدس حاصل کرے اور اگر تیرے قلب پر طبیعت کی ضد قائم ہے تو تغفلت کے یا بھج و ما بھج شہوتوں کے پھل سے ظاہر ہونگے۔ کہف تیرا جسم ہے اور اصحاب اس کے تیرا ایمان ہے۔ اور تیری مرس تیرا کتا ہے اور قلم ان سب باتوں کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

## فصل

ہمارے واسطے نبوت اور رسالت اور کرامت اور معجزات اور تارنجیات کے مرتبے ہیں وہ نبی جو اپنی ذات کے واسطے تھے مثل حضرت یحیٰی اور خضر علیہما السلام کے ہیں اور رسول وہ نبی ہیں جو احکام وحی کے ساتھ دوسروں کو حکم کراتے ہیں اور معجزات وہ باتیں ہیں جو انبیاء سے خلاف عادت ظہور میں آئیں۔ اور دوسرا کوئی شخص انکو نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً قمر کا شق کرنا اور بھیر طریے سے باتیں کرنی اور درخت اور جانوروں کا سجدہ کرنا وغیرہ ان کے اصول مقررہ اسرار ان کے پوشیدہ ہیں اور کرامات بھی مثل معجزات ہی کے ہیں۔ بلکہ جس نبی کی امت سے کرامت ظاہر ہوئی ہے یہ کرامت ان نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ کے ظاہر کرنے کا اور کرامت کے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور کرامت اختیار اور بغیر اختیار دونوں حالتوں میں پیدا ہوتی ہے اور تیرنجیات کا طریقہ مشہور ہے۔ مثلاً پانی سے چراغ روشن کرنا اور بغیر کسی کے اسکو دروازوں میں کر دینا اور بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایک دن کے تین لات بنا دیتے



انکو دیکھتا ہر توبے اختیار سجدہ کرتا ہے اور یہ بات ممکن ہے کیونکہ جو شخص یہ سجدہ کرتا ہے کہ رانی کے ہانی میں کندیش لاکر اس میں رومال نر کر کے خشک کر لیتا ہے اور پھر اسکو آنکھوں پر پھر کر بغیر رونے کے آنسو نکالتا ہے تو ایسے شخص پر جانور سے سجدہ کرنے کا سجدہ بھی مشکل نہ ہوگا۔ اور دفع زہر کے واسطے لوگ بہت سی چیزیں کرتے ہیں چنانچہ قدرے شہد خام کے ساتھ بندق ملا کر کھانا پھوکے زہر کو بہت جلد آرام کرتا ہے اور اسی طرح عقلی اور فنی زیت کو جو دیگر لگائیں بغیر ہاتھ سے چھونے کے تو تمام زہر کا اثر جو س لیگا۔ اور باقوت کے اندر عین بھانے کی عجیب خاصیت ہے اور جادو گر اپنے جادو سے زور سے پیچھے برسا میں اور اپنے مکان سے تھوڑی دیر میں بابل جا پونچتے ہیں۔ اور ہند میں ایسے لوگ ہیں جو آسمان پر منتر پڑھ کر بھوکتے ہیں اور برسنے لگتا ہے اور بعض لوگ گرمی میں منتر پڑھتے ہیں اور بادل اُن کے سر پر سایہ کرتا ہے اور تھوڑے منتر پڑھ کر دم کرتے ہیں تو وہ گرم نہیں ہوتا۔ اور نہ ہندیا میں جوش آتا ہے اور دھشتی حرکت کرتی ہے اور کتا خاموش ہو جاتا ہے۔ وادی حضروت میں غار سوخ کے پاس ایک چبوترہ پرنیری کا درخت ہے اور اسی کے سایہ میں حضرت ہود علیہ السلام کا مزار ہے۔ اس مزار کے پتھروں پر لکھنے بنا کر انگوٹھی پر زہر اور مشتری کے فرائض کے وقت جڑے جاتے ہیں اور پھر بوقت غروب جب اس انگوٹھی سے ہوا کی طرف عرضیکہ خداوند سبحانہ و تعالیٰ نے نبوت اور سلطنت کے ساتھ رعیت کی اصلاح کی جیسے کہ بدن عین کوئی غلط فاسد ہو جاتی ہے تو اس کا بیجان کم کرنے کے واسطے قصد کیا کرتے ہیں پس اسی طرح مصالح احوال کے واسطے رسول کی فرمائش ہے۔ سب شہروں اشرف مکہ مکرمہ ہے کیونکہ اسی سے مویہ کا ظہور اور اسی سبب اس میں جذب قلوب کی تاثیر ہے۔ اور پھر رسول کا مقام سکونت بھی متبرک ہے۔ کیونکہ اُن کی سعادت کی برکت دونوں مقاموں کو شامل ہے جیسے کہ بادشاہوں کا سایہ حمایت ان سب پر شامل ہوتا ہے جو اُن کے دائرہ کے اندر ہوتے ہیں پھر ان دونوں مقاموں کے بعد اور انبیاء کے آثار و مقامات متبرک ہیں۔ مثلاً قدس اور خلیل اور نطاکیہ اور عبادان اور جودی جہان آسمان و مٹی کا دروازہ کھلا ہوا اور امیدوار کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔ اور دعا کی جو میں ایسی تاثیر ہے جیسے طلب بادل میں انفاس کی تاثیر اور نوح علیہ السلام کا مکان بھی مقام اجابت محل مقاصد ہے۔ نیک نخت آدمی کا کلمہ باقی رہتا ہے اور صاحبین کی برکتیں ہمیشہ قائم ہیں اور اس انداز صرف نہ کا صدق اور لوگوں کا ان کے واسطے دعا کرنا اور رسولوں کے آثار کی پیروی کرتا ہے۔ اپنی بلند ہمتوں کے ساتھ انہی کے انوار انہوں نے فیض حاصل کیا۔ پس اپنے مطلب پہنچ گئے جن ظن دہلا کا مقناطیس ہے۔ صفایا ظن اور اگلے ذریعوں کے درجے اس کے ساتھ جذب کئے جاتے ہیں۔

الحمد للہ علی ذلک کہ آج بتائے ہشتم ماہ رمضان المبارک ۱۳۲۹ھ کو اس کتاب مستطاب کے ترجمہ سے فراغت ہوئی۔



نصائح أمّ غزالي

يعني

أيها الولد



نور الهدى

الطبعة الأولى



# فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	تعارف کتاب	۵
۲	جواب خط	۵
۳	حاتم بن اسلم کے بیان کردہ فوائد	۲۲
۴	شیخ کے اوصاف	۲۸
۵	شیخ کی اطاعت	"
۶	ظاہری آداب	۲۹
۷	باطنی آداب	"
۸	نصوف کی حقیقت	۳۰
۹	بندگی کی حقیقت	"
۱۰	توکل کی حقیقت	"
۱۱	اخلاص کی حقیقت	۳۱
۱۲	آٹھ نصیحتیں	۳۳
۱۳	مناظرہ کا اصول	"
۱۴	مریض کی اقسام	۳۴
۱۵	نصیحت بقدر ظرف	۳۵
۱۶	نصیحت کے قابل شخص	۳۶



صفحہ نمبر	مضامین	نمبر شمار
۳۶	وعظ کی حقیقت	۱۷
۳۹	امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا	۱۸
۴۰	حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا	۱۹
"	عمل کے قابل چار باتیں	۲۰
۴۱	اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ	۲۱
"	اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ	۲۱
"	مطالعہ کی تلقین	۲۲
۴۳	خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا	۲۳
۴۴	نماز کے بعد کی دعا	۲۴



# تعارف کتاب

معلوم ہو کہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس نے امام غزالی کے پاس رہ کر کئی سال علم حاصل کیا اور تمام علوم سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے کئی سال اپنے دل کو مار کر بہت علم حاصل کیا جس میں تقریباً ہر قسم کا علم شامل ہے، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان علوم میں سے کونسا علم میرا مددگار ہوگا، قبر کو روشن کرے گا، اور (قیامت کے روز) مجھے فائدہ پہنچائے گا اور کونسا علم مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکے گا تاکہ میں ایسے علم سے کنارہ کشی کر لوں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے :

« اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ »

یعنی میں اللہ سے ایسے علم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہ شاگرد کچھ روز اس انداز سے سوچتا رہا اور آخر معلوم کرنے کی نیت سے تمام حقیقت اپنے استاد امام محمد غزالی کو لکھ بھیجی اور مزید کچھ دوسرے مسائل بھی پوچھے اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت بھی فرمائیں اور یہ بھی عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا بتا دیں جسے میں ہمیشہ پڑھتا رہوں۔ اس نے اپنے خط میں یہ بھی بتایا کہ حالانکہ امام غزالی نے اس سلسلے میں کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں مثلاً احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، جواہر القرآن، اربعین، مہناج العابدین وغیرہ، لیکن اس ناتواں کو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو ہمیشہ پڑھے اور اس پر عمل کرے اس پر امام غزالی نے یہ نصیحت لکھ کر جواباً شاگرد کو بھیجی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ



تَحَقُّدٌ وَإِلَيْهِ أَجْمَعِينَ ۝

اے پیارے بیٹے اور سچے دوست! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اطاعت و بندگی کرنے کے لیے بڑی عمر عطا فرمائے اور محبوب بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمام نصیحتوں کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے اس لیے تمام نصیحتوں کا منشور آپ کی احادیث اور سنت پر مشتمل ہے۔ ہر وہ نصیحت جو حدیث اور سنت کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ بے شمار نصیحت نامے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور سنت کی روشنی میں لکھے اور بیان کیے گئے ہیں ان سے اگر کچھ نصیحت پہنچی ہے تو پھر میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت نہیں پہنچی تو مجھے بتا کہ اتنے سال تک کون سے کونسا علم حاصل کیا؟ بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ:-

عَلَامَةٌ إِعْرَاضِ اللَّهِ عَنِ الْعِبَادِ اشْتِغَالُهُ بِمَا لَا يُعْنِيهِ وَإِنْ  
أَمْرًا ذَهَبَتْ سَاعَتُهُ مِنْ عُمُرِهِ فِي غَيْرِ مَا يَخْلُقُ لَهُ لِحَرِيٍّ  
أَنْ يَطُولَ عَلَيْهِ حَسْرَةٌ ۝

ترجمہ: بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظر عنایت پھیر لی ہے۔ اور جس کام کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی صرف ہوا تو یہ بڑی حسرت کی بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:  
مَنْ جَاوَزَ الْأَرْبَعِينَ سَنَةً وَلَمْ يُغْلَبْ خَيْرُهُ عَلَى شَرِّهِ  
فَلْيَتَجَهَّزْ إِلَى الْمَنَارِ ۝

ترجمہ: جس شخص کا مال چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اس کی برائیوں پر



بھلائیوں غالب نہ ہوں تو اسے دوزخ میں جا کے لے کر تیار کیا جائیگا۔  
 بیٹے! ساری دنیا کے لوگوں کو یہ نصیحت کرنا بہت بڑا کام ہے لیکن  
 اس پر عمل کرنا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ جن لوگوں کے دلوں میں دنیا کی لذتیں اور  
 نفسیاتی خواہشات گھر کر لیتی ہیں ان کو نصیحت اور ہدایت کرا دی جاتی ہے۔  
 ان لوگوں کے دل دنیاوی خواہشوں اور مشین میں گرفتار رہتے ہیں۔ اس سلسلے  
 میں وہ شخص خاص طور پر قابل ذکر ہے جو حکمت، فلسفہ اور اس طرح کے دوسرے  
 دنیاوی علوم حاصل کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ علم اس دنیا کی فلاح و شان اور  
 مرتبے کے علاوہ آخرت میں بھی چھٹکارے کا سبب بنتا ہے۔ لیکن یہ سمجھتا ہے کہ اس پر عمل  
 عمل کرنا ضروری نہیں اس طرح وہ خود کو عمل کرنے سے باز رکھتا ہے۔ دنیاوی فلسفہ  
 پڑھنے والوں کا یہ جو کہ غلط ہے۔ سبحان اللہ! ان لوگوں کو بتلانا کہ  
 وہ جو علم حاصل کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا وہ علم اس کے لئے آخرت کا کچھ کام  
 سبب ہو گا۔ کیا ہے یہ خبر نہیں ہے کہ سچا دیندار عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 نے فرمایا ہے کہ: **إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا أُولَئِكَ الَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ** ان لوگوں کا عذاب  
**إِنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَذَابًا أُولَئِكَ الَّذِينَ هُمْ يَدْعُونَ** ان لوگوں کا عذاب  
 ترجمہ: قیامت میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب اس عالم کو ہو گا جسے  
 اللہ تعالیٰ نے اس کے مخالفین کے لئے مقرر کیا ہے۔  
 بزرگوں کے قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت جنید بغدادی کو کسی بزرگ  
 نے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو مرنے  
 کے بعد کس حال کی خبر دیں۔ حضرت جنید نے جواب دیا کہ میں نے نہ تو کوئی  
**لَا تَجِدُ الْعَالَمَ إِلَّا فِي خَيْرٍ** اور اشارات سب سے بڑا کلمہ **إِنِّي**  
**رَكَعْنَا فِي جَوْفِ اللَّيْلِ**۔  
 ترجمہ: عبادات اور اشارات سب سے بڑا کلمہ **إِنِّي** کہ میں نے جو کچھ  
 پہنچایا جو تہجد کے وقت پڑھتا تھا۔



نہایت ہیچے! نیک اعمال سے محروم، ظاہری علم سے خالی ہاتھ اور باطنی کمالات سے خالی نہ رہنا اور یقین کرنا کہ (نیک اعمال کے سوا) صرف علم قیامت کے دن تیری کچھ مدد نہیں کرے گا۔ یہ بات اس مثال سے سمجھنی چاہیے کہ اگر کوئی جنگل بیابان جیسے گمراہ رہا ہو یا تھوڑے تیز ٹواریں ہوں اور اسی طرح عمدہ تیرکمان اور دوسرے ہتھیار بھی ہوں اور اس کے ساتھ ہتھیار چلاسنے اور جنگ کرنے کا طریقہ بھی آتا ہو ایسے ہتھیار کدے سے نکالے جائیں تو بتاؤ کہ کیا سب ہتھیار استعمال کئے بغیر وہ شیر کے چمکے ہوئے ہونگے۔

لہذا انہی طرح اپنا دل پہلے کہہ کر نہیں چک سکتا۔ اسی طرح تجھے علم ہونا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ایک لاکھ روپے ملے جائے لیکن کسی پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ عمل اس کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

دوسری مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے گرمی اور صفر کی شکایت ہو اس کا یہ علم ہو کہ اس کی بیماری کی شفا کبجلیں اور کس شہاب (جو کی آتش) میں ہے لیکن وہ اپنی دواؤں کو استعمال نہیں کرے، تو کیا دواؤں کے اثرات اور استعمال کرنے کا یہ علم گرمی اور صفر کی بیماری کو رفع کرے گا؟ تو بہتر سمجھ سکتا ہے کہ حکمت کا محض علم ہونے سے بیمار کو فائدہ نہیں پہنچتا۔

گرجے کو دہزار رطل اور پینے کی لہانہ ستارے بخوریں اور شہزادان یعنی اگر تو دہزار رطل تھوڑے تھوڑے تواریں اس وقت تک نصیب نہیں ہوگا۔ جب تک اسے پیوئے نہ جائے۔ خدایا یا رب العالمین! یہ سب باتیں سن کر غصہ نہ کرنا کہ اس کا اصل کوہا اور کتا جو کوہا کے لیے موزوں ہیں لیکن اس پر عمل نہ کرنا کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ جب تک کہ کوہا کے لیے موزوں نہ ہو تو اس کا کوہا اس کی رحمت کا حقدار نہیں بنتا۔ اس کو تو یہی حکمت کہ اس کو رحمت شعلہ نہیں پہنچا دے۔ سن! قرآن حکیم اس سلسلے میں فرماتا ہے:۔

وَأَنْتَ تَعْلَمُ خَائِنَاتِ الصُّلُوفِ أَتَیَّتْنَ أَمْ لَمْ یَأْتِیَنَّ

لَقَدْ تَعْلَمُ خَائِنَاتِ الصُّلُوفِ أَتَیَّتْنَ أَمْ لَمْ یَأْتِیَنَّ



ترجمہ :- انسان کو کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کوشش کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔  
 بیٹے ! مجھے علم ہے کہ تو نے پڑھا ہوگا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ لیکن  
 منسوخ وہ شخص ہے جس نے یہ بیان کی ہے۔ اے بیٹے ! میں نے فرض کیا  
 کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دو آیتوں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے ؟  
 فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ  
 شَرًّا يَرَهُ۔

ترجمہ :- پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا  
 اور جس نے ذرہ بھر بھی گناہ کیا ہوگا (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا۔  
 فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔  
 ترجمہ :- پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہئے کہ نیک کام کرے۔  
 وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا۔

ترجمہ :- اور کسی دوسرے کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔  
 اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ  
 الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۖ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔

ترجمہ :- بیشک وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اچھے کام کئے، ان کے لئے جنت  
 الفردوس ہمانداری کے طور پر ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔  
 پھر دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :-

اِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا۔

ترجمہ :- سوائے اُن لوگوں کے کہ جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔  
 اور ان احادیث مبارکہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں :

بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ



إِقَامُ الصَّلَاةِ وَآتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ  
وَرَجْعُ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا -

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اول شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے مال کی زکوٰۃ دینا، چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں استطاعت ہو تو حج کرنا۔

الْإِيمَانُ إِقْدَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيقٌ بِالْجَنَانِ وَعَمَلٌ بِالْأَعْمَالِ -  
ترجمہ: ایمان زبان سے قبول کرنے اور دل سے ماننے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔ یہ حقیقت بیان کر کے اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعے جنت میں جائے گا تو یہ سمجھ لے کہ تو نے میری بات نہیں سمجھی۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا۔ لیکن جب تک بندہ اپنی عبادت و بندگی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بنائے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی۔ یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّ رَحْمَةً اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ -

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔ مطلب یہ کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو پھر وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ میں بھی یہ بات دہرا رہا ہوں کہ (خدا کی رحمت کے بغیر) بندہ جنت میں کیسے جائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بندہ ایمان کے ذریعے جنت میں داخل ہوگا پھر تو سامنے مشکل عادیاں ہیں۔ جن میں پہلا مشکل راستہ ہے۔ ایمان کو بہ سلامت ساتھ لے جانا۔

اے بیٹے! تجھے یقین ہونا چاہئے کہ جب تک کام نہ کرے گا اس وقت تک



ایھا الولد

مجموعہ رسائل غزالی جلد اول

مزدوری نہ ملے گی۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص اللہ کی بہت عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے کہا کہ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ تو یہ تکلیف بلا ضرورت کرتا ہے تیری عبادت قبول نہیں اور تو دوزخ میں جائے گا۔ فرشتے کا پیغام سن کر اس نیک مرد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے اور وہ مالک اہل اختیار والا ہے۔ پھر یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! تو اس کائنات کے راز اور بحیثیت واقف ہے اور تیرے عبادت گزار بندے نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بندہ ہماری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو ہم بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

إِشْهَدُوا يَا مَلَكِي كَيْفَ آتَىٰ قَدْ غَفَرْتُ لَهُ۔

ترجمہ: اے میرے فرشتے! تم سب شاہد رہنا کہ میں نے اُسے بخش دیا۔  
اے بیٹا! سن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا فرماتے ہیں۔  
حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا۔ وَزِنُوا قَبْلَ أَنْ تُوزَنُوا  
ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے اس سے پہلے تم اپنے آپ (نفس) سے حساب لے لو، تمہارے (ترازو میں) عمل تولے جائیں اس سے پہلے تم اپنے (اعمال کی) تول کر لو۔  
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ ظَنَّ أَنَّهُ بِدُونِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَمِنٌ وَمَنْ خَلَّتْ  
أَنَّهُ بِبَذْلِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَعَبٌ۔

ترجمہ: جو شخص یہ سمجھے کہ میں اعمال کے بغیر ہی جنت میں جاؤں گا۔ ایسا شخص گمراہ ہے اور جس نے سمجھا کہ صرف کوشش سے ہی جنت میں جاؤں گا تو وہ محض مشقت میں مشغول ہے۔  
حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:

طَلَبُ الْجَنَّةِ بِدَا عَمَلٍ ذَنْبٌ مِنَ الذُّلُوبِ۔

ترجمہ: نیک اعمال کے بغیر بہشت کی خواہش کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔



ایک اور بزرگ فرماتے ہیں :-

الْحَقِيقَةُ تَرُكُ مَكَلَّ حِفْظَةِ الْعَمَلِ لَا تَرُكُ الْعَمَلِ .

ترجمہ : علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل کرے فریفتہ نہ ہو، ایسا نہ کرے کہ سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دے۔

سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام اقوال سے زیادہ بہتر، واضح، پاکیزہ اور عمدہ طریقہ سے فرماتے ہیں کہ :-

الْكَلْبُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْإِحْمَقُ مَنْ  
اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَتَّى عَلَى اللَّهِ الْأَمَانِي وَفِي رِوَايَةٍ  
عَلَى اللَّهِ الْمَغْفِرَةِ .

ترجمہ : عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے تابع کر لیا اور مرنے کے بعد آخرت کے لئے عمل کیا، اور بے عقل و احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو جھس جھوس (لذات، شہوات اور خواہشات) کا تابع کیا اور خیال یہ ہے کہ اشرمیرے ساتھ ہے۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی خواہش کرتا ہے۔

اے بیٹے ! تو نے راتیں جاگ کر علم کا بار بار ورد کیا اور اس کے مطالعہ کی خاطر اپنے اوپر نیند حرام کی۔ مجھے علم نہیں ہے کہ اس سے کیا مقصد تھا۔ اگر تیری نیت دنیا کے فائدے حاصل کرنا اور دنیوی شان و رتبہ حاصل کرنا تھا تو۔

فَوَيْلٌ لَّكَ ثُمَّ وَيْلٌ لَّكَ .

یعنی :- پس تیرے لئے افسوس ہے اور پھر تیرے لئے افسوس ہے۔  
لیکن اگر تیرا مقصد دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو قائم رکھنا اور اخلاقی تہذیب اور کسر نفسی تھا تو۔ فَطُوبَى لَّكَ ثُمَّ طُوبَى لَّكَ .  
تو پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے اور پھر تیرے لئے خوشی و آفرین ہے۔

سَكَّرُ الْعَيْنُونَ بِغَيْرِ وَجْهِكَ صَنَائِعُ ۖ وَبَكَوْهُنَّ بِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ  
ترجمہ : اے پروردگار ! تیرے دیدار کے علاوہ آنکھوں کا جاگنا بیکار ہے اور تیری



ذات کے علاوہ کسی کے لئے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ :-

عِشٌّ مَا شِئْتُ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَالْحَبِيبُ مَا شِئْتُ فَإِنَّكَ  
مُفَارِقٌ وَأَعْمَلٌ مَا شِئْتُ فَإِنَّكَ تَجُزِي بِهِ۔

ترجمہ : (اے انسان) تو اپنی زندگی جیسے چاہے ویسے گزار (مگر یہ خیال رہے) کہ تجھے مرنا ہے، اور جس سے چاہے محبت کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس سے جدا ہونا ہے، اور جیسا چاہے ویسا عمل کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

تجھے علم، علم الکلام، علم الاخلاق، علم طب، نجوم، عروض، صرف و نحو، غزلیات کے دیوان اور فنون جنگ وغیرہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہوا اور کیا حاصل کیا۔ تو نے عمر ضائع کرنے اور دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے علاوہ کونسا فائدہ حاصل کیا۔ میں نے حضرت عیسیٰ کی انجیل میں پڑھا ہے کہ جس وقت میت کو کھٹولے میں رکھتے ہیں اور جب تک اُسے قبر تک لاتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میت سے چالیس سوال کرتا ہے۔ پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

عَبْدِي قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِينَ فَوَلَّ طَهَّرْتَ  
مَنْظَرِي سَاعَةً۔

ترجمہ : اے میرے بندے ! تو نے مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کتنے ہی سال اپنے آپ کو (ظاہری علم سے) سنگھارا۔ لیکن کیا تو نے میری خاطر ایک ساعت کے لئے بھی اپنا دل صاف کیا ؟

بیٹے ! ہر روز تیرے دل میں اللہ کی آواز آتی ہے :

عَبْدِي مَا تَصْنَعُ بِغَيْرِي وَأَنْتَ مَجْفُوفٌ بِخَيْرِي۔

ترجمہ : اے میرے بندے ! تو دکھاوے اور یا کاری کے لئے عبادت کیوں کرتا ہے۔ جبکہ خیر اور شر دونوں میرے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے تجھے چاہئے کہ تو سچی نیت سے میری بندگی کرے۔



اے بیٹے! عمل کے بغیر علم یا گل پن ہے اور علم کے بغیر عمل بیکار ہے۔ وہ علم جو آج تجھے گناہ سے دور نہیں رکھتا اور اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا نہیں کرتا، یاد رکھ یہ کل تجھے دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا۔ اگر تو آج نیک عمل نہ کرے گا اور گزرے ہوئے وقت کا تدارک نہ کرے گا تو قیامت کے دن تو کہے گا:-  
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔

ترجمہ: ہمیں واپس (دنیا میں) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔  
پھر تجھے کہا جائیگا، اے احمق! تو وہیں سے تو آ رہا ہے۔  
اے بیٹے! تو ہمت پیدا کر اور جسم میں جدوجہد کے لئے حرکت پیدا کر۔  
نیک اعمال کے لئے کوشش کر کیوں کہ پھر قبر میں جانا ہے جو لوگ کہتے ہیں پچھلے  
اس میں موجود ہیں وہ ہر لمحے تیرے منتظر ہیں کہ تو کب ان کے پاس پہنچتا ہے۔  
خبردار! عمر (نیک اعمال) کے بغیر ہرگز ان کے پاس مت جانا۔  
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:-

هَذِهِ الْأَجْسَادُ قَفَسُ الطُّبُورِ أَوْ أَصْطَبِلُ الدَّوَابِّ۔

ترجمہ: یہ جسم پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر جانوروں کے ٹولے۔  
پس سوچ کہ تو کس میں سے ہے۔ اگر گھونسلوں والے پرندوں میں ہے  
اور رہا رہی یعنی میری طرف لوٹ آ، کی آواز سنے گا تو پرواز کر کے اونچی جگہ  
جائیٹھے گا۔

اِهْتَدِ عَرْشَ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مَعَاذٍ

ترجمہ: سعد ابن معاذ کی موت سے عرشِ خداوندی لے کر گیا۔  
لیکن خدا نخواستہ اگر تو جانوروں میں سے ہے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے۔  
اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلَّ هُمْ اَضَلُّ۔

ترجمہ: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔  
یقین کر کہ تو اپنا سامان مقامِ زاویہ سے مقامِ ہاویہ کی طرف یعنی اس دنیا



سے سیدھا دوزخ کی جانب لے کر پہنچے گا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کو ٹھنڈا شربت دیا گیا۔ پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے جواب دیا:-  
ذَكَرْتُ اُمْنِيَّةَ اَهْلِ النَّارِ حِينَ يَقُولُونَ لِاهْلِ الْجَنَّةِ  
اَنْ اَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ۔

ترجمہ: میں نے دوزخیوں کی اس تمنا کو یاد کیا کہ جب وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی دے دو!

(اے عزیز) اگر تیرے پاس عمل کے بغیر علم کافی ہوتا اور عمل کی ضرورت نہ ہوتی تو صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا:-  
هَلْ مِنْ تَائِبٍ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ۔

ترجمہ: ہے کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا، ہے کوئی سوال کرنے والا، ہے کوئی (مجھ سے) اپنی مغفرت کی دعا مانگنے والا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیکار ہوتا۔ دراصل صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان تو اس لئے ہے:-

كَانُوا قُلُوبًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔

ترجمہ: ایسے (بندے) چند ہی ہیں جو رات کے آخری حصے میں تھوڑی سی نیند کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کر رہی تھی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

يَعُو الرَّجُلَ هُوَ لَوْ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ۔

ترجمہ: وہ ایک اچھا شخص ہے کاش کہ وہ ہجرت کی نماز پڑھتا ہوتا۔  
ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں سے ایک



صحابیؓ سے فرمایا :-

لَا تَكْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَإِنَّ كَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ

تَدْعُ صَاحِبَهُ فَتَعِيرُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ترجمہ: (اے فلاں) رات کو زیادہ نیند نہ کر کیونکہ رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے خالی ہاتھ ہوگا۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِمْ نَافِلَةً لَّكَ

ترجمہ: (اے رسولؐ) اور رات کے حصے میں اُس (اللہ تعالیٰ) کے لئے نماز تہجد ادا کیجئے۔ امر ہے،

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ

ترجمہ: اور وہ (سچے بندے) صبح صادق کے وقت خدا تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ شکر ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ

ذکر ہے۔

سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تین آوازیں بہت پسند ہیں۔ ایک مرغِ سحر کی، دوسری قرآن پاک کی تلاوت کی اور تیسری پھلی رات میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے والوں کی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں :-

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ رِيحًا تَهْبُتُ وَقْتُ الْأَسْحَارِ تَحْمِلُ

الْأَذْكَارَ وَالْإِسْتِغْفَارَ إِلَى الْمَلِكِ الْجَبَّارِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا پیدا کی جو رات کے پچھلے پہر چلتی ہے اس وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور خداوندِ قدوس سے معافی مانگتے ہیں، ان کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔



حضرت سفیان ثوری نے یہ بھی فرمایا ہے کہ :

إِذَا كَانَ أَوَّلُ اللَّيْلِ نَادَى مُنَادٍ مِّنْ تَحْتِ الْعَرْشِ  
لِيَقُمْ الدَّاعُونَ فَيَقُومُونَ وَيَصَلُّونَ مَا شَاءَ اللَّهُ  
ثُمَّ يَنَادِي مُنَادٍ فِي شَطْرِ اللَّيْلِ أَلَا لِيَقُمْ الْقَائِمُونَ  
فَيَقُومُونَ وَيَصَلُّونَ إِلَى السَّحَرِ فَإِذَا كَانَ السَّحَرُ  
يَنَادِي مُنَادٍ أَلَا لِيَقُمِ الْمُسْتَغْفِرُونَ فَيَقُومُونَ وَ  
يَسْتَغْفِرُونَ فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يَنَادِي مُنَادٍ أَلَا لِيَقُمْ  
الْغَافِلُونَ فَيَقُومُونَ مِنْ مَفَرِّ شَهْوَا لَمَوْتِي تَشَرُّوا  
مِنْ قُبُورِهِمْ.

ترجمہ : رات شروع ہونے پر ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے منادی دیتا ہے کہ عبادت گزاروں کو اٹھ جانا چاہئے تو جسے اللہ توفیق دیتا ہے وہ اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر آدھی رات کو دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ خدا کے باادب فرمانبرداروں کو اٹھ جانا چاہئے۔ پس وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے ہیں۔ جب سحر ہوتی ہے تو تیسرا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی مغفرت طلب کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہئے۔ پس وہ اٹھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ پھر جب پوپھٹنے کا وقت آتا ہے تو چوتھا فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ اے غافلو! اٹھو (دن نکل آیا ہے) پھر یہ لوگ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مڑے قبروں سے اٹھیں گے۔

اے بیٹے! حضرت لقمانؑ کی وصیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

يَا بُنَيَّ لَا تَكُونَنَّ الدِّيْنُكَ أَكْثَرَ مِنْكَ فَإِنَّهُ يُنَادِي  
بِأَلَا سَحَارٍ وَأَنْتَ نَاسِيٌّ.

ترجمہ : اے بیٹے! مرغے کو اپنے سے زیادہ عقل مند نہ ہونے دینا، کہیں



ایسا نہ ہو کہ وہ تو رات کے پچھلے پہر اُٹھ کر اذانیں دے (یعنی اپنے پروردگار کو یاد کرے) اور تو بڑا سوتا رہے۔

یہ حقیقت اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے۔

لَقَدْ هَمَمْتُ فِي جَنِّجِ اللَّيْلِ حَامَةً عَلَى قَدْنٍ وَهَذَا وَاقِي لَنَايُوسٍ  
كَذَبْتُ وَبَيَّتُ بِاللَّهِ لَوْ كُنْتُ حَاشِقًا لِمَا سَبَقَتْني بِالْبُكَاءِ الْحَمَائِيسُ  
وَأَزْعَمُ إِلَيَّ هَائِي وَذُو صَبَابَةٍ لَهِي وَلَا أَبْكِي وَتَبْكِي الْبُهَائِيسُ

یعنی رات کو فاختہ تو شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں بڑا سو رہا ہوں۔  
(رت) کعبہ کی قسم میں جھوٹا ہوں اگر سچا عاشق ہوتا تو رونے میں فاختا میں مجھ سے  
سبقت نہ لے جاتیں۔ افسوس! کہ میں تو محبت الہی کا مدعی ہو کر آنکھ بھی تر  
نہ کروں اور چوپاٹے روتے رہیں۔

اے بیٹے! ہمارا مقصد ہے کہ تجھے یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اطاعت و  
عبادت کیا چیز ہے؟ اطاعت اور عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی  
شریعت کی پیروی یا تابعداری کرنے کو کہتے ہیں، پھر خواہ وہ نیکی کرنے یا بدی  
سے روکنے کے احکامات ہوں یا قول و فعل کی اتباع ہو۔ یعنی جو کچھ کرے یا  
نہ کرے، بولے یا نہ بولے، یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے  
ارشادات گرامی کے مطابق ہونا چاہیے۔ اگر کچھ بولے تو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بول، اگر خاموش رہے تو اُن کے حکم کے مطابق  
خاموش رہ۔ اگر کوئی کام کرے یا نہ کرے تو یہ سب کچھ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کے  
مطابق کر۔ اگر تو کوئی کام کرتا ہے اور وہ تجھے عبادت معلوم ہوتا ہے لیکن  
وہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی خاطر نہیں کرتا تو یہ کام  
عبادت میں شمانہ ہوگا بلکہ گناہ میں شمار ہوگا۔ خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں  
نہ ہو۔ تجھے معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص دو دن عیدوں اور ایام تشریق میں  
روزے رکھے گا تو گنہگار ہوگا۔ حالانکہ روزے دار کی صورت اختیار کرتا ہے۔



مجموعہ رسائل غزالی جلد اول

ابو الولد

لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں کرتا اس لئے گنہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مکروہ وقت میں یا پیرائی قبضہ کی ہوئی جگہ پر نماز ادا کرے گا تو وہ آثم یا فاسق اور گنہگار کہلائے گا۔ حالانکہ یہ کام ظاہری طور پر عبادت نظر آتا ہے۔ مگر یہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں، اس لئے درست نہیں۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ سے مباشرت کرتا ہے تو یہ گناہ نہیں۔ حالانکہ ظاہری طور پر یہ کام خراب نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ فرمان کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے حلال ہے لہذا معلوم ہوا کہ عبادت فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے۔

اسی طرح نماز اور روزے بھی اُس وقت عبادت میں شمار کئے جاتے ہیں جب وہ فرمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا اے بیٹے! تیرے سارے قول و فعل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جو کچھ عمل کرے یا گفتگو کرے وہ سب شریعت کے مطابق ہو۔ کیونکہ مخلوق کا علم اور عمل جو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کے مطابق نہیں وہ قطعاً گمراہی ہے اور حق سے دور رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے تمام علوم منسوخ فرمائے۔

پس سمجھ جاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کچھ نہ کرا اور یقین کر جو علوم تو نے حاصل کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ البتہ یہ راستہ تجھے محنت اور مجاہدے سے طے کرنا ہوگا اور اپنی لذات نفس اور خواہشات کو مجاہدے کی تلوار سے کاٹنا ہوگا۔ یہ نفسانی خواہشات صوفیوں کے ڈھونگ اور یہودیوں سے ختم نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو باریک نکتے یعنی فلسفیانہ گہرائیاں اور تاریک اوقات یعنی گناہ آلود زندگی پسند نہیں۔ زبان سے تو فصاحت و بلاغت کے کلمات ادا ہوں لیکن دل میں غفلت و غش



پرستی ہو تو یہ بڑی بد نصیبی کی نشانی ہے۔

جب تک نفس کی خواہشات کو سچائی اور مجاہدے کی تلوار سے نہیں کاٹے گا اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی۔

اے بیٹے! تو نے کچھ مسئلے پوچھے ہیں، جن میں سے کچھ تو تقریر و تحریر میں پوری طرح بیان نہیں ہو سکتے۔ اس منزل تک تو پہنچ گیا تو خود پتہ چل جائیگا۔ عشق کا سبق پڑھایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اگر تو اس منزل تک پہنچ گیا تو اس کا جاننا "مستحیلات" یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں آنے کے برابر ہے۔ اس لئے عشق، محبت اور ذوق کا دوسرا نام ہے۔ محبت اور ذوق کو نہ تقریر کے ذریعے بیان کیا جاسکتا ہے اور نہ تحریر کے ذریعے اس کی اصل روح کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح مٹھاس، کھٹاس اور تلخی کو کوئی شخص تقریر اور تحریر کے ذریعے بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ لہذا معلوم ہو کہ اگر تو اس منزل پر پہنچ گیا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اس منزل تک اگر نہ پہنچ سکا تو پھر اس حقیقت کو تقریر و تحریر کے ذریعے اچھی طرح سے بیان کیا جاسکتا۔

اے بیٹے! تیرے کچھ سوال اسی قسم کے ہیں لیکن جس قدر بھی تحریر و تقریر میں آسکتے ہیں، وہ سب میں نے اپنی تصنیف احياء العلوم الدین اور دوسری کتابوں میں وضاحت سے بیان کئے ہیں جو کہ تو ان میں پڑھ سکتا ہے۔ البتہ یہاں بھی انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مختصراً بیان کئے جائیں گے۔

دوسرا، تو نے پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے کے لئے کیا چیز واجب ہے۔ تجھے علم ہونا چاہیئے کہ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خوفِ خدا کا عقیدہ اس درجہ پر موجود ہو کہ اس میں کسی بھی طرح کی بدعت نہ ہو۔ دوسرے توبۃ النصوح اس طرح کی جانی چاہئے کہ دوبارہ ایسی ذلت کی طرف واپس نہ لوٹے۔ تیسرے دشمن کو بھی اس حد تک راضی رکھے کہ کسی بھی مخلوق کا حق اس پر واجب نہ رہے۔ چوتھے شریعت کے علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا چاہئے کہ



اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کیسے۔  
 شریعت کے علم کا اس سے زیادہ جاننا واجب نہیں۔ دوسرے علوم میں سے  
 بھی اتنا جاننا چاہئے جس سے اس کا چھٹکارا ہو سکے، یہ حقیقت تیرے علم  
 میں ہونی چاہئے کہ بزرگوں کی حکایات میں آتا ہے کہ شبلیؒ نے فرمایا کہ  
 میں نے طریقت کے چار سو استادوں کی خدمت کی اور ان استادوں کی  
 بیان کردہ چار ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اور  
 باقی حدیثوں کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اس ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا  
 چھٹکارا اس حدیث میں پایا۔ مجھے اس حدیث میں علم اولین و آخرین  
 بیان کیا ہوا نظر آیا۔ وہ حدیث یہ ہے :-

إِعْمَلْ لِلدُّنْيَا بِقَدْرِ مَقَامِكَ فِيهَا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ  
 بَقَائِكَ فِيهَا وَاعْمَلْ لِلَّهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ إِلَيْهِ وَاعْمَلْ  
 لِلنَّاسِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَيْهِمَا۔

ترجمہ: دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا اس میں رہے اور آخرت کے لئے اتنا  
 کام کر جتنا تیرا وہاں رہنا مقدر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کا  
 محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کی تکالیف پر صبر کر سکے۔

اے بیٹے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں  
 کیونکہ زیادہ علم بڑھنا اور حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس دوسری حکایت پر  
 غور کرتا کہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

حکایت :- کہتے ہیں کہ شقیق بلخی قدس اللہ روحہ کے شاگردوں اور  
 مریدوں میں سے حاتم اہمؒ بھی ایک شاگرد اور مرید تھے۔ ایک دن شقیقؒ نے  
 اُن سے کہا کہ اے حاتم! تم کتنا عرصہ میری صحبت میں رہے اور میری باتیں  
 سنتے رہے حاتم اہمؒ نے کہا کہ تیس سال۔

شقیقؒ نے کہا کہ اس عرصے میں تو نے مجھ سے کیا فائدہ حاصل کیا؟



حاتم بن اہم نے جواب دیا کہ آٹھ فائڈے حاصل کئے ہیں شقیق نے کہا:-  
إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تعلیم و تربیت میں گزار دی اور تجھے  
میرے علم سے آٹھ فائڈوں کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا! حاتم نے کہا  
اے استاد! اگر سچ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی، مجھے  
ان سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں اور علم سے اتنا فائڈہ ہی کافی ہے،  
کیونکہ مجھے یقین ہے کہ دنیا و آخرت میں میں میرا چھٹکارا ان آٹھ فائڈوں  
سے ہوگا۔ شقیق نے بلخی نے اُن سے کہا کہ اے حاتم! اچھا تو بتاؤ کہ وہ  
آٹھ فائڈے کون سے ہیں؟

## حاتم بن اہم کے بیان کردہ فوائد

اے استاد! پہلا فائڈہ یہ کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ  
ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ اُن میں سے کوئی  
تو موت لانے والی بیماری تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ مرنے دم تک اور کچھ  
ایسے ہیں جو قبر تک ان کے ساتھ چلتے ہیں اور دفن کے بعد تمام محبوب وہاں  
سے واپس آ جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی محبوب قبر میں ساتھ نہیں جاتا  
کہ وہاں اس شخص کی دبستگی کی غرض سے اُس کے ساتھ رہے۔ میں نے غور  
کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ محبوب تو وہی اچھا ہے جو قبر میں بھی ساتھ جا  
اور محب کے ساتھ رہے۔ اس کے لئے باعث دبستگی بنے، اس کی قبر کو  
روشن کرے اور قیامت اور اس کی منزلوں میں اس کا ساتھ ہو۔ میں نے  
دیکھا کہ ان خوبیوں والا محبوب صرف میرے اچھے اعمال ہیں۔ اُس کے بعد  
سے میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنالیا تاکہ یہ میرے ساتھ قبر  
تک جائے۔ میرے لئے سامان دبستگی ثابت ہو۔ میری قبر کی روشن قندیل



بے، قیامت کی منزلوں میں میرے ساتھ ہو اور کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو۔ شفیق  
بلخیؒ نے کہا کہ شاباش اے حاتم! تم نے بہت عمدہ بات بتائی ہے اب دوسرا  
فائدہ بیان کر۔

اے استاد! دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں پر نظر ڈالی تو  
تو دیکھا کہ ہر کوئی لذات و خواہشات نفس کے پیچھے چل رہا ہے اور اپنی  
نفسانی خواہشات کے تابع ہے یہ دیکھ کر میں نے اس آیت کریمہ پر غور کیا:  
وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ  
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ۔

ترجمہ: جو شخص اپنے پروردگار کا خوف کرے گا اور اپنے نفس کو حرص و ہوا  
سے روکے گا تو اس کے ٹھہرنے کا مقام جنت ہے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن حکیم حق اور اللہ کا کلام سچا ہے۔ پھر اپنے نفس  
کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہوا۔ اسے ایسے سانچے میں  
ڈھالا اور اس وقت تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی جب تک کہ اسے  
اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون نہ آنے لگا۔

شفیق بلخیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی برکتیں عطا فرمائے۔

اچھا اب تیسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! تیسرا فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا  
کہ ہر شخص نہایت تکلیف اور محنت سے اس فانی دنیا کے مال کو جمع کرنے میں  
لگا ہوا ہے اور بڑا خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سا مال و متاع ہے۔ لیکن  
جب میں نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کیا:  
مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ۔

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ  
کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔



تو میں نے جو دنیا میں جمع کیا تھا وہ سب خدا کی راہ میں درویشوں اور  
فقیروں میں تقسیم کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت جمع رہے اور میرے  
لئے آخرت کا ثمرہ اور چھٹکارے کا سبب بنے۔

شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے تو نے بہت  
اچھی بات کی اور بہت اچھا کام کیا ہے۔ اچھا اب جو تھا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! جو تھا فائدہ یہ کہ میں نے دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ان میں  
سے کچھ کا خیال ہے کہ شان و شوکت اور عزت و شرف زیادہ اور بڑے قوم قبیلے سے  
ہے۔ اس لئے وہ اپنے قبیلے پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو سوچتے ہیں کہ شان و  
شوکت، دولت کی فراوانی، مال اور اہل و عیال سے حاصل ہوتی ہے اس لئے  
ایسے لوگ اپنی دولت اور اولاد پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی عزت اور  
شان، غصہ دکھانے، مارنے، کوٹنے اور قتل غارت گری میں سمجھتے ہیں اور  
اس پر فخر کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی فضول خرچی کو شان و شوکت سمجھتے ہیں۔  
اس لئے وہ فضول خرچی کو عزت سمجھ کر اس پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس  
آیت پر غور کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

إِنَّ أَكْبَرَ مَكْرُوءٍ عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَفْخَرُوا

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور مرتبہ والا وہ ہے  
جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

لہذا یہ حق اور سچ ہے اور مخلوق کے خیالات باطل اور گمان غلط ہیں۔  
اس لئے میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبہ  
والا شمار کیا جاؤں۔ شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! کاش اللہ تعالیٰ تجھ سے  
راضی ہو۔ تو نے بڑی اچھی بات کی۔ اب پانچواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! پانچواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک  
دوسرے کی شکایت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب جلن، حسد اور کینے کی وجہ



سے کر رہے ہیں جس کا واحد سبب عظمت و شان، مال و دولت اور علم ہے۔ میں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر غور کیا جس میں فرمایا گیا ہے:-

نَحْنُ قَسَمًا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: ہم نے لوگوں کے لئے دنیا کی زندگی میں رزق تقسیم کر دیا ہے۔

پھر سوچا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ازل سے ہی مال و مرتبہ کو مقرر فرمایا ہے اور اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لئے کسی سے بھی مقابلہ اور حسد نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہا اور ساری دنیا کے ساتھ بن گیا۔ شفیق نے فرمایا کہ اے حاتم! سچ کہتے ہو اور ٹھیک کرتے ہو۔ اب چھٹا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے سے دشمنی کر رہا ہے۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا

ترجمہ: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے بس تم اس کو دشمن سمجھو۔

اس کے بعد یقین کر لیا کہ اللہ کا قول سچا ہے، شیطان اور اس کی پیروی کرنے والوں کے علاوہ کسی سے دشمنی نہ رکھنا چاہئے۔ اس کے بعد سے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور اس کے کسی بھی حکم کو نہ مانا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت و فرمانبرداری اختیار کی اور اس کے بعد سے اُسی کی عبادت اور بندگی اختیار کر لی۔ سیدھا راستہ صراطِ مستقیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

أَلَوْ اَعٰهَدُ اِلَيْكُمْ يَا بَنِي اٰدَمَ اَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ؕ وَاِنْ اَعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيْمٌ

ترجمہ: کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا کہ اے اولادِ آدم! تو سرگندہ شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو۔ (کیوں کہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔



شقیقؒ نے فرمایا اے حاتمؒ! بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب ساتواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! ساتواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص اپنے معاش اور روزی کی تلاش میں سرگرداں ہے اور بے انتہا کوشش میں لگا ہوا ہے، اس سلسلے میں حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور حرام کمائی کے حصول کے لئے ذلیل اور خوار ہو رہا ہے۔ پھر میں نے آیت پر غور کیا،  
وَمَنْ دَابَّتْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

ترجمہ: زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔  
پھر یقین کیا کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے اور میں بھی اُن جانداروں میں سے ہوں جو کہ زمین پر موجود ہیں۔ بس پھر میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھے روزی پہنچائے گا۔ کیونکہ اس نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔  
شقیقؒ نے کہا کہ بہت اچھا کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔

حاتمؒ نے کہا آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو معلوم ہوا، ہر آدمی کا بھروسہ کسی دوسرے پر یا کسی چیز پر ہے۔ کسی کو اپنے مال پر بھروسا ہے، کسی کو لوگوں پر بھروسا ہے۔ لہذا میں نے اس آیت شریفہ پر غور کیا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:-

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

ترجمہ: جس نے اللہ پر توکل کیا اس کے لئے اللہ کافی ہے۔  
اس کے بعد سے میں نے خدائے تعالیٰ عزوجل پر توکل کیا۔

وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ

ترجمہ: اور وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔  
جب شقیق بلخیؒ نے یہ فائدے سنے تو کہا کہ اے حاتمؒ! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق



خطا فرمائے تم نے بہت عمدہ باتیں بتائیں۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور فرقانِ حمید میں دیکھا کہ یہ چاروں کتابیں ان آٹھ فائدوں کا ذکر کرتی ہیں یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیم میں یہ آٹھ فائدے بتائے ہیں اور جس نے بھی ان پر عمل کیا گو یا چاروں کتابوں پر عمل کیا۔

اے بیٹے! تجھے ان حکایتوں سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے۔

اب واپس اپنے قصے کی طرف آتے ہیں اور ”طالب“ اور ”سالک“ کے لئے اللہ کی راہ میں جو باطنی شرائط ہیں وہ تجھے بتاتا ہوں۔

پانچویں شرط جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والے ”سالک“ کے لئے واجب ہے یہ ہے کہ اس کا ایک شیخ کامل ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے اور اس میں سے بُرے اخلاق نکال کر ان کی جگہ اچھے اخلاق پیدا کرے۔ تربیت کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ جس طرح ایک کسان فصل کی دیکھ بھال کرتے وقت جو بھی گھاس پھوس فاضل اُگ جاتا ہے اسے فصل سے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کھیت میں جو بھی خار و خنس پیدا ہوتے ہیں انہیں وہ جڑ سے نکال باہر پھینک دیتا ہے۔ پھر وہاں پانی اور کھاد دیتا ہے تاکہ فصل بڑھے اور عمدہ بھی ہو۔ اسی طرح ہر حالت میں اللہ کی راہ پر چلنے والے مسافر کے لئے مرشد کامل کے سوا دوسرا کوئی بھی علاج یا حل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تاکہ آپ اللہ کی راہ کی روشن دلیل ثابت ہوں، اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر لائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنے نائبوں اور خلفاء کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تاکہ وہ قیامت تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ کی دلیل ہوں۔

لہذا سالک کے لئے ایسا شیخ کامل ہونا چاہیے جو کہ اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے روشن دلیل ہو۔



## شیخ کے اوصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب جس کو اپنا شیخ بنایا جائے، اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو۔ لیکن ہر عالم بھی شیخ کامل نہیں ہو سکتا۔ اس کام کے لائق وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں۔ یہاں ہم اجمالی طور پر چند اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ ہر سر بھرایا گمراہ شخص شیخ بننے کا دعویٰ نہ کر سکے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ وہی ہو سکتا ہے جو دنیا کی محبت و عزت و مرتبہ کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل شیخ سے بیعت کر چکا ہو جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ اس شخص نے ہر قسم کی ریاضت کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کی ہو۔ وہ شخص تھوڑا کھانا کھاتا ہو، تھوڑی نیند کرتا ہو، زیادہ نمازیں پڑھتا ہو، زیادہ روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ و خیرات کرتا ہو، اس کی طبیعت میں تمام اچھے اخلاق ہونے چاہئیں اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت، علم (سنجیدگی) انکساری، فرمانبرداری، سچائی، حیا، وقار، سکون اور اسی قسم کے اور فضائل اس کی سیرت و کردار کا حصہ ہوں۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ایسا نور اور روشنی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کینوسی، حسد، کینہ، جلن، لالچ، دنیا سے اُمید، غصہ اور سرکشی وغیرہ اسمیں ختم ہو چکی ہوں اور علم کے سلسلے میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ سوائے اس علم کے جو کہ ہمیں (مخصوص) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف شیخ کامل پیرانِ طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کے لائق ہیں۔ ایسے شیخوں کی پیروی کرنا صحیح طریقہ ہے۔

**شیخ کی اطاعت** | ایسے شیخ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ اگر یہ دولت کسی کو حاصل ہوئی اور یہ توفیق نصیب ہوئی کہ



ایسا کامل شیخ ملا اور وہ شیخ اسے اپنے مریدوں میں شامل کر لے تو اس مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری و باطنی ادب کرے۔

## ظاہری آداب

ظاہری ادب یہ ہے کہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے اور اگر کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور اگر کبھی سمجھے کہ شیخ سے بھول ہو گئی تو بھی اس پر اعتراض نہ کرے اسے چاہئے کہ ہر ایک کے ساتھ مصلے پر جا کر نہ کھڑا ہو بلکہ جب نماز کا وقت ہو تو پھر جا کر مصلے پر نماز ادا کرے۔ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو تو مصلے پیٹ دے شیخ کے سامنے ہر نماز کے بعد زیادہ نفل نہ پڑھے اور شیخ کا مل جو بھی حکم دے اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجالائے۔

## باطنی آداب

باطنی ادب یہ ہے کہ مرشد سے جو کچھ بظاہر سنے اس کے بارے میں یا شیخ کے قول و فعل کی بابت دل میں ذرا بھی شبہ نہ کرے۔ ورنہ منافق کہلائے گا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اسے چاہئے کہ شیخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو جائے۔ جب تک کہ اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح نہ ہو جائے۔

پھٹی شرط یہ کہ مرید نفس کی چال بازیوں سے بچے۔ یہ صرف اسی طرح ممکن ہے جب وہ بدکردار اور جاہل لوگوں کی مجلس چھوڑ دے۔ اس طرح اس کے دل سے شیطان کا غلبہ ختم ہو جائیگا اور شیطانی اثرات جڑ سے ختم ہونگے۔ پھر خواہ وہ شیطانی گروہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔

ساتویں شرط یہ ہے ہر حال میں مسکینی اور رویشی کو خوشحالی پر ترجیح دے اور نیاز مندی اختیار کرے۔ یہ سات باتیں اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے سالک اور طالب کے لئے ضروری ہیں۔



## تصوف کی حقیقت

دوسرے تو نے یہ پوچھا ہے کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف دو خصلتوں کا نام ہے۔ پہلی یہ کہ (بندہ) اللہ کا وفادار ہو، یعنی شریعت پر عمل کرتا ہو، اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی کرنے والا ہو جس میں شریعت پر ثابت قدمی اور انسانیت کی فلاح کی خوبیاں ہیں وہ "صوفی" ہے اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر قربان کر دے۔ لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں سے صرف اپنی غرض کی خاطر تعلقات نہ رکھے اور خود غرضی سے کنارہ کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف کرے بشرطیکہ یہ بھلائی شریعت کے مطابق ہو۔

## بندگی کی حقیقت

دوسرے تو نے پوچھا ہے کہ بندگی کیا ہے؟ عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں:- پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا، دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور قسمت پر راضی رہنا۔ تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پر خوش رہنا۔

## توکل کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ توکل کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ توکل اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں ان پر پختہ یقین ہونا چاہئے۔ یعنی یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے وہ تجھے ضرور ملے گا۔ پھر چاہے پوری دنیا اس کو روکنے کی کوشش کرے تب بھی اُس کو روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن جو کچھ تیری تقدیر میں نہیں لکھا اس کے لئے تو اور سارا جہاں کتنی بھی



کوشش کرے وہ تجھے ہرگز نہیں ملے گا۔

## اخلاص کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے ؟ تجھے معلوم ہو کہ اخلاص یا خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ (کی رضا) کے لئے ہونے چاہئیں۔ تو جو کچھ بھی کرے وہ دکھائے کے لئے نہ ہونا چاہئے، اچھے کام کرتے وقت تیرا دل لوگوں کی طرف مائل نہ ہو۔ تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہئے۔ نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہئے۔ تجھے معلوم ہو کہ ریاکاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے اور ریاکاری کا علاج یہ ہے کہ تو سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تابع سمجھ اور ساری مخلوق کو کنکروں اور پتھروں کی مانند سمجھ، تجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ پتھروں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے رنج و راحت پہنچا سکیں۔ ساری مخلوق کو اگر ایسا سمجھ گا تو پھر تجھے ریاکاری سے نجات مل سکے گی۔ جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریاکاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

اے بیٹے ! تیرے باقی سوال ایسے ہیں جن میں سے کچھ ہماری تصنیف کہ وہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جو ان میں سے دیکھ لے اور کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا ممنوع ہے تو جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر عمل کرنا کہ وہ امور تجھ پر واضح ہو جائیں جو تو ابھی نہیں جانتا۔

اے بیٹے ! اس کے بعد جو تجھے مشکل لگے اور سمجھ نہ آئے تو وہ زبانی طور پر دل کی زبان کے علاوہ مجھ سے نہ پوچھ۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔  
ترجمہ: اگر وہ لوگ آپ کے از خود باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لئے بہتر تھا۔  
حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت قبول کر۔



فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔

ترجمہ: پھر تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا، یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر کروں۔

جلدی مت کر، جب وقت آئیگا تو خود ہی تجھے بتا دیا جائیگا اور دکھا دیا جائے گا۔

سَأُرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُون۔

ترجمہ: ہم تمہیں جلدی اپنی نشانیاں دکھائیں گے لہذا (اس سلسلے میں) تم جلدی کی خواہش مت کرو۔

تو وقت سے پہلے مت پوچھ، جب اس کیفیت کو پہنچے گا تو خود نظر آجائے گا۔ تو یہ یقین کر کہ جب تو اس منزل کی طرف نہ جائے گا، اس وقت تک نہ تو وہاں پہنچے گا نہ دیکھ سکے گا۔

أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا۔

ترجمہ: کیا وہ زمین (ملک) میں گھومے پھرے نہیں ہیں تاکہ وہ (سب کچھ) دیکھ لیتے۔

اے بیٹے! خدا کی قسم اگر تو اپنے دل کو روشن کرے تو یقیناً عجیب و غریب کیفیات نظر آئیں۔ تجھے چاہئے کہ ہر منزل پر جان کی بازی لگا دے۔ اس کے علاوہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے کتنی اچھی بات کہی ہے۔

إِنْ قَدَّرْتَ عَلَى بَدَلِ الرُّوحِ فَتَعَالَ وَإِنْ لَا تَسْتَغْلُ

بِئْسَ هَاتِ الصُّوفِيَّةُ وَالْقَالِ۔

ترجمہ: اگر (اس راہ میں) جان کی بازی لگانے کی ہمت ہے تو آجا (قدم رکھ) ورنہ محض صوفیوں کی خوش کن باتوں میں مت آ۔



اے بیٹے! میں اب آٹھ نصیحتوں پر اپنا قصہ ختم کرتا ہوں۔

## آٹھ نصیحتیں

تجھے ان میں سے چار باتیں کرنی ہیں اور چار باتیں نہیں کرنی ہیں تاکہ تیرا علم قیامت کے دن تیرا دشمن نہ بنے۔  
پہلے تو وہ چار کام بیان کیے جاتے ہیں جو تجھے کرنے نہیں ہیں۔

## ۱۔ مناظرہ کا اصول

اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر کسی سے مناظرہ نہ کر اور کسی بھی مسئلے پر بحث نہ کر۔ کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ یہ کام تمام بُری باتوں مثلاً، ریاکاری، حسد، غرور، کینہ، دشمنی، فخر اور ناز وغیرہ کا سرچشمہ ہے۔ اگر تیرے اور دوسرے شخص کے درمیان کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور تیری خواہش ہو کہ حق ظاہر ہو تو اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیری نیت کو ٹھیک کہا جائیگا۔ اس سلسلے میں نیک نیتی کی دو علامتاں ہیں۔  
اول یہ کہ اگر تیری زبان سے یا تیرے مخالف کی طرف سے حق ظاہر ہو تو تو اس میں کوئی فرق نہ کرے۔ یعنی دونوں صورتوں میں راضی رہے کہ (بہر حال) حق ظاہر ہوا۔  
دوسری علامت یہ ہے کہ تو تنہائی میں اس مسئلے پر بحث کرنے کو بہتر سمجھے۔ لیکن اگر تو کسی مسئلے پر بحث کرے اور تجھے یہ یقین ہو کہ تو حق پر اور مخالف صرف بحث کر رہا ہے تو تو خبردار ہو جا اور اس سے بحث نہ کر اور بات کو رہیں ختم کر دے۔ ورنہ خواہ مخواہ رنجش پیدا ہوگی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں میں ایک فائدہ بیان کرتا ہوں۔ تجھے معلوم ہو کہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا ایسا ہے گویا دل کے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور اس کے اسباب بیان کرنا۔ نیز اس طبیب کی طرف سے دل کی بیماری کی شفا کے لئے کوشش کرنا۔



ایسا ہے جیسا اس مسئلے کا جواب دینا۔ تجھے یقین ہونا چاہئے کہ جاہل لوگ ایسے مریضوں کی مانند ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور عالم طبیعوں اور حکیموں کی مانند ہیں۔ ناقص عالم طبابت کے لائق نہیں اور کامل عالم بیماری کا علاج کر سکتا ہے۔ نیز بیماری کے اسباب بھی معلوم کر سکتا ہے لیکن بیماری اگر غالب آجائے اور اس کے اسباب بھی معلوم نہ ہو سکیں تو پھر کسی استاد طبیب سے مشورہ کیا جائے جو یہ بتا سکے کہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بیماری دوا دارو سے ٹھیک نہ ہوگی۔ اس قسم کی لاعلاج بیماری کے علاج میں مشغول رہنا وقت ضائع کرنے کے مترادف ہوگا۔ اب تو سمجھ کہ:-

## مریض کی اقسام

جاہل مریض چار قسم کے ہوتے ہیں اور ان چار میں سے ایک کا علاج ممکن ہے باقی تین لاعلاج ہیں۔

پہلا بیمار وہ ہے جو حسد کی وجہ سے سوال پوچھے یا اعتراض کرے۔ حسد ایک ایسی مہلک بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے۔ یوں سمجھ کہ تو جو بھی جواب دے گا وہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ تجھے اپنا دشمن شمار کرے گا اور اس کی جلن اور حسد کی آگ اور بھی بھڑکے گی۔ لہذا اچھا یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے کسی شاعر نے اس سلسلے میں اچھا کہا ہے

كُلُّ الْعِدَاوَةِ قَدْ تُرْجَى إِذَا الشُّهَاءُ

الْأَعْدَاوَةُ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ

ترجمہ: ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہو سکتا ہے مگر جو دشمنی حسد کی وجہ سے ہو اس کا ازالہ ممکن نہیں ہے۔

لہذا اس کا مداوا یہ ہے کہ اس حاسد کو چھوڑ دے تاکہ وہ اسی مرض میں مبتلا رہے

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِ نَاوَلِمْوْهُ إِلَّا الْحَيَلُۃَ الدُّنْيَا۔



ترجمہ: تو ایسے شخص سے کنارہ کشی اختیار کر جو (حسد کی وجہ سے) ہمارے ذکر سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی (کی آسائشوں) کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔  
 مریض کی دوسری قسم وہ ہے جس کی بیماری کا سبب اس کی حماقت یا بیوقوفی ہے۔ یہ بیماری لا علاج ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں (بحکم خدا) مردوں کو زندہ کرنے میں عاجز نہیں ہوا لیکن احمق اور جاہلوں کا علاج کرنے سے عاجز آگیا۔  
 جاہل احمق وہ ہے جو علم حاصل کرنے میں بہت کم وقت گزارتا ہے اور علوم عقلیہ یا نقلیہ ابھی شروع ہی نہیں کئے ہیں لیکن ان بڑے عالموں پر اعتراض کرتا ہے جن کی ساری زندگی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں گزری ہے۔ اسے یہ علم نہیں کہ اس کا اعتراض جو کہ خود اسے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں نیز علماء کو گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح بلا شک یہ اعتراض اس بڑے عالم کو بھی گراں گزرتا ہوگا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا یہ اعتراض جو اس عالم پر کر رہا ہے، بیکار اور فضول ہے اور اس بڑے عالم کی فکری گہرائی کو خود اس نے اور دوسرے عالم نے اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ بھلا جب وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتا تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ ایسے شخص سے بھی الگ رہنا چاہئے اور اسے جواب نہیں دینا چاہئے۔

## نصیحت بقدر ظرف

تیسرے قسم کا بیمار وہ ہے جو اپنی بیقاری و بے صبری پن کی وجہ سے بزرگوں کی باتیں نہ سمجھے اور اپنی کم عقلی پر بھروسہ کئے رہے اور جو سمجھے اپنے فائدے کی وجہ سے سمجھے ایسا شخص بھولا اور بے عقل ہوتا ہے اور اس کا ذہن حقائق کو سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی جواب دینا ضروری نہیں، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا تَحْنُ مَعَاشِيَ الْأَنْبِيَاءِ أَمْرًا أَنْ تَتَكَلَّمَ النَّاسُ عَلَى قَدْرِ عُقُولِهِمْ



ترجمہ: ہم گروہ انبیاء سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہم ایسی باتیں بتائیں جو ان کی عقل کے مطابق ہوں۔

## نصیحت کے قابل شخص

چوتھی قسم کا بیمار وہ ہے جو صراطِ مستقیم کا طلب ہو، فرمانبردار ہو، ذکی اور ذہین ہو اور اس میں غصہ، نفس پرستی، حسد اور دولت و جاہ کی خواہش نہ ہو (لہذا) ایسا شخص جو کہ راہِ حق اور صحیح طریقے کا متلاشی ہو اور جو سوال پوچھے یا اعتراض کرے وہ حسد کی وجہ سے یا عیب جوئی کی خاطر یا امتحان لینے کی غرض سے نہ کرے ایسا ہی شخص وہ مریض ہے جس کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس شخص کے سوال کا جواب دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

## ۲. وعظ کی حقیقت

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچے، کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہیں۔ اگر سمجھتا ہو کہ تو جو کچھ وعظ کرتا ہے اس پر پہلے خود بھی عمل کر چکا تو یہ بات بھی خیال میں رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

يَا ابْنَ مَرْيَمَ اعْظِ نَفْسَكَ فَإِنَّكَ تَعِظُ النَّاسَ  
فَاسْتَحْيِ مَنِّي ۝

ترجمہ: اے فرزندِ مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرمناؤ۔

اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ تجھے وعظ کرنا ہی پڑے تو پھر دو باتوں سے بچنا۔ اول یہ کہ اپنے وعظ میں رنگین بیانی، اشارہ و کنایہ، مقفی و مسجع عبارات، دل خوش کن اشعار و ابیات اور خلاف شرع گفتگو (بعض نام نہاد)



صوفیوں کے جھوٹ سے پرہیز کرنا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تصنع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن (اگر کسی واعظ کا) تکلف یا نمائش حد سے تجاوز کر جائے تو سمجھ لے کہ اس واعظ کا باطن خراب اور دل غافل ہے۔ کیونکہ وعظ کا مقصد اپنی قابلیت جتاننا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا جائے۔ اللہ کی بندگی کے سلسلے میں اپنی کوتاہیاں بیان کی جائیں اور فضول کاموں اور ضائع کردہ عمر پر افسوس کیا جائے۔ آخرت کے دشوار گزار مرحلوں کا تذکرہ کیا جائے جو آگے ہمارے راستے میں حائل ہیں۔ اسی طرح ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے گزرنے کا طریقہ، مرتے وقت ملک الموت کا منظر، قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب اور قیامت کی منزلیں اس میں بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کا منظر، میزان میں اعمال کے تولے جانے، پل صراط سے گزرنے اور پار پہنچنے اور روز محشر کی دوسری ہولناکیوں کا نقشہ پیش کیا جائے۔ واعظ کو چاہئے کہ خوف کی یہ تمام باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرے اور انہیں ان تمام باتوں سے مطلع کرے۔ اس کے علاوہ مجلس میں بیٹھے لوگوں کو ان کے عیوب و کوتاہیوں کی یاد دلائے تاکہ ان کے دل میں عذابِ آخرت کا خوف پیدا ہو اور جس قدر ہو سکے اپنے برباد شدہ وقت پر افسوس کریں اور اس کی تلافی کریں اور جو وقت عبادت کے بغیر گزرا ہو اس پر آنسو بہائیں۔ یہ تمام باتیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں وعظ میں بیان کی جائیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر کے دروازے پر سیلاب کا پانی پہنچ جائے اور نوبت یہ آجائے کہ گھڑی بھر میں اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کے بال بچوں کو ڈبو دے گا۔ اس وقت گھر کا مالک اپنے گھر میں شور کرے گا اور کہے گا کہ اے گھر والو! الحذر، الحذر یعنی افسوس افسوس، جلدی بھاگو، سیلاب کا پانی پہنچ گیا ہے۔ ایسے خوفناک وقت میں گھر کا مالک سیلاب کا ذکر ہرگز رنگین عبارات، اشارات و کنایات متقی، مسجع، مرصع اور ہم وزن کلام یا پُر تکلف شاعرانہ رنگین بیانی سے نہیں کرے گا۔



اہل مجلس کے سامنے بھی وعظ کی مثالیں اسی طرح (یعنی خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈراتے ہوئے) ہونی چاہئیں۔

دوسرے وعظ کرتے وقت اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے کہ لوگ تیرا وعظ سنکر واہ واہ کے نعرے لگائیں اور وجد میں آکر چھوٹنے لگیں ہست ہو جائیں یا کپڑے پھاڑیں اور ساری محفل میں شور برپا ہو جائے اور سامعین کہنے لگیں کہ مجلس بہت اچھی منعقد ہوئی اور فلاں نے بہت اچھا وعظ کیا۔ اس قسم کے خیالات ریاکاری میں شامل ہیں اور ایسی بات پر خوش ہونا تیری کم عقلی ہے۔ دراصل تیری نیت یہ ہونی چاہئے کہ وعظ کے ذریعے خدا کی مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلائے۔ گناہوں سے بندگی کی طرف لے آئے۔ حرص سے زہد کی طرف، کنجوسی سے سخاوت کی طرف، ریاکاری سے خلوص کی طرف، تکبر سے انکساری کی طرف، غفلت سے بیداری کی طرف اور غرور سے پرہیزگاری کی طرف بلائے۔ اُن کے دلوں میں آخرت کی محبت پیدا کر تاکہ وہ آخرت کی طرف مائل ہوں۔ اس طرح اُن کے دلوں کو دنیا سے بیزار کر تاکہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔ اسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کے بارے میں غلط بیانی کے ذریعے دھوکے میں نہ رکھ بلکہ اُن میں پرہیزگاری اور خدا ترسی پیدا کر اور دیکھ کہ ان کے دل میں وہ کونسی بات ہے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہے اور انکا جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ انکے اخلاق و اعمال پر نظر رکھ تاکہ ان کی بد اعمالیاں ختم ہوں اور ان کی جگہ اچھے اخلاق و اعمال پیدا ہوں۔ جن لوگوں پر ڈر اور خوف کا غلبہ ہو ان میں اتنی امید پیدا کر کہ جب وہ تیری مجلس سے اٹھیں تو ان میں کچھ باطنی صفات پیدا ہو چکی ہوں اور ان کا ظاہر بھی تبدیل ہو چکا ہو جو لوگ اللہ کی عبادت میں سست تھے، وہ عبادت کی طرف مائل ہو جائیں اور دل میں شوق بندگی پیدا کریں اور جو لوگ گناہ کے کرنے میں نڈر اور دلیر ہوں اُن



میں خوں خداوندی پیدا ہو جائے۔ جو وعظ ایسا نہ ہوگا اور واعظ ایسی باتیں نہ بیان کرے گا تو وہ واعظ پر اور سننے والوں کے لئے دیال کا باغث ہے۔ ایسا شخص شیطان ہوتا ہے (جو کہیں نفس کا غلام بن کر یہ خیال کرے کہ وعظ کے ذریعے میں اپنی قابلیت ظاہر کروں اور دنیا کی جاہ و شان حاصل کر لوں) وہ شیطان مخلوق خدا کو راہ راست سے بھٹکاتا ہے، ان کا خون بہاتا ہے اور انہیں دائمی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔ خلق خدا کو چاہئے کہ ایسے شخص سے دور رہیں۔ ایسے لوگ دین میں جو فساد پھیلاتے ہیں ایسا فساد شیطان بھی نہیں پھیلا سکتا۔ جس شخص میں طاقت ہو کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار سکے، اس پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو منبر سے کھینچ کر نیچے اتارے وعظ کرنے سے روک دے تاکہ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت غلط بیانی سے کام نہ لے سکیں۔

### ۳ امراء اور بادشاہوں سے دور رہنا

تیسرے کسی بادشاہ، کسی امیر اور حاکم کو سلام نہ کر، ان کی مجلس صحبت اور محفل سے دور رہ بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ۔ کیونکہ انہیں دیکھنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بڑی مصیبتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان کی صحبت کا اتفاق ہو ان کی تعریف سے کنارہ کش رہنا۔

فَإِنَّ اللَّهَ يَغْضِبُ إِذَا مَدِحَ الْفَاسِقُ وَالظَّالِمُ وَإِذَا مَدَحَ  
وَمَنْ دَعَا لِظَالِمٍ بِطُغُولِ الْبَقَاءِ فَقَدْ أَحَبَّ أَنْ يُعْصِيَ  
اللَّهُ فِي الْأَرْضِ ط

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جب کسی فاسق اور ظالم کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور جو شخص کسی ظالم کے لئے درازی عمر کی دعا مانگتا ہے تو گویا اس دعا کرنے والے نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین پر گنہگار ہو کر چلے۔



## ۴۱ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا

چوتھے یہ کہ حاکموں کے تحائف قبول نہ کرنا چاہئے تجھے معلوم ہو کہ جو دے رہے ہیں وہ حلال مال سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مال پر نیت رکھنے سے دین میں نقصان و فساد ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے جو مراعات اور انعام ملتا ہے، ان کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کو جنم دیتا ہے جو دین کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ تو ان ظالموں سے محبت کرے گا اور جو بھی کسی شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے درازی عمر کی دعا کرتا ہے۔ اگر ظالم کی عمر بڑی ہوگی تو ظلم بھی زیادہ جاری رہے گا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا ہوگی جس سے زیادہ بُری اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ خبردار! خبردار! شیطان تجھے گمراہ کرے گا اور تیرے دل میں یہ خیال پیدا کرے کرے گا ”پہلے تو یہ کہہ ان حاکموں سے روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر کے ان کو آرام پہنچا اور ان کی ضرورت پوری کر“ خبردار کسی بھی جن یا انسانی شیطان سے اس قسم کا مشورہ قبول نہ کرنا اور اُن کے فریب میں آکر دھوکہ مت کھانا کیونکہ شیطان نے اس طریقے سے کئی لوگوں کا خون بہایا ہے اور ابھی تک خون بہاتا چلا آ رہا ہے۔ اس حقیقت میں کتنی ہی آفتیں پوشیدہ ہیں جو کہ ہم نے اپنی کتاب ”احیاء العلوم الدین“ میں بیان کی ہیں۔ تو انہیں وہاں تلاش کر سکتا ہے۔

## عمل کے قابل چار باتیں

اے بیٹے! (اور یہ بیان شدہ) چار باتوں سے پرہیز کرنا لیکن جو کام کرنے ہیں وہ بھی چار ہیں اور مناسب ہو گا کہ ان کی پوری حفاظت کرے۔ (وہ یہ ہیں)۔



## ۱۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ

پہلی بات یہ کہ ہر وہ معاملہ جو تیرے اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اس طرح نبھا کہ اگر تیرا خریدا ہوا غلام تیرے لئے وہی کرے تو تُو غم کرنے کے بجائے اسے پسند کرے اور داد دے اور اس پر کسی طرح غصہ نہ کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے غلام یا نوکر کی جو بات اپنے لئے نہ پسند کرے تو تو بھی اپنے پروردگار کی بندگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو تیرا خالق اسے پسند نہ کرے گا۔ یہاں جو حقیقت بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تیرا غلام تیرا بندہ نہیں ہے بلکہ خریدا ہوا ہے۔ لیکن تو اپنے اس حقیقی خالق اور مالک کا بندہ ہے جسے تجھے پیدا کیا ہے۔

## ۲۔ اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ

دوسری بات یہ کہ جو معاملہ تیرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان ہو اسے اس طرح نبھا کہ اگر وہ تجھ سے ویسا ہی کریں تو تُو اسے پسند کرے اور اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔

فَلَا يَكْمَلُ إِيمَانُ عَبْدِي حَتَّى يُحِبَّ لِسَائِرِ النَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ۔

ترجمہ: میرے بندے کا ایمان ہرگز مکمل نہیں جب تک (وہ) تمام انسانوں کے لئے بھی وہی چیز پسند نہ کرے جو خود اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

## ۳۔ مطالعہ کی تلقین

تیسرے یہ اگر تو اپنے علم کو بڑھانا چاہتا ہے اور کوئی علمی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ کہ اب تیری عمر ایک ہفتے سے زیادہ نہیں۔ اس حالت میں تجھے کس قسم کا علم فائدہ بخشنے گا، بس تو اسی علم میں مشغول ہو۔ اگر تجھے خبر ہو کہ



تیری زندگی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہے تو تو اس ہفتے میں ایسی علمی کتابیں ہرگز نہ پڑھے گا جن میں تجھے مناظرے، اصول و کلام، مذہب و لغت، صرف و نحو، شعر و عروض، طب و نجوم، غزلوں کے دیوان اور مضمون نویسی یا اسی قسم کی دوسری علمی معلومات حاصل ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ علوم اب کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے پورے ہفتے تو دل کے مراقبے اور اپنے نفس کی صفات پہچاننے میں مشغول ہوگا۔ دنیا سے منہ موڑ کر اپنے دل کو بری عادتوں سے پاک کر کے اللہ کی محبت اور اخلاق حمیدہ سے سنوار کر اس کی عبادت اور بندگی میں مشغول ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس ہفتے دن یارات کو کسی کے پاس نہ جائے حالانکہ یہ امکان بھی نہیں ہے کہ گویا تو اسی دن یارات میں انتقال کرے گا۔

اے بیٹے! ایک بات سن اور یاد رکھ اور اسے حقیقت سمجھ، اس پر غور کر اور اس پر عمل کہ تو یقیناً تیری نجات ہوگی۔ اگر تجھے یہ خبر دی جائے اور کہا جائے کہ اگلے ہفتے بادشاہ تیرے گھر آئے گا تو پھر یقیناً تو یہ پورا ہفتہ سوائے اس کے اور کوئی کام کاج نہیں کرے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کی نگاہ فلاں جگہ یا چیز پر پڑ جائے تو کیوں نہ میں اسے پاک و صاف کر لوں۔ اس طرح تو اپنے گھر کی ہر چیز کو صاف کرے گا، سجائے گا، اس میں تیرا جسم تیرا لباس، تیرے گھر کی در و دیوار اور فرش وغیرہ آجاتے ہیں، یہ سب پاک کرے گا۔ اب تو خود سوچ اور سمجھ، میں بھلا اشارے سے آخر کیا سمجھاؤں؟ تو خود عقلمند ہے اس لئے اشارہ کافی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُورِكُمْ وَلَا إِلَى أَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ  
يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَإِنَّا نَكُونُ

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔



جب احکم الحاکمین کی نگاہ تیرے دل پر ہے تو پھر تو اپنے دل کو کیوں صاف نہیں کرتا۔ اگر تیری تمنا ہے کہ قلب کے احوال کا علم حاصل کرے تو پھر کتاب «احیاء علوم الدین» اور ہماری دوسری کتابوں کو دیکھ کیونکہ تمام مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا «فرض عین» ہے اور دوسرا علم «فرض کفایہ» ہے۔ مگر یہ علم اس قدر ہونا چاہیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور تعمیل کر سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عطا فرمائے تو تو یہ علم ضرور حاصل کرنا۔

### ۴ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا

چوتھی بات یہ ہے کہ تو اپنے اہل و عیال کے لئے دنیا کے مال سے ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کر کے نہ رکھ۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے لئے ایک سال کی خوراک جمع کی اور فرمایا:-  
اللَّهُمَّ اجْعَلْ قُوَّتَ آلِ مُحَمَّدٍ كَقَفَا.

ترجمہ: اے میرے اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل و عیال کی خوراک میں کفایت فرما۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کے لئے خوراک جمع کر کے نہ رکھی تھی بلکہ ایک سال کے لئے صرف خوراک ان ازواج مطہرات کے لئے جمع فرمائی تھی جن کا توکل ضعیف تھا، اور جن امہات المؤمنین کا یقین پختہ تھا اور توکل مضبوط تھا ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن کے لئے بھی خوراک جمع نہیں فرمائی۔ جیسا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان جیسی دوسری امہات المؤمنین۔

اے بیٹے! اس رسالے میں میں نے تیرے تمام سوالوں کے جواب دیئے ہیں۔ اب تجھے چاہئے کہ ہمت کر کے سب پر عمل کر اور مجھے دعا میں نہ بھلا۔ تو نے یہ بھی چاہا کہ تجھے کوئی دعا لکھ بھیجوں، تو دعائیں تو حدیثوں کی کتب صحیح ستہ،



میں تلاش کر اور یاد کر لے۔ اسی طرح اہل بیت علیہ السلام کے طریقوں میں بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں، وہاں تلاش کر، درج ذیل نماز کے بعد خاص طور پر پڑھ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنَ النِّعْمَةِ تَمَامِهَا وَمِنَ الْعَصْمَةِ  
دَوَامِهَا وَمِنَ الرَّحْمَةِ شُمُوْلَهَا وَمِنَ الْعَافِيَةِ حُصُوْلَهَا  
وَمِنَ الْعَيْشِ اَرْغَدَهُ وَمِنَ الْعُمْرِ اَسْعَدَهُ وَمِنَ الْاِحْسَانِ  
اَنْفَعَهُ وَمِنَ الْاَنْعَامِ اَحَمَّهُ وَمِنَ الْفَضْلِ اَعْزَبَهُ وَمِنَ  
اللطْفِ اَقْرَبَهُ وَمِنَ الْعَمَلِ اَصْلَحَهُ وَمِنَ الْعِلْمِ اَنْفَعَهُ وَ  
مِنَ الرِّزْقِ اَوْسَعَهُ اَللّٰهُمَّ كُنْ لَنَا وَلَا تَكُنْ عَلَيْنَا اَللّٰهُمَّ  
اخْتَرْنَا بِالسَّعَادَةِ اَجَالَنَا وَحَقِّقْ بِالزِّيَادَةِ اَعْمَالَ لَنَا  
وَافْرُنْ بِالْعَافِيَةِ غُدُوْقَنَا وَاَصَالَنَا وَاَجْعَلْ اِلَى رَحْمَتِكَ  
مَصِيْرَنَا وَمَالَ لَنَا وَاَصِيبْ سِجَالِ عَفْوِكَ عَلٰی ذُنُوْبِنَا  
وَمَنْ عَلَيْنَا بِاصْلَاحِ عُيُوْبِنَا وَاَجْعَلِ التَّقْوٰی زَادَنَا وَفِي  
دِيْنِكَ اِجْتِهَادَنَا وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاعْتَمَادُنَا ثَبَّتْنَا عَلَى  
نَهْجِ الْاِسْتِقَامَةِ وَاَعِدْنَا (فِي الدُّنْيَا) مِنْ مُّوْجِبَاتِ النَّدَامَةِ  
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَخَفِّفْ عَنَّا ثِقَلَ الْاَوْزَارِ وَاِزْرِقْنَا  
عَيْشَةَ الْاَبْرَارِ وَاكْفِنَا وَاَصْرِفْ عَنَّا شَرَّ الْاَشْرَارِ  
وَاعْتِقْ رِقَابَنَا وَرِقَابَ اَبَائِنَا وَاُمَّهَاتِنَا مِنَ النَّارِ  
وَالدِّينِ وَالْمَظَالِمِ يَا عَزِيْزُ يَا غَفَّارُ يَا كَرِيْمُ يَا سَتَّارُ  
يَا حَلِيْمُ يَا جَبَّارُ يَا عَظِيْمُ يَا قَهَّارُ يَا اَللّٰهُ يَا اَللّٰهُ  
يَا رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَيَا رَحِيْمَ الْاٰخِرَةِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ  
الرَّاحِمِيْنَ ۝ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ  
وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝



ترجمہ: یا الہی! میں تجھ سے تیری نعمتوں کا اتمام (کثرت) چاہتا ہوں اور پاکیزگی میں سے اس کی ہمیشگی چاہتا ہوں اور رحمت میں سے اس کا شامل ہونا۔ اور تندرستی میں سے اس کا حاصل ہونا اور رزق میں سے اس کی کثادگی اور زندگی میں سے اس کی خوشحالی اور عمر میں سے اس کی سعادت اور احسان میں سے اس کی تکمیل اور انعامات میں سے وہ انعام جو سب سے زیادہ عام ہوں اور فضل میں سے وہ فضل جو سب سے زیادہ شیریں ہو اور لطف میں سے وہ لطف جو سب سے زیادہ عنایت والا ہو، اور اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ اچھا ہو۔ اور علم میں سے سب سے زیادہ فائدے والا علم اور رزق میں سے سب سے زیادہ کثادگی والا رزق چاہتا ہوں۔

یا اللہ! تو ہمارا ہو جا (یعنی ہمیں فائدے عطا فرما) اور ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال (یعنی ہمیں نقصان کا منہ نہ دکھا) یا اللہ ہماری عاقبت سنوار دے، اور ہمارے اعمال درست فرما دے، ہمارے صبح و شام کو خیر و عافیت سے ہمکنار فرما۔ اور ہمارے گھر اور ہمارے مال و اسباب کو اپنی رحمت سے ہمکنار فرما، اور ہمارے گناہوں اور عیبوں کو اپنی عفو و درگزر کی چادر سے ڈھک دے، اور ہمارے عیبوں کی اصلاح فرما کہ ہم پر احسان فرما، اے اللہ! تیری ہستی پاک پر ہمارا اعتماد اور توکل قائم رکھ۔

اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں دین میں استقامت اور ثبات قدمی عطا فرما۔ تو ہمیں دنیا میں ایسے کاموں سے اپنی پناہ میں رکھ جو قیامت میں شرمندگی اور ندامت کا سبب بنیں، اور ہمارے گناہوں کا بوجھ (ہم پر) ہلکا کر، اور ہمیں نیک لوگوں والی زندگی عطا فرما، اور تو ہمارے لئے کافی ہو جا۔ اور ہمیں بدکار و غلط کار لوگوں کے شر سے محفوظ فرما، اور تو ہماری گردنیں اور ہمارے آباء و اجداد کی گردنیں دوزخ کا آگ سے، قرض سے اور ظلم و ستم سے آزاد فرما، اے بڑی عزت والے! اے بخشنے والے! اے کرم



والے! اے عیبوں کو ڈھکنے والے، اے بردبار، اے زور والے! اے  
عظمت و بزرگی والے! اے قہار! اے اللہ! اے اللہ! اے  
دنیا میں مہربانی کرنے والے! اے آخرت میں رحم کرنے والے! اے سب سے  
زیادہ رحم فرمانے والے! تو اپنی رحمت کے طفیل زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور  
محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ تمام مخلوق میں پرگزیدہ ترین  
ہستی ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرام پر ہمیشہ رحمتیں  
اور برکتیں نازل ہوں۔

تمام تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا  
پروردگار ہے۔

تمت الكتاب بعون الملك الوهاب



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اقْتُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (القرآن)  
”اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو (آتش دوزخ سے) بچاؤ“

# ترتیب اولاد

---

---

کے  
نزری اصول

از  
حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزیین

(مولوی) صدر الدین حسن صاحب امرتسری



# فہرست مضامین

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۸	پس چہ باید کردے اخوانِ دیں	۳	تربیتِ اولاد سنبھائے گفتنی
۹	آخری گذارش	۴	اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری
۱۰	ضروری عرضداشت	۵	موجودہ اسکولوں کی حالت

## فہرست مضامین حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

۲۳	آدابِ مجلس و آدابِ کلام	۱۱	{ بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحسینِ اخلاق (تمہید)
۲۵	صبر و تحمل	۱۳	حلال غذا کی ضرورت و اہمیت
۲۷	ورزش کی اہمیت و فوائد	۱۴	آدابِ طعام کا بیان
۲۶	بزرگوں کی تعظیم کے آداب	۱۵	آدابِ لباس کا بیان
۲۷	غذا کے متعلق عمدہ تخیل، دنیا کی بے ثباتی، عقل مند کون ہے؟	۱۹	شعر و شاعری کی دباؤ
۲۷	بچے کی فطرت اور والدین کا فرض	۲۰	{ نیکیوں پر اُبھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ
۲۸	عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت	۲۱	زیادہ جھڑکنے کے نقصانات
۳۱	حاصلِ کلام	۲۲	سونے کے آداب و لوازم
	تمکنت		تکبر اور غرور کی ممانعت



# تربیت اولاد

## سخنہائے گفتمانی

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفَى وَسَلَامٌ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ خُصُوصاً  
مَنْهُمْ عَلَى سَيِّدِنَا وَنَبِيِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ الْمُصْطَفَىٰ وَعَلَىٰ آلِهِ الْبُرُودَةِ  
الَّتِي وَاصَحَابِهِ الَّذِينَ هُمْ نَجْوَدُ الْاَهْلِيَّةِ

برادران اسلام!۔ اسلامی احکام و ہدایات کی رو سے بچوں کی صحیح دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن افسوس ہے کہ مذہبی لاعلمی و ناواقفیت اور دو سو سال فرنگی حکومت کے تسلط اور اس کے قائم کردہ طاغوتی نظام تمدن کی وجہ سے پیدا شدہ سیاسی، معاشی و اقتصادی مشکلات کی بدولت مسلمان جس طرح تمام دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں اسلامی تخیل اور طرز عمل سے بہت دور ہو گئی ہیں۔ ٹھیک اس طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور طریقہ کار کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ ان سے نا آشنا ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ نصاب تعلیم، طرز تعلیم و تربیت، تعلیمی ماحول، مقاصد تعلیم، انتخاب معلمات، غرضیکہ اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھی اس وقت پوری طرح اسلامی نقطہ نظر کے مطابق نہیں ہے۔

خط غلط، انشاء غلط، املا غلط

ہست ایہ مضمون زمرتا پا غلط



## اولاد کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری

معصوم اطفال بھول رہے ہیں والدین کے جھوٹوں میں  
یہ کچی کلیاں کیا جانیں کس کھانا کب مڑھانا ہے

آپ نے بہت سے والدین کو اپنے بچوں کی بد اخلاقیوں، ہلکے داریوں اور ناروا  
شوخیوں اور گستاخیوں کی شکایتیں کرتے ہوئے سنا ہوگا، لیکن کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ  
انہوں نے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کے فرائض  
اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ اور انہیں کس طرح ان کی ادائیگی اور انجام دہی سے عہدہ بردار  
ہونا چاہیئے؟

مگر افسوس ہے کہ عام طور پر والدین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے بچہ کو مدرسہ میں داخل  
کر کے اپنی تمام ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو گئے، اور وہ قدم جو انہوں نے بچہ کو معلمین  
کے سپرد کرنے کے لئے اٹھایا اس سلسلہ میں ان کا آخری قدم تھا، اب یہ صرف معلمین کا  
فرض ہے کہ وہ اسے انسانیت کا لہرے کسی سانچے میں ڈھال کر انسان کامل کی حیثیت سے  
انہیں واپس کر دیں، حالانکہ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے، بچہ کو معلمین کے سپرد کر کے  
صرف یہ نہیں کہ ان کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ اور زیادہ  
ہو جاتی ہیں۔

معلمین بچہ کو اس کے فرائض کی زبانی اور کتابی تعلیم دیتے ہیں۔ والدین پر فرض  
ہے کہ وہ اسی تعلیم کو عملی طور پر دہرائیں، معلمین کا کام ہے کہ وہ بچوں کو تہذیب  
اخلاق کی شاہراہ بتائیں اور انہیں پوری پوری تاکید کر دیں کہ وہ اس راستہ سے منحرف  
نہ ہوں، لیکن چونکہ زندگی کے سفر میں بچوں کے ہر وقت کے رفیق والدین ہی ہیں، اس  
لئے یہ فرض ان پر عائد ہوتا ہے کہ وہ بچوں کو علاوہ اس شاہراہ سے گزار بھی دیں، مثلاً  
معلم بچوں کو تلقین کرتا ہے کہ بڑوں کا ادب کرنا چاہئے، چھوٹوں سے محبت کرنی چاہئے  
ہمیشہ سچ بولنا چاہئے، ہر کام وقت پر کرنا چاہئے، وہ اپنی املاک کو کشتش صرف کر دیتا  
ہے کہ بچوں کو ان امور کی خوبیاں ذہن نشین کرائے۔



اب والدین کا فرض ہے کہ وہ معلم کی ہدایتوں پر بچوں سے عمل کرائیں، اور ان کی کڑی نگرانی اور پوری پوری دیکھ بھال رکھیں کہ وہ گھر کے ماحول میں ماں باپ بڑے بھائی بہنوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں، کسی وقت کوئی کلمہ جھوٹ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ اس کے سوا ان کے سونے، جاگنے، لکھنے، پڑھنے، کھانے پینے کے اوقات بالکل مقرر اور منضبط ہوں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان چونکہ فطرۃً نمونہ پسند واقع ہوا ہے اور بچوں کی طبیعت خاص طور پر اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر بات اور ہر حرکت سے فوری طور پر اثر قبول کرتی ہے۔

اس لئے والدین کو چاہئے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں باایمان، خوش اخلاق اور نیک کردار انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو خود ان کے سامنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں صحیح عملی نمونہ بن کر رہیں، بچہ کو نیکیوں کی خوبیاں اور گناہوں کی برائیاں بتا کر زبانی تعلیم دینے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کرو یا جائے جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں، اور وہاں برائیوں کا گزر بھی نہ ہوتا ہو، تاکہ وہ نیکیاں اس لئے اختیار نہ کرے کہ انہیں اختیار کرنے میں اس کا یا اس کے ابنائے جنس کا فائدہ ہے، بلکہ اس لئے کہ انہیں اختیار کرنا اس کی فطرت کا تقاضا اور عین ایمانی فرض ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر ہمارے گھروں میں ماحول ان خوبیوں سے بالکل خالی ہے اور ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے مکدر ہے جن سے بچوں کو محفوظ رکھنا ان کی صحیح تربیت کی جان ہے۔

## موجودہ اسکولوں کی حالت

باقی رہی مروجہ اسکولوں کی حالت، سو آپ جانتے ہیں کہ ان میں کہاں تک ایمان و اسلام کی حقیقت اور ان کے لوازم و فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے؟ اور وہ کون سے اخلاقی حسنہ اور اعمال صالحہ ہیں جو بچوں کو ان اسکولوں کے نصاب تعلیم اور معلمین



کی علمی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں؛ اگر ایک طرف کتابیں سراسر اسلام کے حقیقی نظریات کے خلاف ہیں تو دوسری جانب معلمین کا طریق عمل طرز زندگی بھی کوئی اسلامی نمونہ پیش نہیں کرتا، اور اگر رفقاء تعلیم یعنی ہم سبق ساتھیوں کو دیکھو تو وہ بھی ذہنی و عملی طور پر اسلامی اعتقادات و صالحات سے قطعاً عاری اور نابلد محض ہوتے ہیں، الغرض یہ ماحول بھی مجبوری کے طور پر دین فطرت کے خلاف اور مغربی جاہلیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، آپ خود غور کریں اور سوچیں کہ ایسے ماحول سے بچے بے دین، بد اخلاق، بد کردار، تصنع باز بے ادب و گستاخ، صاف روسیاء دل، تن آساں اور بے عمل بن کر نہ نکلیں تو کیا بن کر نکلیں؟ یہ دنیا تو عالم اسباب ہے، جیسا بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل آئے گا۔

جَزَاؤُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ  
”اور برائی کا نتیجہ بھی ویسا ہی برا نظر آئے گا“

مَثَلُهَا (الآیۃ) ہو کر رہتا ہے۔“

اس تعلیم کا سب سے پہلا کر شمر جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بچہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری کے غرور اور گھمنڈ میں آکر اپنے باپ دادا کو بیوقوف اور غیر مہذب تصور کرنے لگ جاتا ہے، اسی تلخ نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا کہ

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں

کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ ضبطی سمجھتے ہیں

اسی غلط تعلیمی نظام کی مغربی پالیسی اور اس سے پیدا ہونے والے افسوسناک

نتائج پر نظر کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے حکومت کے نظریہ و مقصد کی کیا ہی اچھی وضاحت کی تھی۔

سینہ میں رہے رازِ ملوکانہ تو بہتر

کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر



تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی عودی کو  
ہو جائے ظالم تو جدھر چاہے اسے پھیر  
تائیر میں اکیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب  
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کی فرعون کی پالیسی بے شک ظلم کا ایک بدترین  
نمونہ تھی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر کامیاب کیسے ہو سکتی تھی، دشمن کا مرجحانا  
بھی ایک گونہ اطمینان کا ذریعہ سہی، لیکن اس کا زندہ رہنا ہاں دشمن کی بجائے دوست بن کر  
زندہ رہنا اور زندگی کی مشکلات میں دست و بازو کی طرح مدد کرنا اس سے ہزار گنا مفید اور منفعت بخش  
ہے اور اس پر مزید طرفہ تریہ کہ بدنامی سے بالکل بچاؤ بلکہ نیک نامی کی شہرت کا فائدہ  
اکبر مہتموم نے کیا خوب کہا ہے ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا  
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرے بزرگو اور عزیزو! یہ اسی گہری تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے جو ہم آج دیکھ  
رہے ہیں کہ مسلمان اس تیزابی تعلیم میں منہمک ہو کر رفتہ رفتہ کتاب اللہ اور سنت  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے عیارانِ مغرب کے ذہنی توہمت و اختراعات  
او عملی تبلیغات و تسویلات کو اپنی تحقیق کا معیار اور زندگی کا شعار ٹھہرا کر اسلامی اخلاق و  
اعمال، اسلامی معاشرت، اسلامی تہذیب و تمدن اسلامی سیاسیات، اسلامی شعائر  
غرضیکہ پورے قانونِ الہی سے اس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں کہ خدا کو بھلانے کے ساتھ ساتھ  
اپنی صحیح حیثیت، اپنی زندگی کی اصل حقیقت اور اس کی غرض و غایت کو بھی فراموش  
کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَسُوا اللَّهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ  
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(الآیۃ)

”وہ خدا فراموشی کے مرتکب ہوئے  
تو خدا نے انہیں خود فراموشی (کے عذاب میں)  
بتلا کر دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔“



ایسے ہی مغربیت زدہ خود فراموشوں کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں

تو ہم مثل من از خود در جوابی  
خنگ روزے کہ خود را بازیابی  
مرا کافر کند اندیشہ رزق  
ترا کافر کند علم کتابی

### پس چہ باید کرد اے خوان دیں؟

ایسی نازک حالت میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خدا کا نام لے کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اور اپنی اولاد کی صحیح دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے اسلامی مدارس قائم کریں جو تمام غیر اسلامی اثرات سے کلیتہً پاک ہوں جہاں دل و دماغ پر پوری طرح صرف دین اسلام کا تسلط اور قلبہ ہو، اسی طرح اپنی ذہنی و عملی اصلاح و درستگی سے اپنے گھروں کے ماحول کو بھی پورے طور پر اسلامی رنگ میں رنگین اور مدارس کی فضا کو بھی ایسی خالص اسلامی فضاء بنائیں کہ بچے جہر بھی جائیں اور جو بھی پڑھیں اس سے انہیں خدا شناسی کا شعور، خود شناسی کا شعور، حقانیت بینی کی فراست اور ملی قوت حاصل ہو تاکہ بڑے ہو کر ان کا کوئی کام اور کوئی نقل و حرکت چاہے وہ کوئی شخصی ہو یا قومی، انفرادی ہو یا اجتماعی، اور کوئی معاملہ چاہے معاش و تجارت کا ہو یا سیاست و ریاست کا اسلام کے حدود و قوانین سے باہر نہ ہو۔

وَيَكُونُ الدِّينُ مَكَّةً لِلدِّينِ "یہاں تک کہ قانون الہی بکمال و تمام نافذ ہو جائے"

اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے، صرف اجتماعی طور پر اپنے دل و دماغ کو ایمان سے روشن کر کے اعضاء و جوارح کو حتی المقدور اسلامی اعمال صالحہ سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے، پھر منزل مقصود پر پہنچنا بالکل یقینی امر ہے، رب العزت جل مجدہ فرماتے ہیں۔



وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ  
الْمُحْسِنِينَ (الآیہ)

اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری کوشش کی  
ہمارے (دین اسلام) کے راستہ میں ہم ضرور  
بعض دریاہنگی و سستگیری کر کے

انہیں اپنی راست کی منزل مقصود پر پہنچا دیں گے اور اللہ تعالیٰ تو مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہی ہیں !

## آخری گزارش

معزز ناظرین! اسی احساس ضرورت کے ماتحت ایک عرصہ سے میرا خیال  
تھا کہ اسلامی طریق تعلیم و تربیت کے متعلق کتاب و سنت سے چند مختصر اصول  
و کلیات اور زمانہ حال کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے سلف صالحین بزرگان  
دین رحمہم اللہ اجمعین کی کتابوں سے ان کے مفید علمی ہدایات اور عملی تجربات ایک  
رسالہ کی صورت میں مرتب کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کروں، جو ان کے لئے  
تربیت اولاد کے سلسلہ میں بصیرت و منفعت کا ذریعہ ہو،

لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ابھی تک مجھے اس اہم خدمت کا موقع  
نہیں مل سکا، اس لئے اب اپنے اس ارادہ کو آئندہ کے لئے طے کر دیتے ہوئے  
فی الحال حضرت امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مختصر مگر نہایت ہی مفید  
اور کارآمد مضمون کا سلیس اردو ترجمہ کر کے اس تمہید کے ساتھ "تربیت اولاد" کے  
نام سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں،

تفہیم و وضاحت کی خاطر جا بجا مضامین کے عنوانات قائم کر دیئے ہیں  
نیز موقع بموقع مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے بعض نئی رواج یافتہ غلطیوں  
کا ذکر کر کے ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اور اصل مضمون کی تائید و  
تشریح کے لئے صفحات کے ذیل میں مختلف کتابوں سے اخذ کر کے کچھ احادیث  
بھی مع ترجمہ درج کر دی ہیں جس سے اس مضمون کی افادیت میں ایک معتد  
اضافہ ہو گیا ہے۔



## ضروری عرضداشت

خود بخود نکتہ چینی کو عقلمندی تصور کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر اعتراض کرنا یا کسی نصیحت کو محض اس وجہ سے قبول نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے نفس سرکش کو رنج ہوتا ہو یا اپنے موجودہ رواجی طرزِ عمل میں کچھ اصلاح و ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑتی ہو عقلمندی اور حق طلبی کے خلاف ہے، حقیقت ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے، چاہے زمان مکان میں کتنی ہی تبدیلیاں آجائیں، اور نصیحت بہر حال نصیحت ہی ہے چاہے نفس اُسے خوشی سے قبول کرے یا نہ کرے، اور وہ اپنے سابقہ تسخیل اور طرزِ عمل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امید ہے کہ ناظرین کرام سرسری نظر کی بجائے غور و فکر سے ان اصول و قواعد کا مطالعہ فرما کر اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین نتائج حاصل کر کے مستفید ہوں گے اور میرے لئے بھی دعائے خیر کریں گے، اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو لفظی ہیر پھیر کی آفات سے بچا کر فہم سلیم اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے، فقط

عبدك وابن عبدك اللهم

صدر الدین حسن غفرلہ



## ترجمہ مضمون

## حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

## بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحسین اخلاق کا بیان

## تہیہ

بچوں کی تربیت کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے، اور اس کا دل ایک عمدہ صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و صورت سے خالی ہے، لیکن ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پا کر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے۔ اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہو جاتے ہیں، اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانور کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ برا خلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ جس کا وبال گناہ اس کے والی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا

اے ایمان والو! اپنی جانوں اور اپنے

أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا لَا تِلْكَ

اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ

اور جب کہ باپ اپنے بچہ کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم ہے کہ اُسے آخرت (جہنم) کی آگ سے بچائے، اور اس کا طریقہ یہی ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے اور



بُنے ساتھیوں اور ہمنشینوں سے اس کی حفاظت کرے، اور اس کے دل میں بناؤ

لے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَعَجِّشَ الْقِيَّاحَ  
فِي الْأَسْوَاقِ، الحدیث "اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے" (ابن ابی الدرداء طبرانی) ایسا جلد ۲ صفحہ ۱۱۵

تنبیہ۔ جن حضرات کے نوہال کچھ رات کے دو دو بجے تک سیناؤں، بیہودہ تماشے  
گاہوں اور بد معلوم کیسے کیسے شریر اور بد اخلاق عموماً رفتہ رفتہ دستوں کے ساتھ کن کن مقاموں میں  
طرح طرح کی بیہودگیوں میں مشغول رہتے ہیں، یا بازاروں میں بگاڑ بکھڑا کر شور و شغب برپا کئے رہتے ہیں  
اور وہ ان کی خبر تک بھی نہیں لیتے وہ اس حدیث شریفہ پر غور کر کے اپنے فرائض و نگہداشت  
کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں، اسی طرح بچہ کے ہندوئی اور عیب و غیرہ کو وقتاً فوقتاً دیکھتے  
رہنا چاہئے کہ اس میں کبھی کبھار پیسے ملیں تو تحقیق کرنا چاہئے کہ کہاں سے آئے؟ نیز یہ بھی  
معلوم کرتے رہنا چاہئے کہ اس کا میل جول اور نشست و برخاست وغیرہ کیسے لڑکوں کے ساتھ  
ہے؟ اسی طرح کبھی کبھی اس کے جوڑوں اور الماری وغیرہ کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہئے کہ  
کہیں فحش افسانے اور عشقہ غزلیں تو اس کے پاس موجود نہیں؟ لیکن یہ سارا کام نہایت  
احتیاط کے ساتھ ایسے غیر محسوس طریقہ سے کرنا چاہئے کہ وہ بد گمان نہ سمجھ بیٹھے آج  
کل جہاں تک ہمارا شہری ماحول انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا ہے اتنا ہی  
اس میں فواحش اور بے حیائی کے محرکات عام ہوتے چلے جا رہے ہیں، عام طور پر  
عورتوں کا بے پردہ پھرنا، عام دوکانوں خصوصاً ہنواڑیوں کی دکانوں ہوٹلوں وغیرہ  
پر قد آدم آئینوں کے ساتھ عریاں یا نیم عریاں حسین زنانہ تصویروں کا آویزاں ہونا  
گانے بجانے کی کثرت یہ چیزیں بلوغ طبعی سے پہلے ہی بچوں کی شہوانی حس کو بیدار کر  
کے ان کے اخلاق کی تخریب اور جسم و جان کی صحت و صلاحیت کو نقصان پہنچانے کا باعث  
ہوتی ہیں، اس لئے بچہ کو ایسے مقامات کی آمد و رفت اور نشست و برخاست سے محفوظ  
رکھنا چاہئے، فقط حسن حفظ!



سنگار، زیب و زینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے، اور نہ وہ بڑا ہو کر انہی حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا، بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتداء سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

## حلال غذا کی ضرورت و اہمیت

اور اس کی پرورش کرنے اور اسے دودھ پلانے کیلئے بھی کوئی نیک خواہر دینار عورت مقرر کرے جو رزق حلال کھاتی ہو، کیونکہ جو دودھ رزق حرام سے پیلا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچہ کی پرورش ہوتی ہے تو اس کے مایہ خمیر میں خباثت رچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جب بچہ میں نیکی و بری کی تمیز کا شعور محسوس ہو تو اس کی نہایت ہی کامل نگہداشت شروع کر دیں اور اس کا اندازہ حیا کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ اپنی عزت و شرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے اور حیا کی وجہ سے بعض کاموں کو وہ چھوڑنے لگتا ہے تو یہ صرف اس کی عقل ہی کی حیا، اور روشنی کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے بعض کاموں سے شرمانا ہے اور دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس کرتا ہے اور یہی حیا کا احساس

۱۔ جن لوگوں کی کمائی میں سود، رشوت، جھوٹے مقدمات کی وکالت، جو ادھیرو کی آمدنی بھی

شامل ہو ان کا اور ان کے بچوں کے اخلاق و اعمال کا کیا حال ہوگا؟ فقط حسن غفرلہ

۲۔ حدیث شریف میں حیا کو ایمان کی شاخ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بتلایا

گیا ہے، ارشاد ہے اَلْحَيَاءُ مِنْ اَلْاِيْمَانِ، کنز العمال عن ابی عمر، نیز ارشاد ہے۔

اِذَا الْمَرْءُ تَشَجَّرَ فَاُصْنَعْ مَا مَشِئْتَ "جب تجھ کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر"

بخاری عن ابن مسعود،



ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اور ایک بین علامت ہے جو اس کے اعتدال اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے اس امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہو کر کامل عقل والا ہو گا۔ اس لئے حیا دار بچہ کو ہر گز آزاد نہیں چھوڑنا چاہئے بلکہ اس کی حیا و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب ترہیت کرنی چاہئے۔

## آداب طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کی حرص ہے، اس لئے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے، شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے ہی کھائے، دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے، کھانے کی طرف دیکھنے ہی نہ لگ جائے، اور نہ ہی کسی کھانے والے پر نظر جمائے، کھانے میں حد سے زیادہ جلدی بھی نہ کرے۔ اچھی طرح چیا

لے کھانے کے متعلق یہ بنیادی اصول ہمیشہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

نَحْنُ اقْوَامٌ لَا نَأْكُلُ حَتَّى نَجُوعَ  
وَإِذَا أَكَلْنَا فَلَا تَشْبَعُ (الحديث)

”ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھرک نہ لگے

نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ

بھر کر نہیں کھاتے“

نیز فرمان نبوی ہے: اَلْمَغْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْجَمِيَّةُ رَأْسُ حُلٍّ دَوَائِرُ  
أَصْلُ كُلِّ دَاءٍ أَلْبَنُ دَوَائِ الْحَدِيثِ مَعْدَةُ امْرَأَتٍ كَاغْرٍ ہے اور ہر مینز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ مادہ ذیہ خرابی بچوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے ماں کو چاہئے کہ بچہ کو ٹھیک طریقہ سے معطرہ اوقات پر ہی کھانا کھلائے، فقط حن



نہ کھائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے، سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکے، اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے، مثلاً

اے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَلَّمَ اللہُ وَکُلُّ یَسْمِیْنِکَ وَکُلُّ یَسْمِیْنِکَ (بخاری و مسلم) کہ جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور دہیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

”ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھایا کرتا تھا پھر اسلام لایا تو بہت کم کھایا کرتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافرسات آنتوں میں (بخاری) اور مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص بحالت کفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے بکری کا دودھ پلاؤ، چنانچہ اسے ایک بکری کا دودھ پلایا گیا، پھر دوسری کا پھر تیسری کا یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو مسلمان ہو گیا، آپ نے پھر بکری کا دودھ پلانے کا حکم فرمایا، تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا، آپ نے دوسری کا حکم فرمایا لیکن وہ اس کا

اے عَنْ ابْنِ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا كَانَ يَأْكُلُ أَكْلًا كَثِيرًا فَأَسْلَمَ وَكَانَ يَأْكُلُ قَلِيلًا فَنُذِرُكَ ذَلِكَ لِلسَّيِّئِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَأْكُلُونَ فِي مَعَاوَا حِدٍ وَ الْكَافِرِينَ يَأْكُلُونَ فِي سَبْعَةِ أَعْمَارٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَى مُسْلِمٌ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَافٍ ضَيْفٌ وَهُوَ كَافِرٌ فَأَمَرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَاةٍ فَحَلَبَتْ فَشَرِبَ حَلَا بِهَا ثُمَّ أُخْرِجَ فَشَرِبَ ثُمَّ أُخْرِجَ فَشَرِبَ حَتَّى شَرِبَ حَلَا بِ سَبْعِ شِئَاءٍ ثُمَّ إِنَّهُ أَصْبَحَ فَأَسْلَمَ فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللَّهِ

باقی اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں



اس طرح کہ زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے، اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مذمت اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے، اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے، کھانے کی کم پرواہ کرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا غور بنایا جائے۔

## آداب لباس کا بیان

اسی طرح رنگین کپڑوں اور لٹھی لباس کی بجائے اس کے دل میں سفید

لے اس زمانے میں بچوں کی جسمانی صحت کو خراب کرنے کے ساتھ ان کے اخلاق کو تباہ کرنے اور بگاڑنے والی ایک غلطی عام ہو گئی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں بازار سے ناشہ تکرانے یا پاٹ وغیرہ کھانے کے نقد پیسے دیئے جاتے ہیں اور وہ بیوقوف ادروں کی دیکھا دیکھی وقت بے وقت ایسی معجز چیزیں کھاتے ہیں جو انہیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہیں، بلکہ انہی پیسوں میں سے بچا کھا کر ناشہ بینی بھی کرتے ہیں، اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ سب حیثیت و ضرورت جو کچھ بھی بچوں کو کھلانا ہو اپنی گھرا کر کھلا دیا کریں ورنہ جس قدر بچہ باقی آئندہ صفحہ پر

## بقیہ ماضیہ صفحہ گذشتہ سے آگے

تمام دودھ نہ پی سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مؤمن صرف ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں، مطلب یہ ہے کہ مؤمن کافر سے بہت کم کھاتا پیتا ورنہ آنتیں تو سب کی برابر ہی ہیں۔ فقط حسن غفرلہ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَشَاءٍ  
فَشَرِبَ حِلًّا بِلَاءَتِهِمْ بِأَخْرَجِي فَلَمْ  
يَسْتَقْرِهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ  
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ  
يَشْرِبُ فِي مَخَافَةِ اللَّهِ وَالْكَافِرُ  
يَشْرِبُ فِي سَبْعَةِ أَهْجَامٍ (الحديث)



سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کی جائے، اور اچھی طرح اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ ایسے کپڑے پہنا عورتوں اور بچہروں کا کام ہے اور شریف مردوں کو اس سے نہایت نفرت ہے، اور ایسی باتیں اسے وقتاً فوقتاً عام طور پر کہی جائیں اور ماں باپ وغیرہ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچہ کو ریشمی یا رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھے تو اس کے سامنے اس کی خوب مذمت کرے اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائے، اور اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحال اور آرام طلبی اور فساد پر کپڑے پہننے کے عادی ہوں، اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اسے محفوظ رکھیں جو اسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سنائے جو بچہ ابتدائی امتحان کے وقت (ایسی باتوں میں) آزاد چھوڑا جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام

### بقیہ ماغیہ صغیرہ گذشتہ سے آگے

کی دلچسپی بازار سے بڑھتی جائے گی وہ اتنا ہی گھر سے بے نیاز ہوتا جائے گا، اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کے اخلاق و اعمال میں نہایت فتنہ اور خرابی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح چلتے پھرتے مٹھائی یا پھل وغیرہ کھانا یا کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینا خلافت تہذیب ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ فقط۔

۷۔ خصوصاً سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لئے خاص طور پر منع ہے، اس کے متعلق بخاری، مسلم و ترمذی و ابوداؤد میں بہت سی احادیث موجود ہیں، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ قاعدہ کلیہ یا درکھنا چاہئے کہ اسلام جو سہولت اور آسانی کا دین ہے وہ عیب کے درجہ میں لباس کا کوئی رنگ اور کوئی وضع مقرر نہیں کی ہے، اور مختلف ملکوں کے تمام رائج الوقت لباسوں کو جائز رکھا ہے، بشرطیکہ غیر مسلموں سے ان کی امتیازی وضع میں مشابہ نہ ہوں، فقط سن۔



طور پر بد اخلاق، جھوٹا، چمڑا، چغلیخوڑ ضدی، بیہودہ گو، ہنسی مخول کرنے والا، مکار، فرتی اور بے وقوف ثابت ہوتا ہے اور ان تمام خرابیوں سے محفوظ رکھنے کا واحد ذریعہ صرف عمدہ تعلیم و تربیت ہی ہے، اس کے بعد بچہ کو مکتب میں داخل کرنا چاہئے تاکہ وہ قرآن و حدیث پڑھے، اللہ کے نیک بندوں کے حالات اور سوانح و حکایات کا علم حاصل کرے تاکہ بچپن ہی سے اس کے دل میں اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی محبت کی جڑ لگ جائے۔

لے دو لہندوں کی دیکھا دیکھی جب کوئی غریب آدمی ایک درختہ اپنے بچوں کو سینا یا ایسی ہی کسی فحش تاشہ گاہ میں لے جاتا ہے اور آئندہ ہمیشہ ہمیشہ بوجہ غریبت ان کی منہ پوری نہیں کر سکتا تو پھر وہ اپنے گھر اور محلہ سے چھوٹی موٹی چوریوں کے ذریعے سے اپنی خواہشات پوری کیا کرتے ہیں، اور جب یہ خرابی پڑھتی ہے تو اسی باپ کی عزت و آبرو کو لے ڈالتی ہے، مگر جمہالت کا بڑا ہودہ لوگوں کو اپنا دکھڑا تو سنا چھڑتا ہے۔ لیکن یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے ہی اسے یہ عادت بد سکھائی تھی،

لے جو بچہ ماں باپ کو بھی ایک دوسرے کی چغلیاں کھاتے اور سنتے دیکھتا ہودہ کیوں چغلیخوڑ نہ بنے؟ اس لئے اپنے گھر کو ایسی باتوں سے بالکل پاک کھنا چاہئے اور اگر بچہ گھر میں آکر کسی کی چغلی کھائے تو ماں باپ کو بھی چاہئے کہ اسے عمدہ طریقہ سے منع کرے ورنہ رفتہ رفتہ اسے چغلیخوڑی کا مسکہ پڑ جائے گا، فقط حسن غفرلہ

تھے کیا آج کل کے عام نصاب تعلیم میں ادیبانے کرام و مہم اللہ کے سوانح حیات اور سیرت کا کوئی حصہ رکھا گیا ہے؟ موجودہ کتابوں کا تو منتہائے نظر ہے کہ مسلمانوں کو اس طرح اپنے اسلاف کرام اور بزرگان دین سے جیر مانوس رکھ کر ان کے سامنے ان کی سیرت اس طرح بگاڑ کر پیش کریں کہ یہ ان سے متنفر ہو جائیں، چنانچہ اودھم پور ریاست جموں کا واقعہ ہے کہ جب مقتول نیک مسلمان لڑکے سے دریافت کیا کہ مثل بادشاہوں میں سب سے اچھا اور سب سے بڑا کون کون بادشاہ ہوا ہے؟ تو اس نے بیباختہ کہہ دیا کہ سب سے اچھا کبر اور سب سے بڑا اورنگ زیب عالمگیر و فتوح باللہ جن بچوں کا ذہن اس قدر غراب کر دیا گیا ہوا کہ اسلام کو کیا فائدہ پہنچائیں گے؟ افسوس ہے

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی  
شریاء سے زمیں پر آسمان نے ہم کو دے مارا۔



## شعر و شاعری کی ہاء

نیز اس کو عشقیہ اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھئے اور ایسے ادیبوں سے بھی الگ تھلگ رہے جو یہ سمجھتے ہوں کہ ایسی شعر گوئی زندہ دلی اور لطافت طبعی کی علامت ہے، کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور خرابی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

## نیکوں پر اچھالنے اور براٹیوں سے لوکنے کا طریقہ

پھر جب کبھی بچہ سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باب کو چاہئے اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے، پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ

اسے شعری اچھال برائی اس کے مضمون کی اچھال برائی پر موقوف ہے۔ جس شعر میں یاد الہی خدا اور رسول کی تعریف اولیائے کرام، بزرگان دین کے مناقب، توجہ آخرت بے ثباتی دنیا، علم و عقل اور تجربہ کار مضمون ہو وہ اچھا ہے ورنہ فضول ہے اور اگر غریب اخلاق، عشقیہ مضمون ہے جیسا کہ آج کل کے عام زبان زد اشعار کی حالت ہے تو وہ نہایت ہی بُلا ہے ایسے اشعار کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے، "الشعر عین ابلیس" کہ شعر ابلیس کا عصب ہے۔ نیز ایسے اشعار سے نفرت دلانے کیلئے آپ نے فرمایا ہے۔ "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَكُنْ بَشَرًا يَجُوزُ فِيهِ خَيْرٌ مِنْ أَنْ يَكُونَ فِيهِ شَرٌّ أَوْ شَرٌّ مِنْ أَنْ يَكُونَ فِيهِ خَيْرٌ" اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس سے اس کے سینے اور پیپھر سے کو سخت تکلیف ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کو فحش اشعار یاد ہوں اور یہ قباحت تو صرف ایسے اشعار کی ہے باقی رہا گانا اور غناد سرور وغیرہ وہ بالکل حرام ہے، کیونکہ یہ فحش کاری اور بے حیائی کا بڑا محرک ہے اور اس کا زنا و بدکاری سے خاص تعلق ہے، چنانچہ عیاشی اور نفس پرست لوگ اس طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہیں جو گانا بھی سناتی ہو، حدیث پاک میں ہے "الْفِتْنَةُ رُقِيَّةُ الزَّوْنِ" گانا زنا کا افسون اور منتر ہے۔ دیکھو مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر مکتوب ۱۴ صفحہ ۹۰، فقط من۔



اس سے بے خبری ظاہر کرے نہ تو اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے اور نہ ہی اس کی غلطی کو نمایاں کرے بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کا ایسی جرأت کرنا ممکن بھی سمجھتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بچہ خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپتا اور چھپانے کی کوشش کرتا ہو، کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بیباک ہو جانے کا باعث ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پرواہ نہیں کرتا، اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ ویسی ہی حرکت کرے تو مناسب ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور کہا جائے کہ خبردار! اس کے بعد ایسی بری حرکت ہرگز نہ کرنا، خدا نخواستہ اگر تیری اس غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو تو لوگوں میں رسوا اور بدنام ہو جائے گا (وغیرہ وغیرہ علیٰ ہذا القیاس)

## زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے، کیونکہ اس سے بچہ میں طعن و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بڑھتی جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند و نصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے۔ اسی طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے، اور ماں کو چاہیے کہ کسی بات پر صند کرنے کے موقع پر اسے باپ سے ڈرا لے اور بری باتوں سے سمجھتی کے ساتھ روکے۔

لے اس میں بچے کو ہر لڑائی اور بے جا صند سے روکنے کا مقصد حاصل ہونے کے علاوہ یہ خوبی ہے کہ اس طرح اس کے دل میں باپ کا رعب بیٹھ جاتا ہے، جس کی بنا پر اس کی نصیحت اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی ہے، نیز فرضی جین بھڑت کے ہونے کا اور جھڑنے خوف سے بھی اسے ڈرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، فقط صحت غفرلہ



## سونے کے آداب و لوازم

اور دن کو سونے سے منع کرے، کیونکہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے، لیکن نرم بستر سے بہر حال روکا جائے تاکہ اس کے اعضا مضبوط ہوں اور بدن بھڑانہ ہونے پائے جس کی وجہ سے وہ آرام کے بغیر نہ رہ سکے، بلکہ اسے سخت بستر پر سونے موٹے چھوٹے کپڑے پہننے اور سادہ

لے خصوصاً صبح صادق کے وقت سے سورج بلند ہونے تک سونا نہایت بڑا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کی نخوت سے رزق میں تنگی آتی ہے اور خیر و برکت نہیں راتنی اور صبح سویرے اٹھنے والوں کے لئے آپ نے دعائے خیر فرمائی ہے کہ:-  
 اللَّهُمَّ بَارِكْ لِمَنْ دَفَى يَكُونُ رِيحًا رَاحِيَةً  
 ”یا اللہ تعالیٰ میری امت کو صبح سویرے اٹھنے میں برکت دے جو مسلمان حضرت رسول اکرم کی اس دعا سے فیضانِ رحمت و برکت حاصل کرنا چاہے وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔“

اور سونے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شمال کی جانب سر اور قبلہ کی طرف منہ کر کے داہنی طرف کروٹ پر لیٹے، گو اس کے علاوہ اور طرح لیٹنا بھی مباح ہے لیکن قبلہ کی جانب پاؤں پھیلا نا جائز ہے اور پیٹ کے بل لیٹنا بھی بالکل منع ہے، حدیث شریف میں ہے:-  
 إِنَّهَا ضِجَّةٌ يُبْغَضُهَا  
 اللَّهُ تَعَالَى  
 ”کہ پیٹ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے“

اے کیونکہ مسلمان کو مجاہد اور سپاہی بن کر رہنا چاہیے، عیاش اور تن آسان بنکر نہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَنْ لَمْ يَغْزُ وَلَمْ  
 يُحَدِّثْ بِمَنْفَسَةٍ  
 مَا تَمِيتُ  
 الْجَاهِلِيَّةَ،  
 ”جس شخص نے جہاد نہیں کیا  
 اور دل سے اس کے متعلق صلاح  
 بھی نہیں لی وہ جاہلیت و کفر  
 کی موت مرا“



خوراک کھانے کی عادت ڈالی جائے اور جو کام وہ چھپا کر کرتا ہو اس سے روکا جائے، کیونکہ وہ اس کام کو برا سمجھنے کی وجہ سے تو چھپاتا ہے، اس لئے اگر اسے نظر انداز کیا گیا تو وہ اُس بُرے کام کا عادی ہو جائے گا، اسی طرح دن کو چلنے پھرنے اور ورزش کرنے کی عادت بھی ڈالی جائے تاکہ وہ کاہل اور سُست نہ ہو جائے، لیکن اس امر کی نہایت احتیاط رکھی جائے کہ وہ اپنا سر پٹریاں، گھٹنے، رانیں وغیرہ ہرگز نہ کھینچے نہ کھٹکے، نہ بہت جلدی چلے نہ ہی اپنے ہاتھوں کو ڈھیلا ڈھالا رکھے، بلکہ انہیں اپنے سینے سے ملا کر چست رکھے،

### تکبر اور غرور کی ممانعت

اپنے ساتھیوں کے سامنے ماں باپ کی ملکیت میں سے کسی چیز پر فخر کرنے، اپنے کھانے پینے کی چیزوں، کپڑوں، حتیٰ کہ تختی اور دوات تک پر اترنے سے بھی منع کیا جائے بلکہ اپنے ہر ساتھی سے انکساری اور تعظیم و تکریم سے پیش آنے

۱۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی کو کسی صوبہ کا عامل (گورنر) مقرر فرماتے تو پانچ شرطوں میں یہ شرطیں بھی ضمیمہ تحریر میں لایا کرتے تھے کہ وہ کبھی باریک کپڑا نہیں پہنے گا، نرم لیٹر پر نہیں سوئے گا اور ہمیشہ بے چھنے کھٹے کی روٹی کھائے گا ایک دفعہ شام کے عامل (گورنر) کے متعلق معلوم ہوا کہ اس نے باریک کپڑا پہنا شروع کر دیا ہے تو اسے فوراً معزول کر دیا اور فرمایا کہ ایسا آرام طلب شخص کبھی اسلامی ہدایت کے مطابق بنی نوع کی پوری خدمت نہیں کر سکتا، صحت غفرلہ

۲۔ کیونکہ اسے عموماً بچہ کے ذہن میں بے حیائی اور فواحش کی تمویکات پیدا ہوتی ہیں اور ایسا کرنا شرعاً گناہ ہے اس لئے وہ نیکر اور جانگاہ جس میں گھٹنے ننگے رہیں پہننا منع ہے، فقط صحت غفرلہ

۳۔ کیونکہ اس سے بچوں میں منافرت و عداوت پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لڑائی بھی ہو جاتی ہے جو نقصان دہ ہے اور اس سے بڑھ کر بری بات یہ ہے کہ اس طرح بچے مال و جائیداد کو باعث فضیلت سمجھ کر اخلاقی اور عملی فضیلت کے حاصل کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔



اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسے دوسرے بچوں سے کوئی چیز نہ لینے دی جائے، اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھایا جائے کہ عزت اور سر بلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں بلکہ لینا تو کمینہ پن، ذلت اور فرومانگی ہے، اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ لینا اپنی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمہ کے انتظار اور لالچ میں دم ہلاتا رہتا ہے اسی طرح بچہ کو سونے اور چاندی سے نفرت اور سانپوں اور بکھروں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے، کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے

## آداب مجلس و آداب کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ کسی کے سامنے جمائی لے، نہ کسی کی طرف پیٹھ کرے، نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی

لے جو لوگ سر بازار بیسیوں کا ٹکڑا یا اسی طرح کوئی اور کھانے کی چیز دکھا کر چیلوں، کوڑوں کی طرح بچوں کو جمع کرتے اور انہیں ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے لپٹانے، شور مچانے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگنے کی بری عادت سکھاتے ہیں اور پھر اپنی اس محرب اخلاق حرکت شنیدہ کو سخاوت اور فیاضی تصور کرتے ہیں وہ ذرا اپنی ذہنیت پر غور کریں، فقط حسن غفرلہ

لے زیور کی صورت میں استعمال کرنا چوری کے خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جان بھی تلف ہو جاتی ہے اور نقد سکوں کی محبت بھی بچوں کو بہت سی فراہیوں اور بیہودگیوں میں مبتلا کر کے رہتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ حلقہ کے درمیان کبھی نہ بیٹھے قطار میں بیٹھے، حضور پر نورؐ فرماتے ہیں

مَلْعُونٌ عَلَى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

”جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان

وَسَلَّمَ مَنْ تَعَدَّ وَسْطَ الْحَلْقَةِ

اظہر پر وہ شخص ملعون ہے جو حلقہ مجلس کے

درمیان بیٹھے۔

رواہ الترمذی والبود اود۔



تمہیں کو ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو بانہر کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے، کیونکہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے اور اچھی طرح ذہن نشین کرایا جائے کہ یہ سب بے شری کی باتیں ہیں اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں۔ نیز سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے تاکہ اسے بچپن ہی سے قسم کھانے کی عادت نہ پڑ جائے اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے اور اس امر کی عادت ڈالی جائے کہ صرف جواب دینے کے لئے بولا کرے اور وہ بھی صرف بقدر سوال، اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ کھلی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھ جائے، اسی طرح بچہ کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی لعن طعن، دشنام دہی گالی گلوچ سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیونکہ برے ساتھیوں کی بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کا اصلی راز تو انہیں برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر ہے

اے رب العزت فرماتے ہیں وَلَا تَتَّبِعُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِّأَيْمَانِكُمْ أَتَيْتُمُوهُ فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَأَلْفُتُمْ بَيْنَهُ فَارْزُقُوهُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا تَلْبِسُوا كَلِمَاتِ اللَّهِ لِيُجْزِيَ الْفَاسِقِينَ (کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنے قسموں کے لئے نشانہ ست بناؤ) اسی طرح خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے بھی منع کر دیا جائے کہ یہ شرک ہے، حدیث شریف میں ہے۔

حَلَفْتُ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ، جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا

اے حدیث شریف میں ہے اَلْبَلَاءُ عُرْضَةٌ لِّلْمُنَاطِقِ (کہ مصیبت بے جا بولنے کے ساتھ وابستہ ہے) کسی نے کیا خوب کہا ہے

زباں اپنی حد میں ہے بے شک زباں بڑے ایک نقطہ تو یہ ہے زباں

کہے ایک جب کس نے انسان دو کہ حق نے زباں ایک دی کاں دو

۳ جو حضرات خود اپنے بچوں کو سینا یا دوسری تماشہ گاہوں میں لے جاتے ہوں یا ایسے لوگوں کے

ساتھ جانے دیتے ہوں وہ اپنی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر غور کریں، فقط صحت غفرلہ



## صبر و تحمل

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچے کو استاد مائے توبہ چینیے چلائے اور نہ شور و شغب برپا کرے اور نہ ہی کسی کی سفارش کا سہارا ڈھونڈے بلکہ صبر و تحمل سے کام لے، یہ بات سمجھانے کے لئے بچے سے یوں کہا جائے کہ دیکھو صبر کرنا بہادر مردوں کا طریقہ ہے اور چینیٹا چلانا، رونا پینٹنا، توادنی اور کینہہ لوگوں اور عورتوں کا کام ہے۔

## ورزش کی اہمیت و فوائد

نیز اسے پڑھنے کے بعد کسی عمرہ کھیل کی اجازت بھی ضروری جائے جس سے وہ مکتب کی تکان دور کر کے راحت حاصل کر سکے، لیکن اتنا نہ کھیلنے دیا جائے کہ کھیلنے سے ہی تھک جاوے، کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیتہً روک کر صرف پڑھنے پڑھانے میں دبائے رکھنا اس کے دل کو مردہ، اس کی ذہانت کو باطل و ناکارہ اور اس کی زندگی کو مکرر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی جان چھڑانے کے لئے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے۔

نہ تعزیت بہتر نہ افسراط چھی      توسط کے درجے میں ہر بات اچھی

لے اس طرح بچہ کی قوت برداشت کو ترقی دینا اور اس میں صبر و تحمل کے مردانہ اوصاف پیدا کرنا مقصود ہے، نیز سفارش و حمایت کرنے سے استاد کی تنبیہ اور نصیحت کا فائدہ منافع ہو جاتا ہے۔ فقط حسن مغزلہ

لے اس سلسلہ میں بھی ساتھیوں کی اخلاقی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اگر صحیح تربیت یافتہ بچہ نہ ملیں تو باپ خود اپنے ساتھ لے جائے، فقر و بیکاری اور دوسرے شوائب کے ایک صحیح دماغ صرف تندرست جسم میں ہی نشوونما پاسکتا ہے، اس لئے بچے کی صحت جسمانی کے لئے مناسب ورزش کے ساتھ اس کے جسم اور کپڑے کی صفائی کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔



## بزرگوں کی تعظیم کے آداب

یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ بچے کو والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کی جو عمر میں اس سے بڑا ہو چاہے اپنا رشتہ دار ہو یا نہ ہو سب کی فرمانبرداری کرنا سکھایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ وہ ان کی طرف عزت کی نگاہوں سے دیکھے، اور ان کے سامنے کیل کو دو کو ترک کر دے اور جب بن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں کسستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چٹم پوشی کا برتاؤ نہ کرنا سکھائے۔ نیز رمضان کے بعض دنوں میں اسے روزہ بھی رکھوایا جائے اور دیباچہ و ریشم، سونا چاندی پہننے سے بالکل الگ رکھا جائے اور حسب مناسبت شریعت اسلامیہ کے حدود و تعزیرات سمجھائے جائیں اور چوری حرام خوری خیانت بددیانتی، جھوٹ اور بے حیائی اور نوحیزی کے دوران میں بچوں کی طبیعت میں پیدا ہونے والی تمام بری باتوں سے خوب اچھی طرح ڈرایا جائے۔ جب کسی بچے کی بچپن سے ہی ایسی اٹھان ہوگی تو بلوغ کے قریب پہنچنے تک وہ ان امور کے اسرار و حقائق بخوبی سمجھ سکے گا۔

## غذا کے متعلق عمرہ تکمیل

پھر اس دور میں اسے سمجھایا جائے کہ جس قدر بھی حلال غذا ہیں یہ بھی ایک طرح کی دوائیں ہی ہیں اور ان سے صرف یہ مقصود ہے کہ انسان انہیں کھاپی کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر سکے۔

---

اے حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور نو برس کی عمر میں بھی نہ پڑھیں تو مار کر پڑھاؤ  
 اے یہ اپنے اپنے ماحول اور خاندان کے طرز زندگی پر منحصر ہے، جیسے گروہ پیش میں بچہ رہے گا ویسی ہی بری باتیں اس میں پیدا ہوں گی۔



## دنیا کی پستی

اور یہ بات بھی بخوبی ذہن نشین کرائی جائے کہ دنیا بذات خود ایک غیر مقصود اور بے اصل، بے بقاء اور فنا ہو جانے والی چیز ہے موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے اور یہ صرف ایک گذرگاہ ہے، سکون و قرار کا مقام نہیں بلکہ عالم آخرت حقیقی امن و سکون کا مقام اور قرار و اطمینان کی جگہ ہے اور موت ہر وقت دنیا کی زندگی کو ختم کر دینے کی تاک میں لگی ہوتی ہے۔

## عقل مند کون ہے؟

اور فی الحقیقت عقلمند وہ شخص ہے جو اس دنیائے فانی سے آخرت کے عالم باقی کے لئے زاد و راہ اور نیکیوں کا سرمایہ فراہم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے قبولیت کا اونچا درجہ نصیب ہو اور جنتوں کی وسیع نعمتیں ملیں، اگر نہ کی ابتدا کی ذہنی نشو و نما اچھی ہوئی ہوگی تو بالغ ہونے کے دوران میں یہ کلام اس کے لئے نہایت اوقع فی النفس، مؤثر و خوش آئند کا نقش فی الجہول میں گھر کرنے والا ثابت ہوگا۔

اور اگر اس کے برعکس غلط طریقہ سے اس کی ذہنی نشو و نما ہونے کی وجہ سے اس میں بیہودگی، بے حیائی، زیادہ کھانے کی خواہش، عمدہ لباس کی طمع، آرائش و زیبائش کی بے لوثی، ناز و انداز، تکبر و غرور کی خصلت پیدا ہوگی تو اس کا دل اس حقیقت کے قبول کرنے سے اسی طرح انکار کر دے گا جس طرح خشک دیوار کو مٹی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، عرضیکہ یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا چاہئے۔

## بچے کی فطرت اور والدین کا فرض

کیونکہ بچے کا جو ہر قلب ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے کہ خیر و شر اور نیک و بد دونوں



نکاح اثر لے سکتا ہے، اور یہ ماں باپ کا کام ہے کہ اسے نیکی و بدی کے پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل کر دیں، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

كُلُّكُمْ رَءِیُّ ذِیْیُوْهُ عَلَی الْفِطْرَةِ  
وَ اِنَّمَا الْبَوَاكُ یُھْوَ اِسْنِہ  
اَوْ یَنْصَرُ اِسْنِہ اَوْ یُجَسِّنِہ  
(الحديث)

کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے  
لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا  
نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

## عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت

حضرت اسیل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کی عمر میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار رحمۃ اللہ علیہ کی نماز تہجد کا روحانی منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا؟ جس نے تجھے پیدا کیا، میں نے عرض کیا کہ میں اسے کس طرح یاد کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلنے کے وقت زبان ہلائے بغیر صرف اپنے دل میں تین دفعہ یوں کہا کرو کہ:-

اللّٰھُ مَعِیْ، اَللّٰھُ مُنَظَرِیْ،  
اللّٰھُ شَھِیْدِیْ،  
اللّٰھُ مِیْرَے ساتھ ہے، اللّٰھُ مجھے دیکھ  
رہا ہے، اللّٰھُ میسرے سامنے ہے۔

میں نے چند راتوں تک یوں ہی کہا، پھر انہیں اس کی اطلاع دی تو فرمایا کہ اب ہر رات میں سات دفعہ یوں ہی کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس

طے ہر مرید حق کو چاہئے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنی کیفیت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع دے کر درجہ بدرجہ اصلاح لے اور راہ سلوک و معرفت کو طے کرے۔ بیعت کا مقصد یہی ہے۔



کی اطلاع بھی عرض کی تو فرمایا ہر رات گیارہ دفعہ کہا کرو، میں نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں مجھے اپنے دل میں اس کی لذت اور علالت محسوس ہونے لگی پھر جب اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو فرمایا جو ذکر میں نے تمہیں سکھایا ہے اسے خوب یاد رکھو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو، یہ تم کو دنیا و آخرت میں نفع کا ذریعہ ہوگا۔ میں چند برسوں تک اسی طرح کرتا رہا، یہاں تک کہ میں اس کی لذت اپنے باطن کی گہرائی تک میں محسوس کرنے لگا۔

پھر ایک دن فرمایا کہ اے سہیل! اللہ جس کے ساتھ ہو جسے دیکھتا ہو، جس کے سامنے ہو کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ خبردار! کبھی خدا کی معصیت اور نافرمانی نہ کرنا چنانچہ میں تنہا رہنے لگ گیا پھر انہوں نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ مجھے اپنی توجہ بٹ جانے کا خطرہ ہے ہاں! اگر آپ استاد سے یہ شرط طے کر لیں کہ میں کچھ وقت ان کے پاس پڑھا کروں اور پھر جلدی سے پلٹ کر یاد الہی میں مشغول ہو جایا کروں تو بہتر ہو۔ اس کے بعد میں استاد کے پاس گیا اور چھ یا سات برس کی عمر تک قرآن کریم پڑھ کر حفظ کر لیا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھا کرتا تھا اور بارہ برس تک جو کی روٹی میری خوراک رہی، اسی اثناد میں تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک اہم مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو میں نے اپنے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے وہ مسئلہ دریافت کروں۔ چنانچہ میں نے بصرہ آکر وہاں کے علماء سے دریافت کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری تشفی نہ کی، اس کے بعد میں حضرت حبیب حمزہ بن عبد اللہ عبادانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے عبادان گیا اور ان سے وہی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے مجھے تسلی بخش جواب دیا پھر میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظات قدسیہ سے فیض حاصل کرتا تھا اور آداب سیکھتا رہا، پھر تہہ چلا آیا اور اپنی خوراک کا یہ اندازہ



مقرر کیا کہ میرے لئے ایک درہم (تقریباً سو چار آنہ) کے جو خرید کر پیس کر رکھے جاتے تھے اور اسی میں میرے لئے روٹی پکائی جاتی تھی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف ایک اوقیہ (ایک اونس تقریباً تین تولے) اس میں سے کھاتا اور وہ سالن کے بغیر، اس طرح میرے لئے سال بھر تک یہی ایک درہم کافی ہوتا۔

پھر میں نے یہاں تک ترقی کی کہ تین راتوں کے بعد افطار کرنے لگا۔ پھر پانچ راتوں کے بعد پھر سات راتوں کے بعد، اسی طرح تدریجاً پچیس راتوں تک پہنچ گیا پھر اسی حالت میں متواتر بیس سال تک قائم رہا، پھر کئی برس تک دنیا کی سیاحت کی اور پھر طے کر لے کر چلا آیا۔ میں تقریباً ساری ساری رات قیام کرتا تھا، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ انہوں نے اپنے وصال تک کبھی سالن استعمال کیا ہو۔



## حاصل کلام

یہ واقعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو اسی طرح تیار کریں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر ابتداء سے بچے کی تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے تو وہ ایسے انسانی کمالات کی بلندیوں تک عروج کر سکتا ہے، ورنہ ایسی ریاضتِ شاذ اختیار کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قوانین و احکام اور اپنے بنی مسکرم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے، اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین و جملہ بزرگانِ دین و اولیاء کرام کی صحیح محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے اور انہی کے راستہ پر چلائے کہ یہی دینِ توہم ہے اور یہی صراطِ مستقیم وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ وَاَصْحَابِهِ اَجْمَعِیْنَ، اٰمِیْن۔

آپ کا ادنیٰ خادم

(مولوی) صدر الدین حسن غفرلہ







وَلِلّٰهِ الْاِسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَاَدْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ کے پیارے پیارے نام ہیں پس اس کے ساتھ اس کو پکارو

الحمد لله والنتیجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالی کی کتاب

المقصد الاسنی فی تشریح

# اسماء الحسنی

کا اردو ترجمہ جس میں نو دہ نام کے مفصل و مشروح معانی کے علاوہ اہم شرک اور اسمائے تراوہ کے متعلق مؤشگاف بحث کی گئی ہے۔ اور اسمائے باری تعالیٰ کا غیر قنایہ ہونا ثابت کیا ہے اور ساتھ ہی ثانویں کے عدد میں مرغابان کے معنوں کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اہم وفات کے اتحاد و تغاثر کے متعلق مشہور مذاہب کے اقوال پیش کر کے فیصلہ کن بحث کی گئی ہے

ترجمہ و منشاء

منہاج محمد نذیر عرشی "مولوی فاضل" و "منشی فاضل"



# فہرست مضامین شرح اسماء الحسنیٰ

صفحہ	مضامین
۲	مقدمہ - (اس کتاب کو تین فنوں پر تقسیم کیا گیا ہے)
۴	پہلا فن - ابتدائی باتوں میں
۴	پہلی فصل - مسمیٰ اور تسمیہ کے معانی
۲۲	دوسری فصل - اسماء قریب المعنی کا بیان نیز ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے۔
۲۵	تیسری فصل - مختلف معنوں والے اسم کا بیان
۲۷	چوتھی فصل - بندہ کا کمال، اخلاق الہیہ کا خوگر ہونے میں ہے اور اللہ کی صفات کے معانی سے باطن آراستہ کرنے میں ہے۔
۱۴۱	دوسرا فن - مقاصد خاص میں
۱۴۲	پہلی فصل - اللہ کے نودن نام کی شرح
۱۴۳	خاتمہ - فصل اول
۱۵۱	فصل دوم - مقاصد اور غایات میں
۱۵۳	فصل سوم - فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کا بیان۔
۱۵۶	تیسرا فن - لواحق اور تتمہ جات میں
۱۵۶	پہلی فصل - اللہ کے صرف ۹۹ نام نہیں ہے
۱۵۹	دوسری فصل - اسماء باری تعالیٰ میں ۹۹ کی تخصیص کا فائدہ
۱۶۵	تیسری فصل - اسمائے باری تعالیٰ توفیق پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں۔



## الحمد لله

○ الحمد لله المتعزدي كبريائه وعظمته ○ المتوحد بتعاليفه صمدية  
الذي قضى أخيرة العقول دُونَ حمى عزته ○ وكذا يجعل السبيل إلى  
معرفة إلهه إلا بالعجز عن معرفته ○ وقطر السنة الفصحاء عن السناء  
على جمال خضريه إلا بما أشبه به على نفسه ○ وأخصني من اسمه  
وصفته ○ والصلوة على محمد خير خليفه ○ وعلى آله وأصحابه  
وعائلته ○

مجہ سے میرے ایک دینی بھائی نے فرائنٹ کی جس کی تعمیل شرعا ضروری تھی۔  
کہ میں اسکا احسنے کی شرح لکھوں۔ مگر میں اس کے متعلق اپنے ارادے کا ایک قدم  
آگے رکھتا تھا۔ تو ہمت کے دو قدم پیچھے جا پڑتے۔ تردد یہ تھا کہ میں اس کا حق اخوات  
کرنے کے لئے اس کام کا بیڑا اٹھاؤں۔ یا اس شکل کام کا ذمہ اٹھانے سے بچتے ہوئے  
اور قوت بشری کو اس مقصد کے حصول کے لئے کافی سمجھتے ہوئے اس سے معافی چاہوں  
اور معافی کیوں نہ چاہتا۔ جب کہ عاقل آدمی کو اس شکل کام میں پڑنے سے دو باتیں مانع ہیں۔  
ایک تو یہ کہ یہ کام فی نفسہ بڑا کمشن اور دشوار حصول ہے۔ کیونکہ وہ اپنی شان کے لحاظ سے  
چوٹی کا کام ہے جس کے آگے عقل حیران ہے۔ اور آخری منزل چھوڑ اس کی پہلی ہی  
منزل میں ٹکا ہوا پست ہوئی جاتی ہیں۔ انسانی طاقتوں کا یہیل بوتہ کہاں ہے کہ خدائی صفات  
میں ہمیشہ تحقیق کا سلسلہ چھیڑے۔ اور چمکا ڈروں کی نگاہوں میں یہ تاب کہاں کہ مہر تاباں کا  
دیدار کر سکیں +

دوم یہ کہ فائز باری تعالیٰ کے متعلق جو کچھ کہا جائے ممکن ہے کہ وہ جہور کے



خلاف واقع ہو۔ اور لوگوں کو ان کی عادات اور مذہبی مالومات سے باز رکھنا مشکل ہے لیکن  
فرمانش کا پاس اور اس دوست کے شدت اصرار نے ان مذروں کی کوئی بیش نہ جانے دیا  
فَأَسْأَلُ اللَّهَ تَعَالَى أَنْ يُبَيِّنَ الصَّوَابَ ○ وَيُجْزِلَ الشَّوَابَ ○ بِمِثْرَةٍ وَنُظْفِيرٍ ○  
وَسَعَةِ جُودِهِ ○ إِنَّهُ الْكَرِيمُ الْجَوَادُ ○ التَّوَكَّلْ بِالْعِبَادِ ○

## مقدمہ

مُناسب ہے کہ اس کتاب کو تین فنوں پر تقسیم کیا جائے:-

(۱) پہلا فن۔ ابتدائی باتوں میں +

(۲) دوسرا فن۔ مقاصد خاص میں +

(۳) تیسرا فن۔ لواحق اور تہہ جات میں +

پہلے فن کے مضامین کو یا مقاصد خاص کی تہید میں۔ اور تیسرے فن کے مضامین

مقاصد خاص کا تہہ ہیں +

فنِ اول میں ان باتوں کا بیان ہے:-

(۱) اہم۔ جسے اور تہہ کے قول کی حقیقت۔ اور اس میں جو اکثر تہہ کو غلط فہمی

لاحق ہوئی ہے، اس کا ازالہ +

(۲) اللہ کے اسماء میں سے جو باہم قریب المعنی ہیں مثلاً عَظِيمٌ، جَلِيلٌ،

گِنِیو کیا وہ ایک ہی معنی پر عمل کئے جاسکتے ہیں۔ یعنی وہ اسماء مترادف ہیں۔ یا ان کے  
معانی کے متفاوت ہونا لازم ہے +

(۳) جس اسم کے دو معنی ہیں۔ کیا وہ دونوں معنوں میں مشترک ہے۔ اور ان

دونوں معنوں پر اس طرح معمول ہوتا ہے۔ جیسے عہم کا اس کی استیات میں عمل ہوتا ہے۔ یا

اہم کا حمل ان معنوں میں سے صرف ایک پر متعین ہے +

(۴) کیا بندہ کو مانے بائی تعالے میں سے ہر اسم کے معنی جیسے ملے +

فنِ ثانی میں یہ باتیں شامل ہیں:-

۱۱۱۔ خود نہ نام کے معانی +



(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور

سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں +

(۳) اس امر کا بیان کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رو سے یہ اسماء صرف ایک

ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کیونکر راجع ہوتے ہیں +

فن ثالث۔ ان باتوں پر مشتمل ہے :-

(۱) اسمائے باری تعالیٰ تانویں سے زائد ہیں جو موقوف ہیں +

(۲) ایک کم سوا سوار کے شمار اور تخصیص کا فائدہ +

(۳) اللہ تعالیٰ کا ان صفات مع سے موصوف کرنا جائز ہے جن سے وہ بمعنی

تصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جبکہ

اس میں کوئی منع وارد نہ ہو۔ وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے، ہرگز خدا کی شان

میں نہیں بولے جاتے۔ مگر جب کہ ان میں اجازت آئی ہو۔ تو پھر ان کی اس طرح تاویل

کی جائیگی کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے مناسب ہو +

(۴) بعض اوقات اللہ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق منوع ہوتا ہے۔ مگر

جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے۔ تو اس کا اطلاق درست

ہو جاتا ہے +

(۵) اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنہ کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ جیسے کہ کہنے

حکم دیا ہے۔ اگر ہم ان اسمائے سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی اوصاف سے

پکاریں۔ تو صرف مدح و جلال کی صفتوں سے پکارا جائیگا۔ اور ہر صفت یا فعل جس کے

ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسوب ہونا جائز ہے، اس کے ساتھ جب ہی پکارا جائیگا کہ

اس میں مدح و جلال کا مفہوم شامل ہو۔ اس بات کو ہم جہاں اس کا موقع آئیگا صاف طور

پر بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ +



# پہلا فن

## ابتدائی باتوں میں

### پہلی فصل

اسم، سنے اور تسمیہ کے معنی

اسم و سنی کے متعلق بہت لوگوں نے غور کی ہے۔ اور سب نے مجد امجد اسلمک اختیار کئے ہیں۔ مگر اکثر نے دعو کا کھایا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اسم ہی سنی ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علاحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، سنی سے مجزا ہے۔ مگر وہ تسمیہ ہی ہے۔ ایک تیسرا گردہ جو الہیات کا کثیر اور بحث و مناظرہ میں نام آور ہے، کہتا ہے کہ اسم کبھی سنی ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے۔ اور کبھی مشتق کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے اور رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق (آفرینش) اور رزق (دروزی سانی) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں۔ کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو سنی کہا جاسکتا ہے اور نہ اس کا غیر۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے۔ یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کی نسبت نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہیں اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہیں +

یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے :-

ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ اسم سنے سے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ سنے ہے۔ اور یہ تینوں اسماء قبائل ہیں

مترادف نہیں +



اظهار حق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جُدا جُدا معنی بتائے جائیں۔ پھر اس قول کا معنی بتایا جائے کہ ”فلاں شے فلاں ہے“ اور اس قول کا معنی کہ ”فلاں شے فلاں کا غیر ہے“ حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس پر کاربند نہ ہونا ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو علم تصدیقی ہے یعنی اُس کو سچا یا جھوٹا کہا جاسکتا ہے۔ اس کے الفاظ ایک قضیہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے۔ جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے لئے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے +

دیکھو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ٹک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لئے لازم ہے کہ پہلے لفظ ٹک کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے۔ پھر ان دونوں وصفوں میں ایک کو ٹک کے لئے ثابت کرنے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے +

اسی طرح ضرور ہے کہ آسم کے معنی، مٹی کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کئے جائیں۔ اور اس کے معنی بھی معلوم کئے جائیں۔ کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شے کی ہوتیت اور غیرتیت کیا ہے۔ تاکہ یہ امر سمجھ میں آ سکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اُس کی غیر ہے +

ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے۔ ایک ذہن میں اور ایک زبان میں خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے۔ ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی و دلیل ہے +

مثلاً سماء (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن اور نفس میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعے سے ہمارے خیالوں میں منطبع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے اور ہم مستلا ہوں، تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہوگی۔ اسی صورت کو علم کہتے ہیں۔ اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معلوم شے کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی مقابل کی



مقابل کی خارجی صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے۔ اور زبانی وجوہ لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے۔ پتلے حصے کو سین۔ دوسرے کو میم۔ تیسرے کو الف اور چوتھے کو همزہ کہتے ہیں۔ اور وہ لفظ سماء ہے۔ پس قول امر ذہنی کی دلیل ہے۔ اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے۔ اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا۔ تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا۔ غرض کہ لفظ علم اور حکوم یہ تینوں قبائض امور ہیں۔ لیکن تینوں متطابق و متوازی ہیں۔ اس لئے بسا اوقات کم فہم انسان ان میں تیز نہیں کر سکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں قیاد کیوں نہ ہو۔ جب کہ ہر ایک کے جدا جدا خواص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یا مور لاحق ہیں۔ کہ وہ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ زندہ ہے۔ مر جاتا ہے۔ چلتا ہے۔ بیٹھتا ہے۔ وغیرہ ذلک اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا۔ یا خبر اور غام یا خاص اور جزئی یا کلی یا قضیہ وغیرہ ذلک بتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی اللسان ہے۔ اس کو یہ باتیں لاحق ہوتی ہیں۔ کہ وہ عربی۔ یا فارسی۔ یا ترکی یا زنگی زبان سے ہے۔ اور کم حروف کھتا ہے۔ یا زیادہ۔ اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مرور یا م بدلتا رہے۔ اور اہل بلاد کی عادات میں متفاو ہو۔ خارجی اور ذہنی وجود مرور یا م یا لوگوں کے عادات سے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔

خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو۔ لفظی وجود کو لو۔ کیونکہ اسی کے متعلق بحث کرنا ہمارا مدعا ہے۔

الفاظ سے مراد حروف مقطعه ہیں۔ جو انسانی اختیار سے بنے ہیں۔ تاکہ اشیا کی ذات پر دلالت کریں۔ یہ حروف مقطعه دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جمادات و لاموضوع ہیں۔ دوسرے وہ جو ثانیہ موضوع ہیں۔

اولا موضوع کی مثال آسمان۔ و رخت۔ انسان وغیرہ ذلک۔ اور ثانیہ موضوع جیسے اسم فعل۔ حرف۔ امر۔ تمی۔ مضارع وغیرہ۔ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لئے ہیں کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیا پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو معنی فی غیر پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا نام حرف ہے۔ دوسرے وہ جو معنی فی نفسہ پر



دلالت کرتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنی کے زمانہ وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ اس قسم کا نام فعل ہے۔ جیسے ضَرَبَ (اُس نے مارا) یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے) دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے۔ ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان۔ زمین۔ پہلے تو اعیان خارجہ پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ وضع کئے گئے۔ پھر اس کے بعد اتم فعل۔ حرف وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کئے گئے کیونکہ الفاظ بھی وضع کئے جانے کے بعد موجود فی الاعیان بن گئے۔ اور ان کی صورتیں ذہن میں منقش ہو گئیں۔ تو وہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو۔ الفاظ کا موضوع بوضع ثالث درجہ ہونا بھی تصور ہو سکتا ہے۔ جتنے کہ اگر اتم کو کوئی مقام پر تقسیم کیا جائے۔ اور ہر قسم کا ایک خاص اسم مقرر کیا جائے۔ تو یہ اتم درجہ ثالث میں ہوگا۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر تقسیم ہوتا ہے۔

اس تمام بیان سے یہ معلوم کراتا مذکور ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے۔ چنانچہ اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے۔ تو جواب یہ ہوگا کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کے لئے موضوع ہو۔ اور اس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کر سکتے ہیں۔ جو اس کو حرف اور فعل سے ممتاز کرتی ہیں۔ مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔ صرف یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنی ہے جو تیسرے درجہ میں ہے۔ اور اس کا وجود زبان میں ہے۔ خارج میں یا ذہن میں نہیں۔

جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو لفظ دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اس کے لئے وضع۔ وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے۔

تو موضوع لہ کو مستثنیٰ کہتے ہیں۔ اور یہ وہ شے ہے۔ جس پر وہ لفظ دلالت کرتا ہے۔ وضع کو مستثنیٰ (نام رکھنے والا) کہتے ہیں۔ اور وضع کو تسمیہ (نام رکھنا) جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اس پر دلالت کرے۔ تو کہا کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ اور اس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ کہتے ہیں۔ کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے کہ آئیے! تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہہ دیتے۔ گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں



میں مشترک ہے۔ کو بظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے +

اسم - نسبتیہ - مُستثنیٰ اور مُستثنیٰ بمنزلہ حرکت - تحریک - مُحرک اور مُحرک کے ہیں - اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں - چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں نقل کرنے پر دال ہے - تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے - مُحرک فاعل حرکت پر - مُحرک اس شے پر جس میں حرکت ہے - بایں لحاظ کہ حرکت فاعل سے صادر ہوتی ہے - یہ مُحرک کی طرح نہیں ہے - جو صرف فعل حرکت پر دال ہے - اور فاعل پر دال نہیں - جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہو گئے - تو اب دیکھنا چاہئے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے - گراں یا کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے فلاں ہونے، اور فلاں شے کے فلاں ہونے، یا فلاں کے غیر ہونے کے معانی سمجھنے لازم ہیں :-

یہ جو ہم کہہ دیتے ہیں کہ فلاں شے فلاں ہے - اس کی تین صورتیں ہیں +  
پہلی صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کسے پانی، قہل ہے - یا شمع، شمشیر ہے - میوہ  
اُن تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے - جو فی نفسہ احد ہوں - گراں کے دو مترادف نام ہوں  
جن کے مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں - صرف حروف کا فرق ہو - ایسے اسماء کو مترادف  
کہتے ہیں +

دوسری صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کسے ساندنی، اونٹنی ہے - یا گول، گھوڑا  
ہے - یہ صورت پہلی سے جدا ہے - اس کے اسماء مترادف نہیں - مختلف مفہوم رکھتے  
ہیں - کیونکہ ساندنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے - اور گول میں  
گھومتے کے ساتھ ساری سے لائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل  
ہے - صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں ہے - اس قسم کے  
اسماء کو متداخل کہنا چاہئے - کیونکہ اونٹنی ساندنی کے مفہوم میں داخل گھوڑا، گول کے مفہوم  
میں داخل ہے +

تیسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کسے برف سفید اور ٹھنڈی ہے -  
اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے - کیونکہ جو سفید ہے وہی ٹھنڈی ہے - یہ صورت



نہایت بعید ہے۔ اور اس کا نتیجہ موضوع کی وحدت ہے جو دو وصفوں سے موصوف ہے۔  
مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے۔

غرض ہمارا یہ کہنا کہ فلاں شے فلاں ہے، ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ جس میں  
ایک طرح سے وحدت ہے۔ کیونکہ اگر وحدت نہ ہو۔ تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فلاں اور فلاں  
ایک ہی چیز ہے۔ اور کثرت نہ ہو۔ تو فلاں شے اور فلاں شے کیونکر کہا جاسکے۔ جو صاف دو چیزوں  
کی طرف اشارہ ہے۔

آپ ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم، سننے ہی ہے جس  
طرح اسمائے مترادف میں کہا جاتا ہے کہ شمشیر، تیغ ہی ہے۔ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔ کیونکہ  
سننے کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جدا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو  
دلالت کرتا ہے۔ اور کئے اور چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے۔ اور وہ چیز کبھی غیر ملفوظ  
ہوتی ہے۔ اور اس لئے اسم عربی۔ ترکی اور فارسی یعنی عرب۔ ترک اور فارس کے لوگوں کا  
بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اور سننے کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اور سننے کے  
متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص آئے  
تو پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب بلتا ہے کہ زید ہے۔ اور جب سننے کی نسبت پوچھا  
تو کہتے ہیں یہ کون ہے۔

اگر کسی خوبصورت شرک کا نام ہنود کا سا (مثلاً مری دھریا کھڑک سنگھ) رکھ دیا جائے  
تو کناٹریگا کہ اسم خراب اور سننے خوب ہے۔  
اگر کسی کا لبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے۔ تو کہا جاسکتا ہے کہ نام ثقیل اور سننے  
خفیف ہے۔

اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور سننے نہیں ہوتا۔ اسم تو کبھی تفادلاً تبدیل کر لیا جاتا ہے۔  
اور سننے تبدیل ہو نہیں سکتا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم سننے سے ملحدہ ہے۔ اگر غور کرو تو ان کے  
سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں۔ لیکن دلائل کا شمار ہی کافی ہے۔ اور کم فہم کے لئے زیادہ  
دلائل بھی زیادتی حیرت کے موجب ہو جاتے ہیں۔



دوسری صورت کے لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ اتم، مشتق ہی ہے۔ ہاں معنی کہ  
 مشتق، اتم سے مشتق ہے۔ پس وہ اس میں داخل ہے جس طرح آؤٹنی، سائنڈنی کے مفہوم  
 میں داخل ہے۔ تو اگر یہ مان لیا جائے۔ تو لازم آتا ہے کہ اتم تسمیہ۔ مشتق اور مشتق ایک ہی  
 چیز ہوں۔ کیونکہ سب کے سب اتم سے مشتق ہیں۔ اور اسم پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ  
 ایک لفظی مفاد ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ حرکت۔ تحریک۔ تحریک اور متحرک سب ایک ہی  
 ہیں۔ اس لئے کہ وہ حرکت سے مشتق ہیں۔ اور یہ بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ حرکت محض جنبش  
 پر دلالت کرتی ہے جس میں محل اور فاعل اور فعل پر کوئی دلالت نہیں۔ تحریک فاعل حرکت پر۔  
 اور متحرک محل حرکت پر دلالت کرتا ہے۔ ہاں بخلاف کہ وہ مفعول ہے، بخلاف متحرک کے کیونکہ  
 وہ صرف محل حرکت پر دلالت کرتا ہے اور اپنے مفعول پر دلالت نہیں ہے۔ اور تحریک فعل  
 حرکت پر دلالت کرتی ہے، بلا فاعل اور محل کی دلالت کے۔ پس یہ سب متبائن حقیقتیں ہیں۔  
 اگرچہ ان سب سے حرکت خارج نہیں ہے۔ لیکن حرکت فی نفسہا ایک خاص حقیقت رکھتی ہے۔  
 جو عقل میں آسکتی ہے۔ پھر اس کی جو نسبت فاعل کی طرف ہے، وہ بھی سمجھ میں آتی ہے۔ اور  
 یہ اضافت ہے جو مضاف سے جدا ہے۔ کیونکہ اضافت دو چیزوں کے درمیان متعلق ہوتی  
 ہے۔ اور مضاف کبھی اکیلا بھی متعلق ہوتا ہے۔ اور اس کی نسبت محل کے ساتھ متعلق ہوتی  
 ہے۔ اور وہ اس نسبت سے جدا گانہ ہے، جو فاعل کے ساتھ ہے۔

بات یہ ہے کہ حرکت کی نسبت اپنے محل کے ساتھ اور اس کی حاجت بدیہی بات  
 ہے۔ اور فاعل کی طرف اس کی نسبت نظری و کسی ہے۔ اس سے دونوں نسبتوں کے  
 وجود کا حکم مراد ہے۔ نہ تصور۔ تو اسی طرح اسم کی دلالت بھی ہے۔ اور اس کا مدلول بھی ہے  
 جس کو تسمیہ کہتے ہیں۔ اور اس کی وضع فاعل محل کا فعل ہے۔ وہ تسمیہ کہلاتی ہے۔ اب  
 یہ مذاقت ایسی ہے۔ جیسے آؤٹنی، سائنڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا، گول کے مفہوم  
 میں داخل ہے۔ کیونکہ سائنڈنی، دراصل آؤٹنی ہے جس کے ساتھ خاص صفت شامل ہے  
 پس آؤٹنی، سائنڈنی میں داخل ہے۔ اور تسمیہ کی کیفیت نہیں ہے کہ وہ اسم کسی صفت سمیت  
 اور تسمیہ ہی اسم صفت سمیت ہے۔ پس اس میں تاویل درست نہیں۔

تیسری وجہ جس کا مطلب کئی صفتوں کا ایک محل میں موجود ہونا ہے۔ وہ بھی دور  
 قیاس ہونے کے علاوہ اتم و تسمیہ میں جاری نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اتم و تسمیہ میں جاری ہو سکتی



ہے۔ ختم کیوں کہا جاسکے کہ ایک ہی چیز اہم اور تسبیہ کہلانے کے لئے موضوع ہے۔  
 جیسے کہ برف کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے۔ ورنہ اس  
 کی وہی مثال ہوگی۔ جیسے کوئی کہے صدیق وہ ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا ہے۔ کیونکہ اس کی تاویل  
 یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اس شخص کی صفت ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا بننے سے منسوب ہے۔ تو  
 فلاں شے فلاں ہے "کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہی ہے۔ حالانکہ دونوں صفتوں کا  
 تباہی یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے۔ ابو قحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور  
 ہے۔ غرض وہ تاویلات اہم و تسبیہ اور اہم و تسمیہ میں حقیقتہً یا مجازاً ہرگز نہیں مل سکتیں  
 جن میں یوں کہا جاسکے کہ "فلاں شے فلاں ہے" ان تاویلات میں حقیقی وہ ہے جو مترادف  
 اسمیں ہوتی ہے۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ، شمشیر ہے۔ بشرطیکہ لغت کی رو سے دونوں  
 لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہو۔ اگر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہئے۔ اور اس کا  
 مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں +

ہاں اس قول میں کہ "فلاں شے فلاں ہے" ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے  
 وحدت ہونی چاہئے۔ اور تمام وجوہ میں سے زیادہ حقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت  
 اور صرف لفظ میں کثرت ہو +

اس لیے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو کھایا گیا۔ اس سے تم کو  
 معلوم ہو چکا کہ اسم، تسمیہ، مستی، یہ تینوں الفاظ تباہی مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے  
 ہیں۔ ان کی یہ نسبت بجائے اس کے کہ "فلاں فلاں ہے" کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ "فلاں  
 فلاں سے غیر ہے" +

تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو تسبیہ ہی ہے  
 دوسرا وہ جو مستی کا غیر ہے۔ تیسرا وہ جو نہ تسبیہ ہے نہ مستی کا غیر +

یہ مذہب نہایت کج زد اور سب سے زیادہ مضطرب ہے۔ ہاں یوں تاویل  
 ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔ اس سے مراد خود اسم نہیں ہے  
 بلکہ اس سے مفہوم اسم مراد ہے۔ اور اسم کا مفہوم اسم سے جدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم  
 مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے۔ اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوئی ہے۔

۱۵ ابو قحافہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باپ کے نام ہے +



پس یوں کہنا صحیح ہو گا کہ اسم کا مفہوم کبھی مسنے کی ذات و حقیقت اور اس کی مابیت ہوتی ہے اور یہ وہ اسماء انواع ہیں۔ جو مشتق نہیں ہیں مثلاً انسان۔ علم۔ بیاض۔ اور جو اسماء مشتق ہیں وہ حقیقت مسنے پر دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ مسنے کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عالم۔ اور کاتب۔ پھر اس کے بعد مشتق کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ایسی وصف پر دلالت کرے جو مسنے میں حال ہو۔ جیسے عالم ابیض وغیرہ۔

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علاحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے۔ مثلاً خالق اور کاتب۔

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو "کیا ہے" کے جواب میں بولا جاتا ہے۔ چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہیں "یہ کیا ہے" اور یوں کہیں کہ "کون ہے" تو اس کا جواب یہ ہو گا کہ "انسان ہے"۔ اگر کوئی یوں کہے کہ "حیوان ہے" تو یہ مابیت کے سوال کا جواب ہو گا۔ کیونکہ مابیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی۔ بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے۔

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں "سفید ہے" یا "طویل ہے" یا "عالم ہے" یا "کاتب ہے" تو یہ جواب ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شے ہے۔ جس میں سفیدی کا وصف ہے۔ کیا معلوم وہ کونسی شے ہے۔ اور عالم کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو۔ اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا فعل کرتی ہو۔ ہاں بطور خود یوں سمجھ جائیں گے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ امور خارجہ کے ذریعے سے سمجھنے کے خاص لفظ کاتب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے۔

اسی طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور پوچھا جائے "یہ کیا ہے" تو جواب ہو گا کہ "سفیدی ہے" اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً "سفید ہے" یا "چمکیلا ہے" تو یہ جواب کافی نہ ہو گا۔ کیونکہ "کیا ہے" کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور مابیت مطلوب تھی۔ اور سفید کوئی مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے۔ اسی طرح چمکیلا کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے۔ غرض یہ تقسیم اسماء کے مدلول و مفہوم میں درست ہے۔ اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اسم کبھی تو ذات پر دلالت کرتا ہے



اور کج جنات کے غیر سچ۔ اور یہ سرسری اطلاق کے طور پر ہوگا۔

چنانچہ ہمارا یہ کہنا کہ ”کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے“ اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کر دی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے جو ”کیا ہے“ کے جواب میں بولی جاتی ہے۔ تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو قلم سے موصوف ہے۔ اور لفظ قلم صرف قلم پر دلالت ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ ”اسم کبھی مسمیٰ کی ذات ہوتا ہے“ دو خرابیاں ہیں۔ اور دونوں کی اصلاح لازم ہے۔ ایک تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہئے۔

دوئم یہ کہ ذات کی جگہ ماہیت ذات کہنا ٹھیک ہے۔  
اب عبارت یوں ہوئی ”مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے۔ اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے“۔

مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے کہ ”خالق مسٹے سے غیر ہے“ تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے) تو صحیح ہے اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مسٹے کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے۔ کیونکہ خالق اسم ہے۔ اور ہر اسم کا مفہوم اس کا مسٹے ہے۔ اگر اس سے مسٹے سمجھ میں نہ آئے۔ تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔ اور خالق، خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے بلکہ خلق اس میں داخل ہے۔ اور کاتب، کتاب کا اسم نہیں ہے۔ اور نہ مسٹے تسمیہ کا اسم ہے۔ بلکہ خالق ذات کا اسم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے۔ اور خالق سے بھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن صرف حقیقت ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ذات اس حیثیت سے کہ اس میں صفت اضافی موجود ہے۔ جیسے ہم باپ کا لفظ بولیں۔ تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے۔

او صاف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اضافی۔ دوسرے غیر اضافی۔ اور ان تمام کے ساتھ ذاتیں موصوف ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے۔ اور ہر وصف میں اثبات ہوتا ہے۔ اور اس لفظ کے مضمون میں اثبات نہیں ہے۔ سو خلق کے۔ اور



خلق، خالق سے غیر ہے۔ اور خالق میں خلق کا کوئی وصف حقیقی نہیں ہے۔ (اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ سسٹے کے غیر کی طرف راجع ہوتا ہے +

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا یہ کہنا کہ اتم سے سسٹے کا غیر سمجھا جاتا ہے، تنقض ہے۔ جیسے کوئی کہے کہ دلیل سے دلیل کا غیر سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ سسٹے سے مراد اتم کا مفہوم ہے۔ تو پھر مفہوم سسٹے کا غیر اور سسٹے مفہوم کا غیر کیونکر ہو سکتا ہے۔ اور قائل کا یہ قول کہ خالق میں خلق کا کوئی وصف نہیں۔ اور کاتب میں کتابت کا وصف ہے۔ ٹھیک نہیں۔ اس امر کی دلیل کہ وہ اس کا وصف کہتا ہے، یہ ہے۔ کہ وہ کبھی اس سے موصوف کیا جاتا ہے اور کبھی اس سے اس وصف کی نفی کی جاتی ہے۔ اور اضافت مضاف کا اس طرح وصف ہے جس طرح بیاض وصف ہے جو مضاف ہو۔ وصف اضافت کا بھی اثبات و نفی کر سکتے ہیں +

چنانچہ جو شخص زید اور بکر کو جانتا ہے۔ پھر یہ معلوم کرتا ہے کہ زید، بکر کا باپ ہے۔ تو ضرور اس نے ایک نئی بات معلوم کی ہے۔ اور یہ شے یا تو وصف ہے۔ یا موصوف ہے۔ اور وہ شے موصوف کی ذات نہیں، بلکہ وصف ہے۔ اور وہ وصف قائم بنفسہ نہیں۔ بلکہ وہ زید کے ساتھ قائم ہے +

پس اضافتیں اوصاف کی قبیل سے ہیں جن کے موصوف مضافات ہیں۔ مگر ان کا مضمون دو چیزوں کے امین قیاس کئے بدون سمجھ میں نہیں آتا۔ اور یہ امر ان کو اوصاف ہونے سے منع نہیں کرتا +

اگر کوئی کہے کہ آئندہ خالقیت کے ساتھ موصوف نہیں۔ تو اس نے کلمہ کفر کہا جس کے یوں کہنا کفر ہے کہ وہ عالمیت کے ساتھ موصوف نہیں ہے +

سائل مذکور اس خط میں بایں باعث پڑا ہے کہ متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض کے زمرہ میں شمار نہیں کی گئی۔ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ عرض کے معنی کیا ہیں؟ تو جواب دیں گے کہ یہ وہ چیز ہے۔ جو محل میں موجود ہے اور قائم بنفسہ نہیں ہے +

علم حکماء کے نزدیک موجودات عالم دس قسم پر منقسم ہیں۔ جن میں سے ایک جوہر ہے جو قائم بالذات ہوتا ہے۔ باقی نو اعراض ہیں جو قائم بالغیر ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ (۱) کم (۲) کیف (۳) اضافت (۴) رن (۵) فعل (۶) انفعال (۷) سسٹے (۸) وضع (۹) اور متکلمین کے نزدیک اضافت اعراض میں شامل نہیں +

مترجمہ



سوال۔ کیا اضافت قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں +

سوال۔ کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب۔ نہیں۔ بلکہ موجود ہے +

سوال۔ اس کی مثال؟

جواب۔ جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے۔ اگر یہ اضافت معدوم ہوتی

تو جہان بھڑوں کوئی باپ ہوتا +

سوال۔ کیا یہ اضافت (یعنی باپ ہونا) قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں +

اب ان کو مجبوراً یہ ماننا پڑیگا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور بنفسہ قائم نہیں۔

بلکہ محل میں قائم ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مراد وہی چیز ہے۔ محل میں موجود ہوتی ہے۔ مگر پھر مگر جائینگے۔ اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کرینگے +

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض آدم ایسے ہیں جن کو نہ سُننے

کہہ سکتے ہیں۔ اور نہ سُننے کا غیر۔ کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کرینگے۔ اور اس کی

نسبت جب غدر کیا جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت

نہیں دی۔ تو کبھی تو یہ جواب بتاتا ہے کہ حق و صدق کی تصریح خاص اذن پر موقوف نہیں

اور کبھی سائل کو ذرا رعایت دیکھاتی ہے۔ اور نگاہ تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے۔

جب کہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے۔ چنانچہ ایک

وقت انسان موجود تھا۔ مگر اس کا علم نہ تھا۔ اور علم کی تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہو +

سوال۔ علم انسان سے غیر ہے۔ لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں

کہ وہ عالم ہے اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا۔ نہ اس سے غیر ہوگا۔ کیونکہ انسان

اس سے موصوف ہے +

جواب۔ یہ سوال کاتب اور قاری میں بھی لازم آتا ہے۔ وہاں بھی کتابت اور بخاری

سے انسان موصوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ نکتہ تفصیل چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا



مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے۔ کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔ اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم سے جدا ہے۔ پس اس جہت سے اس کے غیر ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔ دوسری جہت سے وہ شے فلاں ہے۔ اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے۔ اور یہ یوں ہے کہ جب تم ایک خاص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو۔ اور ساتھ ہی عالم بھی اس کا وصف ہو۔ تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وہی عالم سے موصوف ہے جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے۔ ٹھنڈی اور سفیدی سے موصوف ہے۔ تو اس قیاس سے تو وہ وہی ہے۔ اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔ یہ امر از رو عقل محال ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے غیر ہو۔ جیسے کہ یا مرحال ہے کہ فلاں شے فلاں ہو اور اسی فلاں سے غیر بھی ہو۔ کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور یہ تعادل نفی و اثبات کا ہے۔ پس ان کے درمیان واسطہ نہیں ہے۔

جو شخص نہ کورہ تقرر کو سمجھ چکا اس کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ نے کینے قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے۔ تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی جو ذات سے غیر ہے۔ اور یہ غیریت لفظاً نہیں بولی جاتی تو معنی ثابت ہے۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز تعریف سے خارج ہے۔ وہ اس چیز سے غیر کیوں نہ ہو۔ جو تعریف میں داخل ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ علم کی تعریف بیان کرنے والا جب کہ اس کی تعریف میں قدرت کو داخل ہوتے نہیں دیکھتا تو قدر کر سکتا ہے۔ کہ علم کی تعریف سے قدرت کا نکالنا نامیر لے لئے کچھ مضر نہیں۔ کیونکہ میں نے علم کی تعریف بیان کی ہے۔ اور قدرت علم سے جدا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ میں اس کو علم کی تعریف میں داخل کروں۔

غرض کہ جو شخص اس قول کو تسلیم نہ کرے کہ "جو امر تعریف میں داخل ہے وہ اس سے جدا ہے۔ جو تعریف سے خارج ہے۔" اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے۔



وہ ان لوگوں میں سے ہے۔ جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے۔ مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنی نہ سمجھتا ہو۔ کیونکہ اس کے معنی ظاہر ہیں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ ایسا دعویٰ صرف زبانی ہی زبانی کرتا ہو۔ اور دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو۔ اور سچی اور حقیقی بحث سے یہ متناہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کی جائے۔ بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے دل کو راہ رست پر لا کر حق کا قائل کیا جائے۔ پھر زبان خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو۔

اگر کوئی شخص کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم ہی قسٹ ہے۔ وہ بایں مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کہنا نہ پڑے کہ اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے۔ جس سے یہ ماننا لازم آتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہ تھا۔ کیونکہ اس وقت نہ کوئی لفظ تھا۔ نہ الفاظ ادا کرنے والا تھا۔ اس لئے کہ لفظ حادث ہے۔ اور اللہ قدیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری ضرورت ہے۔ جس کا رفع کرنا آسان بات ہے۔ یعنی کہا جاسکتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی ازل میں ثابت تھے۔ اور اسمائیں تھیں۔ کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں۔ اور تمام زبانیں حادث ہیں۔ یہ قیاس اُن تمام اسمائیں جاری ہو سکتا ہے، جو معنی ذات یا صفت ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ مثلاً قُدُّوس کیونکہ خداوند تعالیٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا۔ اور مثلاً عالم کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عالم تھا۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیا کے تین مرتبے ہیں :-  
ایک تو عیان خارجہ میں۔ اور خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا یہ وجود  
قدامت سے موصوف ہے۔

دوسرا وجود ذہنی میں ہے۔ اور یہ وجود حادث ہے۔ کیونکہ خود ذہن ہی حادث ہے۔

تیسرا وجود زبان پر۔ اور یہ اسماء ہیں۔ یہ وجود بھی حادث ہے۔ کیونکہ زبان حادث ہے۔

ہاں موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے۔ اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو قدیم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے موجود اور عالم ہے۔ اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں۔ اور اس کا وجود فی نفسہ بھی۔ اور اس کا علم بھی



دونو طرح ثابت ہے۔ اور جو اسماء آئندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتانے، اور ان کی زبان پر چڑھانے، اور ان کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں۔ پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے +

تیسرے وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ جیسے خالق، مصور، وہاب، سوان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں :-

ایک گروہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے +  
 دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے +  
 مگر اس اختلاف کی کوئی اصلیت نہیں۔ کیونکہ خالق کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی توازل میں قطعاً ثابت ہے۔ اور دوسرا معنی یقیناً منفی ہے۔ اور اس میں خلائق کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو تو آ رہا حال تیغ بڑاں کہلاتی ہے۔ خواہ غلاف میں پڑی ہو۔ یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو۔ فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ بڑاں بالقوہ ہے اور میدان میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے +  
 پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے، تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی صفت بالقوہ ہوتی ہے۔ اور معدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے۔ کوزے میں اس کے سیراب کن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ معدے میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے۔ اور یہ صفت اُس کی ماثیت ہے +

اور تیغ کے غلاف میں بڑاں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی جزو بدن پر پڑتی ہے اُس کو کاٹ ڈالتی ہے۔ اور یہ وصف اس کی تیزی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کے لئے فی نفسہ کسی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی +

پس باری تعالیٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے جس طرح وہ عالم قدوس وغیرہ ہے۔ اور اسی طرح اب بھی ہوگا۔ خواہ کوئی ان اسماء سے اُس کو موسوم کرے یا نہ کرے +



بحث وجدل میں حصہ لینے والوں کو زیادہ تر اس وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ وہ اسماء کے مشترک کے معنوں میں تیز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان میں تمیز کریں تو اکثر اختلافات رفع ہو سکتے ہیں +

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا اسْمَاءٌ مَّتَّيْتُمْوهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ یعنی نہیں عبادت کرتے تم اس کے سوا لکڑیاؤں کی جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے مقرر کیا ہے۔ اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ جو حروف قطعہ ہیں۔ بلکہ وہ سمتیات کی پرستش کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کا پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں سمجھا سکتا۔ تاوقتیکہ یہ نہ کہے کہ وہ سمتیات کی پرستش کرتے تھے۔ نہ کہ اسماء کی۔ تو اس کے کلام میں اس امر کی تصریح ہوگی کہ اسماء سمتیات سے جدا ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ ال عروبہ سمتیات کو نہیں بلکہ سمتیات کو پوجتے تھے۔ تو اس کا کلام تناقض ہوگا۔ اور اگر یوں کہے کہ وہ لوگ سمتیات کو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے۔ تو اس قول کا مفہوم تناقض نہیں ہوگا تو اگر اسماء ہی سمتیات ہوں۔ تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح تناقض ہوتا +

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ معبودوں کے نام جو انہوں نے بتوں کے لئے مقرر کر رکھے تھے۔ وہ اسماء بلا تسمیٰ تھے کیونکہ تسمیٰ وہ معنی ہے جو اعیان میں ثابت ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس پر لفظ دلالت کرتا ہے اور اعیان میں کوئی معبود موجود نہ تھا۔ نہ ذہن میں معلوم تھا۔ بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع نہ اور معنی کچھ نہ تھے +

جس کا نام حکیم پڑ جائے اور وہ فی الحقیقت حکیم نہ ہو۔ اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش ہوتا ہو۔ تو طنز اُکھا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہاں اسم کے کوئی معنی موجود نہیں ہے +

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم، تسمیٰ سے جدا ہے۔ کیونکہ اس نے اسماء کو تسمیہ سے ملایا ہے۔ اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کو ان کا فعل قرار دیا، اور فرمایا اَسْمَاءٌ مَّتَّيْتُمْوهَا یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور اُن کے نام رکھنے سے پیدا ہو۔ اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے +



اگر کوئی کہے کہ اللہ نے فرمایا ہے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَلَا تُغْنِي عَنِّي پائی سے یاد کر اپنے پروردگار بزرگ کے نام کو؟ اور پائی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے۔ نہ کہ اسم۔ جواب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے۔ اور اہل عرب کے بعض محاورات اسی طرح واقع ہوئے ہیں۔ اس کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ جس میں کاف تشبیہ کے ساتھ لفظ مثل بھی بڑھایا گیا ہے۔ اس میں یہ حجت نہیں ہو سکتی کہ اس میں مثل کا اثبات ہے۔ کیونکہ اللہ نے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ دیا ہے ہی فرمایا ہے، جیسے کہا جاتا ہے لَيْسَ كَوَلَدِي أَحَدٌ جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں کاف نائم ہے۔ یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ احم کے ذریعہ سے حسنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جس سے مسئلے کی تعلیم مراد ہو جس طرح شریف، جناب، حضرت، حضور، درگاہ، سے اشارہ کیا جاتا ہے۔ اور کہا کرتے ہیں۔ امیر کے حضور میں سلام عرض ہے۔ پیرو مرشد کی جناب میں گیا تھا۔ بندہ درگاہ کی یہ التماس ہے۔ جس سے امیر اور پیرو مرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لئے ان امور کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح احم کو جسے کاف غیر ہے، مگر اس کو جسے کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس ہونا چاہئے۔ اور کیوں التباس ہو۔ جب کہ احم کو جسے سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ وَ لِلّٰهِ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول کہ اِنَّ لِلّٰهِ سُبْحَانَہٗ تِسْعًا وَ تِسْعِيْنَ اَسْمًا مَّا شَاءَ اِلَّا وَاحِدٌ مِّنْ اَخْصَانَا دَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ کوئی ان سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائیگا اور کہتے ہیں اگر احم، جسے ہی ہوتا۔ تو جسے کی تعداد (معاذ اللہ ننانوے ہوتی۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ مسئلے ایک ہی ہے۔ پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ احم، جسے کاف غیر ہے +

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اہم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مستثنیٰ۔ جیسے کہ دوسرے فرقہ نے تسلیم کیا ہے کہ اہم سے کبھی تسمیہ بھی مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ دراصل تسمیہ سے غیر ہی ہو۔ اور اس دعوے میں وہ آیت **سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى**



پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں فریق بخوبی استہلال نہیں کر سکتے۔

آن دونوں کا جواب یہ ہے کہ شیخنا مستعد ہوا لا اعلیٰ کا تمام مافیہ و  
ما علیہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ رہا مذکورہ بالا استدلال۔ سو اُن کا یہ جواب کہ "اسم و  
مستے ایک ہی ہیں۔ اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے" غلط ہے جس کے دو سبب ہیں :-  
ایک تو یہ کہ جو شخص اسم و مستے کے ایک ہونے کا قائل ہے۔ اس کو یہ کہنا  
دشوار نہیں کہ یہاں تناوے مستے ہیں۔ کیونکہ اس قائل کے نزدیک مستے سے مراد مفہوم  
اسم ہے۔ اور علیہم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جہا ہے۔ اسی طرح قدوس کا  
مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے۔ اعلیٰ ہذا القیاس تمام سائیں سے ہر اسم کا مفہوم و معنی  
جہا گاہ ہے۔ اگرچہ سب کا نتیجہ ایک ہی ذات کے وصف پر مبنی جا ہوتا ہے۔ تو گویا یہ  
قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا معنی ہے۔ اور دینہ الاثناء الحسنیٰ کے  
معنی میں یوں کہنا ممکن ہے کہ "اللہ تعالیٰ کے لئے اچھے اچھے معنی ہیں"۔ کیونکہ مستی  
معانی ہی ہیں جن میں لا محالہ کثرت ہے \*

دوسرا یہ کہ اسم سے یہاں مراد تسمیہ ہونا غلط ہے۔ کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ تسمیہ کے معنی ذکر اسم یا ذکر وصف کے ہیں۔ اور اسم خواہ ایک ہی ہو۔ اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آجاتی ہے۔ جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور قلم میں کثرت آجاتی ہے۔ خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو۔ پس تسمیہ کی کثرت اسماء کی کثرت کی محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں لہذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں۔ بلکہ اسماء ہیں۔ اور اسماء وہ الفاظ موصوفہ ہیں۔ جو معانی مختلفہ پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اب تاویل میں کج راہی اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ اسم کے تسمیے ہونے کا اعتراف کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اس سلسلہ کی تحقیق میں اسی قدر بحث کافی ہے۔ اگرچہ یہ بحث قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طویل کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا مقصد یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور و خوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے۔ تاکہ طالبانِ حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں۔ \*



## دوسری فصل

اسماء قریب المعنی کا بیان۔ اور اس امر کا ذکر کہ کیا ایسے اسماء مترادف ہونا جائز ہے۔ یا ان کے مفہومات کا مختلف ہونا لازم ہے

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی اور اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنی پر دلالت کرتے ہوں۔ مثلاً کَبِيرٌ اور عَظِيمٌ۔ قَادِرٌ اور مُقْتَدِرٌ خَالِقٌ اور بَارِئٌ مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں خصوصاً جب کہ ایسے دو نو اسم متماثل اسماء میں سے ہوں۔ کیونکہ اسم سے حرف مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ معنی مقصود ہیں۔ اور اسماء مترادف کے بعض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی فضیلت صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنی سے خالی رہ جائے۔ اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں۔ تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ ایک معنی پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں۔ تو اس معنی کو ایسے معنی پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی۔

غرض یہ بات نہایت نادرست معلوم ہو رہی ہے کہ مقصور تعداد کو صرف الفاظ کے تکرار سے پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنی ہوں۔ تو جب ہم دو لفظ متقارب پائیں۔ تو ان کے اندر دو امور میں سے ایک امر ضرور ہوگا۔

ایک امر تو یہ کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک اسم تلافی کی تعداد سے خارج ہے۔ مثلاً اَلْاَحَدُ اور اَلْوَا حِدٌ کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مشہور روایت میں اَلْوَا حِدٌ آیا ہے۔ اور دوسری روایت میں اَلْوَا حِدٌ کی بجائے اَلْاَحَدُ وارد ہوا ہے۔ تو اب اس تعداد کی تکمیل توحید کے معنی سے ہوگی۔ جو خواہ لفظ واحد سے لئے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لئے دو ہوں



کے قانیم مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی ہوں۔ یہ امر میرے نزدیک دراز عقل ہے \*  
 دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے۔ اور  
 اس میں ایک ایسی دلالت ہے جو دوسرے اسم میں نہیں ہے۔ اس کی مثال الْغَافِرُ اور  
 الْغَفُورُ اور الْغَفَّادُ ہیں \*

اگر ان کو تین اسم جدا تسلیم کیا جائے۔ تو کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ غافر صرف اصل  
 مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور غَفُورُ گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت  
 کرتا ہے۔ جتنے کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کو مغفرت کرے اُس کو غفور نہیں  
 کہہ سکتے۔ اور غَفَّادُ تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دلالت ہے۔ یعنی وہ بے دریغ گناہ مغفرت  
 کرتا ہے۔ جتنے کہ جو ذات تمام گناہ بخش دے۔ مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کہنے ہوئے  
 گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفاد کے مستحق نہیں \*

یہی کیفیت غنی اور مَلِک کی ہے۔ کیونکہ غنی وہ ہے جو کسی چیز کا محتاج نہ  
 ہو۔ مَلِک بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو مَلِکِیَا  
 غنی سے زائد معنی پانے گئے \*

اسی طرح عَلِیْمٌ اور خَبِیْرٌ میں امتیاز ہے۔ کیونکہ عَلِیْمٌ وہ اسم ہے جو صرف  
 علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور خَبِیْرٌ امور باطن کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔  
 پس اتنا سا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور ان میں آؤٹنی اور سائنڈنی  
 اور گھوٹے اور کوتل کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے \*

اگر اس قسیم کے بعض اسماء متقارب ہیں ہم ان دونوں مسکوں پر چلنے سے عاجز نہ  
 تو چاہئے کہ کم از کم ان دونوں لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا  
 ہم اعتقاد رکھیں۔ اگرچہ ان کے مابہ الافراق پر کوئی نص ہم کو نہ ملے۔ مثلاً عَظِیْمٌ اور  
 کَبِیْرٌ۔ اب ان میں جو معنوی فرق ہے۔ خدا کے بارے میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔  
 لیکن باہینہ ہم کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ  
 اَلْکِبْرِیَاءُ زِدَّ اِیَّیْ وَ اَلْعَظِیْمَةُ اِذَا دِیْ اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے۔  
 جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ مردہ (چادر) اور اِذَا دِیْ (تہمت) دونوں انسان  
 کے لئے زینت ہیں۔ لیکن مردہ، انہما سے اشرف ہے \*



اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی کلید بنایا گیا ہے۔ اور جو لوگ افہام ناقہ رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ اعظم ان الفاظ کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔  
اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔ چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں میں استعمال کرتے ہیں، جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے اگر یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے۔ تو یقیناً ہر مقام میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرتے۔

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلان اکبر سیٹا من فلان یوں نہیں کہتے کہ اعظم سیٹا۔

اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جدا ہے۔ کیونکہ جلال میں صفات شرف کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلان اجل سیٹا من فلان اور اکبر سیٹا ہی کہا کرتے ہیں۔

اور کہا کرتے ہیں العروس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجل من الانسان۔

غرض یہ کہ اسماء گو محض کی رو سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن مترادف نہیں ہیں۔

قلے الجملہ جو اسماء تثنوے اسماء میں سے ہیں۔ ان میں مرادف محض بعید ہے کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازیں کے خارج نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مفہومات اور معانی مراد ہیں۔ پس یہ ایک اصولی امر ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے۔

۱۵ اس فقرہ میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب پر جرح ہے جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ شافعی المذہب ہیں۔ تو تم



# تیسری فصل

## مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے اَلْمُؤْمِنُ جس سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ آمن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے آمن و امان کا افادہ مراد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پر اسی طرح معمول بحمل عموم کیا جائے جس طرح علیہ کو غیب و آشکارا و رظا ہو باطن کے علم پر حمل کیا جاتا ہے +  
ایسے اسم کو جب لغت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مستیات پر معمول بحمل عموم کیا جائے۔ کیونکہ اہل عرب بحمل کا اسم بول کر اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں۔ اور یہی عموم ہے۔ مگر عین کا اسم بول کر اس سے سورج، اور دینار، اور کفہ میزان، اور چشمہ، اور آنکھ کی بارگی مراد نہیں لیتے۔ اور یہ لفظ مشترک ہے۔ بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اس معنے کی تیز قرینہ سے ہوتی ہے +

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اصول میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اسم مشترک جب مطلقاً وارد ہوا ہو تو اپنے تمام مستیات پر حمل کیا جاتا ہے۔ جس طرح علیم علم پر حمل کیا جاتا ہے۔ تا وقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے +  
یہ روایت اگر صحیح ہے۔ تو بعید ہے۔ بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی جہت سے مبہم ہے۔ تا وقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعیین پر دلالت نہ کرے

قیمتات کو زبان پر لانے سے شرع نے اکثر منع کیا ہے۔ ایسے مقامات میں اسم کا معنے بیان کرنے میں شرع پر مجبور نہ رکھنا چاہئے۔ اور ہر اسم کا وہی معنے لینا چاہئے جو زیادہ قریب ہو۔ باقی کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ اں جب شرع نے کسی نقطہ میں خاص تصرف کیا ہو۔ اور اس کی وضع و تصرف کا یہ نشا ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معانی مراد لئے جائیں۔ چنانچہ اسم مؤمن شرع میں مصدق پر معمول ہو۔ اور لغت کی وضع سے نہیں



بلکہ شرع کی وضع سے اس کے معنی کا فائدہ بھی دے۔ جیسے کہ اسم صلوٰۃ اور صوم شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں جنکی مقتضی وضع لغت نہیں ہے۔ اور یہ امر بعید نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو لیکن اس وقت ایسا نہیں ہو سکتا، جب کہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شیعہ نے وضع کو بدل ڈالا ہو اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا۔

مُصنّفین میں سے جو شخص کہتا ہے کہ "اسمے باری تعالیٰ میں سے کوئی خاص اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔ اور ان میں سے کسی خاص معنی کے ساتھ مخصوص ہونے کی عقلی دلیل موجود نہ ہو۔ تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم مل کیا جائیگا۔ وہ نہایت دور از قیاس بات کا قائل ہے۔ ہاں بعض متقارب معانی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ ان کا تشابہ عموم سے ملتا جلتا ہے۔ پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے۔ جیسے السَّلاَمُ کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس اسم سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے خلقت کی سلامتی مراد ہو۔ پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں۔

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے۔ اور بعض معانی کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کر جاتی ہے۔

اب واضح ہو کہ مجتہد کو تعین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ مناسب ہوتے ہیں جیسے مومن کے معنی "امان دینے والا" جو "ایمان لانے والا" کے معنی کی نسبت اللہ کے حق میں زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات کے لئے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق کریں۔ اس لئے کہ اللہ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے۔

یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی دو اسموں کو مترادف نہ ہونے دے۔ جیسے مُہِیْمِنٌ کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر حمل کیا جاتا ہے کیونکہ نگہبان کے معنوں کے لئے اسم ذَقِیْبٌ وارد ہو چکا ہے۔ اور ترادف بعید ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

یہ بات مجتہد کو تعین معنی پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنی زیادہ ظاہر اور زبیل



سمجھ میں آ جانے والے اور کمال مرح پر زیادہ دلالت کرنے والے ہوتے ہیں \*  
اسمائے باری تعالیٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہئے۔ اور ہر اسم  
سے صرف وہی جداگانہ معنیٰ مراد لینا چاہئے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے  
معنوں کو نظر انداز کیا جائیگا۔ ہاں ہم الفاظ مشترکہ کی تعلیم جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس  
کے کسی اسم میں مختلف اقوال کو ترقی دینا غیر مفید بھی ہے \*

## چوتھی فصل

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ  
جہاں تک ممکن ہو اخلاق الہیہ کا جوگر بنے۔ اور اللہ کے

اسماء و صفات کے معانی سے اپنا باطن آراستہ کرے

واقعہ یہ ہے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معانی سے صرف اسی قدر بہرہ یاب  
ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر پڑھتا ہے  
اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں ان کے معانی موجود ہیں۔ تو سمجھو کہ وہ  
نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے۔ جس کے اس سرایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جاتا  
کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ صرف الفاظ کا سنتا زیادہ سے زیادہ  
قوت سامعہ کی سلامتی کا استدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ  
ایک ایسا رتبہ ہے جس میں جو پائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ اور اسماء لغوی و صنع کو  
سمجھنا صرف عربیت جاننے کا استدعی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک  
ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے \*

ہاں یہ اعتقاد کہ ان اسمائے معنی اللہ کے لئے ثابت ہیں۔ سوجب یہ اعتقاد کشف  
کے بغیر ہو۔ تو صرف ان الفاظ کے معنی سمجھنے اور ان کی تصدیق کرنے کا استدعی ہے



یہ ایک ایسا رتبہ ہے جس میں عام لوگ بلکہ ایک پچھلی شریک ہے۔ کیونکہ جب اس کو فیضانِ نسا کران کے معانی سمجھانے جائیں۔ تو وہ سمجھ جائیگا۔ اور ان پر دل سے یقین کر لیگا۔  
 آہ تو اور اکثر علما کا درجہ بھی یہی ہے۔ اس جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں درجوں میں ان کے شریک ہیں، جو فضیلت ہے اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ معراج کمال تک پہنچنے میں یہ ایک بھاری نقص ہے۔ کیونکہ حسناتُ الأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُفْرِیْثِینِ یعنی "نیک لوگوں کی نیکیاں مقربوں کی شان کے لئے بڑائیاں ہیں"۔

اس لئے باری تعالیٰ میں سے مقربین کا حصہ تین امور ہیں :-

**اول :-** ان اسرار کے معانی کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر سمجھنا۔ تاکہ ایسی دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں۔ جس میں خطا ممکن نہ ہو۔ اور ان صفات سے اللہ کا موصوف ہونا ان پر اس طرح منکشف ہو جائے جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے۔ جو اس کو احساسِ ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔  
 اب دیکھو اس مذکورہ اعتقاد میں اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے۔ جو والدین کی تربیت اور استادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ مباحثانہ دلائل بھی شامل ہوتے ہیں۔

**دوم :-** مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا۔ جس سے ان کو خود ان صفات سے حقے الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جائے۔ تاکہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالامکان بلکہ بالصفۃ خدا کے قریب ہو جائیں۔ اور اس اتصاف کے ساتھ ملائکہ مقربین سے مشابہت پیدا کر لیں۔ اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے۔ تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اور اس جمال و جلال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اگر یہ سعادت کمال طور پر حاصل ہونی ممکن ہو۔ تو کمال طور پر وہ نہ بقدر امکان ضرور شوق پیدا ہو۔ اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس وصف کے اوصاف جلال و کمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو۔ یا دل کسی دوسرے شوق میں ڈوبا ہوا ہو۔  
 چنانچہ شاگرد جب اپنے استاد کو علم میں کمال دیکھتا ہے تو اس کو شوق براہِ گنجتہ کرتا ہے



کماں کے ساتھ قنایہ پیدا کرے۔ اور اس کے قدم بہت دم چلے۔ ہاں مثلاً جب اس کو سخت جھوک ملے ہو۔ تو اس وقت ایسا شوق غالب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے شوق میں مستغرق ہونا، ظلم کے شوق کا مانع ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صفات باریتیا کے مشاہدہ کرنے والے کا دل اسوے اللہ کے خیال سے بالکل خالی ہو۔ کیونکہ معرفت کا تخم شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ صاحبِ دل خواہشات کے خار و خس سے پاک ہو۔ ورنہ تخم بار آور نہیں ہوگا۔

سوم۔ مقربین کا تیسرا حصہ یہ ہے کہ کسی ممکن حد تک ان صفات کو حاصل کریں۔ اور ان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں۔ جس سے بندہ ربانی یعنی رب کا مقرب بن جاتا ہے۔ کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملائے اعلیٰ کا رفیق ہو جاتا ہے۔ جو مقربانِ درگاہ الہی ہیں۔ پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ نہ کچھ شہادت پیدا کر لیتا ہے۔ وہ اس مشابہت کی مقدار موافق حق تعالیٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

سوال۔ صفاتِ خدا کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے۔ جس کو مانتے ہوئے دل کتراتا ہے۔ لہذا اس مسئلے پر زیادہ روشنی ڈالئے۔

جواب۔ غالباً یہ امر تم سے اور اوسط درجہ کے کبھی عالم سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کامل دوسری ناقص۔ کامل ناقص سے اشرف ہے۔ اور چونکہ کمالات کے درجات متفاوت ہیں۔ اور تمہائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے۔ جس کے کمال مطلق اس کے سوا اور کسی کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسری موجودات کے کمالات ایک دوسرے کی نسبت متفاوت ہیں۔ جس کا کمال جتنا زیادہ ہے، اتنا ہی زیادہ اس ذات کے قریب ہے۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہے۔ اور قرب سے مراد رتبہ اور درجہ مراد ہے۔ نہ کہ مکان۔ پھر موجودات ایک اور اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک زندہ۔ دوسری بیجان اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بیجان کی نسبت اشرف و اکمل ہے۔ اس کے بعد یاد رکھو کہ زندگی کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ ملائکہ کا۔ دوسرا انسان کا۔ تیسرا بہائم (چوپاؤں) کا۔ زندگی کے صحیح مفہوم کا لحاظ کیا جائے۔ تو اس میں بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔ کیونکہ زندہ (حتیٰ) وہ چیز ہے، جو مادہ پاک اور فعل صادر کرنے والی ہو۔ اور بہائم کے ادراک میں بھی نقص ہے اور ان فعل میں بھی نقص ہے۔



بہائم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حواس میں مقصور ہے۔ اور جو اس کا ادراک غیر متعلیٰ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ انہیں شبہا کا ادراک کر سکتے ہیں، جو دیکھنے، یا سونگھنے، یا سننے، یا چکھنے، یا ٹٹولنے سے محسوس ہو سکیں۔ اور پھر ساتھ ہی قریب بھی ہوں۔ اگر یہ اشیا اس لئے موجود نہ ہوں، تو آلات حس بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں +

بہائم کا فعل اس لئے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضایں محسوس اور ان میں عقل بھی نہیں۔ جو شہوت و غضب کو روکے +

لانگہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے۔ اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں حرکات کے قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کا ادراک صرف ان اشیا پر موقوف نہیں ہے جن میں قرب و بعد تصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیا اجسام ہوتے ہیں۔ اور اجسام تمام موجودات میں سے خفیس ہیں۔ نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیات سے پاک ہے۔ پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے۔ جو شہوت و غضب سے برتر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہے +

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے۔ گویا وہ بہیمیت (چارپایوں کی صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمیت غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو محض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتا ہے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کے لئے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حس و حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کئے بغیر اور قرب طلب کئے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بعد کو قبول نہیں کرتے۔ غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے اپنے مقتضائے موافق غلبہ دکھاتے ہیں۔ پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان ہوائیہ کے ادراک سے مانوس ہو جائے۔ جو حس اور خیال کی نسبت سے بالا ہیں۔ تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور عقل ہے۔ اور یہ



دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں۔ انسان ان صفتوں میں جوں جوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائیگا۔ توں توں درجہ ہیئت سے دور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائیگا۔ اور یہ درجہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے۔ اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے +

سوال۔ اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اور بندوں کے درمیان نسبت قائم ہے۔ کیونکہ جب وہ اُس کے اخلاق اپنے وجود میں پیدا کر گیا تو اُس کے مشابہ ہو جائیگا حالانکہ یہ امر عقلاً و شرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے نہ کوئی شے اُس کے مشابہ ہے؟

جواب۔ جب تم اس مماثلت کا معنی سمجھتے ہو۔ جو خدا کی ذات سے بعید + تو تم یہ بھی سمجھتے ہو گے کہ خدا کی کوئی مثل نہیں۔ مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ دو ضدیں باہم مماثل نہیں ہوتیں! وہ ان کے درمیان ایک ایسا بعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بُعد خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔ پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشارک ہوتی ہیں۔ مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور آنکھوں سے محسوس ہونے میں اور اس کے سوا اور بہت سی باتوں میں باہم مشارک ہیں +

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود لافی مکان اور سمیع، بصیر، عالم، مرید، متکلم، حتی، قادر اور فاعل ہے۔ اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ تو کیا وہ خدا کو بندہ سے مشابہ کر کے اس کی مثل قرار دیتا ہے۔ حاشا وکلا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتیں۔ کیونکہ سب کی سب کم از کم وجود میں تو باہم مشارک ہیں۔ بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ماہیت کی مشارکت ہے۔ پس گھوڑا اگرچہ سمجھ میں فائق ہے، مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نوع میں اس کے مخالف ہے۔ سمجھ میں وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے۔ ایک عرض ہے۔ جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے +

خاصیت الہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجود بذاتہ ہے، جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے۔ اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ اور اگر بندہ کی بعض صفات حاصدہ کے نام ایسے ہیں جو خدا کی خاصیت کے نام



ہیں۔ تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔ مثلاً وہ سمیع، بصیر، عالم، قادر، حتیٰ اود فاعل کے اور بندہ بھی سمیع، بصیر، علم، قدرت، زندہ گی، اود فعل سے موصوف ہوتا ہے بلکہ خاصیت الہی خاص اللہ کے لئے ہے۔ اور اس کو اللہ ہی جانتا اور پہچانتا ہے۔

یہ بات خیال میں بھی نہیں آسکتی کہ اس کے سوا یا معاذ اللہ اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس خاصیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کی مثل کوئی نہیں۔ تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا ہے کہ لَا يَعْرِفُ اللّٰهَ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰی یعنی ”خدا کو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا“

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا۔ اب آپ کا جی کیا چاہتا ہے۔ فرمایا تیرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پیشتر خدا کو پہچان لوں خواہ ایک لمحہ بھر کے لئے۔

اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات اٹھ اٹھتی ہیں۔ اور ان کو نفی و تعطیل کا وہم و گمبہ ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔ ہم اس بات کو سمجھاتے ہیں۔ سنو!

اگر کوئی کہے کہ ”میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتا“ تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر کہے کہ ”میں خدا کو نہیں پہچانتا“ تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی و اثبات اکٹھے صادق نہیں آتے۔ بلکہ ایک صادق آسکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا اثبات کا کاذب ہو جاتا ہے۔ وبالعکس۔ لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو۔ تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی کسی سے پوچھے ”کیا تم ابو بکر صدیق کو جانتے ہو“ اور وہ یوں جواب دے کہ ”صدیق من ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہ جانتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو ایسے مشہور و معروف بزرگ کو نہ جانتا ہو۔ جن کا نام شہرہ آفاق ہے۔ مبروں بد انہیں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں پر انہیں کی طرح جاری ہے۔“ تو اس کا جواب صحیح ہوگا۔

اور اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے ”کیا تم حضرت صدیق رضی اللہ عنہ



کو جانتے ہو۔ اور وہ یوں جواب دے کہ ”آہ! میں کون ہوں، جو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو جان سکوں؟“

### چسبت خاک را با عیال پاک

صدیق رضی اللہ عنہ کو وہی جانے، جو صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔ میرا یہ دل گروہ کہاں کہ اُن کی تعریف کرنے یا اُن کی تعریف کے خواہشمند ہونے کی ہمت کر سکوں مجھے جیسے ناچیز تو ان کا نام ہی نام یا ان کی صفات سن سکتے ہیں۔ اگر ان کی معرفت کا دم مایں تو یہ محال ہے۔ اس شخص کا کہنا بھی بجا سمجھا جائیگا جس کی وجہ تعظیم و احترام ہے۔ اسی طرح اس شخص کا قول بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو جانتا ہوں اور اُس کا قول بھی جو کہتا ہے ”میں خدا کو نہیں جانتا“

بلکہ اگر تم کسی عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم نہیں جانتے ہو؟ اور وہ جواب دے کہ ”نہیں“ تو اس کا جواب درست ہے۔ اور اگر یوں جواب دے کہ ”ہاں جانتا ہوں۔ اس کا لکھنے والا انسان زندہ، قادر، سمیع، بصیر، تندرست، والا اور لکھ سکے والا ہے۔ جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں۔ تو میں اس کو کیوں جانوں؟ یہ جواب بھی بجا ہے۔ لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ ”نہیں میں اس کو نہیں جانتا، کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا۔ اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکور عاقد صاف ہوں۔ اور خود کاتب کو نہیں جانتا۔ اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ انتظام اور محکم عالم ایسے صالح کا محتاج ہے، جو مدبر، حتی، عالم اور قدیر ہو۔ اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو عالم کے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے۔ وہ سر پہلوا اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اس کا مطلب اسما سے باری تعالیٰ ہیں۔ جو ایسی صفات سے شتق ہیں۔ جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں۔“

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے۔ تو اسما سے شتق اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے۔ چنانچہ کسی حیوانی وجود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے کہ ”لمبا ہے۔ سفید ہے۔ یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے۔“



یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے کہ "ٹھنڈا  
ٹھنڈا ہے۔ یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے  
گرم گرم ہے۔ تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رُو سے جواب نہیں ہیں۔ کسی چیز کی ہر  
جہی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جائے۔ نہ کہ صرف شوق  
چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ منہ رکھتا ہے کہ ایک ٹہم شے حرارت سے موصوفے  
اسی طرح ہمارے عالم و قادر کہنے کے یہ معنی ہیں کہ ایک ٹہم شے کو علم و قدرت کا وصف  
حاصل ہے۔

سوال۔ تو ہمارے اس قول سے کہ "وہ واجب الوجود ہے جس سے تمام ممکن الوجود  
اشیاء ظاہر ہوئی ہیں؟ اس کی حقیقت مراد ہے؟

جواب۔ توبہ، توبہ واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور  
اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلب سبب ہے۔ اور ان تمام ممکن الوجود اشیاء  
کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ اور اگر یہ  
سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور ہم جواب دیں کہ وہ فاعل ہے۔ یا "وہ جس کی کوئی علت  
نہیں ہے" تو یہ جواب نہیں بن سکتا۔ پھر یہ جواب کیونکر کافی ہو سکتا ہے کہ "جس کی کوئی  
بھی علت نہیں" کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں۔ اور ان کا مدعا  
صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے۔ اور یہی اسما۔ صفات اور  
اضافت ہیں۔

سوال۔ تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب۔ یہ سوال ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع  
کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے۔ تو ہم اس کو یوں جواب دیتے کہ اس کی دو صورتیں  
ہو سکتی ہیں۔

ایک تو یہ کہ تم کو اس کا وصف سنا دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو۔ جب تم میں قوت شہوت  
پیدا ہو جائے۔ اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شوہرانہ برتاؤ کر کے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔  
یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے۔ جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ پہلے طریقہ



میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک توہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب شہوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی شحاس کے مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ وہ توہم جو اس کے متعلق تھا، ٹھیک تھا۔ ہاں اتنی بات مان لیتا ہے کہ اس کے متعلق جو یہ سنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بینظیر لطف ہے۔ تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی +

اسی طرح ہاشد تعاکس کی معرفت کے دو طریق ہیں۔ ایک تو قاصر ہے۔ دوسرا مستند ہے +

قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسما و صفات کا ذکر کریں۔ اور اپنے متعلق جو صفات ہم کو معلوم ہیں۔ مثلاً ہم قادر ہیں۔ عامل ہیں۔ زندہ ہیں۔ متکلم ہیں۔ ان پر قیاس کر کے اس نوع کی کامل صفات سے اس کو موصوف سمجھیں۔ جس طرح پیدایشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جلع کی لذت سمجھائی جائے۔ گو ہماری قدرت۔ عمل۔ حیات۔ کلام وغیرہ اس خدا کی قدرت و عمل و حیات و کلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں۔ اور دونوں میں کچھ بھی مشابہ نہیں ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسی مشارکت ہے۔ کیونکہ ہمارا اندعا یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لئے کوئی ایسی لذت پیش کریں۔ جس کو وہ محسوس کرتا ہو۔ جیسے کسی کو میٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیذ ہوتی ہے۔ اور اس کو کھاتے وقت خاص مزا آتا ہے۔ اور پر لطف حالت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہیگا۔ ہاں۔ پھر ہم اس کو کہیں گے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے۔ تو کیا آپ کے نزدیک اس تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائیگی۔ جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے۔ عا شاہ کلام۔ بلکہ اس وصف سے مدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسی مشارکت سمجھانا ہے۔ ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ توہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر علی الجملہ پر لطف ہے۔ تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی شحاس سے تشبیہ دیا جاتی ہے۔ لیکن تشبیہ کو ہم اس طرح قطع کر سکتے ہیں کہ کہیں گے تشبیہ شئی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے وہ حتی (زندہ ہے) مگر دوسرے احوال (زندوں) کی طرح نہیں۔ اور وہ قادر ہے مگر دوسرے



قادروں کی مثل نہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ جملہ شکر کی طرح لذیذ ہے۔ مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ ہاں اتنی مشارکت ہے +

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سچی۔ قادر اور عالم ہے تو ابتداءً ان معنوں کو اپنے پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ایک سپیداشی بہرہ، خدا کے یسوع ہونے کا معنی معلوم کر سکتا ہے۔ اور اسی لئے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم کیونکر ہوتا ہے۔ تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے۔ تو ہم جواب دینگے کہ جس طرح تجھ کو قدرت حاصل ہے +

غرض کوئی شخص جیسی ایک نئی بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے۔ جب کہ خود اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود ہو۔ پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے۔ پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھتا ہے +

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف و خاصیت ہو۔ جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مشابہت اور مشارکت نہ ہو۔ اگر ہو تو صرف اسی مشارکت پر خواہ ایسی ہی مشارکت ہو۔ جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے۔ تو اس کا سمجھنا ممکن ہے +

پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انہیں پر خدا کی صفات کو قیاس کرتا ہے۔ جس کی صفات مشابہت سے پاک ہیں۔ تو اس کی یہ معرفت بالکل قاصر ہے جس پر ایہام و شبہ غالب ہے۔ پس اس کے ساتھ یہ معرفت شامل ہونی چاہئے۔ جس میں مشابہت۔ اصل مشابہت اور مشارکت فی الاسم بالکل ختمی ہوں +

اللہ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر ہے۔ اس کو تمام صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں۔ حتیٰ کہ وہ خود رب بن جائے۔ جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے۔ اور یہ طریقہ مسدود اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کے سوا ایسی حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے۔ ورنہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا۔ اور وہ قطعاً مسدود ہے +

عرض خدا کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی دوسرے کو حاصل ہونی محال ہے۔ بلکہ



میں تو کہتا ہوں کہ نبی کی معرفت بھی نبی کے سوا اہل حال میں ہو سکتی۔ جو شخص نبی نہیں ہے وہ نبی کا نام ہی نام جانتا ہے۔ اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے۔ اس خاصہ سے مطلع نہ کیا نبی ہی ہو سکتا ہے۔ بلکہ میں اس پر بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور بہشت و دوزخ کی حقیقت مرنے یا بہشت و دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کرے گا۔ کیونکہ بہشت سے مراد اسباب لذت ہیں۔ اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ دیکھی ہو۔ تو اس کو بہشت کا مضمون اس طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے اور دوزخ سے مراد درد و رساں امور ہیں۔ تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو۔ تو اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا از حد مشکل ہے۔ ہاں اگر اس نے کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو۔ تو ہم اس کو تکلیف سے کئی گنا تکلیف بتا کر دوزخ تصور کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کھانے پینے میں شائستگی اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھیں ہوں۔ تو اس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام لذتوں سے بہت ہی بڑی لذت کا نام بہشت ہے۔ اگر بہشت کی لذت ان لذتوں کے مخالف ہو۔ تو اس کے سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ نیز کہ ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں کہ لذت شکر کی مثال سے لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ اور بہشت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں۔ بلکہ وہ ایسی لذتیں ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا۔ کسی کان نے نہیں سنا۔ اور کسی بشر کے دل میں ان کا خیال بھی نہیں گذرا۔ اگر ہم ان کو مزیا رکھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی کہ لینا پڑتا ہے کہ ان لذتوں کو بہشت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور۔ تو لوگ ہمارے اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسمائے سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی۔ حالانکہ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو بہشت کے نام اور سنی سنانی تعریفوں کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا یہی حال ہے جس کا انسان نے نام اور معرفت ہی سنی ہو۔ اور اس کو چکھا یا محسوس نہ کیا ہو +

سوال۔ عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے؟

جواب۔ عارفین کی انتہائی معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز آجائے ہیں۔ اور ان کی حقیقی معرفت یہ ہے کہ وہ اس کو پہچان نہیں سکتے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ



خدا کے سوا کوئی اور ذات خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفات ربوبیت کے حقیقی اسرار سمیت پہچان سکے۔ پس جب یہ بات ان کو انکشاف برائی کے ذریعہ سے معلوم ہو جائے۔ تو گویا انہوں نے خدا کو پہچان لیا، یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے جو مخلوق کے لئے ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان نفوس میں اشارہ کیا ہے کہ ”اور اک کے اور اک سے عاجز آ جانا بھی لگتا ہے“ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی مراد ہے کہ ”لَا أُخَصِّي شَاءَ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَشِيتَ عَلَى نَفْسِكَ“ یعنی ”میں تیری پوری پوری تعریف نہیں کر سکتا، جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔“ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو خدا کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہے جس کے ادا کرنے کے لئے لفظ نہیں ملتے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں تیرے عباد اور صفات الہیت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے۔ اس لحاظ سے کسی مخلوق کو اس کی حقیقت ذات کے ملاحظہ کا حقہ نہیں ملا۔ اور اتساع معرفت صرف اس کی صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے +

سوال۔ تو پھر ملائکہ، انبیاء اور اولیاء کے خارج معرفت میں فرق کس کا ہے؟

جواب۔ ہم بتا چکے ہیں کہ معرفت کے دو ہی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حقیقی ہے جو اللہ کے سوا اور سب کے حق میں محدود ہے۔ جو کوئی اس کو محال کرنے کی جرأت کرتا ہے جلالِ ایزدی اس کو حیران کر دیتا ہے۔ اور ہیبت الہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے +

دوسرا طریقہ جس سے مراد اسماء و صفات کی معرفت ہے۔ یہ مخلوق کے لئے عام ہے۔ اور اس میں مخلوق کے خارج تفاوت ہیں۔ پس جو شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قالم و قادر ہے۔ وہ اس شخص کی ریس نہیں کر سکتا۔ جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے ان کے اپنے مظاہر میں ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے ملک کی عجائبات اور اس کی حیرت انگیز صنعتوں پر نظر ڈالتا ہے۔ اس کی حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں سے اور اپنے اندر پیدا کرتا ہے جو خدا کے مقرب ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں وَلَيْتَهُ الْمَثَلُ الْآخِلَ +

تم جانتے ہو کہ ایک عالم و متقی کامل مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کو، ان کا



دربان بھی جانتا ہے۔ اور ان کے شاگرد مرنی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی جانتے ہیں۔ دربان تو صرف اس قدر جانتا ہے کہ وہ شرع کے ایک عالم ہیں۔ اور لوگوں کو مسائل بتاتے ہیں۔ اور مرنی رحمہ اللہ کو جانتے ہیں۔ تو ان کا جانا دربان کے مشابہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ پوری پوری معرفت اور تفصیلی صفات و مخلوقات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں +

بلکہ جو عالم دس قسم کے علوم بخوبی جانتا ہے۔ اُس کو اس کا وہ شاگرد بھی اچھی طرح جانتے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جو صرف ایک علم میں اُس کا شاگرد ہے۔ اور اُس کا وہ خادم جس نے اُس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں۔ بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد ہے۔ اُس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دو سوال حصہ معلوم ہے۔ بشرطیکہ اس ایک علم میں بھی اس کے برابر ہو۔ ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہوا۔ تو گویا وہ بھی اس کو بخوبی نہیں پہچانتا۔ بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے +

اسی طرح خدا کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی خدائی کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اسی قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے۔ اور اس کی معرفت اسی قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے +

سوال۔ جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے۔ تو کیا اسما و صفات کی پوری پوری معرفت بھی حاصل ہے یا نہیں؟

جواب۔ یہ بھی نہایت بعید ہے۔ خدا کی صفات و اسما کا حقیقی اور کامل علم بھی خود اسی کو ہے۔ اس لئے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو ہم کو ایک شہم شے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا جانتے ہیں کہ اس میں علم کی صفت موجود ہے۔ اگر ہم اس کی صفت علم کی پوری حقیقت جانتے ہوتے تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پورا پورا علم حاصل ہوتا۔ ورنہ نہیں۔ مگر اللہ کے علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی موصوفیت بالعلم کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور اگر کوئی سمجھتا ہے، تو اپنے علم پر قیاس کر کے سمجھتا ہے۔ جیسے کہ ہم شکر کی مثال میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا۔ پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات و صفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اگر ہے تو تشبیہی و الہامی ہو سکتی ہے +



اوپر کے بیان سے تم کو متعجب نہ ہونا چاہئے۔ دیکھو ایک جادوگر کو خود اس کا دل ہی جانتا ہے۔ یا کوئی دوسرا اس سے بڑھ کر یا برابر کا جادوگر جان سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے۔ وہ تو جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے۔ یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے۔ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے۔ ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت گونہم ہے مگر علوم کی قسم سے ہے۔ اور اس کا ثمرہ تغیر قلوب اور تبدیل اوصاف اور زن و شوہر میں تفرق اندازی ہے۔ مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھیں گا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر (جادو) کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے شتق ہے۔ اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی نامعلوم ہوگا۔ اور اگر وہ معلوم ہے، تو یہ بھی معلوم ہوگا۔ اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے۔ مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔

اسی طرح ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الہی ہے جس کا ثمرہ اور اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قدرت اس پر منطبق ہے۔ کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ ہی طرح نسبت رکھتی ہے جس طرح جماع کی لذت شکر کی لذت کے ساتھ نسبت رکھتی ہے۔ اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے بالکل علوہ ہے۔ ہاں بندہ جس قدر خدا کی مقدرات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائیگا۔ اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہرہ یاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے استاد کے علم کی جس قدر تفصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا ذہن خدا کے جن معلومات تک پہنچ نہیں سکتا، ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور جن تک پہنچ سکتا ہے، ان کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ موجودات متناہی ہیں۔ لیکن وہی کے علم کی کوئی انتہا نہیں۔ ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے۔ اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسے مارج قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ اور اسی



تفاوت سے لوگوں کی معرفت تفاوت ہے۔ اور یہ تفاوت یہاں ہے۔ جیسے مال کی کثرت و قلت کے باعث غنا میں تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے۔ اور دوسروں کے پاس ہزاروں روپے ہیں۔ یہی حال علوم کا ہے۔ بلکہ علوم کا تفاوت سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور اموال جسام میں جن کی انتہا مسلم ہے +

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکر تفاوت ہے۔ اور اس تفاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ قول کہ ”اللہ کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا“ بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ ”میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا“ کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو نظر اسی پر متوجہ رہیگی۔ اور ان کو اس حیثیت سے دیکھیگی کہ وہ آسمان یا زمین یا درخت یا پہاڑ ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اس کی صنعت کا نمونہ ہیں۔ پس اس کی معرفت درگاہ خداوندی سے باہر نہیں جاتی۔ اور وہ کہہ سکتا ہے کہ ”میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا“ اور ”میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا“ +

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سورج کو اور اس کے نور کو جو دنیا بھر میں پھیل رہا ہے دیکھتا ہے۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ”میں سورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا“ کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے، اس سے خارج نہیں ہے۔ پس تمام موجودات قدرت ازل کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔ اور جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے +

اسی طرح وہ معنی جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ضرورتاً قدرت ازل سے موسوم کیا گیا۔ اور وہ اس وجود کا سرچشمہ ہے۔ جو ہر موجود پر فائز ہوا ہے۔ لہذا حقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے +

پس عارف کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ اور عجیب تر یہ کہ اگر کہے کہ خدا کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی + تو بھی صحیح ہے +

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے۔ دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجود



کی ضرورت میں دو تناقض قول غیر صحیح ہوتے۔ تو سوا ذالہ! اللہ کا یہ قول صحیح نہ ہوتا کہ مَسَا

وَمَيِّتٌ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَحِيْمٌ۔ حالانکہ وہ صحیح ہے کیونکہ رَا ہمارے

(پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بند ہے

منوَب ہے، دوسرے لحاظ سے رب سے منوَب

اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ \* \* \*

آب ہم اپنے سمند بیان کی باگ روکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایسے میدان میں

اُپڑے۔ جس کی انتہا نہیں ہے۔ اور اب

اسماء الحسنیٰ

کے معانی کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔ \*

— — — — —

۱۵ یعنی نہیں کنکراں پھینکیں تو نے جب کہ پھینکیں۔ مگر اللہ نے پھینکی تھیں۔ \*



# دوسرا فن مقاصد میں

## پہلی فصل

اللہ کے نود نہ نام کی شرح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالیٰ کے نام ننانویں یعنی ایک کم سو ہیں۔ کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ جو کوئی ان ہارے اسماء کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۶	۵	۴	۳	۲	۱		
هُوَ اللَّهُ	الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ	الْوَاحِدُ	الْحَمِيدُ	الْمَلِكُ	الْقُدُّوسُ	السَّلَامُ	
۱۴	۱۳	۱۲	۱۱	۱۰	۹	۸	۷
الْمُؤْمِنُ	الْمُحِیْمُ	الْعَزِيزُ	الْجَبَّارُ	الْمُتَكَبِّرُ	الْخَافِضُ	الْبَارِئُ	الْمُصَوِّرُ
۲۲	۲۱	۲۰	۱۹	۱۸	۱۷	۱۶	۱۵
الْغَفَّارُ	الْقَهَّارُ	الْوَهَّابُ	الزَّافِقُ	الْفَتَّاحُ	الْعَلِيمُ	الْقَابِضُ	الْبَاسِطُ
۳۰	۲۹	۲۸	۲۷	۲۶	۲۵	۲۴	۲۳
الْخَافِضُ	الرَّافِعُ	الْمُعِزُّ	الْمُذِلُّ	السَّمِيعُ	الْبَصِيرُ	الْحَكَمُ	الْعَدَلُ
۳۸	۳۷	۳۶	۳۵	۳۴	۳۳	۳۲	۳۱
اللطيفُ	الخبيرُ	الخبيرُ	الخبيرُ	الخبيرُ	الخبيرُ	الخبيرُ	الخبيرُ
۴۶	۴۵	۴۴	۴۳	۴۲	۴۱	۴۰	۳۹
الْحَفِیْظُ	الْمُقِیْتُ	الْحَسِیْبُ	الْجَلِیْلُ	الْكَرِیْمُ	الرَّقِیْبُ	الْمُجِیْبُ	الْوَاسِعُ



۵۴	۵۳	۵۲	۵۱	۵۰	۴۹	۴۸	۴۷
الْحَكِيمُ	الْوَدُودُ	الْمُحَمَّدُ	الْبَاحِثُ	الشَّهِيدُ	الْحَقُّ	الْوَكِيلُ	الْقَوِيُّ
۵۵	۵۶	۵۷	۵۸	۵۹	۶۰	۶۱	۶۲
الْمُتَيْنُ	الْوَلِيُّ	الْحَمِيدُ	الْمُحْصِي	الْمُبْدِي	الْمُعِيدُ	الْمُحْيِي	الْمُمِيتُ
۶۳	۶۴	۶۵	۶۶	۶۷	۶۸	۶۹	۷۰
الْحَيُّ	الْقَيُّومُ	الْوَاحِدُ	الْمَلِكُ	الْقَادِرُ	الْمُقْتَدِرُ	الْمُقْتَدِرُ	الْمُقْتَدِرُ
۷۱	۷۲	۷۳	۷۴	۷۵	۷۶	۷۷	۷۸
الْمُقَدِّمُ	الْمُؤَخِّرُ	الْأَوَّلُ	الْآخِرُ	الظَّاهِرُ	الْبَاطِنُ	الْوَالِي	الْمُتَعَالَى
۷۹	۸۰	۸۱	۸۲	۸۳	۸۴	۸۵	۸۶
الْبَرُّ	الْمُتَّقِنُ	الْعَفُو	الرَّؤُوفُ	مَالِكُ	الْمَلِكِ	مَالِكُ	الْمَلِكِ
۸۷	۸۸	۸۹	۹۰	۹۱	۹۲	۹۳	۹۴
ذُو الْجَلَالِ	الْإِكْرَامِ	الْمُقْسِطُ	الْجَامِعُ	الْغَنِيُّ	الْمَغْنِيُّ	الْمَنَّانُ	الضَّارُّ
۹۵	۹۶	۹۷	۹۸	۹۹	۱۰۰	۱۰۱	۱۰۲
النَّافِعُ	النُّورُ	الْمَهَادِي	الْبَدِيعُ	الْبَاقِي	الْوَارِثُ	الْوَسِيدُ	الضُّيُوءُ

## (۱) اللہ

(خدا - مہبود)

یہ اس موجودہ حق کا نام ہے، جو صفات الہیت کا جامع، اوصاف ربوبیت کے موصوف، اور وجود حقیقی سے ممتاز ہے۔ اس کے سوا کوئی موجود وجود بذاتہ کا مستحق نہیں ہے۔ اور ہر موجود نے اسی سے وجود حاصل کیا ہے۔ لہذا وہ بذاتہ ہالک ہے۔ اور دوسری جہت سے موجود ہے۔ فکل موجود ہالک إلا وجہہ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر موجود خدا کی ذات کے سوا فانی ہے۔ ٹھیک بات یہ ہے کہ یہ اسم اس معنی پر دلالت کرنے کے لئے اسماء سے ملام کا کام لے رہا ہے۔ اور اس کے اشتقاق و تعریف کے متعلق جو بعض نے لکھا ہے، جو بعض کسی چیز کی ذات پر دلالت کرنے کے لئے وضع کیا جاتا ہے۔ یہ مدنی نہیں کہ وہ کسی صفت کے معنی پر ہی ال ہو۔ جیسے زید عمر۔ کہ وہ عمر سے ہے۔ لہذا اسم الخیر مشتق ہوگا بار الفاظ ہوتے ہیں۔



کھلے ہوئے وہ محض تکلف و تعسف ہے +

قائدہ - یہ نام تانویں ناموں سے بڑا ہے۔ کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا استثناء تمام صفات الہیت کی جامع ہے۔ باقی تمام نام ایک ایک معنی پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً قلم - قدرت اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر۔ اور اس لئے وہ تمام اسماء کی نسبت اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لئے حقیقتہً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا۔ باقی اسماء کے ساتھ اور کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے۔ جیسے قادر - علیم - رحیم وغیرہ۔ انہیں دو وجہ سے ظن ہوتا ہے کہ یہ نام اسما عظماء ہے +

نوٹ - تمام اسماء کے معانی کی نسبت خیال کیا جاسکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے متصف ہو سکتا ہے۔ یہاں تک اس پر رحیم - علیم - حلیم - مجبور اور شکور کا اسم بولا جا سکے اگرچہ اس قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے۔ مگر اللہ کا معنی اس قسم کا نہیں ہے۔ وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے۔ اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی۔ اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں۔ چنانچہ یوں کہیں گے کہ الصبور اور الشکور اور الجبار اور المملک، اللہ کے نام ہیں۔ یوں نہیں کہتے کہ اللہ، صبور یا شکور کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ من حیث ہو معانی الہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے۔ اور سب کی نسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے۔ لہذا سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی تعریف کے لئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں۔ اور دوسرے اسماء کی تعریف کے لئے اس کی نسبت لازم ہے +

تنبیہ - بندہ کو اس اسم سے تالہ حاصل کرنا چاہئے یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ میں محو ہو۔ اس کے سوا وہ کسی طرف نہ آنکھ اٹھائے۔ نہ توجہ کرے۔ نہ کسی سے امیدوار ہو۔ اور نہ کسی غیر سے ڈرے۔ اور کیوں نہ ہو، جبکہ اس اسم کا مفہوم ہی یہ ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے اور باقی سب اس کے سوا قاتی اور ٹالک اور باطل ہیں پس وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے ٹالک و باطل سمجھیں گے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا "عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ بجا شعر

لے مثلاً وحمٰن کی تعریف کے لئے کہنا پڑتا ہے کہ حمٰن، اللہ کا نام ہے ۱۲



لبید کہ ہے کہ ع  
الاکل شئ ماخلد اللہ باطل

یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمام موجودات فانی ہے +

(۳) الرَّحِيمُ

(۲) الرَّحْمَنُ

بہت مہربان

نہایت رحم والا

یہ دونوں اہم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا۔ اور اگر کسی سے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ و قصد پوری ہو جائے تو اس کو رحیم نہ کہیں گے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے، مگر پوری نہ کرے۔ تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا۔ تو مرحیم نہ کہیں گے۔ کیونکہ اگر اس کا ارادہ کمال ہوتا تو اسے پورا کر دیکھتا۔ اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو، تو اس کو اس کی رحمت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے۔ لیکن وہ ناقص مرحیم ہے +  
رحمت نامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے۔ اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے +

رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق و غیر مستحق سب کو شامل ہو +

اللہ کی رحمت نامہ بھی ہے اور عامہ بھی۔ اس کی رحمت کا نامہ ہونا۔ تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے۔ اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور اس کا نامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دنیا و آخرت میں عام ہے۔ اور ضرورت و حاجات اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے۔ عرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے +

نوٹ۔ رحمت کے لئے ایک ایسی پروردگاری لازم ہے جو رحیم کو محسوس کرے اور اسے محتاج کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس (تائید و انفعال) سے پاک ہے۔ شاید تم خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنی میں نقص ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ رحمت کے معنی کے لئے نقصان نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔ نقصان اس لئے نہیں ہے کہ کمال رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔ اور جب کسی محتاج کی حاجت کو کمال پورا کر دیا جائے۔ تو



محتاج کو رحم۔ کہ دردِ دل سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ رحم کا دردِ دل اس کے ضعفِ قلب اور کمزوریِ نفس کے باعث ہوتا ہے۔ اور یہ ضعفِ محتاج کے مددِ عا میں کوئی اضافہ نہیں کر دیتا جب کہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو چکی ہو۔

کمال اس لئے ہے کہ جو رحیمہ رقت اور دردِ دل کے باعث رحم کر رہا ہے ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔ تو اس کا یہ سمجھنا ہوگا کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لئے سعی کی۔ اور یہ امر کمالِ رحمت کیلئے نقص ہے۔ کمالِ رحمت یہ ہے کہ رحم کی نظرِ رحم کی طرف رحم کی خاطر ہو۔ نہ کہ خودِ رقت کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

قائدہ۔ الرحمن بنسبت الرحیمہ کے خاص ہے۔ اسی لئے اللہ کے سوا اور کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور رحیمہ کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے۔ اور علم کا کام ہے رہا ہے۔ اگرچہ وہ رحمت سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہو کہ قُلْ اِذْ عَوَّلْنَا عَلَی اللّٰهِ اَوْ اِذْ عَوَّلْنَا عَلَی الْاِنْسَانِ اَوْ عَلَی الْاَنْعَامِ اَوْ عَلَی الْاَرْضِ اَوْ عَلَی السَّمَاءِ اَوْ عَلَی الْوُجُوْدِ اَوْ عَلَی الْاَشْیَاءِ اَوْ عَلَی الْاَنْفُسِ اَوْ عَلَی الْاَنْفُسِ اَوْ عَلَی الْاَنْفُسِ (یعنی کدو لے محمد کہ خواہ اللہ کو پکارو یا رحمن کو جس کو پکارتے ہو پکارو) بہر صورت (یہ) اسی کے نام اچھے ہیں)۔

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ خدا کے شمار کردہ اسماء ہیں تراویف نہیں ہے۔ لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسموں کے معنوں میں فرق کیا جائے۔ چنانچہ مناسب یہ ہے کہ رحمن سے ایک خاص رحمت مفہوم ہو۔ جو بندوں کی مقدورات سے بالکل بعید ہو۔ اور یہ وہ ہے جو سعادتِ اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پس رحمن وہ ہے جو بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کر کے۔ دوم ان کو ایمان اور اسبابِ سعادت کی طرف ہدایت کر کے۔ سوم آخرت میں ان کی بہتری کے سامان کر کے۔ چہاں مرہ ان کو اپنے دیار سے بہرہ ور کر کے۔

تنبیہ۔ اسم رحمن سے بندہ کا خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں پر رحم کر کے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے زمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے پھیر کر خدا کی راہ دکھائے۔ اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے۔ استحقاق کی بنا پر



نہ دیکھے۔ اور جو بُرائی دنیا میں واقع ہو اُس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے وقوع پذیر ہو رہی ہے۔ لہذا مقدور بھروسہ کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور اس کے قربِ محروم نہ ہے +  
اسمِ رحیمہ سے بندے کا حقد یہ ہے کہ حسبِ وسعت بھوکے کا پیٹ بھر اپنے پُرس یا شہر میں فقیر کی حاجت پوری کرے۔ اور اُس کی محتاجی دُور کرے۔ خواہ اپنا مال سے یا اپنے رُخ و وجاہت کے ذریعے سے۔ یا اُس کے لئے دوسرے سے سفارش کر کے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو۔ تو ایسی شفقت و عنایت کے ساتھ دعا اور اظہارِ ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اُس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہو +  
سوال۔ شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔ اور رحیم جب کسی کو مُبتلایا مصیبت زدہ۔ یا سزایاب۔ یا مریض پاتا ہے۔ اور وہ اس کی تکلیف کو دُور کرنے پر قادر بھی ہوتا ہے، تو فوراً دُور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر بلا کے دُور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دُنیا امراضِ مصائب اور بلیات سے پُر ہو رہی ہے۔ جن کو تباہی و رفع کرنے پر وہ قادر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اُس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکلیف و مصائب میں مُبتلا رہنے دیا ہے۔ اس کا :-

جواب۔ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ماں اُس کے پچھنے لگانے سے گریز کرتی ہے مگر عقلمند باپ اُس کو بزورِ پچھنے لگانے پر مجبور کرتا ہے۔ نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ حسیں ماں ہے، باپ نہیں۔ مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو پچھنوں کی تکلیف پوری رحمت اور اعلیٰ درجہ کی شفقت و عنایت ہے۔ ماں تو ایک دوستِ غاشقہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھوڑی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو، وہ بُری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے موحومہ کے حق میں بہر حال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر بُرائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی ضرور ہے۔ اگر اس بُرائی کو رفع کر دیا جائے۔ تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی اُل ہو جائیگی جس سے وہ پہلے کی نسبت بُری بُرائی بن جائیگی +

چنانچہ گلے ہونے کا ہاتھ کاٹنا بظاہر ایک بُرائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی۔ اگر ہاتھ کاٹنا نہ جائے۔ تو سارے بدن کا ہلاک



ہو جاتا یقینی ہے۔ اس وقت یہ بُرائی بہت ہی بُری ہوگی۔ غرض کہ ہاتھ کاٹنا جانا سلامتی پر  
کی غرض سے ایک ایسی شر ہے، جو اپنے پہلو میں خیر لئے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصل  
مراد سلامتی بدن ہے۔ جو ایک خالص بھلائی ہے۔ پھر چونکہ یہ مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے  
حاصل ہو سکتی تھی، لہذا اُس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب نہ تھی  
تھی، اور پھر ہاتھ کاٹنا مطلوب لغیرہ۔ لہذا یہ دونوں اس کے ارادہ کے تحت میں داخل ہیں۔  
مگر ایک لفظ امر لذاتہ ہے اور دوسرا امر مراد لغیرہ۔ مراد لذاتہ کا درجہ، مراد لغیرہ سے مقدم ہے  
اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي یعنی میری رحمت میرے  
غضب سے مقدم ہے۔

پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے، اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ  
محض خیر ہی کے لئے ہے، اور شر کا ارادہ محض شر کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس خیر کی خاطر ہے  
جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے۔ اور شر مقتضی بالعرض۔ اور ہر  
مقدور ہو چکا ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی شر ممکن نہیں ہے جس کے  
تحت میں کوئی خیر نہ ہو۔ یا تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تو اپنی  
عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کے ضمن میں کوئی خیر نہیں۔ عقل کے بس کا نہیں  
ممكن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس نہج کی سی ہو، جو پچھنے لگوانا محض شر سمجھتا  
ہے۔ یا اُس نادان شخص کی سی جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف مقتول  
کی خصوصیت کو نہ نظر رکھتا ہے، جس کے حق میں بیشک وہ قتل شر محض ہے۔ مگر اس خیر عام  
کو نہیں دیکھتا، جو قصاص کے ذریعے سے عام تمدن پر عاید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ نکتہ نہیں  
سمجھتا کہ شر خاص کے ذریعے سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے۔ اور خیر محض کو کسی  
صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی تم اپنی عقل ہی کو قاصر سمجھو۔ اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل  
کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں۔ کسی محال و ممکن کا  
استحالة و امکان صاف طور پر یا معمولی طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ اُس کے لئے اعلیٰ  
درجہ کی ٹوٹکاف قوت فکریہ درکار ہے۔ پھر بھی اکثر اہل فکر اس کے سمجھنے میں ناکام رہتے



ہیں۔ غرض ان دونوں باتوں میں تم اپنے ذہن و عقل کا قصور سمجھو۔  
 خدا کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو۔ اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت  
 اس کے غضب پر مقدم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی بعض شر کے لئے فتنہ کا قصد  
 کرے۔ خیر کے لئے نہ کرے۔ وہ ہرگز مرجعہ کمالنے کا مستحق نہیں ہے۔  
 اس بیان کے ضمن میں ہم اس سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف  
 بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ فالکناية اولیٰ من الصراحة۔ صاحب  
 نظر ہوگا۔ تو خود سمجھ جائیگا۔

لَقَدْ اَسْمَعْتُ لَوْ نَادَيْتَ حَيًّا  
 وَلَكِنْ لَا حَيَاةَ لِمَنْ تَنَادَى  
 یہ خطاب عام لوگوں سے تھا۔ میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے  
 ان لوگوں سے سنتے ہیں۔ وہ خدا کے راز سے آشنا۔ اور اس قسم کی تنبیہ سے  
 مستغنی ہیں۔

## (۴) الْمَلِكُ

(بادشاہ)

مَلِکُ وہ ہے۔ جو اپنی ذات و صفات میں ہر وجود سے مستغنی ہے۔ اور  
 ہر وجود اس کا محتاج ہے۔ بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں، صفات میں، وجود میں، بقائے  
 غرض کسی بات میں اس سے مستغنی نہیں ہے۔ ہر وجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے  
 ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات و صفات  
 میں اس کی ملوک ہے۔ اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض ایسی ذات مَلِکُ  
 مطلق ہے۔

تنبیہ۔ بندہ مَلِکُ مطلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ہر چیز سے مستغنی نہیں ہے  
 اگر باقی موجودات سے مستغنی ہے۔ تو خدا کا ضرور ہمیشہ کے لئے محتاج ہے۔ اور ہر چیز  
 اس کی محتاج بھی نہیں ہے۔ بلکہ اگر موجودات اس سے مستغنی ہیں لیکن جس صورت میں  
 کہ وہ بعض سے نہیں تو بعض دیگر سے مستغنی ہو۔ اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مَلِکُ



کہا سکتا ہے +

الغرض بندوں میں سے کھلاک وہ ہے جس پر خدا کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ خدا کے سوا سب سے مستغنی ہو۔ اور وہ با اینہما اپنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ فوج اور رعایا اس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں +

نیچ پوچھو تو بندہ کی خاص سلطنت اس کا دل اور قالب ہیں۔ اور فوج اس کی شہوت غضب۔ اور خواہشات ہیں۔ اور رعیت اس کی زبان۔ آنکھیں۔ ہاتھ اور تمام جوارح ہیں۔ جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے۔ اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے عالم وجود میں بادشاہ بن جاتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں سے مستغنی بھی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی و باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں۔ تو وہ رُذے زمین کا بادشاہ اور یہ رتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ وہ ابدی زندگی کی ہدایت پاتے ہیں۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں +

اس شاہی سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء کا درجہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کی بادشاہی اس قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور جس قدر طلب ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں +

ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے جاملتا ہے۔ اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بادشاہی اس کھلاک برحق کی طرف سے جس کی بادشاہی میں مثل و نظیر نہیں ہو سکتی بندے کے لئے بڑا عطیہ ہے +

کسی عارف کی یہ گفتگو کسی قدر درست ہے۔ جو اس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی :-

امیر :- مانگ جو چاہتا ہے :-

عارف :- تم کس برتے پر میرے سطل بننے کا دم اڑتے ہو۔ عا کہ میرے دو غلام تمہارے آقا ہیں :-

امیر :- وہ کون :-

عارف :- حرص اور خواہش نفسانی۔ میں ان دونوں پر تسلط ہوں۔ اور وہ دونوں تم پر تسلط ہیں۔ میں ان دونوں کا مالک و مختار ہوں۔ وہ دونوں تمہارے مالک ہیں :-



ایک شخص نے کسی بزرگ سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے۔ فرمایا ”تم دنیا میں بادشاہ بنے رہو۔ پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے“ مطلب یہ تھا کہ تم دنیا کی حرص و خواہش چھوڑ دو۔ کیونکہ آزادی اور استغناء ہی بادشاہی ہوتی ہے +

## (۵) الْقُدُّوسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

قُدُّوس کے معنی وہ ذات جو تمام اوصاف سے پاک ہے۔ جن کو حق یا قوت خیال یا وہم یا عقل یا فکر اور پاک کر سکیں +

قُدُّوس کی تعریف میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذات جو عیوب و نقائص سے پاک ہے۔ کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترک ادب ہے۔ اسی لئے اگر کہا جائے کہ حضور کو زدام اقبال قوم کے جلا ہے نہیں ہیں۔ نہ مائی ہیں۔ تو خلاف ادب سمجھا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اس کے امکان کا وہم ہوتا ہے۔ اور اس ایہام ہی میں نقص ہے بلکہ نہیں یہ کہتا ہوں کہ قُدُّوس کے معنی ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اس وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے فطن میں ہے۔ کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں:-

ایک۔ وہ جو ان کے حق میں کمال ہیں۔ مثلاً ان کا اپنا علم۔ قدرت۔ سمیع۔ بصیر۔ کلام۔ ارادہ۔ اختیار وغیرہ۔ اور ان معانی کے ہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان ناموں کو کمال کمال کہتے ہیں +

دوم۔ وہ جو ان کے لئے نقص ہیں مثلاً ان کا جہل۔ عجز۔ کورہی۔ بہرہ پن۔ گونگہن وغیرہ۔ پس ان معانی کے ہی نام رکھ لیتے ہیں۔ وہ خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف یوں ہی کر سکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں۔ اور اپنے مذکورہ نقص اس سے نفی کر دیں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ ان کے اوصاف کمال سے میرا ہے۔ بلکہ جو بڑی سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی ہے۔ وہ اس سے اور اس کی مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کو اطلاق کی اجازت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے اکثر کا اطلاق اورست ہوتا۔ مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم یہ بات



بخوبی سمجھا گئے ہیں۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تنبیہ۔ بندہ کا قدس یہ ہے کہ اپنے ارادہ اور علم کو منترہ کرے۔ علم کو تخلیات  
محسوسات۔ موصوات سے اور ہر تمام ادراکات سے جن میں بہائم شریک ہیں پاک کرے۔ بلکہ  
اس کی جولانی نظراور نگاہوں سے علم، ان ازلی و اہلی امور کے لئے ہو۔ جو نہ قریب ہیں کہ حس کے  
ساتھ محسوس ہوں۔ نہ بعید ہیں کہ حس سے غائب ہوں۔ بلکہ وہ فی نفسہ محسوسات اور تخلیات  
سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور علوم سے اس طرح مستفید رہتا ہے کہ اگر اس کی حس و خیال کا آلہ  
منفوق بھی ہو جائے۔ تو پھر بھی وہ ان علوم شریفہ و کلیہ و الہیہ سے سیراب ہوتا رہتا ہے جو  
ازلی وابدی معلومات سے تعلق رکھتے ہیں اور ان شخصی حیثیات سے جدا ہیں۔  
جو سداً متغیر و متحول ہوتی رہتی ہیں۔

اپنے ارادہ کو ان انسانی لذات کے ساتھ تعلق رکھنے سے پاک کرے۔ جو شہوت  
اور غضب کی مقتضیات اور خوراک۔ جماع۔ لباس۔ نظارہ کی لذائذ کہلاتی ہیں۔ اور ان  
لذتوں سے بھی پاک کرے جو صرف حس اور قلب کے واسطے سے حاصل ہوتی ہیں۔ غرض کہ  
خدا کے سوا کوئی اس کے ارادہ کا مطلع نظر نہ ہو۔ خدا کی ذات کے سوا کسی چیز میں اس کو لذت نہ  
ملتی ہو۔ خدا کے دیدار کے سوا کسی چیز کا اس کو شوق نہ ہو۔ خدا کے قرب کے سوا کسی چیز سے  
اس کو مسرت نہ ہوتی ہو۔ اگر اس کی بجائے اس کو جنت اور اس کی تمام نعمتیں بھی دلائی جائیں۔  
تو وہ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔ اور گھر والے کو چھوڑ کر غالی گھر پر بھی راضی نہ ہو۔

انقرض حسی و خیالی ادراکات میں تو بہائم بھی اس کے شریک ہیں۔ لہذا اس کو چاہئے  
کہ اس تہ کو چھوڑ کر اس درجہ پر ترقی کرے، جو انسان سے مخصوص ہے۔ بشری شہوانی لذات  
میں بھی بہائم مقابلہ کرتے ہیں۔ لہذا ان کو ترک کر دینا چاہئے۔

تلاص کلام یہ کہ صاحب ارادہ کی عظمت اس کی مراد کی عظمت کے موافق ہے۔  
ثُمَّ هَمَّتْهُ مَا يَذْخُلُ فِي بَطْنِهِ فَنِيْمَتْهُ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ چنانچہ جس شخص کا منتہا ہے  
وہی ہے جو پیش میں ٹھوس لیا۔ تو اس کی قیمت بھی وہی ہوگی جو اس سے نکلتا ہے۔ اور جس  
شخص کا منتہا ہے بہت خدا کے سوا کوئی نہ ہو۔ تو اس کا درجہ بھی حسب بہت ہے جس شخص کا  
علم محسوسات و تخلیات کے درجہ سے ترقی کر گیا۔ اور ارادہ مقتضائے شہوات سے پاک ہو گیا  
وہ بارگاہ قدس میں باریاب ہوا۔



## (۶) السَّلَامُ

(تمام نقصات سے محفوظ)

سَلَامٌ وہ ہے جس کی ذات عیب سے۔ اور صفات نقص سے۔ اور افعال شر سے محفوظ ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو جو کسی بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اس کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اوپر یہ بات بخوبی سمجھ آئے ہو کہ خدا نے تعالیٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں۔ یعنی اس شر مطلق سے لذاتہ مراد ہو۔ اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ کما صبق الایمان علیہ +

تنبیہ جس بندہ کا دل بدظنی۔ کینہ۔ حسد اور ارادہ شر سے محفوظ ہے۔ اور اس کے اعضا، معصیات و منہیات سے سلامت رہیں۔ اور اس کے صفات کچی اور برشتگی سے بچے رہیں۔ وہ صحیح و سالم دل کے ساتھ خدا کو ملیگا۔ اور یہ وہ بندہ ہے۔ جو السَّلَامُ کے خطاب کا مستحق اور اپنی صفات کے لحاظ سے اس السَّلَامُ حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے جس کی صفات کی مثل نظیر نہیں ہو سکتی +

صفات کی کچی سے ہارسی یہ مراد تھی کہ عقل غضب شہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ کیونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس تھا۔ یعنی شہوت اور غضب دونوں عقل کے قابو میں ہوتے جب حالت اس کے برعکس ہوئی، تو کچی و برشتگی لازم تھی۔ جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہو جائے۔ تو سلامتی کیسی؟

سَلَامٌ سے وہ شخص متصف ہو سکتا ہے، جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں۔ اور جو شخص خود اپنے آپ سے سلامت نہیں ہے۔ وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

## (۷) الْمُؤْمِنُ

(اپنے وعدہ میں پہنچا یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مُؤْمِنٌ سے مراد وہ ذات ہے، جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے والا ہو۔ اور اسی لئے امن و امان اس سے منسوب کیا جانے +



اتن خوف ہی کے مقام میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے۔ اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس قدر امن و امان تصور میں آ سکتا ہے، وہ اسی سے مستفاد ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے +  
 اندھا، چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ہلاکت کے پیش آ جانے سے ڈرتا ہے۔ ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کئے ہوئے ماتھوں والا بھی کسی سی آفت سے غیر مطمئن ہے جس کا دفیہ ماتھوں سے ہو سکتا ہے۔ پس سالم ماتھ بھی آفت سے امن دلائے والا ہوا۔ غلے بڑا تمام حواس اور اعضائے بدن۔ اور المؤمن ان سب اعضا کا خالق۔ اور نقش بنانے والا۔ کتل کرنے والا۔ اور طاقت بخشنے والا ہے +

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سخت شکل میں گھر گیا ہے۔ ماتھ پاؤں میں سکت نہیں رہی ہے۔ اگر سکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے۔ تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے۔ کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزین ہو بیٹھے۔ ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے۔ جو اس کی کمزور طاقتوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اپنی غیبی فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے ارد گرد ایک سنگین قلعہ بنا کر ڈالتا ہے۔ یہ مددگار جس نے اس کو پورا امن و امان بخشا ہے۔ فی الواقع المؤمن کہلانے کا سحق ہے +

بندہ اپنی اصل فطرت میں کمزور ہے۔ اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں۔ ظاہر دیکھو۔ تو وہ آگ میں جل جانے۔ پانی میں ڈوب جانے۔ اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں۔ اور بھوک۔ پیاس کو رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضائے بدن تاکہ بدنی نقصان پہنچنے والی چیزوں کو دفع کریں۔ جو اس عطا کئے ہیں، تاکہ کسی آنے والے خطر کی اطلاع دیتے رہیں سب سے بڑا خوف آفت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ حِصْنِي فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِي فَقَدْ آمَنَ مِنْ عَذَابِي يَعْنِي "کلمہ توحید لا الہ الا اللہ



میرا قلعہ ہے۔ جو شخص میرے قلعہ میں آجاتا ہے۔ اس کو مذاب کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔  
 غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے۔ جن کو خاص وہی مہیا کرتا  
 ہے۔ وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے۔ **فَهُوَ الَّذِي آغْطَا كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ**  
**سُتَّةً هُدًى** اُس فات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی۔  
 پس وہی مومن مطلق و برحق ہے۔

تنبیہ۔ اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اس کی طرف امن ہو  
 بلکہ ہر خوف نہ وہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو۔ جیسے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **كَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ**  
**فَلْيَأْمُرْ بِالْعَدْلِ** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کا  
 ہمسایہ اُس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہئے۔

مومن کے نام کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے۔ جو لوگوں کو راہِ نجات دکھا کر۔ اور  
 طریقِ خدا سمجھا کر مذابِ الہی سے امن دلانے۔ اور یہ نبیا و اولیا کا منصب ہے۔ اسی لئے  
 نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **اِنَّكُمْ تَتَمَنَّوْنَ فِي النَّارِ فَهَاتُوا الْفَرَاشَ**  
**وَاَنَا اخُذْتُكُمْ بِجُزْءٍ مِّنْهُم** یعنی تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے۔ اور میں تم کو تمہارے  
 اطراف بدن سے دپکڑا کر تھا موٹا گا۔

سوال۔ شاید تم کہو کہ ہر خوف و حقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس خدا  
 کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے۔ وہی ہے  
 جس نے ڈرنے کے اسباب بنائے ہیں۔ تو اس کی طرف امن کو کیونکر مستحب کیا جاتا ہے؟

جواب یہ ہے کہ خوف بھی اسی کی طرف سے ہے۔ امن بھی اسی کی طرف سے  
 وہی خوف و امن کا سبب پیدا کر رہا ہے۔ اور اس کا خوف ہونا اس کے مومن ہونے کا مانع نہیں  
 ہے۔ جس طرح اس کا بڑا ہونا اس کے مبغض ہونے کا مانع نہیں۔ بلکہ وہی معزز ہے وہی بڑا  
 بھی ہے۔ اور اس کا خافض ہونا اس کے رافع ہونے کا مانع نہیں ہے۔ بلکہ وہی خافض بھی  
 ہے رافع بھی۔ اسی طرح وہ مومن دامنِ دینے والا بھی ہے۔ اور مخوف (ڈرائیوالا)  
 بھی۔ لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مخوف نہیں۔



## (۸) الْمُصِیْمُ

(نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں۔ رذقوں اور عمروں کا انصرام کر رہا ہے۔ اس کا انصرام اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے۔ جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف۔ اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مُصِیْمُن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے۔ قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ عقل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یتیموں سے جمع ہوں۔ مُصِیْمُن ہے۔ یتیموں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا نام لکھا ہے +

تنبیہ۔ جو شخص نگاہ اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے تمام شائبہ فراز اور اسرار سے واقف ہو جائے۔ اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال و اوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جائے۔ اور ہمیشہ اس کی درست حالت قائم رکھنے میں مصروف رہے۔ وہ اپنے دل کا مُصِیْمُن ہے۔ اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست و استدلال کے ذریعہ سے واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے کوشش کرے۔ تو اس معنی سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ اور مکمل ہو گا +

## (۹) الْعَزِيزُ

(غالب۔ قوی۔ قاہر)

عَزِيزُ کے معنی وہ عالی قدر شخص جس کی مثل شاذ و نادر مل سکتی ہو۔ جس کی از حد حاجت ہو۔ اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو۔ کسی شے میں جب تک یتیموں معافی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عَزِيزُ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی اشیاء ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے۔ لیکن چونکہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں زیادہ نفع ملتا ہے۔ اس لئے وہ عَزِيزُ نہیں کہلاتیں۔ بہت سی چیزیں ایسی بھی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے۔



فائدہ بھی ان سے بہت ہے۔ اور ان کی نظیر بھی کوئی نہیں۔ لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے۔ اس لئے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا۔

مثلاً سورج اور زمین، جن کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔ اور ان کی حاجت بھی اشد ہے۔ لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ غرض عزیز ہونے کے لئے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے۔

ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ عزیز کی قلت و وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔ کیونکہ ایک سے کم کوئی عدد نہیں ہو سکتا اور اس کی مثل کا وجود محال ہو۔ ایسی ذات خدا ہی کی ہے۔ کیونکہ مثلاً سورج اگرچہ وجود میں ایک ہی ہے۔ لیکن امکان میں ایک نہیں ہے۔ اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے۔ عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی۔ یہ کمال صرف خدا کے لئے ہے اور اس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلالی نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔ یہ بات بھی خدا ہی سے خاص ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ خدا کی باتیں خدا ہی جاعنے۔

الغرض وہ ایسا عزیز تو مطلق و برحق ہے کہ اس صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے عزیز تو وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی کے لئے اس کے محتاج ہوں۔ ایسا رتبہ بلاشبہ بہت کم لوگوں کو میسر ہوتا ہے۔ یہ رتبہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کا ہے۔ پھر ان کے بعد عزت میں مشاک وہ لوگ ہیں۔ جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں۔ جیسے خلفائے راشدین، اور انبیاء علیہم السلام کے وارث ملامتے کرام۔



## (۱۰) الْجَبَّارُ

(بڑا دباؤ والا)

جَبَّار وہ ہے جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اُس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضہ قدرت سے کوئی نہ بچ سکے۔ اور اُس کی بارگاہ کی طرف اُتار دیا جاتے ہوئے ساری بہتیں پست ہوں۔ تو جَبَّار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے۔ اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ امدان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے جَبَّار وہ ہے کہ اتباع کے درجہ سے ترقی کر کے دوسروں کو اپنا تابع بنائے۔ اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ جسے کہ لوگوں کو اپنی ہیئت و صورت سے اپنی عادت و سیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے۔ غرض وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ اور خود چنداں فائدہ نہ اٹھائے۔ لوگوں کا فائدہ مقدم سمجھے۔ اپنے فائدے کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا مطیع بنائے۔ خود کسی کی اطاعت نہ کرے۔ جو شخص اس کی نیابت کرے، وہ اس کے دیار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے۔ اس کا ایسا شوق ہو کہ خود اپنی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اُس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرات نہ کر سکے۔ اس صفت سے خاص سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہرہ ور ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لو کان مؤمنی حیاً ما دسبعہ الا اشیاعی وانا سید ولد آدم ولا فخر یعنی اگر مومنوں علیہ السلام بھی زندہ ہوتے، تو ان کو میرے تابع ہونے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور میرے لئے یہ بات باعث فخر نہیں۔

## (۱۱) الْمُتَكَبِّرُ

(عظمت و بزرگی والا)

مُتَكَبِّر وہ ہے جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر سمجھتا ہو۔ اور بزرگی و عظمت کا حق دَا صرف اپنے آپ کو جانتا ہو۔ اس لئے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو۔ اگر یہ



بات صحیح ہو۔ تو وہ تکبر و حق، اور اس کا فاعل متکبر و برحق ہوگا۔ اور یہ بات عدلِ الاطلاق خاص خدا کے لئے متصور ہے +

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو۔ اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیازی عظمت جو اس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔ تو اس کا تکبر بے جا اور مذہوم ہوگا۔ خدا کے سوا جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اس کا قیاس غلط اور اس کی نظر ٹال ہر تنبیہ۔ بندوں میں سے متکبر وہ قاذب ہے جو عارف بھی ہو +

عارف کے نہ راہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو، وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ اس لئے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھیں گا۔ اور ان کو خدا کی یاد میں خلل انداز ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دیگا۔ غیر عارف کا زہد ایک قسم کا سٹا اور معاوضہ ہے۔ کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریداری کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لئے دست بردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گنا حاصل کرے۔ یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے جس شخص کو نعمتیں کھانے اور عیش منانے کی خواہش اپنا غلام بنانے ہوئے ہو۔ وہ حقیر ہے۔ متکبر وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں جو پائے بھی شک یک ہیں +

(۱۳) الْبَارِئُ

(ہر چیز کا نوچا)

(۱۲) الْخَالِقُ

(ہر چیز کا پیدا کرنے والا)

(۱۴) الْمَصَوِّرُ

(مخلوقات کی طرح طرح کی صورتیں بنانے والا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسم مترادف ہیں۔ اور ہر اسم کے معنی پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے۔ وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے۔ پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی۔ اس کے بعد تصویر کی۔ اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شخص کی تقدیر کرتا ہے، اس کا خالق ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کا اختراع



کرتا ہے، اس کا بادی ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ مختصرات کی صورتوں کو باہم عمدہ ترتیب دیتا ہے، موصور ہے +

مثلاً ایک عمارت کا بنانا منظور ہو۔ تو پہلا کام اینجینئر کا ہوگا۔ اس عمارت کی نوعیت و صورت تجویز کر کے ایک نقشہ تیار کرتا ہے۔ اور اس پر اینٹ۔ پتھر۔ چوڑ۔ بکری وغیرہ صرف ہونے والے مصالح کی مقدار کا اندازہ لگا کر اس کے اخراجات کا تخمینہ کرتا ہے۔ اس کے بعد نازک کام شروع ہوتا ہے۔ جو اس نقشہ کے موافق عمارت کی بنیاد ڈالتا ہے۔ اور مصالح کی تجویز کردہ مقدار کے اندر اندر پوری عمارت بنا کھڑی کرتا ہے۔ ابھی تک وہ عمارت غیر مکمل اور ناقابل سکونت ہوتی ہے کہ ایک تیسرے مشن یعنی مصور کے ہاتھ سے وہ ایک شاندار قصر اور شاہی ایوان بن جاتی ہے +

یہ تو انسانی کاموں کی مثال تھی۔ خدا کا کام اس سے برتر ہے۔ وہ خود ہی اندازہ قائم کرتا ہے۔ خود ہی بناتا ہے۔ اور خود ہی اس کی ظاہری صورت کو آراستہ کرتا ہے۔ یا یوں کہو کہ وہی خالق وہی بادی اور وہی موصور ہے +

مثال کے طور پر انسان کو لو۔ جو اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس وجود کے لئے سب سے پہلے ایک مجتہد ضروری تھا جس کو انسانی صفات سے متصف کیا کے جاسکے۔ یہ مجتہد مٹی اور پانی دونوں کی ترکیب سے تیار ہونا ضروری تھا۔ کیونکہ صرف مٹی ایک خشک اور ٹھوس چیز ہے۔ جس میں نرمی اور لچک نہیں ہے۔ اور صرف پانی ایک تراور سیال شے ہے۔ جو قائم اور متمسک نہیں ہے۔ لہذا ان دونوں خشک اور تر چیزوں کا مرکب اور معتدل مادہ اس مجتہد کے لئے مناسب تھا۔ اس کے بعد آگ کا جز بھی ان میں شامل ہونا بہتر تھا جس سے مٹی اور پانی کا قوام مستحکم ہو جائے۔ اس کے بعد ضروری تھا۔ کہ اس پانی مٹی کی خاص مقدار معین ہو۔ کیونکہ اگر غلوڑی اسی مقدار ہو۔ تو اس مجتہد سے انسانی افعال سرزد نہیں ہو سکتے اور ضعف و ہلاکت سے اس کا وہی حال ہو، جو کیرے کو ٹپے کا ہوتا ہے۔ اتنی بڑی مقدار بھی فضول تھی کہ یہ مجتہد پہاڑوں اور ٹیلوں کے برابر بن جاتا۔ کیونکہ اتنے بڑے قدا و جہت کی کوئی حاجت نہ تھی۔ یہ ساری باتیں اندازہ اور تجویز ہیں۔ جن کو دوسرے لفظوں میں تقدیر کہتے ہیں +

پس اللہ تعالیٰ ان امور کی تقدیر اور تقدیر کے موافق ایجاد کرنے کے لحاظ سے خالق



ہے۔ اور محض ایجاد کرنے اور عدم سے وجود میں لانے کے لحاظ سے بادی ہے۔ محض  
ایجاد اور خیر ہے۔ اور ایجاد بوفق تقدیر اور چیز +

اسم موصوفہ خدا پر اس حیثیت سے صادق آتا ہے کہ اس نے تمام اشیاء کی  
صورتوں کو نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے۔ اور ان کو اچھی صورت پر بنایا ہے۔ اور یہ  
اوصاف فعل سے ہے۔ اس کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے۔ جو تمام عالم صورت کھپے  
بالاجمال اور پھر بالتفصیل جانتا ہو۔ کیونکہ تمام عالم ایک شخص کا حکم رکھتا ہے۔ جو باہم ایک  
دوسرے کو کسی غرض مطلوب پر مدد دینے والے اعضا سے مرکب ہو۔ اس کے اعضا و اجزاء  
آسمان اور تائبے اور زمین اور ان کے مابین کی اشیاء مثلاً پانی۔ ہوا وغیرہ ہیں۔ اس کے  
اجزاء ایسی محکم ترتیب سے مرتب ہیں کہ اگر اس ترتیب میں تغیر آجائے۔ تو نظام میں خلل آجائے  
اس لئے جو جز اوپر رہنا چاہئے، وہ بالائی سمت سے مخصوص ہے۔ اور جو نیچے ہونا مناسب  
وہ زیرین سمت سے خاص ہے۔ جیسے کہ معمار دیواروں کی بنیاد میں پتھر اور ان کے بالائی  
حصے پر لکڑی رکھتا ہے۔ نہ اتفاقاً، بلکہ اس کے نزدیک یہ ترتیب مکان کی مضبوطی کیلئے  
ضروریات سے ہے۔ اگر اس ترتیب کے خلاف پتھر کو اوپر اور لکڑی کو نیچے رکھا جائے۔ تو  
عمارت ضرور منہدم ہو جاتی۔ اور ہیئت ہرگز قائم نہ ہو سکتی۔ اسی پر ہم کہہ کرہ ارض و کرہ ماویر  
کا نیچے ہونا۔ اور ستاروں کا اوپر ہونا قیاس کر سکتے ہیں +

اگر غلطی سے اجزائے عالم کا ذکر ابدان کی ترتیب کی حکمت بیان کرنے لگیں۔ تو  
ایک دفتر ہو جائیگا۔ اس تفصیل کا جتنا کسی کو علم ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ وہ مصدور کے معنی  
سے واقف ہوگا۔ یہ ترتیب و تصویر اجزائے عالم میں سے ہر جز میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ  
چھوٹا سا ہی ہو۔ یہاں تک کہ حیوانی اور کھڑے میں بلکہ حیوانی اور کھڑے کے ہر عضو میں موجود  
ہے۔ ہر ایک جاندار کا ایک چھوٹا سا عضو آئندہ ہے۔ اگر اس کی صورت کی تفصیل لکھیں۔  
کلام ختم نہ ہوگا۔ جو شخص آئندہ کے طبقات ان کی ہیئت شکل۔ مقدار۔ رنگ اور ان کی  
وجہ حکمت سے واقف نہیں۔ وہ ان کی صورت سے واقف نہیں۔ اور نہ ان کے منصوبہ  
سے واقف ہے۔ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔ یہی حال ہر حیوان و نبات کی صورت بلکہ  
کے ہر جز کی صورت کا ہے +

تنبیہ۔ اسم مصدور سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اس کے نفس میں تمام وجود کی



صورت بہ ترتیبہ حاصل ہو۔ حتیٰ کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو۔ گویا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر ہے۔ پھر تمام تفصیلی غور کرے۔ چنانچہ انسانی صورت کے بدن اور اعضائے جسمانی کا حال معلوم کرے۔ ان کے انواع۔ عدد۔ ترکیب۔ اور انسان کی آفرینش و ترکیب کی حکمت کو سمجھے۔ پھر اس کی معنوی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے۔ جن سے اس کے ادراکات اور ارادے وابستہ ہیں۔ اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بحر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش اور صورت اُس کے ذہن میں منقش ہو جائے۔

یہ حال تو صورِ جسمانیہ کی معرفت کا تھا۔ اور یہ سلسلہ روحانیات کی ترتیب کی نسبت بہت مختصر ہے۔ جس میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت داخل ہے۔ ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں۔ پھر قلوب بشریہ میں ہدایت و ارشاد کا تصرف کرتے ہیں۔ اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صورِ علمیہ کا جو وجود دیکھ کے مطابق ہوں اکتساب کرے۔ کیونکہ علم اس صورت میں منقش فی نفس کا نام ہے۔ جو صورت معلوم کے مطابق ہو۔ اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے عیان میں موجود ہونے کا سبب ہے۔ اور وہ صور جو اعیان میں موجود ہوں وہ انسان کے دل میں صورِ علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں۔ اور اس طرح بندہ خدا کے اسمیں سے اسمِ مَصْقُود کے معنی سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مَصْقُود ہے۔ اگرچہ بطور مجاز ہو۔ کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اختراع سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ بندہ کے فعل سے۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَنْ يَكُونُ فِي آيَاتِهِ دَهْرٌ كَمَا تَفْعَلُونَ مِنْ دَخْمَةٍ إِلَّا فَتَقَرُّوْهُا۔



الْمَخْلُوقِ اور الْمَبْدُوءِ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر مجاز بعید جس کی توجیہ یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق کام میں لایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے۔ اور اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدمات کے حاصل کرنے کا موقع میسر ہے۔ اور امور موجودہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا حصول ہرگز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے۔ جیسے آسمان ستارے۔ زمین۔ حیوانات اور نباتات وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی قدرت سے وابستہ ہے۔ اور یہ وہ ہیں جو اعمال عباد کہلاتے ہیں۔ جیسے صناعات بیانتا عبادات اور مجاہدات۔ چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی مخلوق کی سیاست میں ایسے رائج پر پہنچ جائے جن میں وہ ایسے امور کے استنباط کا اختیار حاصل کر لے۔ جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو۔ تو اس کو اس چیز کا مخترع کہا جائیگا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔ چنانچہ شطرنج وضع کرنے والے کے حق میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس کا واضع اور مخترع ہے۔ کیونکہ اُس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر اُس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے، تو وہ روح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح ریاضات۔ مجاہدات۔ سیاسیات اور صناعات میں جو نیکیوں کا حشر چہر میں، صورت اور ترتیبات ملحوظ ہیں۔ جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں۔ اور پہلے استنباط کرنے والی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ گویا یہ واضع ان صورتوں کا مخترع اور خالق ہے۔ حتیٰ کہ اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جاسکتا ہے +

اللہ کے اسم میں سے کئی اسم ایسے ہیں۔ جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائیگا۔ اس قسم کے اسم بہت ہیں۔ اور بعض ایسے اسم ہیں جو بندہ کے حق میں حقیقتہً ہوتے ہیں۔ اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے الْكَافِرُ اور الشَّكُورُ +

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے۔ مگر مذکورہ تفاوت پر غور نہ کیا جائے +



## (۱۵) الْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور برائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر۔ اور آخرت میں بخش کر رفت و گذشت کر دیتی ہے +  
غفور کے معنی ستور۔ اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے۔ کہ اُس کے بدن کے بدنا اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو بُرے معلوم ہوتے ہیں اُس کے باطن میں چھپا دیئے۔ جو اُس کے جمال ظاہری کے رنگ و روغن میں نہاں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بندہ کے باطن اور ظاہر کی صفائی اور عدم صفائی اور خوبصورتی اور بد صورتی میں کس قدر فرق ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدا نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے۔ اور کونسا چھپایا ہے +

دوسرا ستر یہ کہ اس کے بُرے خیالوں۔ مذموم ارادوں اور مکروہ عقیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھری میں بند کیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص ان شرناک بھیدوں سے واقف نہ ہو۔ اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا۔ اور اس کے دوسووں اور دل کے کھوٹ۔ خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جاتا۔ تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے۔ بلکہ اُس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدا نے اس کے اسرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے +

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندہ کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے جن سے وہ علم روا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے۔ اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا۔ تو اُس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا۔ تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں +

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو۔ وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے +

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ سَتَرَ عَلَى مُؤْمِنٍ عَوْنَهُ سَتَرَهُ اللَّهُ عَوْنَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ یعنی جو شخص کسی مومن کی غیب پوشی کرے۔ قیامت کے



روز خدا اس کے عیب ڈھا کیگا +

غیبت کرنے والا، عیب جوئی کرنے والا، دل میں کینہ رکھنے والا، بُرائی کا بدلہ لینے والا، یہ سب اس ہمارے صنف سے محروم ہیں۔ اس صنف سے متصف صرف ہی شخص ہے جو مخلوق خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے، نقص بھی۔ خرابی بھی ہے، خوبی بھی۔ جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے۔ وہ اس صنف سے پورا بہرہ مند ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مردہ گتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی۔ لوگوں نے کہا یہ مردہ کس قدر مٹا ہوا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانتوں کی سفید کیسی چمکیلی ہے۔ جس سے آپ کا دماغ ایسا تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہتے +

## (۱۶) الْقَهَّارُ

(زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

قَهَّار وہ ہے، جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی مکر توڑ ڈالے۔ ان کو ہلاک کرے یا ذلیل بنا کر قہر سیدہ کرے۔ بلکہ قَهَّار وہ فاعل ہے، جس کے قہر و قدرت کے نیچے ہر موجود خفا اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو +

تنبیہ۔ بندوں میں سے قَهَّار وہ ہے، جو اپنے دشمنوں کو سوردِ قہر بنا دے۔ انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے، جو اس کے پہلو میں موجود ہے۔ شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی پر آمادہ ہے، جو اس کو دھوکا دیا کرتا ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔ تو شیطان بھی دب جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان انہیں خواہشات کے ذریعے سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ شیطان کا ایک جال عورتیں ہیں جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو، وہ اس بھندے میں نہیں بھنستا۔ اسی طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن میں رہتا ہے جب آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے۔ وہ تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔ پس اس پر کسی کا دواؤ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مددگار ہو گا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں۔ اور یہ گویا اس کی روح کو زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں



خواہشات کو مار لیتا ہے۔ وہ موت کے بعد ابی زندہ گی پاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ  
الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ یعنی جو لوگ اللہ  
کی راہ میں کام آئے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے اللہ کے پاس رزق پاتے ہیں +

## (۱۷) الْوَقَابُ

(بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش جب اس قسم کی بخششیں بکثرت  
ہوں۔ تو ان کے فاعل کو جَوَاد اور وَهَّاب کہتے ہیں۔ اور حقیقی جود و عطا اور ہبہ  
صرف اللہ تعالیٰ سے متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہی ہر محتاج کی حاجت بلا معاوضہ  
اور بلا کسی فوری یا بہ دیر حاصل ہونے والی غرض سے پوری کرتا ہے۔ جو کوئی کسی غرض کیلئے  
کچھ عطا کرے جو فی القور یا بدیر حاصل ہونے والی ہو۔ اور وہ غرض یا محض مع دستاویز ہو یا  
باہمی دوستی، یا رفع الزام، یا حصول رتبہ و شہرت ہو۔ تو وہ اپنی عطا کا عوض پارٹا ہے۔  
وَهَّابٌ یا جَوَاد کے لقب کا حق دار نہیں۔ کیونکہ عوض ہمیشہ عین ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ جَوَاد  
کہ ابھی حاصل نہیں۔ اور عطا کرنے والے کا مدعا اس عطا سے وہی ہو۔ وہ عوض ہے۔ پس جس  
شخص نے اس لئے عطا و بخشش کی کہ اُس کی عزت ہو۔ یا اُس کی تعریف کی جائے۔ یا اس  
لئے کہ اُس کی نسبت بدگویی نہ بچائے۔ تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے حقیقی  
جَوَاد وہ ہے جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے  
مخلوص نیت کرتا ہے۔ اور وہ کام اس کی اصلی غرض اور وہی اس کا عوض ہے +

تنبیہ۔ بندہ سے جود و بخشش متصور ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تا وقتیکہ وہ اس کام  
کے کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا۔ اس وقت وہ اس کو مانع نہیں سمجھتا۔  
پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہوگا۔ لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتّٰی کہ اپنی جان بھی فدا  
اللہ کے لئے دے ڈالے، نہ بہشتی نعمتوں کے حصول کے لئے۔ نہ عذاب و دوزخ کے خوف سے  
اور کسی فوذا یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لئے جو بشری مطالب میں سے ہو۔ البتہ یہ  
شخص ایک طرح سے وَهَّاب اور جَوَاد کے خطابات کا مستحق ہے۔ اس سے کم رزق و  
شخص ہے، جو اس غرض سے بخشش کرے کہ بہشت کی نعمتیں حاصل ہوں۔ اور اس سے



شیخے اس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکر خیر کی خاطر سخاوت کرے +  
 جو شخص اپنے جود و عطیہ کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست  
 لین دین نہیں ہو سکتا۔ تو وہی لوگ اس کو جواد کے لقب کا حق دار سمجھتے ہیں۔ جن کے  
 نزدیک صرف اتنی چیزیں عوض ہو سکتی ہیں +

سوال۔ جو شخص اپنا تمام ملوک مال بلا کسی عامل و آجل غرض کے خالصاً لوجہ اللہ  
 دے ڈالتا ہے۔ اس کو کیوں جواد نہیں کہا جاتا حالانکہ وہ کوئی حفظ نہیں پاتا؟

جواب یہ ہے کہ اس کا حصہ خاص خدا کی ذات۔ اس کی رضا اور اس کا دیدار  
 اور اس کا وصال ہے۔ اور یہ حصہ وہ سعادت عظمیٰ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیاریت کی  
 بدولت حاصل کرتا ہے۔ اور یہ وہ حصہ ہے جس کے آگے سارے حصے ناچیز ہیں +

سوال یہ جو کہا کرتے ہیں کہ خدا کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ تو خدا کی  
 ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو مد نظر نہیں ہوتی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا  
 فعل غرض سے خالی ہو نہیں سکتا۔ تو خاص خدا کی خاطر عبادت کرنے والے اور کسی دوسری  
 غرض کے لئے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب جمہور کے نزدیک حفظ غرض سے مراد لوگوں کے مشہورہ اغراض میں  
 جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصد خدا کی ذات کے سوا اور کوئی  
 شے نہیں رہتی۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا +

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ نہ خاص آقا کے لئے کرتا ہے  
 بلکہ اس انعام و اکرام کے لئے کرتا ہے۔ جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آقا اپنے  
 غلام کے ساتھ حسن سلوک کوئی خاص اس کی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اس خدمت گزار کی  
 کی خاطر کرتا ہے۔ جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے۔ مگر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور  
 اس کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتا ہے۔ تو خاص اسی کی ذات کے لئے کرتا ہے کسی غرض  
 کے لئے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو۔ بلکہ اگر باپ کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا ہو۔  
 تو بھی اس کے مصلح میں بابرہ و تیار رہیگا +

یہ سوال مذکورہ تفسیر پر طالع ہے جس کے آغیز میں کہا تھا کہ بندہ سے وہ بخشش ضروری نہیں ہوتی بلکہ پھر کہ  
 تو کہا تھا کہ بندہ اپنا ملوک مال و جان خدا کی خاطر دے ڈالتا ہے وہ جواد کہنے کا مستحق ہے۔ تو یہ گویا ایک تجویز کی

صورت نکالی تھی + نہ ترجمہ



اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے غاصر اس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو۔  
 بلکہ اس کے ذریعے سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو۔ تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں ہے  
 کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مدعا نہیں ہے۔ بلکہ اصلی مدعا اور شے ہے جیسے ایک شخص  
 سونے کی جستجو میں ہے۔ تو سونا اس کا مطلب لذتہ نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہے  
 کہ اس کے ذریعے سے پوشاک اور خوراک کا سامان حاصل کرے۔ اور پھر یہ امور بھی مطلوب لذتہ  
 نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہیں کہ ان کے ذریعے سے آرام اور دفع محیف کا مقصد حاصل ہو  
 یہ امور البتہ مطلوب لذتہ ہیں۔ ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے غرض  
 سونا طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے۔ اور آرام ہی اصل مقصود ہے۔ یہ  
 آگے کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ باپ کو  
 بیٹے کی سلامتی خاص بیٹے کی خاطر مطلوب ہے۔ کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی ملحوظ خاطر ہے  
 اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی  
 عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے۔ اس کا آخری مقصد نہیں بنایا۔ واسطہ کی علت  
 یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسے  
 اگر مذکورہ مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام بھی نہ لے۔ کیونکہ اصلی غرض  
 کا حاصل کرنا منظور ہے۔ سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں ہے۔

اگر اس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی۔ تو وہ کبھی  
 خدا کی عبادت نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی محبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کہ کوئی اور شے۔  
 لیکن جس کا اصلی مطلوب محبوب خاص خدا کی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں۔ بلکہ خدا کے دیدار۔  
 اس کے قرب اور طمأنینہ کی ملاقات سے سرور رہنما اس کی غرض ہے۔ اس کی نسبت جو کہا  
 جائیگا۔ کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لئے کرتا ہے، تو اس کا یہ معنی نہیں ہوگا۔ کہ وہ  
 کسی مدعا کا طالب نہیں ہے۔ بلکہ یہ معنی ہوگا کہ اس کا مدعا خاص خدا کی ذات ہے۔ اس کے  
 سوا اور کوئی غرض اس کو مد نظر نہیں ہے۔ اور جو شخص دیدار الہی اور اس کی معرفت اور شہاد  
 اور قرب کے سرور کی لذت پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اس کا شائق نہیں ہو سکتا۔ اور جو اس کا  
 شائق نہیں۔ اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ ذات خداوند اس کی مقصود ہو لہذا  
 اس کی عبادت کی وہی کیفیت ہوگی۔ جیسے کوئی مزدور اجرت کی طمع پر کام کرتا ہے۔ اگر



لوگ اس لذت سے نا آشنا اور اس کے معنے سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ مشاہدہ ذات باری کی کیا لذت ہے۔ وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں کا میلان صرف بڑی آنکھوں والی پیاری پیاری حوروں کی طرف ہے +  
 اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر خدا کی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض و مقصد کہا جاسکتا ہے۔ تو اغراض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے۔ اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنے مراد ہو۔ جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ غرض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول سے بہتر ہو۔ تو اس غرض میں شمار کیا جائیگا +

## (۱۸) الرِّزْقُ

(روزِ پہنچانے والا)

رِزْق سے مراد وہ ذات پاک ہے جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لئے روزی سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کئے +

رِزْق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری رِزْق، جس سے مراد غذا و خوراک ہے۔ جو اشیاء ظاہرہ کے لئے ہے۔ اور یہ اشیاء بدن ہیں +  
 دوسرا رِزْق باطن ہے۔ اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور رُوح کے لئے ہے +

دوسرا رِزْق زیادہ قابلِ عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے۔ اور رِزْق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قائم رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دونوں رِزْق پیدا کرتا ہے۔ اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے وَلِكِنَّهُ يَكْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَعْدِلُ +

تنبیہ۔ اس وصف سے بندہ کا اصلی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس وصف کی حقیقت سمجھے۔ اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے۔ لہذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رساں سمجھے۔ اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔ جیسے کہ



حاتم اشم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو:-

حاتم:- اُس کے خزانے سے +

سائل:- کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینک دیتا ہے +

حاتم:- اگر زمین اُس کی اپنی نہ ہوتی۔ تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی

پھینکنی پڑتی +

سائل:- تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو +

حاتم:- اس لئے کہ اُس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے +

سائل:- معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا +

حاتم:- اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھیر نہیں سکتا +

بندہ کے حصے میں دو سرائر یہ ہے کہ خدا اُس کو نیک ہدایت کرنے والا علم۔ اور

نیکی کا راستہ دکھانے والی زبان۔ اور صدقہ و خیرات دینے والا ماتھے عطا کرے۔ اور وہ

اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت و رزق

پہنچنے کا موجب ہو اور خدا جب اپنے بندے پر محبت کی نظر کرتا ہے۔ تو اُس کی طرف

لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے۔ اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق

کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے +

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْخَازِنُ الْاَمِينُ الَّذِي يُعْطِي

مَا اَمَرُوْهُ بِطَيْبَةٍ بِهٖ نَفْسُهٗ اَحَدًا الْمُتَّصِلًا قِيْنٍ يَعْنِي دِيَانَتِ دَارِ خِرَانِجِي کہ جو کچھ اس

کے مالک نے فرمایا ہو، دل کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات و صدقہ دینے والا ہے +

بندوں کے ماتھے خدا کے خزانے ہیں۔ پس خدا نے جس شخص کے ماتھوں کو بندوں کے

رزق کا خزانہ۔ اور اُس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو۔ اس نے اس وصف

سے بہت بڑا حقد حاصل کیا ہے +



## (۱۹) الْفَتْحُ

(شکل کشا۔ یا بندوں میں حکم کرنیوالا)

فَتْح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر مخلوق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جس کی ہدایت سے ہر شکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر مہم کس فتح کرتا ہے اور دشمنوں کے ہاتھ سے جبین لیتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لَا يَخْفِزُ لَكَ اللَّهُ (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر، تاکہ نبخشے واسطے تیرے خدا) اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب اٹھا کر ان کے لئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کی منزل دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے مَا يَفْتَحُ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا یعنی اللہ لوگوں پر جو رحمت کے دروازے کھولتا ہے، کوئی اُن کو بند نہیں کر سکتا۔ اور جس کے ہاتھ میں غیب کی کُنْیاں اور مدق کی کُنْیاں ہوں۔ وہ فَتْحٌ کہلانے کا سب سے بڑا حق دار ہے۔

**تنبیہ** بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی زبان کے ساتھ مشکلات الہیہ کے نکات حل ہوں۔ اور اُس کی معرفت سے وہ دینی دنیوی امور آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لئے مشکل ہو رہے ہیں۔ تاکہ اس کو اسم الْفَتْح سے پورا حصہ مل سکے۔

## (۲۰) الْعَلِيمُ

(بہت جاننے والا)

اس کے معنی ظاہر ہیں۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل چیز کا علم اول سے آخر تک لکھتا ہو۔ اور یہ علم وضوح و کشف کے سب سے زیادہ کمال طریقے سے ہو۔ جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصویروں میں نہیں آ سکتا۔ پھر یہ کہ وہ معلومات کے ذریعے سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ تمام معلومات اُس کے ذریعے سے حاصل کئے گئی ہوں۔

**تنبیہ**۔ بندہ کا عَلِيم کے اسم سے جو حصہ ہے۔ وہ مخفی نہیں لیکن اس کا علم خدا کے نام سے تین باتوں میں جدا ہے :-



(۱) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات گوگتنی ہی زیادہ ہوں۔ مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی ہیں۔ پس ان معلومات کے ساتھ اُن کو کیا نسبت جو بے انتہا ہیں +

(۲) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ خوب روشن ہو۔ مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے بعد مَنوَح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو۔ بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا، جیسے ایک باریک پردے سے دیکھ رہا ہو۔ اور پھر درجاتِ مشاہدہ میں جو فرق ہے، اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے۔ اور طلوعِ فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے +

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم شیا کے علم سے حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اشیا اس کے علم سے مستفاد ہیں۔ اور بندہ کو جو اشیا کا علم ہے۔ وہ اشیا کے تابع اور اشیا ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو۔ تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے کے علم کو واضح شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو۔ اور غور کرو کہ واضح کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے۔ اور واضح کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم ہے۔ اور سیکھنے والے کا علم موقوف ہے۔ اسی طرح اشیا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور ان سب کا سبب ہے۔ اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے +

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے جس کا موضوع زیادہ شریف ہو۔ اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے۔ بلکہ تمام اشیا کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے، وہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے۔ جو بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ یا اس امر کی معرفت ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کی معرفت اور اُس کے قریب کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ جو معرفت اس سے خارج ہو۔ اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے +

(۲۲) الْبَاسِطُ

(۲۱) الْقَابِضُ

(بندوں کی روزی منسلخ کرنا والا)

(بندوں کی روزی محدود کرنا والا)

یہ اس معبودِ برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے



زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے۔ اور انھیائے خیراتیں بند کر لیتا ہے۔ محتاج لوگوں کے لئے رزق وافر کر دیتا ہے۔ اور انھیائے کے لئے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا۔ فقیروں کو تنگ دست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ بیچارے عاجز آجاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پروائی۔ بزرگی اور جلال کا پورا پورا احساس دلا کر ضیق میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر اپنے لطف و احسان اور جمال کے فیضان سے ان پر بطل کی حالت طاری کر دیتا ہے +

**تذکرہ بندوں میں قابض و باطل** وہ ہے جس کو خدا کی طرف سے عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا حال سُنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنا دیتا ہے۔ اور کبھی اُس کے جلال اور کبریا اور اُس کے عذاب و بلا کے اقسام اور اپنے دشمنوں سے اُس کے انتقام کا حال سُنا کر ڈراے، اور ان کے دل میں سنسنی ڈال دے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات سُنا کر صحابہؓ کے دل عبادت سے تنگ کر دیئے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو قیامت کے دن فرمائے گا ابعث بعث النادر (دوزخی جماعت روانہ ہو حضرت آدم علیہ السلام پوچھ گئے کہ کتنے دوزخی! تو خدا فرمائے گا، ہزار میں سے نو سو تانویں جس سے صحابہ کے دل ٹوٹ گئے۔ اور وہ عبادت سے سُست ہوئے۔ جب صبح ہوئی۔ اور آپ نے اُن کی سُستی اور قبض کجی ملاحظہ فرمائی۔ تو ان کے دلوں کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ اور یہ فرما کر اُن پر بطل کی حالت طاری کر دی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ اُمتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئیگی جس طرح ایک سفید رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ خال +

(۲۴) الزاۃ

(۲۳) الخفافۃ

(فرمانبرداروں کو بلند کرینوالا)

(نافرانوں کو پست کرینوالا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا ہے۔ اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کر دیتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی بخشتا ہے اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔ جو شخص محسوسات اور تخیلات سے اپنا مشاہدہ اور بری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کر لیتا ہے۔ اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین



کے مقام تکمیل کی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر، اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر، جن میں جو پائے بھی اس کے شریک ہیں، مائل رکھتا ہے۔ تو اُس کو وہ سفل السافلین میں کرا دیتا ہے۔ اور یہ کام خاص خداوند تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اہذا وہ خافِض اور مہرِافِع ہو۔  
تنبیہ۔ ان اسموں سے بندہ کا حقیقہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ حق بات کہنے والے کی تائید کرے۔ اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھمکے۔ خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرے، تاکہ ان کو پست کرے۔ اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے، تاکہ ان کو عالیٰ رتبہ ہونے میں مدد دے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے کسی ولی کو فرمایا ہے کہ:-

”تم نے دنیا میں زہد کیا تھا۔ اُس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی۔ اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہو گیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی؟“

(۲۵) اَلْمُعِزُّ | (۲۶) اَلْمُذِلُّ

(عزت دینے والا)

(ذیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھینے۔ سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذات اور شمولیت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو۔ پس اُس نے جس شخص کے دل سے پردہ اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس ذات والا صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا۔ اور اُس کو قناعت کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اُس کی بدولت مخلوق سے پرعواہ ہو گیا۔ اور اُس کو قوت و طاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفات پر غالب آ گیا۔ تو اُس کو اس جہان میں بھی غرت اور بادشاہی عطا کی۔ اور پھر آخرت میں بھی تقرب کی عزت بخشیگا۔ اور فرمایگا۔ **يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَّةُ اذْجِیْ اِلٰی رَبِّکِ الْغَیْبِ** یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف جا +

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتیٰ کہ اُس کا محتاج بن جاتا ہے۔ اور اُس پر سقدِ حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک فتناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں ٹپا رہتا ہے۔ اس کو خدا نے بالکل ذلیل کر دیا۔ اور اس سے ملک چھین لیا۔ یہ خدا کے کام ہیں جس



طرح چاہے کرے۔ وہی عزت دینے والا ہے وہی ذلت دینے والا۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اور یہ ذلیل وہ ہے جس کو خدا ان الفاظ سے مخاطب کرتا ہے کہ:-

وَلَكِنَّكُمْ كُنتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَوَبَّعْتُمْ وَادَّبْتُمْ عَنْ تِلْكَ الْأَمْثَالِ  
حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَعَزَّكَمُ بِاللَّهِ الْعُرُودُ فَلَا يُوَفُّكُمْ مِنْكُمْ فَنَذِبُكُمْ  
(الآیہ) یعنی لیکن تم نے اپنے آپ کو فتنہ میں ڈالا اور گھات میں بیٹھے اور شک کیا۔ اور تم کو  
آرزوں نے دھوکا دیا یہاں تک کہ خدا کا حکم آیا۔ اور غور کرنے سے تم کو خدا کی نسبت غلط فہمی میں  
ڈال رکھا۔ پس آج تم سے فدیہ منظور نہیں کیا جائیگا۔

## (۲۷) السَّمِيعُ

(بہت سُننے والا)

سَمِيعٌ وہ ذات ہے جس کے ادراک سے کوئی سُننے کی بات مخفی نہیں رہتی۔  
خواہ باریک سے باریک ہو۔ وہ رات کے وقت صاف پتھر پر چلنے والی چیونٹیاں کے پاؤں  
کی آہٹ بھی سنتا ہے۔ حمد کہنے والوں کی حمد شکر جزائے خیر دیتا ہے۔ دُعا کرنے والوں کی دُعا میں شکر  
قبول کرتا ہے۔ اس کی شنوائی کانوں اور کان کے پردوں کے بغیر ہی ہے جس طرح کہ اُس کے  
دوسرے افعال بلا اعضائے اور کلام بے زبان کے ہے۔ اور اس کی شنوائی حدوث و تجدد  
سے پاک ہے۔

جب تم کو یہ معلوم ہو چکا کہ اُس کی شنوائی ایسے تغیرات سے پاک ہے جو سُموتا  
کے تازہ وقوع کے وقت ماضی ہو سکتے ہیں۔ اور تم نے اس کو اس امر سے منزه سمجھ لیا،  
کہ وہ کن یا کسی دوسرے آلہ سے سُننا ہو۔ تو تم آپ سے آپ توجہ نکال سکتے ہو کہ اس کی شنوائی  
کیا ہے؟ ایک صفت ہے جس سے اشیاء کی صفات کی پوری کی پوری بابت اُس پر کشف ہو جاتی  
ہیں۔ جو شخص اس امر پر غور نہیں کرتا۔ وہ تشبیہ کے خیال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ تم اس سے بچو  
اور ذرا غور و فکر سے کام لو۔

تشبیہ - بندہ کو حس کی حیثیت سے شنوائی کا جو حصہ حاصل ہے۔ وہ ناقص ہے

یعنی خدا کی شنوائی کو جہانات کی شنوائی جیسی سمجھنے لگتا ہے ۱۱ منبر



کیونکہ تمام سموجات کو ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف انہیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں۔ پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے۔ اگر آواز دھیمی ہو۔ تو وہ ادراک کر نہیں سکتا۔ اگر دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا۔ اگر آواز بڑی ہو، تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے۔ اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے +

شنوائی سے بندہ کا دینی حصہ و امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ مہمبوع ہے۔ لہذا اپنی زبان کو بُرے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے + دوئم یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا کلام سننے جو اُس نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے۔ غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال نہ کرے +

## (۲۸) الْبَصِيرُ

(بہت دیکھنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ مٹی میں چھپی ہوئی چیزیں بھی اُس کی نظر سے مخفی نہیں ہیں۔ اس کا دیکھنا بھی پتلی۔ ڈھیلے اور پوٹے وغیرہ سے پاک ہے۔ اور اس معنی سے بری ہے کہ اُس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں۔ جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ امور ان اثرات و تغیرات کی قبیل سے ہیں۔ جو تجمد و وحدت کے مقتضی ہیں۔ جب وہ ان امور سے پاک ہے۔ تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیدنی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بینائی اُس بینائی سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے۔ جو آنکھوں کو حاصل ہے۔ اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے +

۱۵ شاید تم اعتراض کرو کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ سارا دن قرآن ہی سنتے رہیں اور دنیا کی کوئی بات درمیان نہ آئے۔ نہیں نہیں تم اس کا مطلب نہیں سمجھتے مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شمار و ذمی کار و بار میں جو مختلف معاملات میں پیش آتے ہیں ان کے متعلق ہر وقت قرآنی احکام کا پابند رہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو اُس کو ضرور قبول کہنے خواہ احکام الہی کے لباس میں اس کو سنائی گئی ہو یا سرکاری قانون کی صورت میں پیش کی گئی ہو یا دوستانہ مشورے کے رنگ میں۔ جو بات اس کے خلاف ہو اُس کو قبول کرنا تو جبارانہ سننا بھی کہلا کرے + مترجم



تنبیہ۔ وصف بصورتِ حق کی حیثیت سے جو حصہ بندہ کو حاصل ہے، وہ ظاہر ہے۔ لیکن ضعیف و قاصر ہے۔ کیونکہ اس کی طاقت دُور تک کام نہیں کرتی۔ اور نہ اشیاء میں جاتی ہے۔ بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے چھپی ڈھکی باتوں سے قاصر ہے۔ دینی حصہ دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ یقین رکھے کہ اس کو مینائی اس لئے دی گئی ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے، تاکہ اس کو عبرت حاصل ہو۔ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا ہوگا؟ فرمایا ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لئے ہو۔ اور خاموشی غور و فکر کے لئے اور کلام، خدا نے ذکر کے لئے، وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یاد رکھے کہ وہ ہر وقت خدا کی نظر میں ہے۔ لہذا اس کی نظر سے بے پروائی نہ کرے۔ جو شخص لوگوں سے ایسی باتیں چھپاتا ہے، جو اللہ سے نہیں چھپاتا۔ وہ گویا خدا کی نظر سے بے پروائی کر رہا ہے +

اس صفت پر ایمان لانے کا ایک نمرہ مراقبہ ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ خدا اُس کو دیکھ رہا ہے۔ اور پھر کسی گناہ کے قریب جاتا ہے، وہ کیسا دلیر اور گستاخ ہے! اور اگر یہ گمان رکھتا ہے کہ خدا نہیں دیکھتا۔ تو وہ کتنا بُرا کافر ہے!!!

(۲۹) الحکمہ

(مخلوقات کا حاکم)

حکم وہ حاکم ہے۔ جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اور جس کے آگے سب مخلوق تسلیم خم کرتی ہے۔ جس کے حکم کو کوئی نامنظور نہیں کر سکتا۔ اور نہ اُس کے فیصلے کو واپس کر سکتا ہے۔ جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے کہ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝ نَفْسٌ سَعِيَةٌ سَوْفَ تَبْتَغِي ۝ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَافٍ ۝ اور اُس کی کمائی عنقریب دیکھ لی جائیگی۔ اِنَّ الْاَبْرَادَ لَكِنِّي نَعِيْمٌ ۝ اِنَّ الْفِتَارَ لَكِنِّي جَحِيْمٌ ۝ یعنی بھلے لوگ نعمتوں میں ہونگے۔ اور بُرے لوگ دوزخ میں ۝

بھلے اور بُرے لوگوں کے متعلق خوش قسمتیاں اور بدبختیاں کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے بھلائی اور بُرائی کو بھلے اور بُرے لوگوں کی سعادت و شقاوت کا سبب بنادیا







سُورخ ہوتا ہے۔ جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے۔ جب سارا پانی نیچے جاتا ہے۔ تو پانی پر تیرنے والا آلہ نیچے لٹک جاتا ہے۔ ادھر اُس کے ٹکٹے سے دھاگے کو جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں آگرتا ہے۔ اور اُس کے گرنے کی آواز سن کر اُس پاس کے لوگ خبردار ہو جاتے ہیں۔ ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔ گیند کے دوبارہ گرنے کا درمیانی عرصہ پانی کے ٹکٹے اور بہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات سُورخ کے مقدار پر موقوف ہے جس سے پانی نکلتا ہے۔ اور یہ امر حساب کے طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے +

غرض کہ پانی کے بمقدار معلوم نہ کھنے پر سُورخ کی کشادگی کا اندازہ موقوف ہے۔ اور اس انداز سے پانی کی بالائی سطح نیچے اُترتی ہے جس پر خوف آلہ کا معین عرصہ میں نیچے ٹٹک جانا اور دھاگے کا کچ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے۔ اور یہ تمام ہو اپنے اپنے سبب کے مقدار اور اندازہ پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ جو زیادہ ہوتا ہے نہ کم۔ اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا، ایک دوسری حرکت سبب بنا دیا جائے۔ اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔ اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پائیں۔ جو محدود و مقرر ہوں۔ اور جن کا سبب پانی کا بہنا ہو +

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے۔ تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس آلہ کے واضح کو تین امور کی ضرورت ہوگی :-

(۱) تدبیر۔ وہ اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کون کون سے آلات و اسباب درکار ہونگے۔ اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑے گا۔ اسی کو حکم کہتے ہیں +

(۲) اُن آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اہل ہیں۔ یعنی :-

ا۔ ستونِ نا آلہ۔ جو پانی سے پرکھا جائے +

ب۔ خوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے +

ج۔ دھاگا۔ جو اس کے ساتھ باندھا جائے +

د۔ جن میں گیند رکھا جائے +



۴۔ طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے + یہ قضا ہے +

(۳۱) وہ سبب قایم کرنا۔ جو اس محدود و مقدر حرکت کے جاری ہونے کا موجب اور دستون نما آلہ کے نیچے کا سُورخ ہے۔ جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جائے۔ جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترے۔ اور اس پر تیرنے والا جو تکیہ ٹک جگا پھردھا کا تن جلے۔ اور گیند والے طرف کو حرکت ہو۔ اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آگرے جس سے ایک آواز پیدا ہو۔ حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور دیکھنے ختم ہوتا معلوم کر کے کوئی نماز کو دوڑے۔ کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ تمام سورا یک نما مقدار پر قایم کئے جاتے ہیں۔ جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت پانی کی ہوتی ہے +

اب تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ تمام آلات مُمول ہیں۔ جن کا ہونا مطلوبہ حرکت کے لئے لازمی ہے۔ اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہئے۔ تاکہ اس سے پیدا ہونیوالا نتیجہ خاص اندازہ سے اور مقدار پر ہو +

اسی پر قیاس کر کے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو۔ جو اپنی سیعاد کے تر جانے پر۔ یعنی اپنے سبب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و مؤخر نہیں ہوتے اور یہ تمام حوادث اور ان کی سیعاد ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے۔ **إِنَّ اللَّهَ بَارِعُ أَمْرٍ**، **قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا** (بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا کر کے رہتا ہے) اور اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھیک ہی رکھا ہے (چنانچہ آسمان بتائے زمین۔ سمندر۔ دریا۔ اور ہوا وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ آلات کی مثل ہیں۔ اور آسمان اور چاند، سورج وغیرہ ستاروں کو مناسب حساب کے ساتھ حرکت دینے والا سبب اُس سُورخ کے مثل ہے جس سے پانی نکلتا تھا۔ پھر سورج اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنانا ایسا ہے جیسے پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گر پڑتا ہے جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے +

آسمان کی مختلف حرکت زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں  
کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے۔ تو عالم میں روشنی



پھیل جاتی ہے۔ اور لوگوں کو اشیائے عالم کا دیکھنا اور محسوس کرنا میسر ہوتا ہے۔ جس سے اُن کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور جب سورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ جب سورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں تھوڑا سا گرم ہو جاتی ہے۔ تپش بڑھ جاتی ہے۔ اور سوئے پک جاتے ہیں۔ جب سورج دوسری فصل میں آسمان کے ایک کنارے پر جا رہتا ہے۔ تو سردی کا موسم آ جاتا ہے۔ اور جاڑا پڑنے لگتا ہے۔ جب سورج اوسط درجے پر ہوتا ہے تو موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اور بہار کا موسم آ جاتا ہے۔ نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ سبزیاں لگتی ہیں۔ غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں۔ بہت سی غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو۔

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قائم ہے کیونکہ وہ چاند سورج کی حرکت سے وابستہ ہے۔ خدا نے فرمایا ہے وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ یعنی سورج اور چاند کی حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔ پس اس تناسب کا قائم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قصداً ہے۔ اور پہلی تہیر جو چشمِ زون میں انجام پاتی ہے، حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان امور کے لحاظ سے بالانصاف حکم دیتا ہے۔

جس طرح آلہ اور دھارے اور گھید کی حرکت آہستہ آہستہ والے کے ارادہ سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقصود وہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا بُرے، مفید یا مضر حوادث واقع ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے خارج نہیں ہوتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے اس نے اسباب مہیا کئے ہیں۔ اور یہی معنی ہے اس کے قول کا کہ وَإِذْ لَقَّ خَلْقَهُمْ۔

عام مثالوں کے ذریعہ سے امور الہیہ کا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن اس قسم کی مثالوں سے مراد صرف تہنیه ہوتی ہے۔ لہذا مثال کے زیادہ نیچے نہ پڑو۔ طلب کی بات کا لحاظ رکھو اور تشبیہ سے بچو۔

تہنیه۔ بندہ کے صدمہ میں جو حکمت و تدبیر اور قضا و تقدیر ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہو گے۔ اور یہ ایک معمولی بات ہے۔ بڑی بات جو بندہ



کے حصے میں ہے۔ وہ ریاضات و مجاہدات کی تدبیر اور سیارات کی تقدیر ہے۔ جس سے دین و دنیا کی عام ہیودسی وابستہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہمیں دنیا میں اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ اور آباد کیا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں +

دینی ختمہ جو خدا کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سرانجام ہو چکا ہے۔ اور اس سے گریز کی صورت نہیں۔ وَقَدْ جَعَلَ الْقَلَمُ بِمَاهُوًّ كَارِثٌ یعنی "تقدیم قدرت" ہونے والی بات کو لکھ کر خشک ہو چکا ہے۔" اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مستببات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اور ان اسباب کا مستببات کو زندگی بخشنا اور مبادی مقررہ تک قایم و دائم رکھنا واجب احوال ہے + پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے۔ یعنی اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ واجب لذاتہ نہیں ہوتی۔ لیکن قضائے الٰہی کی رُو سے جو پھر نہیں سکتی واجب ہے۔ اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور ہی ہونے والا ہے۔ غم و الم محض نائد ہے۔ اور وہ طلبِ رزق میں مطمئن۔ تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا +

سوال۔ اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ غم و الم، زائد کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں ہے؟ اس کا بھی تو سبب ہے۔ جب یہ سبب جاری ہوتا ہے۔ تو غم و الم کا عارض ہو جاتا ہے +

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سرانجام کو پہنچ چکا ہے۔ تو پھر نسل و نسل کس لئے کیا جاتا ہے۔ وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فلان ہو چکا ہے؟

جواب پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے۔ وہ ضرور ہوگا۔ اب غم نائد ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر پر نایا اور اس سے خارج ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے۔ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ تقدیر کو دفع نہیں کر سکتا۔ جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس امر کا ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک طرح مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت نازل کر لیا ہے۔ اور اگر اس کا



کا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو غم کے کیا معنی۔ غرض ان دونوں صورتوں سے غم نائد ہے۔  
 عمل و فعل کے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کا یہ قول جواب ہے کہ  
 اعملوا فكل ميسر لما خلق له جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سعادت مقدر  
 ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے۔ تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ  
 طاعت ہے۔ اور جس شخص کے لئے بد بختی مقدر ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے  
 اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کاربند ہونے میں شہستی کرتا ہے۔ اور کبھی اس شہستی کا باعث  
 یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت  
 نہیں۔ اور اگر بد بخت ہوں۔ تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ خیال ہے۔ کیونکہ وہ اتنا نہیں  
 سمجھتا کہ اگر خوش قسمت ہوا۔ تو اسی لئے خوش قسمت ہو گا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی  
 علم و عمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہونے۔ اور وہ ان پہ نہ چلا۔ تو یہ اس کی  
 بد بختی کی نشانی ہے +

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے۔ جو امامت کے درجہ کو  
 پہنچا ہوا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جائیگا کہ علم پڑھو۔ خوب کوشش اور نگاہ تار محنت کئے جاؤ۔ اور  
 وہ کہے کہ خدا نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے۔ تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں  
 اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لئے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے  
 تو اس کو یہی کتنا پڑ لگا کہ اگر تیرے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے۔ تو یقیناً تیرے لئے  
 ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے۔ اس کے لئے ایسا  
 بھی جیتا ہوتا ہے۔ اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ اور وہ ایسے ہیودہ خیالات اور  
 وسوس کو دور کرتا رہتا ہے۔ جو اس کو شہستی اور نا کارہ پن پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ  
 جو شخص کوشش نہیں کرتا۔ وہ قطعاً امامت کا درجہ نہیں پاتا۔ اور جو شخص کوشش کرتا  
 ہے۔ اور اس کے لئے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں۔ اس کی حصول غرض کی تباہی  
 سچی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قائم رہے۔ اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے  
 جو اس کی رفتار کو روک دے +

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے جس کو خدا تعالیٰ  
 نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے۔ جو کوشش سے حاصل



کی جاتی ہے۔ جس طرح فقہ نفس اور فقہ امامت کو کوشش سے حاصل کی جاتی ہے، کچھ بھی فرق نہیں۔ ہاں شاہدہ حکم میں بندوں کے مختلف درجے ہیں۔ بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں۔ کمان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ اور بعض ابتدا کا لحاظ کرتے ہیں کہ خدا نے نازل میں کیا لکھ دیا ہے۔ اور یہ لوگ اعلیٰ درجہ پر ہیں۔ کیونکہ خاتمہ ابتدا کے تابع ہے بعض ماضی مستقبل دونوں سے دست بردار ہیں، وہ ابن الوقت ہیں۔ یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے ہیں۔ اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں۔ وہ پہلے سائے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض حال و ماضی و استقبال سب سے کنارہ کش ہیں۔ ان کا دل حکم میں مستغرق اور شہود میں مصروف ہے۔ یہ درجہ سب سے بالاتر ہے۔

## (۳۰) الْعَدْلُ

(منصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عَدْلُ کے معنی عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو جو ظلم و ستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا، اس کے عدل کو نہیں پہچانتا لہذا جو شخص اس وصف کو معلوم کرنا چاہے۔ اس کو چاہئے کہ حتیٰ المقدور اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا احوال بالاسمان سے یکسر زیر زمین تک تعلق رکھتے ہیں، علم حاصل کرے۔ حتیٰ کہ جب وہ خدا کی آفرینش میں باوجود اپنے مکر اور سہ کر غور و فکر کے کسی قسم کی کمی یا قصور نہ پائیگا۔ تو بارگاہ رب العزت کی شان و عظمت اس کو دم بخود بنا دیگی۔ اور اس کے کاموں کا اعتدال و انتظام اس کو حیران کر دیگا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس ذہن میں آ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی و روحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔ اور ہر شے اس کی آفرینش عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد (عالیٰ حوصلہ) ہے۔ اور ہر چیز کو اس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عدل ہے۔ چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آسمان اور ستارے ہیں۔

خلق نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے۔ زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے۔ اس پر پانی کو جگہ دی ہے۔ پھر پانی پر ہوا کا مقام



بنایا ہے۔ اور ہوا پر آسمان قائم کئے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے۔ تو سارا نظام باطل ہو جائے۔ شاید یہ عدل و نظام کے لئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اکثر لوگوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ لہذا ہم عام لوگوں کے فہم و ادراک کا لحاظ رکھ کر کہتے ہیں کہ انسان کی جیسے کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے، جو مختلف اعضا سے مرکب ہے۔ جیسے کہ عالم کا بدن مختلف اجسام سے مرکب ہے۔ انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی۔ گوشت اور چمڑے سے مرکب کیا ہے۔ ہڈیوں کو کھوکھلے ستون بنایا ہے۔ اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے۔ اور چمڑا گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے۔ اور اندر کی چیز باہر رکھی جا تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے۔

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے۔ تو ایک اور مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے مختلف اعضا مثلاً ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھیں۔ ناک اور کان پیدا کئے ہیں۔ تو وہ ان اعضا کے پیدا کرنے میں تو جواد ہے۔ اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عدل ہے۔ مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ اگر اُس کو گتسی پر۔ یا پاؤں پر۔ یا ہاتھ پر یا کھوپڑی پر بنایا ہوتا۔ تو جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا، وہ مخفی نہیں۔ اور اسی طرح اُس نے ہاتھوں کو کندھوں سے متعلق کیا ہے۔ اگر ان کو سر کے ساتھ یا کونکھوں میں۔ یا گھٹنوں پر لگا دیتا۔ تو اس سے خلل آتا۔ وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس میں جمع کئے ہیں۔ کیونکہ وہ جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اس امر کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے۔ تو یہ بیان بہت لمبا ہو جائیگا۔ مالا جمال اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اُس نے جو چیز جس مقام پر پیدا کی ہے وہ اُسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے اُنیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے بنائی جاتی۔ تو ناقص یا باطل یا خراب یا بد نما اور غیر مناسب ہوتی۔ تاک کہ چہرہ کے وسط میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک خسارہ میں بنایا ہوتا۔ تو اُس کے موجودہ فوائد میں ضرور کمی آجاتی۔ اور سمجھے اس کی حکمت کا بخوبی پتہ لگ جاتا۔

درمخ ہو کہ سورج کو جو خدا نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے۔ تو یہ کوئی لغو بات نہیں ہے بلکہ اُس نے بجا کیا ہے۔ اور اُس کو ایسے مقام پر رکھا ہے۔ جو اس کے مقاصد حاصل ہونے



کے لئے مناسب ہے۔ مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفلی میں غور و فکر کرنے کی کم استعداد ہے۔ اگر تم ان میں نظر کرو۔ تو ایسے عجائبات ملاحظہ کرو جن کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات پہنچیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ آسمان و زمین کی آفرینش لوگوں کی آفرینش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے ارد گرد کے اجسام میں غور کرنے سے فراغت پاتے۔ تاکہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سَلِّمْ عَلٰی اٰیَاتِنَا فَاِنَّهَا لَا تَاْتِيْكَ وَفِيْهَا نَفْسٌ مِّمَّنْ عَمَّرْنَا هُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمٰیْنِ اور خود ان کے نفسوں میں دکھائی گئے۔

یہ مرتبہ تو تم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو۔ جن کے بارہ خدا نے فرمایا ہے کہ وَكَذٰلِكَ يُرِيْضُ اَبْرٰهِيْمَ مَلٰكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَكُوْنُ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ یعنی اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ ارباب یقین میں شامل ہو جائے اور اس شخص کے لئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائیں گے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو۔ اور حرص و ہوا نے اپنا غلام بنا لیا ہو۔

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لئے ایک اشارہ تھا۔ اس کی پوری پوری شرح کے لئے کئی بڑے دفتر درکار ہونگے۔ اور اسی طرح ہر اسم کے معنی کی شرح۔ کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں۔ جن کا سمجھنا افعال اور ان اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے افعال سے موجود ہیں۔ اور جو شخص ان کا محفل یا مفصل علم نہیں رکھتا۔ پس اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر و لغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ ان کا مفصل علم تو حاصل ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ رہا بالا اجمال علم، سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی پیمانہ پر بندہ کو اسماء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اتنی نعمت بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی اور موٹی ہوتی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ بس۔

تنبیہ۔ عدل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں۔ اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غنہ کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنائے۔ اور اگر اس



نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنادیا تو وہ ظلم کا ترک ہوگا۔ یہ تو اپنے نفس کے متعلق عدل کا خلاصہ تھا۔ اور اس کی تفصیل تمام حدودِ شرع کی رعایت ہے۔ اور ہر شخص کے متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو عدل چاہئے وہ ظاہر ہے +

لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ ظلم ایذا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع دینا ہے۔ لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیاروں۔ کتابوں۔ اور اموال سے بھرا ہوا خزانہ کھولے۔ اور اموال تو فتنی لوگوں کو دے ڈالے۔ سیکھ اہل علم کے حوالہ کرے اور ان کو قلعوں کی گنجیاں دیدے۔ کتابیں فوجی لوگوں کو بخش دے۔ اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے حوالہ کر دے۔ تو اس نے نفع تو پہنچایا۔ لیکن اس نے ظلم بھی کیا۔ اور عدل سے کنارہ کشی کی۔ کیونکہ ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا۔ اور اگر مریض کو دوا میں پلانے، پچھنے کا تو فیصد کھولنے میں ایذا دی اور جبر کیا۔ اور مجرموں کو مارنے۔ ماتھ پاؤں کاٹ ڈالنے اور قتل کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائیگا۔ کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے +

دین کی جہت سے اس وصف کے مشابہہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس کی تدبیر اور حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں۔ اور دینی ہی ہیں عیسائی چاہئیں۔ اگر وہ اس کام کو نہ کرتا جو اس نے کیا ہے۔ تو اس سے کوئی اور خرابی پیدا ہو جاتی۔ جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی۔ جیسے کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوئے جائیں تو ایسا نقصان پہنچے۔ جو پچھنوں کی رُو سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ عادل ہے۔ اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ ڈالتا ہے +

زمانہ کو بُرا بھلا نہ کہنا چاہئے۔ اور نہ اشیا کو فلک سے منسوب کرنا چاہئے۔ اور نہ اس پر اعتراض کرنا چاہئے۔ جیسے عام لوگوں کی عادت ہے۔ بلکہ یہ سمجھئے کہ یہ تمام اسباب خدا کے حکم کے تابع ہیں۔ اور سب کے سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مُسَبِّبات کے ساتھ مرتب ہیں۔ اور ان کی ترتیب اعلیٰ درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے +



## (۳۱) اللَّطِيفُ

(باریک بین)

اس اسم کی مستحق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے۔ اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے۔ تو لطیف کے معنی پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم و عمل میں خاص خدا کے لئے تصور ہے۔

خدا کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے۔ اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر محقق بات اس کے علم میں ایسی ہی ظاہر ہے جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے۔ جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا۔ اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنی سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑا طویل چاہتی ہے۔ اور اُمید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسیوں حصے کو بھی کافی ہو سکیں۔ ہاں اس کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جاسکتا ہے۔

خدا کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے۔ تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ تولد کے وقت خدا اس کو سکھا دیتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے۔ خواہ رات کا اندھیرا ہو۔ نہ اور کوئی اس کو سکھاتا ہے۔ اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ اندھے کو توڑ کر چوڑھ لگاتا ہے۔ اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیٹ میں دانت دانت نہیں بناتا۔ کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چلنے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے تو دانت اُگاتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پینے کے لئے ہیں۔ اور ایک کھلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں۔ اور ایک سانس کے دانت ہیں۔ جو کاٹنے کی خاطر ہیں۔ پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چلی میں ڈالنے کے کام



پر اسور کرنا ہے +

ایک نعمت کے میسر ہونے کے متعلق خدا کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندہ کو بلا شقت ہاتھ آتا ہے۔ اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا۔ کسی نے بیج بویا۔ کسی نے سینچا۔ کسی نے فصل کو کاٹا۔ کسی نے کھلیاں سے غلہ نکالا۔ کسی نے اس کو پیسا۔ کسی نے گوندھا۔ کسی نے پکایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کی تفصیل اختتام کو مستحب ہے +

الغرض اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے حکم ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا جو ادا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی مصدور ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا ہر عدل ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس میں نرمی کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی لطف ہے۔ اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسما کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا + بندوں پر اس کا ایک لطف یہ ہے کہ اُس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے۔ اور طاقت سے کم مجبور کیا ہے +

ایک لطف یہ ہے کہ تموزی سی بہت یعنی دنیوی عمر میں خفیف کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دیتی ہے۔ کیونکہ اس عمر کو ابد کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں +

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں سے صاف دودھ۔ اور سخت پتھر و سے نفیس جواہر۔ اور کمہی سے شہد۔ اور کیرے سے ریشم۔ اور سبکے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ۔ اپنی امانت کا حامل۔ اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے۔ اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار میں نہیں آ سکتا +

**تذکرہ** اس وصف سے بندے کا خاص حصہ یہ کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ خدا کی طرف بلباسنے۔ اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ ملانت کرے۔ بلا اس کے کہ تحقیر۔ سختی۔ لڑائی اور تعصب کرے + سب اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک شش موجود ہوتی ہے۔ وہ پاک عادت



اپنے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چٹری باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ مؤثر اور  
پر لطف ہوتے ہیں +

## (۳۲) الْخَبِيرُ

(آگاہ۔ دانا۔ عالم۔ عارف)

خَبِيرُ وہ ہے جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں۔ عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی  
بات ہو۔ کوئی ذرہ حرکت کرے۔ یا ساکن ہو۔ کوئی جان بقرار ہو۔ یا مطمئن ہو۔ اس کو ہر بات  
کی خبر ہوتی ہے۔ اور معنی کے رُوسے علیم ہے۔ لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے  
منوب کیا جائے تو وہ خبیروۃ کہلاتا ہے۔ خبیروۃ دُلے کو خبیرو کہتے ہیں +  
تبیئہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن  
اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو، خبر رکھتا ہو۔ قلب جن چھپی ڈھکی بُرائیوں سے متصف ہو جاتا  
ہے۔ مثلاً بد باطنی، خیانت، دُنیاۓ دون کے لئے ہر وقت مارے مارے پھرنا، بُرائی کی  
نیت رکھنا اور بجلائی ظاہر کرنا، اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا،  
اور اندر کچھ بھی نہ ہونا، ان کو پوری قہرت والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے۔ جو اپنے نفس کا خوب  
امتحان لیتا رہا ہو۔ اور اس کے مکر و تبلیس اور فریب کو اچھی طرح مانتا رہا ہو۔ اور اس کے  
مقابلہ اور مخالفت کے لئے کربستہ ہو جائے۔ اور اس سے بچنے لگے۔ ایسا بندہ خَبِيرُ  
کہلانے کا پورا مستحق ہے +

## (۳۳) الْحَلِيمُ

(بردار)

حَلِيمُ وہ ذات ہے، جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے  
دیکھے۔ پھر بھی وہ غضب میں بقرار نہ ہو۔ نہ اُس کو غصہ عارض ہو۔ اور باوجود پُوئے قتل  
کے وہ بے وصلگی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
كَوَلُوْا يٰۤاٰخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرٰكَ عَلٰى ظَهْرِهِمَا مِنْ دَابَّةٍ  
یعنی اور اگر خدا لوگوں کی بد اعمالیوں پر گرفت کرنے لگے۔ تو رُوئے زمین پر کسی جان دار کو



زندہ نہ چھوڑے +

تنبیہ حکیم کے وصف سے بندہ کا حقد ظاہر ہی ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ علم بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔ جو شرع و تفصیل کا محتاج نہیں +

## (۳۴) الْعَظِيمُ

(بزرگ - بڑا)

واضح ہو کہ عظیم کا اسم اپنی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عظیم ہے۔ اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول عرض او اعظم میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے +

اسم عظیم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آ جاتی ہے۔ دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو جیسے زمین۔ آسمان وغیرہ۔ دیکھو! حتیٰ ایک عظیم مخلوق ہے۔ پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے لیکن یہ چیزیں نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہیں۔ لہذا وہ اپنے نیچے کی اشیاء کے مقابلہ میں عظیم ہیں۔ اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اُس پر حاوی ہو ہی حال آسمان کا ہے۔ پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہیں +

مدرکات بصیرت (جو باتیں عقل میں آ سکتی ہیں) میں بڑا تفاوت ہے۔ بعض کی کثرت و حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے۔ اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے۔ جن اشیاء کی حقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے۔ اگرچہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں +

دوئم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں نا حقیقتہ کسی طرح متصور ہو ہی نہ سکے۔ اور یہ وہ عظیم مطلق ہے، جو تمام عقول کی حدود سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اسکی حقیقت اور بھید کو پا نا تصور میں آ سکتا ہی نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا بیان فن اول میں گذر چکا ہے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے عظیم انبیاء و علماء ہیں۔ جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقائد تصور کرتا ہے۔ تو سبست و غیب سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے



اور دل میں ان کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے ہر نبی اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں عظیم ہے۔ کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے۔ تو اگر وہ اس کے برابر ہو جائے یا اس سے بڑھ جائے تو بھی اس کی طرف اضافت کرنے سے عظیم نہیں کہلائیگا۔ جو عظیم خدا کے سوا کسی اور چیز کے لئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے۔ ایسا عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی عظمت ایک شے چھوڑ کر دوسری شے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف خدا کی عظمت کے، کیونکہ وہ عظیم مطلق ہے۔ بطریق اضافت عظیم نہیں۔

## (۳۵) الْغَفُورُ

(بہت بخشنے والا)

یہ اسم غفار کا ہم معنی ہے۔ لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے۔ جو غفار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ متکرر مغفرت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ فعال کا صیغہ کثرت فعل پر دال ہے۔ اور فقول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دال ہے۔ پس وہ غفور ہے۔ بایں معنی کہ وہ پوری اور کمال غفران والا ہے جس کے وہ مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کے متعلق یہی پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔

## (۳۶) الشَّكُورُ

شکور وہ ہے جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا فرماتا ہے۔ اور چند روزہ عملوں کے بدلے آخرت میں غیر محدود نعمتیں دیتا ہے۔ اور جو کوئی نیکی کا کئی عرصے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔ اور جو کوئی عمن کی تعریف کرے، اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے عمن کا شکر ادا کیا۔ اگر عوض و جن کی زیادتی کے معنی کا لحاظ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا شکور مطلق کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے۔ اس کا شمار و حصر نہیں ہے۔ دیکھو بہشت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کُلُوا وَاشْرَبُوا



هَٰذَا بِمَا اَنْكَرْتُمْ فِي الْاَيَاتِ وَالْحَالِيَةِ یعنی خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو، بعض ان عملوں کے جو تم نے گزشتہ دنوں میں کئے۔ اور اگر تم تعریف کے معنی کا لحاظ کرو تو خدا کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف بن جاتی ہے۔ اور پروردگار عالم جب اپنے بندوں کے عملوں کی تعریف کرتا ہے۔ تو اپنے ہی فعل کی تعریف کرتا ہے۔ کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ شخص شکوہ کھلا سکتا ہے۔ جس کو کچھ ملے اور شکر کرے، تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کر کے اور بندہ ہی کا شکر یہ ادا ادا کرے۔ وہ تو شکوہ کھلا نہ ہی نہایت ہی مقدار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی جو تعریف کرتا ہے۔ وہ اس قسم کی ہے۔ جیسے وَالَّذَا كَرِيْمُ اللّٰهُ كَثِيْرًا وَالَّذَا كِرَاتِ (اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے يَغْفِرُ الْعَبْدُ اِنْ تَلَا اَوْ اَبَّ (کیا اچھے بندے تھے اگر بات بات میں خدا کی طرف رجوع کرتے تھے) وغیرہ۔ اور یہ تمام خدا کا عطیہ ہے +

تنبیہ۔ بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکر کیوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے احسان پر اس کی تعریف کرے۔ اور کبھی اس کی نیکی کا کئی گنا عوض دے۔ اور یہ بات اچھی خصمتوں میں سے ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ (جو بندہ لوگوں کا شکر نہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر یہ کب ادا کرے گا) خدا کے حق میں اس کا شکر بہ ضرورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ تعریف کرے گا۔ تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکیگی۔ اگر اس کی اطاعت کرے گا۔ تو اس کی اطاعت خود اللہ کی ایک دوسری نعمت ہے۔ بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک دوسری نعمت ہے +

اللہ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانیوں میں استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے۔ اور یہ بھی خدا کی توفیق اور رہنمائی کے ساتھ ہے +

بندہ کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نکتہ ہے جس کو ہم نے کتاب احیاء علوم الدین کی کتاب الشکر میں بیان کیا ہے۔ وہاں ملاحظہ کرو یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں +



## (۳۷) اَلْعَلٰی

(نبت اُنچا)

عَلٰی وہ ہے جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں۔ اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ عَلٰی، عُلُو سے مشتق ہے۔ اور یہ اس علو (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) کا مقابل ہے۔ اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے۔ ٹیڑھیوں اور زینوں میں اور اُن تمام مقام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں۔ اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں۔ جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں۔ پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو، اس کو علو مکانی ہے۔ اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اُس کو رتبہ کا علو ہے۔ اور عقلی درجات، حسی درجات۔ درجات عقلیہ کی مثال وہ تفاوت ہے جو سبب و مسبب اور علت و معلول اور فاعل و مفعول اور قابل و مقبول اور کامل و ناقص کے مابین ہوتا ہے۔

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو۔ اور دوسری شے تیسری کی سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبہ میں واقع ہوگی۔ لہذا وہ سب سے اسفل ہے۔ اور پہلا سبب پہلے درجہ میں واقع ہے۔ لہذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہو تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علو سے مراد فوقیت ہے۔

تدریج عقلی کے معنی سمجھنے کے بعد واضح ہو کہ موجودات کی تقسیم متفاوت درجات میں عقل کی رُو سے جس طرح بھی کی جائے، اللہ تعالیٰ تمام اقسام کے درجوں سے بالاتر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے برتر کوئی درجہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ عَلٰی مطلق ہے۔ اور جو اس کے سوا ہیں۔ وہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف سے نبت کرنے سے عقلی ہیں اور اوپر والوں کے مقابلے میں سافل اور گھٹیا ہیں۔

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں۔ سبب مسبب سے ایک درجہ اوپر ہے۔ پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے۔ اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے۔ اور زندہ مخلوقات کی دو قسم ہیں۔ ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے۔ اور وہ حیوان ہیں۔ دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ



عقلی ادراک بھی محال ہے۔ اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت اور غضب رکاوٹ ڈالیں۔ اور وہ انسان ہے۔ دوسرے وہ جن کا ادراک مکذرات کے معارضہ سے پاک ہے۔ اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان کمالات میں مبتلا ہونا ممکن ہے، لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو، جیسے کہ ملائکہ۔ دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر اور اللہ تعالیٰ سب سے اوپر۔ پس وہ علی مطلق ہے۔ کیونکہ وہ خود زندہ اور جہان کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور علماء کے علوم کو پیدا کرنے والا۔ اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ اور بے جان چیز درجہ کمال میں سب سے نیچے کے درجے میں واقع ہوئی ہے۔ انتہائی رتبے میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ غرض اسی طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ یہ نام پہلے ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے۔ پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے۔ اور ان کو آئنگے کے ادراک اور عقل کے ادراک میں معارف محسوس ہوا۔ تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لئے۔ جن کو خواص نے سمجھ لیا۔ اور عوام نے نہیں سمجھا۔ جن کا ادراک جو اس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا۔ جو جانوروں کا درجہ ہے۔ چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور محض طول عرض کی رُو سے، اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رُو سے۔ اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رُو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم خدا کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔ کیونکہ تمام اجسام سے بڑا ہے۔ گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے۔ اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقایرہ کے ساتھ متقدّم ہونے سے منزہ ہے۔ وہ رتبہ میں سب کے سب اجسام کے اوپر ہے۔ لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔ پس جو عرش سے بھی بالا ہو گا۔ وہ سب بالا ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے۔ جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے۔ تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہو گا۔ جو سلطان سے نیچے ہیں یا وہ گویا آدمی جو فوق کے معنی صرف ظرف مکان سمجھتا ہے واقعی رُسی کے لائق ہے اور با اینہم



اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کن کن درجہ پر بیٹھتے ہیں، تو اس کو کنا پڑیکا کہ شخص اس شخص کے اوپر بیٹھتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے دائیں جانب بیٹھتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھتا یا اس جگہ پر بیٹھتا جو اس کے سر پر بیٹھنی ہوتی ہوتی۔ پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ نہ اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا۔ تو وہ اس اعتراض سے آگ بگولا ہو کر کہیگا کہ تم بھی کیا آدمی ہو کہ کچھ کا کچھ سمجھ جلتے ہو۔ اچھی اس فوقیت سے مراد ترتیب کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا۔ نہ کہ سر پر یا سر سے اونچے بیٹھنا۔ دیکھو صدر مایع مجلس کا منتہی ہوتا ہے۔ جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اوپر ہے۔ جو صدر سے دور ہے +

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی دو طرفیں ہوں۔ اس میں بلا تعین ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اس کے مقابل کے نام سے موسوم کہہ سکتے ہیں +  
تعمینہ۔ بندہ کا علی ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ جو درجہ حاصل کر سکتا ہے اس کے اوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور ہوتا ہے۔ اور یہ انبیاء و ملائکہ کے درجے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہو کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے۔ جو انسان کی جنس سے سب سے اونچا ہو، اس کے اوپر کوئی درجہ نہ ہو۔ یہ درجہ پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لیکن وہ علو مطلق کے مقابلہ میں قاصر ہے کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجودات کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ کل کے لحاظ سے + دوسرے وہ وجود اور واقع کے لحاظ سے علو ہے نہ کہ بطریق و خوب۔ بلکہ یہ امکان اس کے مقابل ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جاسکے جو اس سے بھی بالا ہو +

پس علی مطلق وہ ہے جس کو بحسب خوب فوقیت حاصل ہو۔ نہ کہ بالاضافہ اور نہ کہ بحسب وجود، جس کے ساتھ نقیض کا امکان متعارف ہو +

## (۳۸) الْکَبِيرُ

کبیر سے مراد صاحب کبریا۔ اور کبریا سے مراد ذات کمال ہے۔ اور کمال ذات کے معنی کمال وجود۔ اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں :-

پہلی بات اس کا ازلی وابدی ودام ہے۔ پس جس وجود کے شروع میں عدم ہو یا آخر میں، وہ ناقص ہے۔ اور اسی لہذا جب کسی انسان کی عمر و ماز ہو جاتی ہے۔ تو اس کو کبیر



کہتے ہیں جس سے مراد کبیر الشن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اس کو عظیم الشن نہیں کہتے۔ کیونکہ اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجہ تک لمبی ہوتی ہو۔ تو وہ ذات جو ازل سے آبد تک قائم و دائم ہے اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے۔ وہ تو بطریق اولیٰ کبیر ہے +

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے۔ پس جس شے کا وجود فی نفسہ مکمل ہو۔ جب وہ کامل اور کبیر ہو۔ تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو۔ سب کے پہلے کامل اور کبیر ہے +

**تذنیہ**۔ بندوں میں سے کبیر و کامل شخص ہے جس کی صفات کمال صرف اس میں بندہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں۔ پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔ اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے +

بندہ کا کمال اس کی عقل پر ہیزگاری اور علم میں ہوتا ہے۔ پس کبیر وہ عالم اور ہیزگار شخص ہے۔ جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کا پیشوا ہو۔ جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے وہ عالم بالائیں عظیم کہلاتا ہے +

## (۳۹) اخفیظ

(نگہبان)

حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ معنی حفظ کے معنی کو سمجھو ہی سے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور حفظ دو طرح ہے :-

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا۔ اس کے مقابلہ میں عدم ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان۔ زمین۔ ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات اور حیوانات و نباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے +

دوم۔ جو حفظ کے زیادہ ظاہر معنی ہیں وہ متعدی اور متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے بچانا ہے۔ اور اس متعدی سے وہ متعدی رہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے



کیونکہ وہ دونوں طبعتاً ایک دوسرے کے مخالف۔ اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں۔  
یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور یا آگ، پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے۔  
اور حرارت و برودت کا باہمی تضاد اور معاندت ظاہر ہے۔ جو ایک دوسرے کو دبا رہتی  
ہیں۔ اس طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے، ظاہر ہے۔ اور تمام اجسام ارضی  
انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں۔ کیونکہ جاندار کے لئے حرارت غریزی کا ہونا ضروری  
ہے۔ اگر وہ نہ رہے تو زندگی نہ رہے۔ اور رطوبت بھی ضروری ہے، جو اس کے بدن کی  
غذا ہوتی ہے، جیسے خون وغیرہ۔ اور یبوست لازم ہے جس کے ساتھ اس کے اعضا منضبط  
اور باہم پیوستہ و چسپاں رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ اجزاء جو سخت ہیں، جیسے ہڈی۔ اور برودت  
بھی ضروری ہے۔ جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ معتدل رہے۔ اور باطنی رطوبتوں کو قویاً  
جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم متعاضد و متضاد ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کو انسان کے  
چمڑے اور جاندار کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے مگر  
وہ ان کی حفاظت شکر کرتا تو وہ باہم بگاڑ پیدا کر کے ایک دوسرے سے پھٹ جاتے۔ اور ان کی  
باہمی ترکیب و امتزاج باطل ہو جاتا۔ اور وہ مغنے باطل ہو جاتا جس کو ترکیب و مزاج کے  
ساتھ قبول کرنے کے لئے وہ مستعد ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعیل قوئے سے اور پھر ماد مغلوب سے  
کرتا ہے۔

تعیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بار و کا درجہ قوت حار کے برابر ہو۔ تاکہ جب دو قوتیں  
جمع ہوں، تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں۔ بلکہ ایک دوسری کی مدافعت کریں۔ کیونکہ  
جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی تو مغلوب کون ہو۔ پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ  
کریں اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے۔ اسی سے  
مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم۔ مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے  
غالب کا مقابلہ کرے۔ مثلاً خمرات و برودت کو فنا کرتی اور سوکھاتی ہے۔ پس جب و غالب  
آتی ہے تو برودت اور رطوبت کمزور ہو جاتی ہے۔ اور حرارت اور یبوست غالب آتی ہیں۔



اور ضعیف کی امداد سرد تر جسم کے ساتھ ہو سکتی ہے، اور وہ پانی ہے پیاس کا مطلب یہی ہے کہ سرد تر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے سرد تر اشیاء برووت اور رطوبت کی مدد کے لئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو، تو اس کی مخالف چیز کو مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے۔ اور یہ امداد ہے۔ اور یہ غذا و دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوزار پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں۔ اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچی ہے۔ اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزاء کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخل آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن۔ پس ان سے محفوظ رکھنے کیلئے چند ایسے جاسوس پیدا کئے ہیں، جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے مقدمہ ابھیش میں۔ جیسے آنکھ کان وغیرہ۔ پھر اس کے لئے طاقتور ہاتھ۔ اور اسلحہ عطا کئے ہیں۔ جن میں سے بعض مدافعت کا کام دیتے ہیں، جیسے زہرہ اور ڈھال۔ اور بعض خارجہ جیسے تلوار۔ چھری۔ بندوق وغیرہ۔ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آجاتا ہے۔ اس کو آلہ گریز سے مدد دی ہے۔ اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کے لئے پاؤں ہیں۔ اور پرندے کے لئے بازو ہیں +

اسی طرح فدا لئے جھکٹ قَدْ دُنَّ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور پتے پتے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکے اور پوسے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے۔ اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ ہے۔ اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے، جو اسی کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تاکہ ان سے بعض تلف کرنے والے جانداروں کا دفعہ ہوتا ہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں۔ جیسے حیوانات کے ہتھیار سنگ۔ پتھر اور ٹپھیاں ہیں۔ بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں۔ جو ان کو مخالف ہوا سے بچاتے ہیں +

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے۔ تو وہ ہوا بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے +

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو۔ اور پھر اس کو نکال کر اٹھی کرو تو اس سے



ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئیگا۔ لیکن انگلی کے سرے پر آکر رہ جائیگا۔ انگلی سے جدا نہ ہوگا۔ حالانکہ پستی کی طرف بہنا اس کا طبعی خاصہ ہے۔ اگر وہ بہ جائے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ سے قتا ہو جائیگا۔ اسی لئے وہ برابر جھک رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اُس کے ساتھ باقی تری بھی شامل ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے۔ اور فوراً ہوا کو چیرتا ہوا نیچے گر جاتا ہے ہوا اُس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قاصر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے جب کہ وہ کمزور اور اُس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقتور ہوتا ہے۔ اور اُس کو باقی تری کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو اس پر موقوف ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ میثہ کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنی قرار گاہ پر جا پہنچتی ہے۔ اور حق یہ ہے، اربابِ بصائر کا باطنی شاہد اس پر دلالت کرتا ہے۔ بغرض اس سید پر نہ صرف تقلید کی رو سے یقین کرنا چاہئے۔ بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہئے۔ خدا کا آسمان و زمین اور ان کی درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے، جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے۔ اور اسی سے اس اسم کے معنی معلوم کئے جاسکتے ہیں نہ صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔ اور مجمل طور پر حفظ کے معنی معلوم ہو چکے۔

**تنبیہ۔** بندوں میں سے حفیظ وہ ہے، جو اپنے اعضا اور دل کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اپنے دین کو غضب کے حملے۔ ثبوت کے فریب۔ نفس کے لکر، اور شیطان کے دسو کے سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے۔ اور ان بربادی بخش مہلکا لئے اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔

## (۴۰) الْمَقِیْتُ

(مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

اس کے معنی ہیں غذاؤں کا پیدا کرنے والا۔ اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا۔ اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس مَقِیْتُ، رازق کا ہم معنی ہے۔ لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غذا



کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔ اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوام بدن کو کافی ہو سکے +  
 حَقِیْقَت، مستولے (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ پہلا قدرت  
 اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ ان معنوں پر خداوند تعالیٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ وَ  
 كَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِیْتًا یعنی اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے +  
 غرض اس لحاظ سے حَقِیْقَت کے معنے میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے  
 علم کا بیان تو گزر چکا۔ قدرت کا بیان آگے آئیگا۔ اس معنے کی رُو سے خدا کی صفت حَقِیْقَت  
 صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے کیونکہ  
 وہ اکٹھا ان دونوں میں پُرال ہے۔ اور اس جہت سے یہ اسم تراویف سے نکل گیا +

## (۴۱) الْحَسْبُ

(کافی)

حَسْبُ سے مراد ہے کافی۔ اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے، وہ اس  
 کے لئے کافی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کے لئے حَسْبُ اور کافی ہے۔ اس وصف کی  
 حقیقت خدا کے سوا اور کسی کے لئے متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو  
 اس کی حاجت ہوگی۔ تو اپنے وجود۔ اور دوام وجود اور کمال وجود کے لئے ہوگی۔ اور خدا  
 کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر  
 چیز کے لئے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لئے، یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے کہ اس کے ساتھ  
 اشیاء کا وجود متصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود  
 مکمل ہو۔ اور تم کو یہ ظن بھی نہیں کرنا چاہئے کہ جب تم کو کھانے پینے کی۔ اور زمین، آسمان اور  
 سورج وغیرہ کی ضرورت ہوئی۔ تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوئے۔ اور وہ تمہارے لئے  
 کافی نہ تھا۔ کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمین و آسمان اور سورج وغیرہ چیزیں بنائی  
 ہیں۔ وہی تمہارے لئے کافی ہیں۔ اور یہ بھی خیال تک نہ کرو کہ جو بچہ ماں کا محتاج ہے جو اس کو  
 دودھ پلاتی ہے۔ اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ اس کا حَسْبُ اور کافی ہے۔ بلکہ اللہ  
 ہی اُس کے لئے کافی ہے جس نے اُس کی ماں کو پیدا کیا۔ اور اُس کے پستانوں میں دودھ  
 بنایا۔ اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی۔ اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی۔



یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس انہیں اسباب کفایت حاصل ہوئی ہے۔ اور شہ  
اکیلا بچے کے لئے ماں کو پیدا کرنے والا ہے +

اگر تم چاہے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لئے کافی ہے۔ تو تم فوراً ماں میں ہاں ملا دو  
اتنا کہنے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے۔  
اور جب دودھ نہ ہو تو ماں کہاں کافی ہوگی۔ اگر کوٹے یہ کوٹے کہ ماں بچہ دودھ کا محتاج تو  
ہے۔ مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا۔  
مگر تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ کیا ماں اور کیا دودھ دونوں خدا کی  
طرف سے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہیں۔ پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔ اور اس  
کے سوا اور کوئی ایسی شے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ بلکہ اشیاء ایک دوسری سے  
متعلق ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں +

تنبیہ۔ بندہ کو اس صنف میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر بطریق مجاز بعید۔ اور لحاظ  
سرسری نظر اور ظن عام کے۔ مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کیلئے  
ہے۔ لیکن وہ فی الحقیقت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی فی الحقیقت کافی ہو سکتا ہے  
کیونکہ بنفسہ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قائم نہیں ہے اور نہ بنفسہ اپنے آپ کے لئے کافی ہے  
تو غیر کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے +

بندہ کا کافی ہونا خلق عام کے لحاظ سے اس لئے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل  
بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے۔ جو اس کے  
فعل اور کفایت کو قبول کر سکتا ہو۔ کم از کم ایک کا محتاج ہوگا۔ جو محل علم ہے۔ تاکہ وہ تعلیم میں  
کافی بن سکے۔ اور ایک معدہ چاہئے، جو کھانا پینے کی جگہ ہوتا ہے۔ تاکہ وہ بدن میں کھانا  
پینے کے لئے کافی ہو سکے۔ علاوہ ان کے وہ اور بہت سی اشیاء کا محتاج ہوگا۔ جن کا کوئی  
شمار نہیں ہے۔ اور ان میں سے کوئی شے بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور خدا کا کافی  
ہونا اس لئے صحیح ہے کہ وہ خالق فعل ہے۔ اور خالق محل ہے۔ اور شرائط قبول کا خالق ہے +

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لئے ہے کہ بسا اوقات ایک فاعل پر نظر  
پڑتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی ل میں نہیں گزرتا۔ پس وہ دیکھتا ہے یہ فاعل  
ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے +



ماتن بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت و ارادہ میں خاص اللہ تعالیٰ اُس کے لئے کافی ہو۔ یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے۔ نہ جنت کی خواہش رکھے۔ نہ اُس کا دل دوزخ سے بچنے کی تدبیریں کرنے میں مصروف ہے۔ بلکہ خاص خدا کے خیال میں ڈوبا ہے۔ اور جب اس کے جلال کا پرتو اس پر پڑے تو کہے "بس ہی مجھے کافی ہے۔ اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں۔ باقی اشیاء خواہ مخواہ سے جائیں یا رہیں +

## (۴۲) اَجَلِيلُ

(بزرگ قدر)

جَلِيلُ کے معنی جَلَال کی صفتوں سے موصوف۔ اور جَلَال کی صفتیں ہیں۔ غنی، مُلک، نَفَتَس، علم، قدرت وغیرہ۔ جو پیچھے نہ کور ہو چکیں +  
ہیں ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے۔ اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو۔ اس کی جلالت اُسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو +  
جَلِيلُ مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ گویا کپڑوں کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے۔ اور صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں بایں بریت کہ وہ بصیرت پر حاوی ہو جاتی ہیں۔ اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہوتی صفات جلیل جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں، جو اس کو ادراک کرتی ہے۔ تو ان کو جمال کہتے ہیں۔ اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے +

اسم جمیل اہل میں صورت ظاہری کے لئے موضوع ہے۔ جو نظر سے محسوس ہوتی ہے۔ جب کہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ پسند کرے۔ پھر وہ صورت باطنی کے لئے منقول کیا گیا جو بصیرت (عقلی نگاہ) سے ادراک کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص سیرت جمیل رکھتا ہے۔ اس میں خلق جمیل ہے۔ اور یہ صورت نظر عقلی سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے غرض کہ باطنی صورت جب کہ کامل۔ متناسب۔ اور ان تمام کمالات کی جامع ہو، جو اس کے لائق ہوں۔ اور جیسی چاہیں۔ تو وہ صورت بصیرت باطنی کے لئے جو ادراک کرتی ہے، پسندیدہ اور دلکش ہے۔ جس کے نظائے سے ایک ایسی لذت۔ لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ جو بصارت ظاہری کے ذریعے سے ظاہری صبح و صبح شکلوں کا نظارہ



کرنے والے کو جاہل نہیں ہوتا +

جمیل مطلق خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسن و درباری ہے۔ وہ اسی کی ذات کے انوار و صفات کے آثار سے ہے۔ اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہو۔ اور اس کا کوئی ثانی وجود یا اس کا ثانی نہ ہو۔ اسی لئے اس کا عارف اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا اس قسم کی لذت اور سرور محسوس کرتا ہے۔ جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمایاں پہنچ ہیں۔ بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنی کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آ سکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اس امر کو ہم نے احیاء العلوم کی کتاب الحجۃ میں بیان کیا ہے +

پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے۔ اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لئے محبوب و معشوق ہوتا ہے۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک جو اس کی معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں۔ جیسے ظاہری دلپسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں۔ نہ کہ اندھوں کے نزدیک +

تنبیہ۔ بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں۔ جن سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں۔ رہا جمال ظاہری۔ سودہ ایک کم قدر چیز ہے +

## (۴۳) الْکَرِیْمُ

(بزرگ)

کَرِیْم، وہ ہے کہ جب قدرت پائے۔ تو معاف کرے۔ اور جب وعدہ کرے تو اس کو پورا کر دکھائے۔ اور جب دینے لگے، تو توقع سے بڑھ کر دے۔ یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا دیتا ہے۔ جب اس کو چھوڑ کر کسی اور کے سامنے حاجت پیش کیجائے تو اس کو منظور نہ کرے۔ جو شخص اس سے التجا کرے، اس کو یوں ہی نہ ٹالے۔ بلکہ اس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ رکھے۔ پس جس میں یہ تمام صفات سچ مچ جمع ہوں۔ بناوٹی نہ ہوں، وہ کَرِیْم ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے +



تنبیہ۔ ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔  
لیکن صرف بعض امور میں، اور ایک قسم کی تکلیف سے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے کبھی کبھی کوہیم  
کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ لیکن کوہیم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے  
اور بندہ اس صفت سے کیوں نہ موصوف ہو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے  
فرمایا ہے کہ ”انگور کی بیل کو کوہیم کہو۔ کیونکہ کوہیم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے“  
کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کوہیم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے نسل والا  
درخت ہے۔ جس کا پھل قریب ہی سے باسانی ہاتھ آ جاتا ہے، نہ کاٹتے ہیں۔ اور نہ کوئی اور  
آزار رساں چیز ہے۔ بخلاف کھجور کے +

## (۴۴) الرقیب

(نگہبان)

مرقیب کے معنی علیکم وحفیظ یعنی ہر شے کی حالت سے بخوبی قف  
اور اس کا نگہبان۔ پس جو ذات کسی شے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو  
اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے، اس کو رقیب کہتے ہیں۔ گویا اس صفت کے مفہوم  
میں علم اور حفظ داخل ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم و ذام ہیں اور اس شے  
سے نسبت رکھتے ہیں۔ جس سے خدا آفات کو دفع کرتا ہے +

تنبیہ۔ بندہ کے لئے مراقبہ کا وصف اُس وقت محمود ہے۔ جب کہ وہ خدا کے  
لئے اور اپنے دل کے لئے ہو۔ اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ  
ہر لمحہ اس کا رقیب اور شاہد ہے۔ اور یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان  
بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے انتظاریں ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کر  
لے۔ لہذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں۔ مکر وں اور حسبت کرنے کے موقعوں کو  
تاڑتا ہے۔ جتنے کہ ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے۔ یہ مراقبہ ہے +



## (۴۵) الْحَبِيبُ

(دُعا قبول کرنے والا)

مُحِبُّب وہ ہے، جو سائل کے سوال کو پورا کرے۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول فرمائے۔ لاچار لوگوں کی ضرورت مہیا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے۔ اور دُعا سے پیشتر بخشش کرے۔ اور وہ صرف خداوند تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہی حاجتمندوں کی حاجت کو اُن کے سوال سے پہلے جانتا ہے۔ بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے۔ مخلوقات کی حاجت روائی کے لئے کھانے۔ اور غذائیں بنائی ہیں۔ اور تمام کے تہیہ کے لئے اسباب و آلات پیش کر دئے۔

تنبیہ۔ بندہ کو چاہئے کہ سب سے پہلے خدا کے امر و نہی کے لئے مُحِبُّب بنے۔ پھر بندوں کے لئے مُحِبُّب بنے۔ یعنی خدا نے جو اس کو نعمتیں عطا کی ہیں۔ اُن میں سے سائل کا سوال پورا کرے۔ اپنے مقدور بھروسہ کی مدد کرے۔ یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو۔ تو نرمی سے جواب دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَآمَّا السَّائِلُ فَلَا تَنْهَزْهُ اور سائل کو نہ بھڑکنا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے كَوِّدُ عَيْنٍ اِلَى كَوَّاعٍ لَا جَبْتُ وَكُوْا هِدًى اِلَى ذِّئَاعٍ لَّقَبِلْتُ اِيعْنِي اِگر بکری کے پائے پکا کر بھی مجھے دعوت دیجائے، تو میں قبول کر لوں۔ اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے دے۔ یہ میں دیجائے، تو میں بخوشی لے لوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوتوں میں تشریف لیجانا اور ہر دے قبول فرمانا محض دلاری کی غرض سے تھا۔ بعض کہنے اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہر دے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی شان و عظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور التجا کرنے والے کے دل کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ خواہ اس کو سخت صدمہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر ہست

از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر ہست



## (۴۶) الْوَاسِعُ

( وسیع المعلومات و وسیع القنا )

وَاسِعٌ، سَعَةً ( وسعت ) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے، جب کہ علم وسیع ہو۔ اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو۔ اور کبھی احسان اور عطائے نعمت سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرو۔ اور کسی تقدیر کو لو، بہر حال واسِعٌ مطلق اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اس کی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں۔ بلکہ اس کے کمات کھننے کے لئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے۔ تو سمندر ختم ہو جائے گا۔ اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدرات کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر وسعت کو کیسی ہی بڑی ہو۔ وہ ایک نہ ایک طرف تک ضرور اختتام کو پہنچے گی۔ اور جو ذات کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے۔ وہ وسعت کے اسم کی زیادہ حق دار ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہی واسِعٌ مطلق ہے۔ کیونکہ ہر واسِعٌ اپنے سے زیادہ واسِعٌ کے مقابلہ میں غیر واسِعٌ یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت نہ کسی طرف پر منتہی ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو۔ اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آ سکتی۔

تنبیہ۔ بندے کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے۔ پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوں۔ تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ واسِعٌ ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہو گئے۔ جتنے کہ نہ محتاجی کا خوف اس کو تنگ دل کر سکے۔ نہ حاسد کا غصہ۔ اور نہ حرص کا غلبہ تو وہ بھی واسِعٌ ہے۔ مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں۔ حقیقی واسِعٌ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

## (۴۷) الْحَكِيمُ

( حقائق اشیا کا عالم )

حَكِيمٌ کے معنی صاحب حکمت۔ اور حکمت سے مراد ہے۔ فضل چیز کو افضل علم سے جاننا۔ اور تمام اشیا سے بزرگ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ :-



”خدا کی باتیں خدا ہی جانے“

لہذا وہ حقیقی حکیم ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی شے کی فضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے۔ اور افضل علم وہی ہے، جواز لی و دایم ہو۔ اس کا نوال متصور نہ ہو۔ واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفا، اور شبہ کا دخل نہ ہو۔ ایسے علم کے ساتھ خاص خداوند تعالیٰ متصف ہے +

اس شخص کو بھی حکیم کہہ دیا کرتے ہیں۔ جو عجیب عجیب صنعتی اشیاء بنائے۔ اور ان کی بناوٹ میں خوبیاں اور استحکام پیدا کرے۔ اس صفت کا کمال بھی خاص خدا کے لئے ہے۔ لہذا وہ حکیم مطلق ہے +

تنبیہ۔ جو شخص تمام اشیاء کو جانتا ہو، مگر خدا کو نہ جانتا ہو۔ وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ فضل شے کو نہیں جانتا۔ اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے۔ اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے۔ جس کی نسبت علم ہو۔ اور خدا سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ نہیں ہے۔ لہذا جو شخص خدا کو پہچانتا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ گو باقی تمام مروجہ علوم سے بے بہرہ ہو۔ اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو +

یاد رکھو کہ خدا کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے۔ جو خدا کی نسبت بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے۔ خیال کرو ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے۔ تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ موجب خیر ہے وَمَنْ أَدْرَاكَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أَدْرَاكَ خَيْرًا كَثِيرًا یعنی جس شخص کو حکمت دی گئی، اس کو خیر کثیر دی گئی +

جو شخص خدا کو پہچان لیتا ہے۔ تو اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے متنازع ہو جاتا ہے۔ وہ جزئیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم غور کرتا ہے۔ بلکہ اس کا ہر کلام محفل اور مکی اور مستنہ خیر ہوتا ہے۔ وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں فائدہ دینے والی بات کہتا ہے۔ اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ لہذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں۔ اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال پانچ حضرت سیدنا علیہ السلام



کے یہ اقوال ہیں :-

(۱) دَاسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ +

(۲) أَلَيْسَ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ

الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ أَتْبَعَ نَفْسَهُ

هَوَاهَا وَتَمَنَّى عَلَى اللَّهِ الْأَمَانِي +

(۳) مَا قُلَّ وَكَفَى خَيْرٌ قِيمًا كَثُرَ وَآلَهُ +

(۴) مَنْ أَصْبَحَ مُعَافَا فِي بَدَنِهِ ، أَمِنَ فِي

سَرِيرِهِ ، عِنْدَ قُوْتِ يَوْمِهِ ، فَكَأَنَّمَا

حَيَّرَتْ لَهُ الدُّنْيَا جَدًّا فَبَرَّهَا +

(۵) كُنْ دَرْعًا تَكُنْ عَبْدَ النَّاسِ ، وَكُنْ

قَنَعًا تَكُنْ أَشْكُرَ النَّاسِ +

(۶) الْبَلَاءُ مُؤْتَلٌ بِالْمَنْطِقِ +

(۷) مِنْ حَسَنِ إِسْلَامٍ لَمْ يَرْكَبْ مَا لَا يَحِبُّهُ +

(۸) السَّعِيدُ مَنْ وَعِظَ بِغَيْرِهِ +

(۹) انْصَمْتُ جِلْدٌ وَقَلِيلٌ فَاِجْلُدْ +

(۱۰) الْقَنَاعَةُ مَا لَا يَنْفَدُ +

(۱۱) الصَّبْرُ نِصْفُ الْإِيمَانِ وَالْيَقِينُ

الْإِيمَانُ كُلُّهُ +

(۱) سبب بڑی حکمت خدا کا خوف ہے +

(۲) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کو قابو

میں رکھا اور آخرت کے لئے نیک کام کئے۔

عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع ہوا۔ اور

اللہ سے بیہودہ التجائیں کرتا رہا +

(۳) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی

ہے۔ جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے +

(۴) جو شخص تندرست ہے ، اور اپنے

گھر میں امن سے بے ، اُس کے پاس دن

بھر کی خوراک ہو ، گویا دنیا ساری کی ساری

اُس کے کام آ رہی ہے +

(۵) پرہیزگار بنو تا کہ سب سے بڑے عابد

قرار پاؤ ، قناعت کرو تا کہ سب سے زیادہ

شاکر بنو +

(۶) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے +

(۷) بندہ کی اچھی مسلمانانی یہ ہے کہ جو امر مرد

اس کا نہ ہو اُس کو چھوڑ دے +

(۸) نیک نخت وہ ہے جو دوسروں سے

خبر پڑے +

(۹) خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں

(۱۰) قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا +

(۱۱) صبر نصف ایمان ہے۔ اور یقین

پورا ایمان ہے +

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کو قائل کو حکیم کہتے ہیں +



## (۴۸) اَلُوْدُوْدُ

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

وَدُوْدُ وہ ہے جو تمام مخلوق کے لئے بہتری چاہتا ہو۔ لہذا ان کے ساتھ بھلائی کرے۔ اور ان کی تعریف بھی کر دیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنی کے قریب ہے۔ لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرحوم وہ ہوتا ہے جو محتاج اور لاچار ہو۔ رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں۔ وِدُوْدُ کے افعال نہیں چاہتے۔ بلکہ وُدُوْدُ (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ بلا تحریک۔ آپ کے نعمت بخشی جائے پس جس طرح خدا کی رحمت کے معنی یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور رحم کے باعث درد دل کے ماریں ہونے سے وہ منزعہ ہے۔ اس طرح اس کی مودت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش۔ نعمت۔ احسان اور انعام کا ارادہ کرتا ہو اور وہ دوستی کے بے اختیاری سیلان سے متبرک ہے۔ اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و مودود کے حق میں صادر ہوتی ہے۔ تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے ثمرہ اور فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔ پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا پھول ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے۔ مرحوم و مودود کا نہیں۔ خدا فائدہ رسانی کا ذمہ دار نہیں ہے۔

تنبیہ۔ اللہ کے بندوں میں سے وِدُوْدُ وہ ہے جو مخلوق کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اور اس سے بھی اعلیٰ وہ شخص ہے۔ جو ان کو اپنے پرستار سمجھے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں مونیخ کا پل بن جاتا۔ تاکہ لوگ مجھ پر سے صبح و شام گزیر جاتے۔ اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ، کینہ اور جو تکلیف پہنچی ہو۔ وہ اس اشیار و انسان کا مانع نہ ہو۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ میں جب کہ کسی کو باطن کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا۔ فرمایا تھا کہ اَللّٰهُمَّ اِهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی الہی میری قوم کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی۔ جو آپ ان کی فائدہ رسانی کے متعلق رکھتے تھے۔ اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ ”اگر تم چاہو کہ مقربین سے بھی سبقت لے جاؤ



تو بد سلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کرو۔ نہ دینے والے کو دے۔ ظلم کرنے والے کو نشانہ کر۔

## (۴۹) الْحَبِيدُ

(شریف۔ بزرگ)

مُحَبِّدٌ، وہ ہے جس کی ذات شریف۔ جس کے افعال پسندیدہ۔ اور جس کی عطا کراں قدر ہو۔ غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو۔ اس کو محبید کہتے ہیں۔ اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور گویا وہ الجلیل اور الوہاب اور الکوسید کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گزر چکا ہے \*

## (۵۰) الْبَاعِثُ

مَرْدُوں کو مرے پیچھے اٹھا کھڑا کرنے والا

بَاعِثٌ، وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کرے گا۔ اور اہل قبور کو کھڑا کرے گا۔ بعث آخرت میں اٹھانے جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے اکثر لوگ اس کے متعلق مجہول توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ بڑا شک ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے۔ اور بعث از سر نو ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے، غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں ہے بلکہ موتنے کی قبر یا تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستانِ جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور موتنے یا تو خوش قسمت اور نجات یافتہ ہوتے ہیں۔ یا بد نصیب اور زیر عذاب ہوتے ہیں پہلا گروہ مرنے والا نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاؤُا عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَوَ حِينَ يَمَّا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ يَعْنِي جَوَ لُوكِ خُدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو موتنے نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس عزت پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں \*



دوسرا گروہ بھی زندہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ  
میں کافر مقتولوں کو بچا کر فرمایا تھا۔ ”وَلَا تَجِدُ جُنُودَ سَعْدِ بْنِ عَدِیٍّ سِوَا  
پایا۔ تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا، کیا تم نے بھی اس کو درست پایا؟  
آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو کیونکر پکار رہے ہیں، جو چلے  
ہیں۔ فرمایا ”تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہو (یہ بھی سنتے ہیں)  
مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے“

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو بتلا رہا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے  
قدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بار اس کا تصرف جسم سے بند ہو جاتا ہے۔ دیکھنے  
والے کہتے ہیں مر گیا۔ جب وہی تصرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے زندہ ہو گیا۔  
اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

آن لوگوں کا یہ خیال بھی بالکل بے سرو پا ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد  
جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے۔ جو پہلی پیدائش سے  
بالکل مناسب نہیں رکھتی۔ انسان کی صرف دو پیدائشیں نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی پیدائشیں  
ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَنُخْشِکُمْ کُمْفِیْمًا لَا تَعْنَمُونَ یعنی ہم تم  
کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانی  
پیدائش میں خون لبتہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ  
یعنی پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا۔ بلکہ نطفہ خاک کی ایک پیدائش ہے۔ او  
جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش ہے۔ اور رُوح کی پیدائش کے شرف و جلالت اور اس  
کے ایک امر ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر خدا نے فرمایا۔ ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ  
فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ (پھر آخر کار) ہم ہی نے اس کو دگوا بالکل، دوسری ہی  
مخلوق کی صورت میں ابنا کھڑا کیا تو (سبحان اللہ) خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب، بنائے والوں  
میں بہتر (بنا نے والا) ہے۔ اور فرمایا وَیَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی  
یعنی تم سے رُوح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو روح میرے پروردگار کا ایک امر ہے۔ پھر اس  
رُوح کو پیدا کرنے کے بعد ادا کات حسیہ کا پیدا کرنا ایک علاحدہ پیدائش ہے۔ پھر تمیز کا پیدا  
ہونا، جو ساتویں سال کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک پیدائش ہے۔ پھر سندرہ سال کی عمر میں



کم بیش کی عمریں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے۔ یہ ہر پیدائش ایک طور ہے۔ وَ  
 قَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرز و طور میں بنایا ہے +  
 پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے اس  
 کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جدا گانہ پیدائش ہے۔ اور وہ ایک طرح کا  
 بعثت ہے۔ اللہ تعالیٰ باعثِ اِزْهال ہے۔ جیسے کہ باعثِ یومِ النشور بھی ہے۔ اور  
 جس طرح شیرِ خوار بچے کو تیز حاصل کرنے سے بہتر اُس کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ اسی طرح  
 تیز دالے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار  
 ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت، پیدائش  
 عقل کے اوپر ایک خاص طور کا حال ہے جس طرح عقل، پیدائش تیز سے اوپر ایک جدا طور کا حال  
 ہے۔ اور تیز پیدائش جو اس سے اوپر ہی ایک علیحدہ طور کا حال ہے +

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل ہو جائے۔ وہ اس کو تسلیم  
 نہیں کرتے۔ جتنے کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ تا وقتیکہ اُس  
 کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کر لے۔ اور کبھی چھپی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لئے  
 لوگ طبعاً ولایت و نبوت اور ان کے عجائبات تک ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں اور  
 دوسری پیدائش اور آخرت کی زندگی کو نہیں مانتے۔ کیونکہ انہوں نے اب تک ان امور کو  
 دیکھا اور برتنا نہیں ہے۔ اگر صرف تیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالمِ عقل  
 اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں، تو وہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو  
 شخص غیر حاصل شے پر ایمان لائے، وہ گویا غیب پر ایمان لایا۔ اور یہی تمام حساد توں کی  
 کُفّی ہے +

جب طوِ عقل اور اُس کے ادراکات اُس کی پیدائش سابقہ ادراکات سے  
 کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ تو آخرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے۔ لہذا دوسری  
 پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس نہ کرنا چاہئے +

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے لئے مراتبِ کمال  
 طے کرنے کے زینے ہیں۔ جتنے کہ وہ اس بارگاہِ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ جہاں  
 حکامِ کمالات کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دو قبول اور حجاب و مٹول



میں متروک رہتا ہے۔ اگر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیتین پر ترقی کر جاتا ہے۔ ورنہ اسفل السافلین میں گر جاتا ہے +

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جو شخص نشأة (پیدائش) اور بعث کے معنے نہیں جانتا۔ وہ اسم الباعث کے معنے نہیں سمجھ سکتا۔ اور ان کی شرح طویل ہے، جاننے دیتے ہیں +

تنبیہ۔ بعث کی حقیقت کا مطلب ہے۔ مردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا، اور جہل سے بڑی موت ہے۔ اور علم سے پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ نے قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے + جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے۔ گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے۔ اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے۔ تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے۔ اور یہ انبیاء اور ان کے وارث علما کا کام ہے +

## (۵۱) الشَّهِيدُ

(حاضر)

اس اسم کے معنے علیہ کے معنوں سے ملتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اصناف کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے۔ یعنی غیب اور شہادت کو جانتا ہے۔ غیب سے مراد چھپی باتیں ہیں اور شہادت سے مراد ہر باتیں۔ پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے۔ تو وہ عَلِيْمٌ ہے اور اگر غیب اور چھپی باتوں سے نسبت دی جائے، تو وہ خَبِيرٌ ہے۔ اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے، تو وہ شَهِيدٌ ہے +

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دیگا جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اس اسم کی بحث عَلِيْمٌ اور خَبِيرٌ کی بحث کے قریب قریب ہے۔ اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے +



## (۵۲) اَلْحَقُّ ۹

(ثابت)

یہ باطل کے مقابلے میں ہے۔ اور تمام اشیاء اپنی اصناد کے مقابلے میں ظاہر

ہوتی ہیں +

جس چیز کی نسبت خبر دیکھتی ہے، وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی۔ پس بذاتہ مستنوع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو۔ اور ممکن بذاتہ مگر واجب بغیرہ وہ ہے جو ایک وجہ سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو۔ پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس وجہ سے جو وجود کا افادہ کرنے والے سے متصل ہے۔ موجود ہے۔ لہذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس و ذات کی جہت سے باطل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اُس کی ذات کے سوا باقی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ اور وہ اسی طرح ازلاً وابداً ایک ہی حال پر قائم ہے مختلف حالات قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے اب تک من حیث الذا وجود کی مستحق نہیں ہے۔ اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے۔ لہذا وہ بذاتہ باطل ہے۔ اور بغیرہ حق ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے جو موجود حقیقی بذاتہ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے +

حق کے ایک درجے بھی ہیں، یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے اور وہ موجود ذہنی ہے۔ جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے۔ پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے۔ اور جب عقل سے اُس کو نسبت دیکھانے جس نے اس کی حالت معلوم کی ہے، تو اس کو حق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ مقدار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ مقدار خدا کی معرفت ہے کیونکہ وہ فی نفسہ حق ہے۔ یعنی ازلاً وابداً معلوم کے مطابق ہے۔ اور اس کی مطابقت لذاتہ ہے۔ وغیرہ نہیں ہے۔ اس کا علم ایسا نہیں ہے



جیسے اس کے غیب کے وجود کا علم۔ کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک کہ وہ غیر موجود رہتا ہے۔ جب وہ معلوم ہو گیا۔ تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی بطل ہو گیا +  
اقوال کو بھی حق کہہ دیتے ہیں، چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے۔ اور فلاں قول باطل ہے۔ اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق لا اِلهَ اِلَّا اللہ ہے۔ کیونکہ وہ ازلاً وابداً لذاتہ صادق ہے، نہ کہ لغیرہ +

غرض کہ خارجی موجودات کو حق کہیں یا ذہنی موجودات کو جن کو معرفت کہتے ہیں۔ خواہ زبانی موجود کو حق کہیں، جس کو نطق کہتے ہیں۔ بہر حال حق کہلانے کی زیادہ حقدار وہی شے ہے۔ جس کا وجود ازلاً وابداً لذاتہ ثابت ہو۔ اور اس کی معرفت ازلاً وابداً لذاتہ حق ہو۔ اور اس کی شہادت ازلاً وابداً لذاتہ حق ہو۔ اور یہ تمام امور موجود حقیقی کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، اور کسی سے نہیں +

تنبیہ۔ اس اہم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے۔ خدا کے سوا اور کسی کو حق نہ جانے۔ بندہ اگرچہ حق ہے، مگر بنفسہ حق نہیں ہے، بلکہ خدا کے ساتھ حق ہے۔ کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے، بذاتہ موجود نہیں ہے، بلکہ بذاتہ باطل ہے اگر حق تعالیٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا۔ تو اس کو خود بخود دین جانے کا کوئی حق نہ تھا +

اس لحاظ سے ان تاویلوں کے ساتھ شخص اَنَا الْحَقُّ ایں حق ہوں، کا دعوے کرتا ہے وہ سخت خطا پر ہے +

پہلی تاویل یہ ہے کہ اَنَا الْحَقُّ سے مراد اَنَا بِالْحَقِّ ہے، یعنی میں حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اس لئے کہ لفظوں میں اس معنی کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے اور اس لئے یہ امر صرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حق کے سوا جو شے ہے، وہ بالحق ہے +

دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہے۔ جسے کہ اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور جو چیز کسی چیز کی ملکیت کو عادی ہو اور اس میں مستغرق ہو۔ تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے، جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے ع  
اَنَا مِّنْ أَهْوَىٰ وَمَنْ أَهْوَىٰ أَنَا

نوشیدی میں تو شدم بن تو جہاں شدی تاکس گوید بعد از بن دیگرم تو دیگر ی +



اس سے مراد استغراق ہے +

چونکہ اہل تصوف پرین حیث الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے۔  
اس لئے ان کی زبان پر غالب احوال اسمائے باری تعالیٰ میں سے **هُوَ الْحَقُّ** جاری رہتا  
ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ نہ کہ اُس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے  
والی ہے۔ اور اہل کلام چونکہ افعال کے ساتھ دلیل پکڑنے کے عادی ہیں، اس لئے اُن کے  
منہ پر اکثر اسم الباری جاری رہتا ہے جس کے معنی خالق کے ہیں۔ اور اکثر لوگ خدا کے  
سوا ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قائم کرتے ہیں۔ اور  
وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مخاطب ہیں۔ **أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَاوَاتِ**  
**وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ** (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا  
کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کیا، صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے۔  
لہذا وہ اس کے متعلق اسی سے دلیل قائم کرتے ہیں، اور وہ خدا کے اس قول سے مخاطب  
ہیں کہ **أَوَلَمْ يَكُنْ بِرَبِّكَ إِنَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ** (کیا تمہاری تسلی کی یہ بات  
کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہدِ احوال) ہے +

## (۵۳) الْوَكِيلُ

(کارساز)

**وَكِيلٌ** وہ ہے جس کے سپرد امور کئے جائیں۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔  
ایک تو وہ جس کے سپرد بعض امور ہوں، اور وہ ناقص ہے۔ دوسرے جس کے سپرد تمام امور  
ہوں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں +  
ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بذاتہ موكول الیہ  
(جس کے سپرد کیا جائے) ہونے کا مستحق نہ ہو۔ بلکہ وہ موكول الیہ بنانے سے بنا ہو۔ اور یہ  
ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کئے جائیں۔ اور اس کو  
مختار بنایا جائے +

دوسرے وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں۔ اور دل  
اس پر اسرار کھینچے ہوں۔ کسی دوسرے کے اختیار دینے اور سپرد کرنے سے نہیں، بلکہ وہ خود بخود



اور بذاتہ وکیل ہو) وہ وکیل مُطلق ہے +  
ایک اور لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ وکیل جو پروردگار ہو  
کو بلا کسی قسم کی کمی کے پورا کر دے۔ دوسرے وہ جو پورا نہ کرے +

وکیل مُطلق وہ ہے جس کے سب سے تمام اشیاء ہیں۔ اور وہ تمام کے اہتمام میں  
لگا ہوا ہے۔ اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے اور  
اس سے تم خود سمجھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنی میں کس قدر دخل حاصل ہے +

## (۵۴) الْقَوِيُّ | (۵۵) الْمَتِينُ

(قوانا)

(استوار)

قوت پوری قدرت پر اور تمام سخت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ  
اس حیثیت سے کہ حاوی اور پوری قدرت والا ہے قوی ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ  
وہ سخت قوت والا ہے متین ہے۔ اور یہ بیان قدرت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہو۔  
جس کا ذکر آئندہ آئیگا +

## (۵۶) الْوَلِيُّ

(مُحِبٌّ - مددگار)

وَلِيٌّ: مُحِبٌّ و مددگار ہے، اس کی محبت و دوستی کے معنی بیان ہو چکے ہیں  
کی مددگاری کے معنی ظاہر ہیں کہ وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے۔ اور دین کے  
خیر خواہوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَعْنِي اللّٰهُ مَوْلٰی  
کا مُحِبٌّ و مددگار ہے۔ اور فرمایا كَذٰلِكَ يٰۤاَبَا النَّاسِ اَللّٰهُ مَوْلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكَافِرِيْنَ  
لَا مَوْلٰی لَهُمْ يَعْنِي ایسا اس لئے ہے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر و مددگار ہے۔  
اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے۔ اور فرمایا كَتَبَ اللّٰهُ لَاعْلٰیٰنَا وَاَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ  
یعنی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے +

تبعیہ بندوں میں سے ولی وہ ہے۔ جو اللہ اور اس کے دوستوں سے پیار  
کرے اور ان کو مدد دے۔ اور اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھے۔ اللہ کے دشمن نفس اور



شیطان ہیں۔ پس جو شخص ان دونوں سے تعلق توڑ دے۔ اور اللہ کے کام میں بدو دے۔  
اور اس کے اولیاء کو دوست رکھے۔ اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ وہی بندوں  
میں سے ولی ہے +

## (۵۷) اَلْحَمِیدُ

(مستحق حمد)

حَمِید، وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو۔ اور جس کی ثنا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ  
ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے۔ اور ابد تک اپنے بندوں کی تعریف کے  
ساتھ حمید رہیگا۔ اور یہ معنی جلالِ کمال کی ہفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ  
سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصافِ کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ  
کمال ہیں ذکر کیا جائے +

تنبیہ۔ بندوں میں سے حمید وہ ہے جس کے عقاید و اخلاق اور اعمال و  
اقوال سب کے سب بلا شائبہ قابلِ تعریف ہوں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم  
اور ان سے قریب کے انبیاء اور ان کے سوا اولیاءِ علمائیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اپنے  
عقاید و اخلاق اور اعمال و اقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے۔ چونکہ کوئی شخص گو جس کے  
محامد کتنے ہی بکثرت ہوں۔ مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے۔ لہذا حمید مطلق خاص  
اللہ تعالیٰ ہے +

## (۵۸) اَلْمُحْصِیُّ

(ہر چیز کو احاطہ علم میں کرنے والا)

مُحْصِیُّ کے معنی عالم کے ہیں۔ لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ  
سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے۔ اور ان کو گنتی اور شمار میں لاتا ہے۔  
تو اس کو اِحصَا کہا جاتا ہے۔ اور مُحْصِیُّ مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی  
حد اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو۔ بندہ اگرچہ ایسے علم سے بعض معلومات کا  
اِحصَا کر سکتا ہے۔ مگر وہ اکثر حصہ سے عاجز آ جاتا ہے۔ پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح



کہ بہت جس طرح علم کی اصل صفت میں کم ہے \*

(۶۰) اَلْمُعِيدُ

(۵۹) اَلْمُبْدِئُ

(دوبارہ پیدا کرنے والا)

(ابتداء پیدا کرنے والا)

ان اسموں کا معنی ہے موجد: لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گذر چکی ہو تو اس کو ابدا کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد نہ چلی ہو، تو اس کو اعادہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی نے لوگوں کو ابتدا سے پیدا کیا ہے۔ اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کریگا۔ اور تمام اشیاء کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا \*

(۶۲) اَلْمُحِیْتُ

(۶۱) اَلْحَیُّ

(مارنے والا)

(مخلوق کو زندہ کرنے والا)

ان دونوں اسموں کا مطلب بھی ایجاد ہے۔ لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ رکھنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتہ (مار ڈالنا) کہتے ہیں۔ اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی محیی اور ممیت نہیں ہے۔ اسم اَلْبَاعِثُ کے بیان میں حیات کے معنی کی طرف اشارہ گذر چکا ہے، اعادہ کی ضرورت نہیں \*

(۶۳) اَلْحَیُّ

(زندہ)

حقی وہ ہے جو فعل کی اعلیٰ طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب اداک ہو۔ جتنے کہ جس میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے وہ صیقت (مردہ) ہے۔ اور ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو۔ پس جو شے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو۔ وہ جماد اور صیقت ہے۔ حتیٰ کمال و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام درکات، اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی قبول ادراک شے اس کے علم سے اور کوئی مفعول اس کے فعل سے خارج نہ ہے۔ اور یہ



ساری باتیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ لہذا وہ سچی مطلق ہے۔ اور اس کے سوا جو شے سچی ہے بد اس کی حیات اس کے ادماک اور فعل کے موافق ہے۔ اور ایسی تمام اشیاء قلت میں محصور ہیں۔ واضح ہو کہ احیاء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں۔ پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ۔ انسان۔ اور چوپاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

## (۶۴) الْقِيَوْمُ

(کارخانہ عالم کا بنھانے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف۔ پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم نہیں ہیں۔ دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہ قائم ہیں۔ جیسے ہر لیکن جو ہر گو قائم بنفسہ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے۔ تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے، اور اس کے وجود کے لئے لازم ہیں۔ پس وہ قائم بنفسہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں۔ مگر کسی اور شے کے وجود کی محتاج ہیں۔ پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات بناتہ مکتفی ہے۔ اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہیں ہے۔ اور اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لئے شرط نہ ہو۔ وہ مطلقاً قائم بنفسہ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہوں۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو۔ تو قیوم ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا قیام بناتہ ہے۔ اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندہ کا دخل اس وصف میں آتا ہوتا ہے، جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

## (۶۵) الْوَاحِدُ

(غنی)

واحد وہ ہے جس کے لئے کوئی شے مایات نہ ہو۔ اور وہ فاقد تنگست (مقابل) ہے۔ اغلب یہ ہے کہ جس کو وہ شے ماحذ نہ آئی ہو جو اس کے وجود کے لئے ضروری نہیں۔ اس کو فاقد نہیں کہا جاتا۔ اور جس کو وہ شے حاصل ہو سکتی ہے جو اس کی ذات



اور اُس کی ذات کے کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس کو واجد (غنی) نہیں کہتے بلکہ واجد وہ ہے جس کے لئے کوئی بھی ضروری شے مایا ہے ہو۔ اور جو امر صفات الہیہ اور ان کے کمال کے لئے لازمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے۔ ہیں وہ اس لحاظ سے واجد ہے۔ اور واجد مطلق ہے۔ اور اس کے سوا دوسری موجودات اگر صفات کمال اور ان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں۔ تو بہت سی اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا سکتی ہیں +

## (۶۶) اَلْمُجِیدُ

(بزرگی والا)

یہ اسم تجید کا ہم معنی ہے۔ جیسے عالم، علیم کے معنی میں آتا ہے لیکن فعل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور مجید کے معنی بیان ہو چکے +

## (۶۷) اَلْوَّاحِدُ

(تہا۔ یگانہ۔ ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو۔ نہ دو ہو سکے۔ تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے جوہر واحد (جزر لای تجزئے) اور جو تقسیم نہ ہو۔ اس کو واحد کہتے ہیں جس کا مطلب یہ کہ اس کا کوئی جز نہیں۔ اسی طرح نقطہ کا کوئی جن نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اُس کی ذات کا انتظام محال ہے۔ اور جو چیز دو نہ ہو یہ وہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے مثلاً سورج۔ کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی قبیل سے ہونے کے باعث وہ دہتا منقسم ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کی نظیر نہیں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس کی نظیر ہو پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے، جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے، وہ ازلا و ابداً واحد مطلق ہے +

بندہ اُس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اُس کے بنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر نہ ہو۔ اور یہ یکتائی بھی صرف اس کے بنائے جنس کے لحاظ



سے ہوگی۔ اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یہ یکتائی بعض خصائل کی رُو سے ہوگی۔ تمام کی رُو سے نہیں ہیں پوری وحدت ایکتائی، خاص خدا کے لئے ہے۔

## (۶۸) الصَّمَدُ

۱ بے نیاز

صَمَدُ وہ ہے جس کی طرف حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور ضروریات کے لئے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشیوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ جس شخص کو دینی و دنیوی مہمات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کرتا ہے۔ تو اس کو اس اسم کے معنی سے اُس نے حصہ بخشا ہے۔ لیکن صَمَدُ مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور وہ خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

## (۶۹) الْقَادِرُ | (۷۰) الْمُقْتَدِرُ

(قدرت والا)

(صاحبِ مقدر)

اِن دونوں اسموں کے معنی ہیں صاحبِ قدرت۔ لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے۔ قُدْرَت سے مراد وہ معنی ہے جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے ادا ہو سکے اور قضا کے موافق موجود کی جاسکے۔ اور قَادِر وہ ہے جو اگر چاہے کرے، اگر چاہے نہ کرے۔ اور اُس کے لئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قَادِر ہے۔ اگر وہ چاہے ابھی برپا کرے۔ اگر برپا نہیں کرتا، تو اس لئے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی ميعاد اور وقتِ مقدّر ہو چکے ہیں۔ پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور قَادِر مطلق وہ ہے جو ہر موجود کو از سر نو بناتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے لیکن وہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات



کو مادی ہوتی ہے۔ اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ بندہ کے مقدر میں جو امور ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ جب کہ اس کے مقدر کے تمام اسباب، وجود متیا ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام ایک باریک بحث کا ہوتا ہے، جس کی گنجائش اس کتاب میں نہیں ہے۔

## ۱۱، اَلْمُقَدِّمُ | ۱۲، اَلْمَوْخِرُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ عزت کی طرف حائیل) (اپنے دشمنوں کو اپنے لٹکے سے پھینک دینا والا)  
مُقَدِّمُ و مؤخِرُ وہ ہے، جو قریب و بعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے اس کو مقدم کرتا ہے جس کو دور ہٹاتا ہے اس کو مؤخر کرتا ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء کو قرب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کے لئے مقدم کرتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں کو دور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پر وہ ڈال کر مؤخر کر دیتا ہے۔  
مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قرب بخشے۔ لیکن ان میں سے ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کر لے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو مقدم کیا، یعنی اُس کو دوسرے شخص کے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے، اور کبھی رتبہ میں۔ اور بہر حال پیچھے رہنے والے کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لازمی ہے، جو اصلی غرض و غایت ہو جو مقدم ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے، اور جو متاخر ہوتا ہے اسی کی طرف سے۔  
مقصد اللہ تعالیٰ ہے، اور اللہ کی طرف اس کے مقرب ہیں۔ چنانچہ اس نے پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے۔ پھر انبیاء کو۔ پھر اولیاء کو۔ اور ہر متاخر اپنے ما قبل کے لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے۔ اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے۔ کیونکہ اگر آپ ان کے تقدم و تاخر کو ان کے فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھو۔ تو آخر وہ فائز بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کے لئے اُکسایا ہے۔ یا جس نے صراطِ مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو آمادہ کیا ہے۔ اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے بس کی ہیں لہذا وہ مُقَدِّمُ و مؤخِرُ ہے۔ اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مراد ہے۔



اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم و عمل میں سبقت کر جائے۔ وہ صرف اسی سے متقدم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا اس کو تقدیم بخشنے تو وہ متقدم ہو سکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ دو قول اس امر کی کافی تصدیق کرتے ہیں :-

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ یعنی جن

لوگوں کے لئے ہماری خیر خواہی نے قدم بڑھایا وہ دونوں سے دُور رہیں گے +

(۲) وَكُوْنُشُنَا لَا يَتِيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هٰذَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ

جَهَنَّمَ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت پر چلا دیتے۔ مگر ان کی نسبت میں نے

یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ضرور دونوں کو پُر کر دوں گا +

تنبیہ صفات افعال سے بندے کا حصہ ظاہری ہے۔ اس لئے ہم بخوبی

تطویل ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ بیانات سابقہ سے اس

بات کا بخوبی پتہ چل سکتا ہے +

## (۷۳) الْأَوَّلُ | (۷۴) الْآخِرُ

(سب سے پہلا)

(سب سے پچھلا)

واضح ہو کہ اول کسی شے کی نسبت سے اول ہوتا ہے۔ اور آخر بھی کسی

کی نسبت سے آخر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ پس ایک

ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اول اور آخر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب

تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو۔ اور موجودات کے با ترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو۔ تو اللہ تعالیٰ

ان کے لحاظ سے اول ہے۔ کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے اور

وہ خود موجود بذاتہ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک

پر نظر کی جائے۔ اور خدا کی طرف سیر کرنے والوں کی منزلوں کو دیکھا جائے۔ تو وہ آخر سے

کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مابین ترقی کی سب سے آخری منزل ہے۔ اور اس کی

معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے، وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور آخری منزل

اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اولیاء کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر ہے اور

موجودات کے وجود کے لحاظ سے اول ہے۔ پس اول اسی کی طرف سے آغاز ہے



اور اخلاقی کی طرف انجام اور انتہا ہے \*

## (۷۵) الظاہر | (۷۶) الباطن

(آسکارا بلحاظ قدرت)

(پوشیدہ بلحاظ فرست)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں۔ کیونکہ ظاہر ایک شے کے لئے ظاہر اور دوسری شے کے لئے باطن ہوتا ہے۔ اور ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاہر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ ظاہر و باطن ہونا ادراکات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اگر حواس کے ادراک سے طلب کیا جائے۔ تو وہ باطن ہے۔ اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو وہ ظاہر ہے \*

**سوال۔** اللہ تعالیٰ کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے۔ کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں۔ بخلاف اس کے خدا کی ذات کو معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔ پس اس کو کیونکر ظاہر کہا جاسکتا ہے؟

**جواب۔** اللہ تعالیٰ کا محض ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے۔ اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے۔ گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے شاید تم اس کلام سے تعجب ظاہر کرو۔ لہذا ہم ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں۔ دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو، جو کسی کاتب نے لکھا ہو۔ تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملیگا۔ جو عالم۔ قادر۔ سمیع اور بصیر ہے۔ اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائیگا۔ اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کن شہادت دی ہے۔ اسی طرح آسمان و زمین کی جو چیز تارے۔ سورج۔ چاند۔ حیوان نباتات اور صفت و موصوف وغیرہ ہے۔ وہ خود بخود اپنے ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہی ہے۔ جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص امانت ہے پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے۔ بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یا باطن جزو بند جس اختیار سی یا جبری صفت حالت



کو دیکھتا ہے۔ وہ چلا چلا کر اپنے خالق۔ اپنے مالک۔ مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے ایسی طرح ہر چیز اُس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے خارج دیکھتا ہے۔ اگرچہ ان اشیاء کی شہادتوں میں اختلاف ہو۔ بعض شہادت دے رہی ہوں۔ اور بعض نہ دیتی ہوں تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین حاصل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث خفی اور باریک بن گیا ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ جو اشیاء محسوس کے ذریعے سے محسوس کی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ ظاہر وہ چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں۔ اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج کا نور ہے۔ جو تمام اشیاء پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے۔ اور جو شے دوسری اشیاء کو روشن کر رہی ہے، وہ خود کیوں نہ روشن ہوگی۔ مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگ دار اشیاء میں صرف سُرخ و سیاہ رنگ ہے اور کچھ نہیں۔ وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور یہ لوگ رنگین اشیاء کے ساتھ روشنی کا قایم ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان کو سایہ اور اندھیرے میں اور روشنی میں اشیاء کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ رات کے وقت جب سورج چھپ جاتا ہے اور اُس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے، اور دن میں کیا تھی۔ گویا نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اور نور کے وجود و عدم میں صاف فرق معلوم ہو جاتا ہے \*

فرض کرو کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیائے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے۔ اور سورج اُس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ کبھی اُس کو یہ موقع نہیں ملا کہ ان اشیاء کو اندھیرے میں دیکھے۔ اور روشنی اور اندھیرے میں فرق سمجھے۔ اس شخص کے لئے محال ہے کہ نور کو کوئی خاص چیز سمجھے۔ جو موجودہ اشیاء کی رنگت سے زائد ہے۔ تمام اشیاء سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے۔ بلکہ وہی تمام اشیاء کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر خدا کا بعض امور کے لئے (معاذ اللہ) معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے۔ تو آسمان و زمین اور ہر چیز جس سے وہ بے تعلق ہے منہدم ہو جائیگی۔ اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق بخوبی معلوم ہو جائیگا۔ اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ تمام اشیاء شہادت اور حالات



میں متفق ہیں۔ اور سب ایک ہی نظم نسق پر اپنی آواز اٹھا رہی ہیں اس لئے وہ عام نظموں سے مخفی ہے۔

قربان جانیے اُسنات پاک کے جولپنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظروں سے نہاں اور اپنے شدت ظہور کے سبب سے مخفی ہے وہ ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شے ظاہر نہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی۔

تنبیہ۔ اوپر کی باتوں سے تم کو خدا کی صفات کے متعلق تعجب میں مبتلا نہ ہو جانا چاہئے کیونکہ خود انسان جس نام کی بدولت انسان کہلاتا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اگر اس کو انسان مناسب مرتبہ افعال کے ذریعے سے سمجھا جائے، تو وہ ظاہر ہے۔ اور اگر حق کے ادراک کے ذریعے سے طلب کیا جائے، تو وہ باطن ہے۔ کیونکہ حق صرف اس کے ظاہری بشر کو محسوس کر سکتی ہے۔ اور انسان صرف ظاہری بشر سے انسان نہیں کہلاتا۔ بلکہ اگر یہ بشر بلکہ اس کے تمام اجزاء بدل جائیں۔ تو بھی وہ وہی انسان رہیگا، جو پہلے تھا۔ اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزاء بچپن میں اور ہوتے ہوں۔ اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہوں۔ کیونکہ وہ طول زمان سے گھسنے ملتے جاتے ہیں۔ اور ان کی جگہ نئے اجزاء جو غذا کے ذریعے سے پیدا کئے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی۔ پس یہ ہویت جو اس سے باطن ہے اور عقل کے لئے ظاہر ہے۔ جو اس کو اس کے آثار و افعال سے سمجھ لیتی ہے۔

## ۱۱۱، اکبرؑ

اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرینو!

بوتے کے معنی محسن، اور بوتے مطلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانا ظہور میں آتے ہیں۔ اور بندہ اسی قدر بوتے ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے خصوصاً اپنے والدین اُستاد اور اپنے شیوخ کے ساتھ۔

روایت ہے کہ جب مونس علیہ السلام سے پر درگاز نے بات چیت کی تو انہوں نے پایہ عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہونے پایا۔ مونس علیہ السلام اس شخص کی بلند منزلت سے متعجب ہوئے۔ اور عرض کیا الہی! یہ بندہ کون سے عمل کی



بدولت اس درجہ تک ترقی کر گیا۔ فرمایا شیخص میرے کسی بندے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔  
یہ تو بندے کی نیکی کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایاں کرتا ہے، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئے۔ اگر غور کرو تو ہمارے بعض گذشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے۔

## (۷۸) التَّوَابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تَوَّابٌ وہ ہے، جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ انکی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا۔ اور ڈرا دھمکا کر اپنے راہ پر لاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں۔ تو دھمکی سے خوف کھاتے ہیں۔ اور توبہ کرنے لگتے ہیں۔ اور خدا اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔  
تنبیہ۔ جو عاکم اپنی مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے۔ اور جو دوست اپنے خطا کار رفیق کا عذر قبول کرتا ہے، وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے۔

## (۷۹) الْمُنتَقِمُ

(نافرانوں سے بدلہ لینے والا)

مُنتَقِمٌ وہ ہے جو سرکشوں کی گردنیں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اس کی یہ سخت گیرئی اس وقت ہوتی ہے۔ جب وہ تمام محبت کر چکتا ہے اور نافرمانوں کو باز آنے کے لئے مہلت و قدرت دے لیتا ہے۔ ایسا انتقام فوری عذاب کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے۔ تو نافرمان پوچھے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا اور اس سے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائیگا۔  
تنبیہ۔ بندہ کا مبارک انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ پس جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے



یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے، تو اس کو سزا دی جاوے گی۔ جیسے کہ ابو زید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:-

ایک رات میرے نفس نے بعض اپنے مقررہ اوماد و وظائف میں سستی کی۔ تو میں نے اُس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اُس کو پانی نہ پیئے دیا۔ اور پیاسے مارا۔

## (۸۰) الْعَفْوُ

عَفْوُ وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ اور تفصیلات سے درگزر کرتا ہے۔ اور عَفْوُ کے قریب قریب ہے لیکن عَفْوُ میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ عَفْوُ ان میں پردہ ڈالنے کے معنی شامل ہیں۔ اور عَفْوُ میں مٹا دینے کے معنی داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی نسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ معفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اُس کے ساتھ احسان کرے جس طرح اللہ تعالیٰ دُنیا میں سرکشوں اور کافروں کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ احسان پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا۔ بلکہ کبھی ان کو توبہ پر اکساتا ہے۔ اور جب وہ لوگ توبہ کرتے ہیں۔ تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ کیونکہ اَلْكَاتِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسو اُس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اور گناہ معاف کرنے کا یہ اتہانی درجہ ہے۔

## (۸۱) الرَّؤْفُ

(بہت شفقت کرنا والا)

رَرْؤْفُ کے معنی صاحبِ رافت۔ اور رافت مددِ درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ پس وہ رحیم کا ہم معنی ہے۔ مگر اس میں کسی قدر مبالغہ بھی شامل ہے۔ اور رحیم کا ذکر گزر چکا۔

۱۵ غائبانہ طور پر۔ طعام کے بعد معمولی چند کھونٹ پانی پینے کے علاوہ دوسرے فحشوں میں پانی نہ پیتے تھے۔ اور شدت کی پیاس مھیتے رہتے تھے ۱۲ مترجم



## (۸۲) مَالِكُ الْمَلِكِ

(ملک کا ملک)

مَالِكُ الْمَلِكِ وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے، جسے چاہتا ہے چلاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے مارتا ہے +

اس اسم میں مَلِكُ کے معنی مملکت کے ہیں۔ اور مَالِكُ کے معنی پوری قدرت والا۔ اور تمام موجودات ایک مملکت میں، جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے۔ موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے۔ کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ وابستہ ہیں۔ گو ایک جہت سے وہ شاید بکثرت ہیں مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بنی انسان ہے۔ جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے اعضاء اور اجزا پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب صرف اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مصروف ہیں۔ لہذا ان سب کا مجموعہ گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے۔ اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں۔ جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ وجود الہی کے موافق جس خیر کا حامل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جانے۔ اور وہ ایک ہی مملکت اس لئے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم و نسق کے سلسلے میں مرتبہ رہیں۔ اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے۔ اور بہر بندہ کی مملکت اس کا وجود ہے۔ اور چونکہ صفات قلب اور جوارح میں اس کا حکم جاری رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہر +

## (۸۳) ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے، جو تمام جلال و کمال کی واحد منزا دار ہو۔ اور تمام کرامت و مکرمات اسی سے صادر ہو۔ پس وہ جلال کی منزا دار فی ذاتہ ہے۔ اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے۔ وہ شمار نہیں کی جاسکتی۔ اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ یعنی اور ہم نے



بنی آدم کو معزز کیا \*

## (۸۴) اَلْوَالِیُّ

(تمام امور کا ستولی)

یہ وہ ہے جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا تدبیر اور ستولی ہے۔ اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے۔ اور جب تک اس کے لئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم والی صادق نہیں آ سکتا۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا ہے۔ اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے۔ اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے \*

## (۸۵) اَلْمُتَعَالِیُّ

(مخلوقات کی صفات کی منزہ)

یہ اسم علی کا ہم معنی ہے۔ مگر اس میں ساتھ ہی کسی قدر بالاتر شامل ہے \*

## (۸۶) اَلْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مُقْسِطُ وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کر دے۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کا عدل انصاف ہے۔ جس پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہیں مثال اس کی یہ شرایت ہے کہ:-  
ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے اس باپ آپ کے قرابان ہوں، آپ کس بات سے ہنسے۔ فرمایا میری امت میں سے دو آدمی خدا کے سامنے دو زانو بیٹھے ہونگے۔ ایک کہیگا یا رب، اس شخص سے میرا بدلہ دلا دے۔ اللہ دوسرے کو فرمائیگا۔ اپنے بھائی کو بدل دے۔ وہ عرض کرے گا۔ اے رب العزت! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی خدا مدد ہی کو فرمائیگا۔ اب تو اپنے بھائی کے ساتھ



کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ رہی۔ وہ عرض کر گیا یا رب میرے گناہ اس پر لا دے۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ یہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہ بھی چاہنے لگیں گے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھائے۔ آپ نے فرمایا، پھر خدا کیسے یعنی ندی سے۔ آنکھ اٹھا کر دیکھ۔ وہ کہیگا۔ اور پھر نہیں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے مارٹر پڑے ہیں۔ یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہے۔ اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ عرض کر گیا۔ اے پروردگار! اتنی قیمت کس کے پاس ہوگی۔ اللہ فرمائیگا۔ تیرے پاس ہے وہ عرض کر گیا۔ اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں۔ اللہ فرمائیگا۔ اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کر گیا۔ اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔ اللہ کیسے! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لیجا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خدا سے ڈرو! اور اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرا دیگا۔ انصاف و انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں۔ اس اسم میں سے بندہ کا اعلیٰ حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلانے پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلانے۔ اور اپنے نفس کو کسی ذات سے انصاف نہ دلانے۔

## (۸۷) الجامع

(تمام مخلوقات کو جمع کرنا والا)

جامع وہ ہے، جو بستی جلتی چیزوں، جدا جدا چیزوں۔ اور ایک دوسرے

کی مخالف چیزوں کو باہم ملا دے۔

جلتی بستی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسان

زمین پر جمع کئے ہیں۔ اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کرے گا۔

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں، ستاروں، ہوا، زمین



دریا۔ حیوانات۔ نباتات اور مختلف معادن کو جمع کیا ہے۔ اور یہ تمام اشیاء شکل میں رنگ ہیں۔ ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متباہن ہیں۔ اس طرح اس نے ہڈی پیٹھے۔ رگ۔ عضلہ۔ مغز۔ جلد۔ خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں بھی سب کی سب باہم متباہن ہیں۔

ایک دوسری کے مخالف اشیاء کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یوبست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے۔ حالانکہ یہ اشیاء باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں۔ اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ اعلیٰ درجہ کی صورت ہے۔ خدا کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیاء کی تفصیل جانتا ہو۔ اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تہذیب۔ بندوں میں سے جامع وہ ہے، چوشت و برخواست وغیرہ کے ظاہری آداب کے ساتھ قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے۔ پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو، وہ جامع ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا معرفت اس کے تقویٰ کے نور کو بھجنا ہے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو تہذیب و تقویٰ پر صبر حاصل ہے۔ اس میں باطنی روشنی نہیں ہے۔ اور جس میں باطنی روشنی ہے، اس میں صبر نہیں۔ جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر و بصیرت دونوں جمع کر لے۔

(۸۸) الْغَنِيُّ (۸۹) الْمَغْنِيُّ

(لوگوں کو بے پروا کرنے والا)

(بے پروا)

یہ وہ ہے، جس کو اپنی ذات و صفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اغیاء کے ساتھ علاقہ رکھنے سے وہ پاک ہے۔ پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے۔ پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب و کسب کی ضرورت ہے۔ ایسی بے تعلقی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مغنی جی ہے۔ یعنی غنی جی کر دیتا ہے۔ مگر جس کو وہ غنی بناتا ہے۔ اس کا مطلق غنی بن جانا متصور نہیں۔



ہو سکتا۔ کم از کم وہ مُغنی کا تو محتاج ہوا۔ پس غنی مطلق کہاں ہا۔ بلکہ غیر اللہ سے بھی مُستغنی ہوتا ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات خدا مہیا کر دیتا ہے۔ نہ بایں معنی کہ اس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً نہیں ہوتی۔ اور جو شے محتاج ہے۔ اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً غنی ہے۔ غیر اللہ کے حق میں یا وہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کچھ پاسکتی ہے۔ وہ صرف یہی ہے۔ تاہم جب اس کو خدا کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی تو اس کو غنی کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ہو سکتا کہ اصل حاجت بھی اس کے ساتھ لگی نہ رہے۔ تو خدا کا یہ فرمان (معاذ اللہ) صحیح نہ ہوتا کہ اَللّٰهُ غَنِیٌّ وَاَنْتُمْ فَقَرَآءٌ یعنی اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اشیاء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ تو خدا کے لئے مُغنی کا وصف (معاذ اللہ) درست نہ ہوتا۔

## (۹۰) الْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے، جو حفاظت کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان و ابدان سے نقصانِ ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے۔ اور حقیقت کے معنی بیان ہو چکے۔ حفظ کے لئے منع اور دفع ضروری ہے۔ پس جو شخص حقیقت کے معنی سمجھتا ہے وہ ممانع کے معنی بھی سمجھ سکتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ منع سبب مُہلک کی طرف نسبت کرنے سے مستفاد ہے۔ اور حفظ اُس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے محفوظ ہے۔ اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لئے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع کے لئے نہیں کیا جاتا۔ لہذا ہر حافظ دافع و مانع ہے۔ لیکن ہر ممانع کا حافظ بنو ضروری نہیں۔ مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسبابِ ہلاک و نقص کا ممانع مطلق ہو جس سے حفظ کا حاصل ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔



## (۹۱) الْضَّارُّ

(قدر و شکر خالق)

## (۹۲) الْكَافِرُ

(نفع و خیر کا پیدا کرنا والا)

یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ یا تو وہ ان امور کا اجرا ملائکہ۔ انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے۔ یا بلا واسطہ خود کرتا ہے۔ پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے۔ اور طعام خود بخود سیر کر دیتا ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ فرشتے۔ انسان شیطان یا کوئی اور مخلوق۔ مثلاً فلک۔ ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ بلکہ یہ تمام اشیاء اسبابِ مستخرجات جو صرف ذہنی کام کر سکتے ہیں۔ جن پر وہ مامور ہیں۔ اور یہ تمام امور قدرتِ ازیلہ کے تعلق سے ہیں۔ جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے۔ مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکمنامہ پر دستخط کرتا ہے۔ تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اُن لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضے میں قلم ہے۔ اسی طرح تمام وسائل و اسباب کا حال ہے۔ ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لئے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مستخر سمجھتا ہے۔ اور عارف جانتا ہے کہ قلم خدا کا مستخر ہے۔ جس کی نیچر میں خود کاتب بھی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کاتب کو پیدا کیا۔ اور اس کو لکھنے کی قدرت دی۔ اور ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی ایسی بچی خواہش بھی ڈال دی جس میں کوئی تردد و نہیں۔ تو خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا۔ پس دراصل کاتب خدا ہے۔ جو انسان کے قلم اور اس کے ہاتھ کے ذریعے لکھتا ہے۔ جب تک انسان کے متعلق یہ بات سمجھ چکے۔ تو جمادات کے متعلق خود بخود سمجھ سکتے ہو۔ \*

## (۹۳) الْنُّورُ

(روشن کرنے والا)

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے۔ کیونکہ جو چیز فی نفسہ ظاہر ہو۔ اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اس کا نام نور ہے۔ اور جب جو دو کا مقابلہ



عدم سے کیا جائے۔ تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائیگا۔ اور عدم سے بڑھ کر کوئی اندھیرا نہیں ہو سکتا۔ پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکال کر وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ خود کھلائیکامستحق ہے +

وجود ایک نور ہے، جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے پس وہ آسمان و زمین کا نور ہے۔ اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے، اسی طرح آسمان و زمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے +

چنانچہ ہم اسم ظاہر کے بیان میں جو کلمہ چکے ہیں۔ اس سے نور کے معنی بخوبی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اور اس کے معنوں کے بیان میں جو فضول ٹوٹگافیاں کی گئی ہیں۔ پھر ان کی ضرورت نہ رہیگی +

## (۹۴) اَلْهَادِي

(ہدایت کرنے والا)

ہَادِي وہ ہے، جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا رستہ بتاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ اُس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اور ہم بندوں کو مخلوقات کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھیراتے ہیں۔ اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے۔ اور پھر چوڑے کو اُس کے انڈے سے نکالتے ہی دانہ چلنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو ایسے شہر پہلو خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ وہ گرد و کچھ خالی جگہ نہ رہے، تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ تفصیل ٹری لمبی ہے۔ خدا کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے اَلَّذِي اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدٰى یعنی وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اُس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اُس کو راہ دکھائی؟ اور

یہ چنانچہ ظاہر ہے اَللّٰهُ نُورٌ اَلْمُؤْمِنَاتِ وَالْاَكْفَانِ یعنی اللہ آسمان و زمین کا نور ہے ۱۲ نہ مترجم



وَالَّذِي قَدَّرَ فَتَدْرِي يَعْنِي اُو جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی +  
 بندوں میں ہادی انبیاء اور علماء ہیں۔ جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف  
 لے جاتے ہیں۔ اور صراطِ مستقیم پر چلاتے ہیں۔ بلکہ خواہند تعالیٰ ان کی ربانی ہدایت  
 کرتا ہے۔ اور وہ اس کی قدرت و تدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں +

## (۹۵) الْبَدِيعُ

(موجد)

بَدِيع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گذری ہو۔ پس اگر ذاتِ صفات اور افعال  
 میں اور اُس کے متعلقہ ہر امر میں اُس کی کوئی مثل نہ گذری ہو۔ تو وہ بَدِيع مطلق ہے  
 اوساگر کوئی اس قسم کی شے گذر چکی ہو۔ تو وہ بَدِيع مطلق نہیں رہیگا۔ یہ اسم مطلقاً۔ خدا  
 سے خاص ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ قَبْل (پہلے) کا معنی کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا  
 پس کوئی اُس جیسی شے اس سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اوساں کے بعد جو چیز موجود ہو  
 ہے۔ وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے۔ اور وہ اپنے موجد سے کوئی نسبت نہیں رکھتی۔  
 پس وہ از لا و ابدا بَدِيع ہے +

بندوں میں سے جو شخص نبوت۔ یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ  
 اُس کی نظیر سابق میں نہ گذری ہو۔ یا اُس کے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو۔ تو اپنے  
 مخصوص اوصاف میں خاص زمانہ کے اندر بَدِيع ہے +

## (۹۶) الْبَاقِي

(باقی رہنے والا)

یہ وہ موجود ہے، جو لانا پہ واجب الوجود ہے لیکن جب اُس کو ذہن میں زمانہ  
 مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو وہ باقی کہلائیگا۔ اور جب زمانہ ماضی سے نسبت  
 دی جائے۔ تو اس کو قَدِیم کہلا جائیگا +

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی تقدیر زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک  
 منتہی نہ ہو۔ جس کے لئے یہ لفظ مقرر ہیں کہ وہ ابدی ہے۔ اور قَدِیم مطلق وہ ہے۔



جس کے زمانہ میں وجود کی دمازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں۔ اور اس لئے یہ لفظ مقرر کیا کہ وہ ازلی ہے +

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ وہ لذات واجب الوجود ہے۔ تو یہ تمام معنی اس میں آجاتے ہیں۔ ایسا جو مقرر کئے گئے ہیں۔ تو ذہن میں اس جو کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہونے ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مفہوم میں متغیرات کا معنی شامل ہے اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں۔ اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں۔ کیونکہ حرکت بذاتہا ماضی اور مستقبل کا مجموعہ ہے۔ اور متغیر تغیر کے واسطے سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے۔ پس جو ذات تغیر اور حرکت سے بالاتر ہے۔ وہ زمانہ میں سے نہیں ہے۔ اور نہ اس میں ماضی و مستقبل ہے۔ یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں مگر پر زمانہ گذرتا ہے۔ اب کچھ اور حالت ہے۔ پھر کچھ اور ہوگی۔ اس کے بعد کچھ اور ہو جائیگی۔ یہاں تک کہ جو حالت گذر چکی ہے وہ ماضی۔ جو ہو رہا ہے وہ حال۔ اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے۔ اور جہاں نہ آغاز ہے نہ انجام وہاں زمانہ ہی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے۔ پس زمانہ سے پیشتر ہے۔ اور زمانہ سے بعد نچوں کا توں رہیگا +

کسی کا یہ خیال بالکل دور از عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے نادمہ ہو اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے نادمہ ہو ان خیالوں کی بیودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقاء کی بقاء اور صفات کی بقاء اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا ضبط لازم آتا ہے +

## (۹۷) الْوَارِثُ

(فنائے جہوت کو بعد باقی بننے)

وَارِثُ وہ ہے جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد ملکات کا مالک قرار پاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد باقی ہے۔ اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے۔ اُس وقت وہ یوں فرمایگا لَمَّا لَمْ يَكُنِ الْمَلِكُ الْيَوْمَ اَاجَ کس کی بادشاہی ہے (پھر خود ہی یوں جواب دیگا۔ لِلّٰهِ الْوَاٰحِدِ الْقَهَّارِ) اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے (یہاں نہ ان اکثر لوگوں کے غلط زعم کو دور کرنے کی غرض سے کی جائیگی۔ جو خود



بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھنڈہ رکھتے ہیں۔ اس وقت اہل معاملہ ان پائینہ ہو جائے گا۔ لیکن جو لوگ صاحب بصیرت ہیں۔ وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا معنی سمجھتے ہوئے ہیں۔ بلکہ یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سن رہے ہیں۔ اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر لمحہ میں اللہ واحد تھا کی بادشاہی ہے۔ اسی لئے وہ ازلی وابدی ہے۔ اس بات کو کچھ وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو توحید فی الفعل کی حقیقت جانتا ہے۔ اور بخوبی سمجھتا ہے کہ زمین و آسمان کی قلمرو میں فاعل واحد، وہی واحد و کتب ہے +

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے۔ شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو۔ کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے +

## (۹۸) التَّوَكُّلُ

(صاحب شریع)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیریں ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں۔ بلا اس کے کہ کوئی معاون اُن کی اعانت کرے۔ یا کوئی راہنما اُن کو راہ پر قائم رکھے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت بخشی ہے۔ اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی توفیق بھی دی ہے +

## (۹۹) الصَّبْرُ

(بڑا صبر کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندہی کسی کام کو جلد اور قبل از وقت کرنے پر مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ تمام امور کو خاص انداز سے پر قائم کر کے محدود راہ پر چلاتا ہے۔ اور ان کو نہ کسی سست کا رنجے کی طرح مقررہ وقت سے پیچھے ڈالتا ہے۔ اور کسی جلد باز کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر مناسب طریقے سے کرتا ہے۔ یہ تمام امور بلا کسی مخالف کی مخالفت کے انجام پاتے ہیں +

بخلاف اس کے جسے صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے



صبر کے معنی یہ ہیں کہ عقل و دین کی خواہش - شہوت و غضب کی خواہش کے مقابلے میں ثابت قدم رہے۔ جب دو مخالف عواض باہم کھینچا تانی کرتی ہیں۔ اور جلد بازی کی خواہش دیکھی ہو کر تاخیر اختیار کرتی ہے۔ تو اس خواہش والا صَبُو رکھتا ہے۔ کیونکہ اس نے جلد بازی کی خواہش کو پست کر لیا ہے +

اللہ تعالیٰ میں جلد بازی کا کوئی باعث ہی نہیں ہے۔ پس جب وہ شخص جس میں عجلت کا باعث موجود ہے (گو وہ کمزور ہی ہو گیا ہے) صَبُو رکھتا ہے۔ تو وہ ذات اس سے بھی زیادہ اس اسم کی حق دار ہے جس میں اس قسم کا کوئی بھی باعث موجود نہیں ہے +





## خاتمہ

## فصل اول

واضح ہو کہ مذکورہ اسما و صفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دو قولوں کی بنا پر سوچھا۔

(۱) تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِي اللَّهُ يَمْنِي خُذَاكَ اخْلَاقِي كِي يَبْرِي كِرُو +

(۲) إِنَّ لِلَّهِ تَعَالَى كَذًا وَكَذَا أَخْلَقًا مَن تَخْلُقُ بِوَاحِدٍ مِّنْهَا  
دَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی اللہ تعالیٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں، جو شخص ان میں سے ایک  
خلق بھی پیدا کرے، وہ جنت میں جائیگا +

صوفیہ کے کلام کا حاصل وہی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں۔ لیکن اس کا سیاق و سباق  
کچھ اس قسم کا ہے جس سے عامل و اتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی  
نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے متاثر ہیں +

میں نے شیخ ابو علی فارمدی سے سنا ہے جو اپنے شیخ ابو القاسم کزکانی رحمۃ اللہ علیہ  
سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نود و نہ نام بندہ سالک کے اوصاف  
بن سکتے ہیں +

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے، جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت  
رکھتی ہو، تو صحیح ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آ سکتی۔ اور پھر کہا جائیگا  
کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ کیونکہ اسمائے حسنہ کے  
معانی باریتعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتیں۔

۱۵ صوفیہ میں سے جو حضرات وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ان پر بعض علما نے شریعت کی طرف سے یہ الزام  
نکال دیا ہے کہ وہ خالق اور مخلوق کو وجود میں متحد مانتے ہیں۔ یا خالق کا مخلوق میں حلول تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں  
خیال بھدائے ہیں۔ صوفیہ اپنے خیال کی توضیح میں کہتے ہیں کہ اتحاد و حلول کا قول بیشک بھدائے ہے۔ مگر ہم اس خیال

سے بری ہیں۔ ہمارے قول وحدت الوجود کا یہ مطلب ہرگز نہیں ۱۲ عمر شریف



اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا ہے، جو خدا کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے استاد کا علم حاصل کیا، حالانکہ استاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک اور علم اس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے +

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے، تو یہ قطعاً باطل ہے کیونکہ کمال کے اس قول میں کہا سائے باری تعالیٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن سکتے ہیں۔ یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل۔ اگر مثل مراد ہیں۔ تو ضرور یا تو مطلقاً اور من کل البوہ ان کی مثل مراد ہونگے یا ان کی مثل من حیث الاسم ہونگے اور عموم صفات میں مشارکت ہوگی۔ نہ کہ خواص معانی میں۔ پس یہ دو قسمیں ہوں گی۔ اور اگر عین صفات باری تعالیٰ مراد ہیں۔ تو ضرور یا تو یہ صفات باری تعالیٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہوں گی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئیں تو پھر ضرور یا تو بندے اور باری تعالیٰ کی ذات متحد ہو گئی ہوگی۔ لہذا جو صفت اس کی ہے وہی اس کی ہے۔ یا ان میں حلول ہوگا۔ پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی :-

(۱) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل مطلق ہونا +

(۲) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا +

(۳) خدا کی صفات کا بندے میں منتقل ہو جانا +

(۴) خدا کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہو جانا +

(۵) حلول +

ان پانچ صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل من حیث الاسم ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لئے وہ امور ثابت ہوتے ہیں۔ جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں۔ پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں +

پہلی صورت یعنی بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل مطلق ہیں، محال ہے۔ کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلومات پر محیط ہو۔



یہاں تک کہ آسمان و زمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ رہے۔ اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت حاصل ہو، جو تمام مخلوقات پر شامل ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے سے آسمان زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو۔ یہ باتیں غیر امتد کے لئے بھلا کیونکر ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور بندہ کیونکر زمین و آسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہو سکتا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے۔ تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہو سکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لئے ثابت ہوں، جو ایک دوسرے کے خالق ہوں۔ تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یہ سب بیات اور محال باتیں ہیں +

تیسری صورت یعنی عین صفات ربوبیت منتقل ہو کر بندہ میں آجاتی ہیں۔ یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اول تو صفات کا اپنے موصوف سے جدا ہونا محال ہے۔ اور یہ محال ذات قدیمہ سے خاص نہیں۔ بلکہ اشیائے حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ زید کا علم بعینہ عمرو میں منتقل ہو جائے۔ بلکہ صفات کا قیام صرف موصوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں، تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں ان سے خالی رہ جائے۔ پس ذات باری تعالیٰ نے ربوبیت اور صفات ربوبیت سے خالی رہ جائیگی۔ اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے +

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے۔ کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ مرب بنگیا، فی نفسہ متناقض ہے۔ بلکہ اس قسم کے محال احتمالات کو خدا کے حق میں کرنا تو خلاف ادب ہے۔ ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں کہ قائل کا یہ قول کہ شر، فلاں شے بنگی مطلقاً محال ہے۔ کیونکہ مثلاً جب زید کو علحدہ اور عمرو کو علحدہ عقل تسلیم کرتی ہے۔ جب کہا جائے کہ زید، عمرو بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہو گیا۔ تو پھر یا تو دونوں موجود ہونگے یا دونوں معدوم ہونگے۔ یا زید موجود اور عمرو معدوم ہوگا۔ یا عمرو موجود اور زید معدوم ہوگا۔ اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں۔ کیونکہ اگر دونوں موجود ہونگے۔ تو ایک دوسرے کا عین نہ ہونگے ہونگے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجود ہے۔ اور مقصود صرف یہ ہے کہ دونوں کا مکان متحد ہو جائے۔ مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ علم۔ ارادہ۔ قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان کا محل بھی قیاس نہیں ہوتا۔ تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی۔ اور نہ علم ارادہ ہو جاتا ہے



اگر دونوں معدوم ہونگے، تو دونوں متحد کہاں ہونگے۔ بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ رہے گا۔ ایک معدوم اور دوسرا موجود ہو تو بھی اتحاد نہیں۔ کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا +  
خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے۔ اور یہ حکم نہ صرف ان اشیاء میں جاری ہے، جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ بلکہ ان اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی مثل ہیں۔ چنانچہ اس سیاہی کا وہ سیاہی بنجانا، ویسے ہی محال ہے۔ جیسے اس سیاہی کا وہ سفیدی بنجانا یا وہ علم بنجانا محال ہے +

بہتے اور مرب کے درمیان جو تباہی ہے۔ وہ سیاہی اور علم کے تباہی سے زیادہ ہے۔ پس سرے سے اتحاد ہی باطل ہے۔ اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے۔ اور کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ شگلی۔ یہ محض بطور توسع اور مجاز کے کہا کرتے ہیں۔ جو صوفیوں اور شاعروں کی عادت ہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو لچپ بنانے اور خوبصورتی کے ساتھ سمجھانے کے لئے استعارہ کا طریق اختیار کرتے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ع

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول خود شاعر کے خیال میں قابل تاویل ہے۔ کیونکہ اس کا یہ دعوئے ہرگز نہیں کہ عاشق مطلقاً معشوق بن گیا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی سی اور معشوق کی حالت عاشق کی سی ہے۔ کیونکہ وہ معشوق کی خاطر اسی طرح مصروف فکر و غم ہے جس طرح اپنی جان کی خاطر ہوتا ہے۔ اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے۔ پس اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دیدیا +  
انہیں معنوں پر ابو نرینہ کا یہ قول حمل کیا جاسکتا ہے کہ ”میں اپنی ہستی سے اس طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکلتا ہے۔ اب جو دیکھتا ہوں۔ تو میں وہ (یعنی حق) ہوں“ مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کر لیتا ہے۔ تو اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا۔ اور اس کے دل میں اللہ کا جلال و کمال اس قدر سما جاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ بعینہ وہی نہیں بنتا۔ اور اس سے مشابہ ہونے اور بالکل وہی بن جانے میں بڑا فرق ہے۔ لیکن بعض اوقات کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شے بالکل فلاں شے ہے۔ لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے۔ جیسے کہ شاعر

کبھی تو کہتا ہے ”تو من شدی من تو شدم“ اور کبھی کہتا ہے ع

تو شال من شدی من شال تو شدم



اس مقام پر عقاید کا قدم مستحکم رہنا مشکل ہے۔ کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے۔ وہ ان دونوں صورتوں میں تیز نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے جس میں حقانیت کے جوہر چمکتے ہوتے ہیں۔ تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں۔ اور انا الحق کی صدا بلند کرنے لگتا ہے۔ یہ شخص حقیقت نصائے کی سی غلطی کا مرکب ہو رہا ہے۔ جو یہی خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کو خدا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینہ میں کوئی رنگ دار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے۔ حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے۔ بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منقش ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے۔ حتیٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے۔ اسی طرح قلب فی نفسہ صورت اور ہیئت سے خالی ہے۔ اور اس کی ہیات صرف یہ ہے کہ وہ ہیات اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے۔ پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانے والی چیز کے مثل ہوتی ہے، تحقیقاً متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے۔ اور وہ بوتل و شراب کی جدا جدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہیگا بوتل کوئی چیز نہیں جو کچھ ہے شراب ہے۔ اور کبھی کہیگا شراب کوئی شے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے۔ چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے

دَقُّ الْوَجَائِحِ وَدَقَّتِ الْخَمْرُ      کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف  
فَتَنَّا بَهَا فَتَنَّا كُلَّ الْأَمْرِ      دونوں کیساں نظر آتے ہیں کچھ فرق معلوم نہیں  
فَكَأَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ      ہوتا۔ گویا (پیالہ اور شراب مجموعہ) شراب ہی  
وَكَأَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرٌ      ہے۔ اور پیالہ نہیں۔ اور گویا (یہ مجموعہ) پیالہ

ہی ہے۔ اور شراب نہیں +

جو شخص انا الحق کا دعوے دار ہے یا تو اس کا وہی مطلب ہے۔ جو تو من شدی من تو شدم کا ہے۔ یا اس بارہ میں اس غلطی کا مرکب ہو رہا ہے جس میں نصائے گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت باہم متحد ہیں +

الْبُزْدِ كَقَوْلِ سُبْحَانِي مَا اعْظَمَ شَاكِي اِذَا رَانَ سَيِّئًا هُوَ



نے اللہ کی طرف سے بطور حکایت کہا ہوگا چنانچہ اگر ان کو یہ کہتے سنا جاتا کہ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي (نہیں کوئی معبود میرے سوا پس میری عبادت کی تو لا محالہ کہا جاتا کہ وہ ان کلمات کو جو قرآن مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں۔ اور یا انہوں نے صفت قدس میں سے اپنے حصے کا شاہدہ کیا ہوگا۔ اس لئے اپنے نفس کی تقدس کی خبر دینے کے لئے سُبْحَانِی کہ دیا۔ اور عارضہ خلق کے مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ لگا کر مَا أَعْظَمَ شَأْنِی کہ دیا۔ اور ساتھ ہی وہ جانتے ہوئے کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلے میں ورنہ اس تقدس اور عظمت کو خدا کے تقدس اور عظمت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور یہ الفاظ بھی سُکرا اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہوئے ہونگے۔ کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے تو ہم خیر اور شنبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا لازم ہے۔ سُکرا کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا۔

اِن دونوں تاویلوں کی حد سے گزرتے ہوئے اور دل میں لاؤ گے، وہ قطعی محال ہے۔ بزرگان دین کے منصب عالی سے وصال رکھیں اور محال کے قائل نہ ہو جائیں۔ بلکہ چاہئے کہ لوگوں کو خدا کے ذریعہ سے شناخت کرو۔ نہ کہ خدا کو لوگوں کی نظیر دے۔ پانچویں صورت یعنی حلول بھی محال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندہ میں حلول کیا ہے یا بندہ نے رب میں حلول کیا ہے۔ تعالیٰ اللہ رب العالمین۔

بغرض محال اگر اس کو صحیح سمجھ کر تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ اور نہ بندہ کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ حال (حلول کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتیں۔ بلکہ حال کی صفات جوں کی توں رہتی ہیں۔

حلول کا محال ہونا: اس وقت سمجھ میں آئے گا جب کہ حلول کے معنی روشن کر دئے جائیں کیونکہ معانی مفردہ جب تک بطریق تصور ذہن میں حاضر نہ ہوں۔ ان کی نفی و اثبات کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ پس جو شخص حلول کے معنی نہیں سمجھتا۔ وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے۔ یا محال ہے۔

وضع ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے



مکان میں ہوتی ہے جس میں وہ موجود ہوتا ہے۔ یہ نسبت ہمیشہ دو چیزوں کے مابین ہوتی ہے۔ تو جو ذات ہمیشہ سے بری ہے۔ اس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے +  
دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے۔ کیونکہ عرض کا مقام جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور یہ امر اس ذات کے حق میں محال ہے جو بنفسہ قائم ہے +

اس بحث میں خدا کا ذکر تو سوا ادب ہے۔ خدا کے سوا جو چیز قائم بالذات ہو اُسے کسی دوسری چیز قائم بالذات میں حلول کرنا محال ہے۔ پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا جانا محال ہے۔ تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جاسکتا ہے +

جب حلول، اتعال، اتحاد، اور اتصاف بامثال صفات اللہ محال قرار پایا۔ تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہو گا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں۔ او اس سے صاف سمجھ سکتے ہیں کہ مطلقاً یہ کتنا کہ اسانے باری تعالیٰ کے معافی، بندہ کے اوصاف ہو سکتے ہیں جائز نہیں۔ ہاں کسی ایسی تقیید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے۔ جو تو ہم او اشتباہ سے خالی ہو۔ ورنہ یہ مطلق الفاظ تو ہم پیدا کرتے ہیں +

سوال اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام اوصاف سے متصف ہونے کے باعث سالک ہے و اصل نہیں۔ سلوک اور وصول کے کیا معنی ہیں؟

جواب واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق۔ اعمال اور علوم کی درستی ہے۔ او یہ ظاہری اور باطنی حالت کی اصلاح و آراستگی ہے۔ بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا ہے۔ تو گویا خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مگر وہ اس لئے اپنے باطن کا تصفیہ کر رہا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اور وصول یہ ہے کہ نور حق اس کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے۔ اور اپنی پہچان کو دیکھے۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے۔ اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصد نہ ہو۔ پس وہ بالکل خدا ہی کے مشاہدہ اور قصد میں مشغول ہو جائے۔ اور اس بارہ میں اپنے آپ پر نظر نہ کرے۔ تاکہ اس کا ظاہر عبادت کے ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ آباد و آراستہ ہو جائے۔ اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے۔ اور یہ آغاز ہے۔ سر انجام اس کا یہ ہے کہ وہ بالکل اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے۔ اور خاص خدا کا ہو جائے۔ اس وقت



وہ گویا وہی بن جائیگا۔ یہ منقول ہے +

سوال۔ صوفیہ کے کلمات سے ایسے مشاہدات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے۔  
جوان کو طریق ولایت میں متسربوتے ہیں۔ اور عقل ولایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے  
اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے۔ وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل  
کے نزدیک محال ہو۔ اں ایسی بات کا ظور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو مثلاً  
ولی کو بندہ کشف معلوم ہوا جائز ہے کہ کل کو ملاں شخص مر جائیگا۔ اور کوئی دوسرا شخص عقل کے  
ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔  
اور یہ معلوم ہونا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کر گیا، کیونکہ عقل اس کو محال قرار  
دیتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے +

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنی مثل بنالیکا۔ پھر اس سے  
زیادہ دور از مکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنا آپ بنالیکا۔ یعنی میں وہی بن جاؤں گا۔  
کیونکہ اس کا معنی یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ مجھ کو قدیم بنا دیگا۔ میں آسمان و زمین کا خالق  
نہیں ہوں، اللہ مجھ کو ان شئیوں کا خالق بنالیکا۔ اور یہ قول مشہور ہے کہ نظرت خدا اذا  
انا هو یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں +

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے۔ اور ظاہری معنوں پر اس کو حمل کیا جائے۔ تو اس کا  
یہی مطلب ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے، اس کو عقل کا ادنیٰ سو  
ادنے حصہ بھی نہیں ملا۔ اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تعجب نہیں کہ وہ  
اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بندہ کشف یہ معلوم ہو جانا جائز ہے کہ شریعت  
باطل ہے۔ اور اگر وہ حق ہے، تو خدا اس کو باطل کر دیگا۔ اور اس نے انبیاء کی تمام باتوں  
کو جھوٹی بنا دیا +

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بنانا محال ہے۔ وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے  
کیونکہ سچ کا جھوٹ بنانا حادث کے قدیم بنانے، اور بندہ کے رب بنانے، سے زیادہ بعید ہے  
اور جو شخص ایسی بات میں عقل محال ہو اور ایسی بات میں جس سے عقل قاصر ہو فرق نہیں سمجھتا وہ مخاطب  
ہونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ وہ جانے اور اس کا جہل جانے +



# فصل دوم

## مقاصد و رغایات میں

اس فصل میں بیان کیا جائیگا کہ اہل شنت کے مذہب پر ایسا کثیرہ ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں غائباً تھا اے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ یہ اسم بکثرت ہیں جن میں مترادف نہیں ہے۔ اور ہر اسم کے معنے دوسرے اسم کے معنے میں شامل ہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام اسماء سات صفتوں میں منقسم ہو جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ صفات گو سات ہیں۔ مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں، جو محصرے ناند ہیں پھر ان تینوں قسموں میں سے دو قسموں کی ترکیب ہو سکتی ہے یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی سلب اور اضافت کی۔ اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم وضع ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہو سکتے ہیں جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ بعض ذات مع سلب پر۔ بعض ذات مع اضافت پر۔ بعض ذات مع سلب و اضافت پر۔ بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر۔ بعض صفت اور سلب پر۔ بعض صفت اور اضافت پر۔ بعض صفت اور فعل پر۔ بعض صفت فعل اور اضافت پر۔ بعض سلب پر۔ یہ دنل قسمیں ہوئیں :-

- (۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے۔ اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے۔ جب کہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو +
- (۲) جو اسمائے ذات مع سلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال الْقُدُّوسُ اور السَّلَامُ اور الْغَنِيُّ اور الْاَحَدُ وغیرہ ہیں۔ چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور سلوب عذ ہے۔ السلام وہ ہے جس سے عیوب سلوب ہیں۔ الغنی وہ ہے جس سے حاجت سلوب ہے۔ الاحد وہ ہے جس سے نظیر اور تقسیم سلوب ہے +

(۳) جو اسماء ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال الْعَلِيُّ



اور الْعَظِيمُ اور الْأَوَّلُ اور الْآخِرُ اور الظَّاهِرُ اور الْبَاطِنُ وغیرہ ہیں علیٰ وہ ذات ہے جو تمام ذاتوں سے رتبہ میں برتر ہے۔ اس کو اضافت کہتے ہیں عظیم خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادماکات کی حدود سے متجاوز ہے اَوَّلُ وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے۔ اَخِرُ وہ ہے جس کی طرف موجودات کا انجام ہے۔ ظاہر خدا کی ذات دلالت عقل کی نسبت سے ہے۔ باطن خدا کی ذات حق و ہم کے ادماک کی نسبت سے ہے۔ و قس علیٰ ذلک وغیرہ +

(۴۱) جو اسمائے فاضلہ مع سلب اضافت کے معنی رکھتے ہیں۔ ان کی مثال الْمَلِکُ اور الْعَزِیزُ ہے۔ کیونکہ ملک اس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور اس کی محتاج ہر چیز ہو۔ اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو۔ اور اس کا حاصل کرنا۔ اور اس تک پہنچنا۔ دشوار ہو +

(۵) جو اسماء کسی صفت کے معنی میں ہیں ان کی مثال الْعَلِیمُ اور الْقَادِرُ اور الْحَیُّ اور الشَّامِخُ اور الْبَصِیْرُ ہے +

(۶) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو۔ ان کی مثال الْخَبِيرُ اور الْحَكِيمُ اور الشَّهِيدُ اور الْمُحْصِي ہے۔ خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے۔ اور حاکم کی دلالت اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے۔ محصی کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ معلومات محصورہ و معدودہ پر محیط ہے +

(۷) جو اسماء قدر مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال الْقَهَّارُ اور الْقَوِیُّ اور الْمُقْتَدِرُ اور الْمُتَنَبِّہُ ہیں کیونکہ قوت کمال قدرت ہے۔ اور تہذیب شدت قدرت ہے۔ اور تہذیب اثر قدرت ہے +

(۸) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے۔ ان کی مثال الرَّحْمَنُ اور الرَّحِيمُ اور الرَّؤُفُ اور الْوَدُودُ ہے۔ کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے مضاف ہو۔ رَأْفَت سے مراد شدت رحمت ہے۔ اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ وُدُّ کے معنی وہ ارادہ جو احسان و انعام سے مضاف ہو۔ رحیم کا فعل محتاج کا استدعا ہے۔ وود کا فعل اس کا



مستعدی نہیں۔ ہنگوہ انعام بطریق ابتدا کا مستعدی ہے۔ اور یہ اس مادہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جو احسان اور ضعیف کی قصائے حاجت سے مضاف ہے۔ اور اس کی وجہ تم اور پر پڑھ لے ہو +

(۹) جو اسماء صفات فعل کا مفہوم رکھتے ہیں۔ ان کی مثال الخالق اور البادئ اور المصور اور الوهاب اور الرزاق اور الفتاح اور التابض اور الباسط اور الخافض اور التواضع اور المعثر اور المذل اور العدل اور المقيت اور المحيی اور الممیت اور المقتدر اور الموفق اور الوافی اور البور اور الثواب اور المنتقم اور المقسط اور الجامع اور المانع اور المغنی اور المهادنی غیر (۱۰) جو اسماء فعل پر کسی زیادتی کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال الجید اور النکرید ہے۔ کیونکہ مجید وسعت اکرام پر دلالت کرتا ہے جس کے ساتھ شرف ذات بھی شامل ہو۔ یہی معنی کو سید کے ہیں۔ اور لطیف فعل کی نرمی پر دال ہے +

پس یہ اور ان کے سوا باقی تمام اسماء جس قدر ہیں وہ ان دس قسموں سے خارج نہیں ہیں مذکورہ اسماء پر غیر مذکورہ اسماء کو بھی قیاس کرو۔ کیونکہ اس سے اسماء کا غیر مترادف ہونا۔ اور صفا محصورہ و مشہورہ میں منقسم ہونا، بخوبی سمجھ میں آ سکتا ہے +

## فصل سوم

فلاسفہ معتزلین کے مذہب پر ان تمام صفات کے ایک ذات کی طرف رجوع کرنے کا بیان

اگرچہ فیصل اس کتاب کے لائق نہیں ہے۔ لیکن بحکم التماس مجھے اس کو درج کتاب کرنا پڑا۔ جو صاحب اس کو کتاب میں نہ رکھنا چاہیں، ان کو اس کے بحال ڈالنے کا اختیار ہے کیونکہ وہ غیر ضروری ہے +

واضح ہو کہ فلاسفہ معتزلین اگرچہ صفات کے منکر ہیں۔ اور ذات واحد کے سوا اور



کسی شے کی اثبات نہیں کرتے۔ تاہم وہ افعال۔ کثرت سلب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں کرتے۔ چنانچہ ہم جو ان اسما کو ان اقسام میں ضبط کرتے ہیں۔ تو وہ بھی اس میں معاون ہیں + ہفت صفات یعنی حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر اور کلام ان کے نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے نزدیک خدا کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیاء دیدنی سے متعلق ہے۔ اور کلام مقزل کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے۔ اور یہ وہ کلام ہے۔ جو وہ جادات میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک اسماع (سناتا) کی طرف راجع ہے۔ جس کو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ایک معجز کلام لوگو کو سناتا ہے۔ اور وہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ کلام اس نبی کو انسانی فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ حیات سے مراد اس کا علم بنانا ہے۔ کیونکہ جس چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو۔ اُس کو حقی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو۔ اس کو حقی نہیں کہتے +

باقی ہے ارادہ اور قدرت۔ ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے۔ اور اس کی کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز میں وجہ معلوم ہوتی ہے۔ تو اُس کو حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں اُسے کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ اُس پر رہنی ہوتا ہے۔ اور اُسی کو کبھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے ارادہ کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو +

قدرت کے یہ معنی ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا۔ اور جو کچھ وہ کرتا ہے اُس کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کی مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو وجہ خیر کا علم ہے۔ اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے۔ اُس کو موجود کرتا ہے اور جس چیز کے وجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اُس کو موجود نہیں کرتا۔ اور نظام خیر کا وجود صرف اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کو اس کا علم ہو۔ اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی خیر کے پائے جانے کا علم نہ ہو۔ پس نظام معقول نظام موجود کا



سبب ہے۔ اور نظام موجود نظام معقول کے تابع ہے۔  
 ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معلوم کے تحقق میں قدرت کا محتاج ہے کیونکہ  
 ہمارا فعل ضرور کسی موثر آلہ کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ موثر  
 آلہ صحیح و سالم اور پوری طاقت والا ہو۔ مگر خدا کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا۔ بلکہ ہر  
 علم ہی معلوم کے وجود کے لئے مکتفی ہے۔ پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے۔  
 اس سے آگے فلاسفہ معتزلیں کا عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع  
 ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو بذاتہ جانتا ہے۔ پس وہ خود ہی علم بھی ہے۔ عالم بھی۔ اور معلوم  
 بھی۔ اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے۔ جو کل  
 موجودات کی مبدا ہے۔ لہذا وہ تمام موجودات کو علی سبیل البتئیت اپنی ذات ہی سے  
 جانتا ہے۔ پس یہ امر اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے۔ ان لوگوں کا  
 زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت کثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے۔ جیسے کہ  
 محاسب کے علم کی نسبت ہے۔ جب کہ اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ  $2 \times 2$  کتنے ہونے  
 اور  $2 \times 2 \times 2$  کتنے۔ اور  $2 \times 2 \times 2 \times 2$  کتنے۔ اسی طرح مثلاً دس درجہ تک سوال کیا  
 جائے۔ تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے عمل خوب کا سلسلہ پھیلانے  
 اس کو یقین ہے کہ میں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں۔ اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی ٹری  
 ہے۔ یہ یقین گویا سب سے پہلا ایک حسابی خط ہے جس کو حساب کی تمام تفصیل بلکہ ان کے  
 غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بلا تفصیل خاص نسبت ہے۔ اور جس طرح  $2 \times 2$  کا سلسلہ بتدیج کثرت  
 کی طرف چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے۔ اور ان کے  
 ابتدا میں کثرت نہیں ہے۔ پھر بتدیج کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اس دعوئے کی  
 شرح اور اس کی تردید بڑا طویل چاہتی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گویا  
 مقصد کتاب سے خارج ہے۔ اگر اس کا شوق ہی ہے۔ تو ہم نے کتاب تہافت الفلاسفہ  
 میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو بڑی مدد ملے گی۔



# میسر افروغ احق و متمہ جانی ہیں

## پہلی فصل

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف تانویں نہیں ہیں

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف تانویں کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسمائے ہیں۔ جنہاں چاہو ہر پرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدایت میں ان میں سے بعض اسماء کی بجائے ایسے اسماء دی ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں۔ اور ایسے اسماء بھی ہیں جو ان سے قریب المعنیٰ نہیں۔

پہلے اسماء کی مثال الْأَحَدُ بجائے الْوَاحِدُ کے۔ اور الْقَاهِرُ بجائے الْقَهَّارُ کے۔ اور الشَّكْرُ بجائے الشُّكْرُ کے۔

دوسرے اسماء جو قریب المعنیٰ نہیں ہیں۔ ان کی مثال الْهَادِي اِمَّا الْكَافِي اَوْ الدَّائِيْمُ اور الْبَصِيْرُ اور الْمُنَوِّرُ اور الْمُبِينُ اور الْجَمِيلُ اور الصَّادِقُ اور الْحَيُّ الْقَرِيبُ اور الْقَدِيْمُ اور الْوَسُوْرُ اور الْقَاطِرُ اور الْعَلَامُ اور الْمَلِيْكُ اور الْاَكْبَرُ اور الْمُدَبِّرُ اور الْوَفِيْعُ اور ذُو الْقَوْلِ اور ذُو الْمَعَارِجِ اور ذُو الْفَضْلِ اور الْخَلَّاقُ۔

قرآن مجید میں بھی ایسے اسمائے ہیں جو روایا میں متفق علیہ نہیں ہیں جیسو الْمَوْلٰی اور النَّصِيْرُ اور الْغَايِبُ اور الْقَرِيبُ اور الْوَتْبُ اور النَّاصِرُ اور بِالْاَضَافَاتِ اسماء بھی آئے ہیں جیسے شَدِيْدُ الْعِقَابِ اور قَابِلُ التَّوْبِ اور غَاْفِرُ الذَّنْبِ اور مُوْجِ الْبَلِّ فِي النَّهَارِ وَمُوْجِ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ اور مُخْرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ۔



حدیث شریف میں ایک اسم الشَّیْدُ بھی آیا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا یا سید، تو آپ نے فرمایا سید، اللہ تعالیٰ ہے غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ رُوحِ روح کرنے سے منع فرمائیں۔ ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا سَيِّدٌ وَلِدَاؤُكَ لَا تَحْزَنُ یعنی میں نبی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں۔

احادیث میں اسم الدَّيَّانُ بھی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح اَلْحَنَّانُ اور اَلْمَنَّانُ بھی آئے ہیں۔ اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔ اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے۔ تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں۔ جیسے یُكْشِفُ السُّتُورَ وہ بھینبت دُور کرتا ہے وَيَقْدِرُ بِالْحَقِّ اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے وَيَفْصِلُ بَيْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وَكُنْزِنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔ پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ اَلْكَاشِفُ اور اَلْقَادِرُ بِالْحَقِّ اور اَلْفَاصِلُ اور اَلْقَاضِي ہیں۔ ایسے اسماء کا حصہ شمار نہیں۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آگے آئیگا۔

القرض یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف ہی ننانویں نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح کھنی ہے۔ بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو ملحوظ رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے۔ کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے۔ یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں صحیحین میں نہیں ہیں۔ صحیح حدیثوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف یہ قول آیا ہے کہ ”اللہ کے ننانویں نام ہیں۔ جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا۔“ ان اسماء کا بیان اور تفصیل یہ ان میں مذکور نہیں۔

فقہاء و علماء کا جن اسماء پر اتفاق واقع ہوا ہے۔ ان میں اَلْمُرِيدُ اور اَلْمُتَكَلِّمُ اور اَلْمَوْجُودُ اور اَلشَّيْءُ اور اَلذَّاتُ اور اَلْأَزَلِيُّ اور اَلْأَبَدِيُّ بھی شامل ہیں۔ ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

۱۵ صحیحین مراد حدیث کی وہ سب زیادہ معتبر و صحیح کتابیں ہیں جن کو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کہتے ہیں ۱۶ ستون



اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ”یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے  
اسما میں سے ایک اسم ہے۔ ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا“

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص  
کسی نیچ یا غم میں مبتلا ہو۔ اور وہ پڑھے:-

اللَّهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَإِنِّي	یعنی الہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے
عَبْدُكَ وَإِنِّي أُمْتُكَ مَا صَبَّحْتَ بِدِينِكَ	بنے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں میری بیانی
مَا مَنَ فِي حُكْمِكَ عَدْلٌ فِي قَضَائِكَ	تیرے اقدار میں ہے تیرا حکم مجھ پر جابری ہے تیری
أَسْأَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ سَمَّيْتَ بِهِ نَفْسَكَ	قضا مجھ پر عاقلانہ ہے۔ میں تجھ سے اس ہولم کے
أَوْ أَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ أَوْ عَلَّمْتَهُ	ساتھ جس کو تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی
أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ أَوْ أَسْتَأْثَرْتُ	کتاب میں کہتا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے
بِهِ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ أَنْ	یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے، اس کو پسند
تَجْعَلَ الْقُرْآنَ رَبِّمَ قَلْبِي وَتُورِدَ	کیا ہے یہ سوال کرتا ہوں کہ تو قرآن کو میرے دل کی
صَدْرِي وَجَلَاءَ حُرْفِي وَذَهَابَ	بہار، میرے سینہ کا نور میرے غم کی چلا میری فکر کا دھو
هَمِّي +	کرنے والا کر دے +

تو اللہ اس کا غم درخ دور کر دیگا۔ اور بجائے ان کے خوشی اور فرائع بالی عطا کر گیا +  
استأثرت به في علم الغيب عندك کا لفظ بتا ہے ہیں کہ اہلے باری  
صرف وہی نہیں جو مشہور روایات میں آئے ہیں +

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر تانویں کی تعداد میں اہلے باری عطا کرے کو  
محسوس کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس نکتہ کا بیان کرنا ضروری بھی ہے۔ چنانچہ آئندہ فصل میں  
اس کا ذکر کیا جاتا ہے +



## دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور و فکر کی باتیں درج ہیں جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

سوال کیا اسمائے باری تعالیٰ ننانویں سے زائد ہیں یا نہیں۔ اگر زائد ہیں، تو ننانویں کی تخصیص کا کیا مطلب ہے۔ مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانویں درہم ہیں۔ گو ہزار میں ننانویں بھی آجاتے ہیں لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے۔ اگر اسماء ننانویں سے زائد نہیں ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اس ملک بکل اسمہ سمیت بہ نفسک ادا تزلت فی کتابک اوعلمتہ احدا من خلقک ادا ستاثرت بہ فی علم الغیب عندک اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں۔ اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم عظم معلوم ہے۔ اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانویں اسماء سے خارج ہے؟

جواب۔ قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے، اسمائے باری ننانویں سے زائد ہیں۔ اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر مذکور ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر شامل ہے۔ اس کی مثال یہ کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں۔ اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور اعلیٰ کے ننانویں نوکر ہیں۔ جو شخص ان سے مدد حاصل کرے۔ دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو یہاں یہ تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانویں نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ ننانویں کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے۔ جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں۔ یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف ہی نوکر موجود ہیں۔



یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے نائد نہ ہوں۔ اور حدیث کے الفاظ  
دو قضیوں پر مشتمل ہوں:-

ایک قضیہ، یہ کہ اللہ کے ستانویں نام ہیں +  
دوسرا قضیہ، یہ کہ "جو کوئی ان سب کو یاد کر لیا وہ جنت میں جائیگا" ختم کہ اگر صرف  
ایک پہلے قضیہ پر پس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا۔ بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک  
پہلے قضیہ پر پس نہیں ہو سکتی تھی +

یہ دو سرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آ جانے والا  
ہے۔ لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے:-

ایک یہ تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔  
جن کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت  
موجود ہے +

دوم یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سب اسماء کو یاد کرنے کی فنیلیت صرف نبی یا کسی  
ولی کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کو اسم اعظم آتا ہو۔ تاکہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے۔ ورنہ اس کے بغیر  
تعداد ناقص رہیگی۔ اور وصول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد شرط  
ہے۔ پس حصر باطل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو سارے  
اسماء پڑھنے کی ترغیب کیلئے، یہ حصر بیان کیا ہے۔ اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے +

سوال۔ جب زیادہ ترین قیاس یہ ہے کہ اللہ کے اسماء ستانویں سے زائد ہیں تو  
اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہوں گے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ستانویں  
اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو یہ ستانویں خاص خاص اسماء ہیں۔ یا  
جو نئے ستانویں اسماء گن لیں۔ وہی کافی ہونگے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں  
داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور حتیٰ کہ اگر کوئی شخص صرف پھر پھر کا رضی اللہ عنہ کی ایک  
روایت والے تمام اسماء کو پڑھے، تو داخل بہشت ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان اسماء کو  
پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دو تو  
روایتوں کے اسماء کو اسمائے بارئیاں سمجھیں +

جواب۔ بظاہر یہی بات درست ہے کہ اس سے مراد ۹۹ معین اسماء ہیں۔



کیونکہ جب دشمنین نہ ہونگے، تو حصہ تخصیص کا فائدہ ظاہر ہوگا۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ بادشاہ کے ایک سو نو کر ایسے ہیں کہ جو شخص ان کی مدد حاصل کرتا ہے، دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ تو یہ کہنا صحیحی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہوں۔ اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو۔ قوت و شوکت میں ممتاز ہوں۔ اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو لے لیں ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی۔ تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے طریق بادا کے لحاظ سے پورا نہیں اترے گا۔

سوال۔ صرف ۹۹ اسماء کی اس قضیہ سے کیا خصوصیت ہے۔ باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب۔ چونکہ اسماء معنوی جلال کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ۹۹ اسماء اس قسم کے پر جلال معنوں پر مشتمل ہوں۔ جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں۔ اس لئے وہ سب برتر ہوں۔

سوال کیا اسم اعظم ان میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں۔ تو پھر اسم کوثر اسم اعظم کہا سکتا ہے۔ جو ان اسمائے عظمیٰ سے خارج ہے۔ اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ اسم اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اور ۹۹ عام مشہور ہیں۔ سنتے ہیں کہ اصف بن برخیا جو بلقیس کے تخت کو لے کر بحر میں لائے تھے۔ تو وہ اسم اعظم جانتے تھے۔ اور جو شخص اس کو جانتا ہے۔ وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے؟

جواب یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، خارج ہو۔ اور ان اسماء کی عظمت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہو، نہ کہ ان اسماء کے مقابلہ میں۔ جو انبیاء و اولیاء کو معلوم ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو۔ لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔

اور ان کو: اَتَهَارَا مَعْبُودًا تَوْحِيدًا خَلْقَ

وَالْهَکْمُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ

واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم

اَلَا تَهْتٰوْنِ الْوَحْدَانَ الْوَحْدِیْمُ



کر لئے والا مہربان ہے +

دوسری آیت یہ، سورہ آل عمران کی شروع کی آیت ہے :-

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ  
اَلَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ +

اَلَمْ يَلِدْ (وہ ذات پاک ہے کہ) اُس کے  
سوا کوئی معبود نہیں مذہد (کارخانہ عالم کا) بننا

والا + پ

اور روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو یوں دعا مانگتے

سنا :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَعِیْذُ بِاَقْنٰی اَشْهَدُ  
اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الْقَدَمُ  
الَّذِیْ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ  
لَہٗ کُفُوًا اَحَدٌ +

خداوند! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں

اس طرح کہ میں بالضرور اس ہمارے گواہی دیتا ہوں

تو کیلئے بے پڑا ہے جو نہ بنتا ہے نہ جانا گیا ہے نہ

اُس کا کوئی ہمسرا ہے +

تو فرمایا قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ اس  
شخص نے خدا سے اُس کے اسمِ علم کا واسطہ دیکر سوال کیا ہے۔ یہ وہ اسم ہے جس کے واسطہ  
سے سوال کیا جائے تو وہ پورا کر دیتا ہے۔ اور دعا کی جائے تو وہ قبول کرتا ہے +  
سوالِ علم اعداد میں سے صرف ۹۹ کی تخصیص کیوں ہے۔ اور پھر اس کو بھی پورا

کیوں نہیں کر دیا گیا جس میں صرف ایک کی کسر ہے؟

جواب اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ کہ کہتے ہیں کہ معانی شریفہ اس حد

تک پہنچ گئے۔ نہ اس لئے کہ ان کی تعداد میں ہو گئی۔ بلکہ وہ اس عدد کے موافق آپڑے۔

جیسے کہ صفات باری تعالیٰ اہل سنت کے نزدیک سات ہیں یعنی حیات، علم، قدرت،

ارادہ، سمیع، بصر، کلام۔ نہ اس لئے کہ وہ سات ہیں۔ بلکہ شان ربوبیت ان کے بغیر پوری

نہیں ہوتی +

دوسرا احتمال جو زیادہ واضح ہے یہ ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے **مِائَةُ اِلَافًا حِدًا وَاللّٰهُ وَتَرْجُحُ الْوِثْرُ**

یعنی ایک کم سو، اور اللہ طاق ہے طاق ہی کو دوست رکھتا ہے +

مگر اس احتمال سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اسما ارادہ اور اختیار سے رکھے



گئے ہیں۔ نہ اس حیثیت سے کہ صفات شرف صرف انہیں منحصر ہیں۔ کیونکہ ایسا لذاتہ ہو گا نہ کہ بالارادہ۔ اور کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے ساتھ ہیں کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔ بلکہ یہ اس کی ذات ولایت کے تقاضے سے ہے۔ نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے۔ اور اس میں عدد غیر مقصود ہے۔ بلکہ وہ کسی قصد کرنے والے کے قصد پر موقوف نہیں۔ جو حقیقت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے۔ یہ بات اس احتمال کی تائید کر سکتی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو موسوم کیا ہے۔ وہ صرف ۹۹ ہیں۔ زیادہ نہیں۔ اور اس نے ان کو سو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال۔ یہ ۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع کرانے کی غرض سے بیان کر دیئے ہیں۔ یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ جو قرآن و حدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب۔ ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے۔ چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر ان تمام کو پہلے اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور جمع بیان نہ کر دیتے۔ تو لوگوں کو ان کا معلوم کن مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اور جبہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے۔ جس کے مطابق ہم نے اسماء کی یہ شرح لکھی ہے۔

آمام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند میں اس کے متعلق ایسی غلطی ہر کی ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا اشارہ پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے :-



(۱) اول تو یہ کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت مُضطرب ہے۔ کیونکہ ان کے دو روایتیں مروی ہیں۔ اور دونوں کے امین ابوال و تیسرے میں بڑا فرق ہے +

(۲) دوسرا اس روایت میں حَنَّان اور مَنَّان اور مَعَنَّان وغیرہ ان اسماں الہیہ کا ذکر نہیں۔ جو احادیث سے ثابت ہیں +

(۳) سو در صحیح حدیث میں صرف تعداد کا ذکر ہے۔ یعنی رسول اللہ علیہ وسلم کا قول صرف اتنا ہے کہ "اللہ کے تانویں نام ہیں جو شخص ان سب کو یاد کرتا ہے وہ جنت میں جائیگا" +

وہاں اسما کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ ان کا ذکر ایک دوسری غریب روایت میں ہے جس کے اسناد میں ضعف ہے۔ اور اس عدد کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ اسما نہیں ہیں۔ مگر ہم یہ اٹھان لکھا چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں بعض اسما چھوٹ گئے ہیں +

جس روایت میں اسما کا شمار درج ہے۔ اگر ہم اس کو ضعیف قرار دیں۔ تو تمام اعتراضات رفع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ ہم کہیں گے کہ باری تعالیٰ صرف تانویں ہیں۔ جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مقرر فرمایا ہے۔ ان کو پوسے تنو اس لئے نہیں بنایا کہ وہ طاق ہے اور طاق ہی کو پسند کرتا ہے +

ان اسما میں حَنَّان اور مَنَّان وغیرہ بھی داخل ہیں۔ یہ تمام اسما قرآن حدیث میں غور و خوض کئے بدون معلوم نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان میں سے کچھ اسما تو قرآن مجید میں مذکور ہیں اور کچھ حدیث میں +

میں نے بلا و مغرب کے ایک حلقہ کے سوا اور کوئی عالم نہیں دیکھا جس نے ان اسما کو جمع کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس شخص کا نام ابن حزم ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے نئی اسما باری تعالیٰ معلوم ہوئے ہیں۔ جو قرآن مجید اور صحیح حدیثوں میں مذکور ہیں۔ باقی اسما بھی حدیثوں میں اجتہادی غور و فکر کرنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ان کو وہ حدیث نہیں پہنچی جس میں اسما کے باری تعالیٰ کا شمار درج ہے۔ اور اگر پہنچی ہے۔ تو اُس کی اسناد کو ضعیف سمجھا ہوگا یا اس کو چھوڑ کر ان روایات کی طرف رجوع کیا ہوگا۔ جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔ پس جو شخص اس طریق سے ان اسما کو جمع کر کے یاد کرے اس کو



اس اجتہاد میں یقیناً سخت تخلیف اٹھانی پڑیگی۔ ایسا شخص فی الواقع جنت میں جانے کے لائق ہے۔  
بخلاف اس کے ان اسماء کو کیبارگی زبانی یاد کر لینا سہل ہے۔ جو مشہور روایت میں آئے ہیں  
۱۔ صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ  
جو شخص ان کو حفظ کرے وہ جنت میں جائیگا اور حفظ کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں  
پڑتی +

یہ وہ احتمالات ہیں۔ جو اس حدیث کے متعلق سوچے ہیں۔ جن میں سے بعض باتیں  
ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں، جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کئے  
جاتے ہیں۔ کیونکہ درجہ عقل سے بالاتر ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ +

## تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر

موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے۔ لگایا نام جائز نہیں  
جس سے شیعہ نے منع کیا ہو۔ یا اُس کے معنی خدا کی نسبت سے محال ہوں۔ اور جس نام میں کوئی  
مانع نہیں وہ جائز ہے +

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے یہ توقیف پر موقوف ہے پس  
خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا۔ جس کے معنی سے وہ موصوف ہے۔  
مگر جب کہ اس کی اجانت آئی ہو +

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ  
اسم بن سکتا ہے۔ وہ اذن شیعہ پر موقوف ہے۔ اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر  
موقوف نہیں۔ بلکہ اگر وہ صادق آتا ہے تو مباح ہے۔ اگر کاذب (غیر صادق) ہے تو نہیں۔  
اس نکتہ کے سمجھنے کے لئے اسم اور وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے +

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے جو سہل کی دلالت کے لئے موضوع ہو۔ چنانچہ



زید کا اسم لفظ نہرید ہے۔ اور وہ شخص فی نفسہ سفید اور لمبا بھی ہے۔ اور کوئی شخص اس کو یوں پکارتے کہ "اے سفید" یا "اے اوبے" تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا اور اس کا پکارنا درست تھا۔ لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے پہلوتی کی۔ کیونکہ اس کا اسم نہرید تھا۔ سفید اور لمبا نہیں تھا۔ اور اس کا فی نفسہ سفید اور لمبا ہونا اس امر پر ہال نہیں ہے کہ یہ اس کے اسم ہیں۔ بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام جو قاسمہ اور جامع رکھ دیتے ہیں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے۔ بلکہ ان اسماء کی ولالت گو معنوی ہی ہے۔ ایسی ہے۔ جیسے زید اور عیسیٰ کی ولالت ہے۔ بلکہ جب ہم کسی کا نام عبد الملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے۔ اور اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ عبد الملک، عیسیٰ اور نہرید کی طرح ایک مفرد اسم ہے۔ اور جب اس کو وصفتے قبل میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائیگا۔ یہی حال عبد اللہ کے اسم کا ہے اسی لئے اسم عبد اللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباد اللہ +

جب اسم کے معنی تم سمجھ چکے، تو اب واضح ہو کہ ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا "اے دلی" یا "والدین" یا "مالک" موسوم کرے۔ اور تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا سب سے حق میں تصرف ہے۔ اور یہ تصرف ولایت کا استدعی ہے اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے۔ یا اپنے غلام پر۔ یا بیٹے پر۔ اس لئے ہمیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے اگر ان کے سو کسی اور شخص کا نام رکھ دیا جائے تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے۔ اور خفا ہوتا ہے۔ جب ہم انسانوں کے نام رکھتے کا حق نہیں رکھتے۔ تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے +

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں جن کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں احمد اور محمد اور المقفی اور الماسی اور العاقب اور بنی التوبہ اور بنی الرحمة اور بنی الملحمة ہیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں میں کوئی اضافہ کریں۔ ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں۔ پس یہ کتنا جائز ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ہیں۔ مرشد ہیں۔ دشید ہیں۔ ہادی ہیں وغیرہ۔ جیسے کہ ہم زید کو کہہ سکتے ہیں کہ وہ سفید ہے۔ لمبا ہے۔ اور یہ بطور تسمیہ



نہیں کہتے۔ بلکہ اس کے اوصاف کی اطلاع دینے کی غرض سے کہتے ہیں +

باجملہ یہ ایک فقہ کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ وہ ایک لفظ کی اباحت یا حرمت کا سوال ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا کا نام رکھنے کی ممانعت کی دلیل یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام رکھنا ناجائز ہے۔ اور رسول بلکہ عام اشخاص کا نام رکھنا ناجائز ہوا۔ تو خدا کا نام رکھنا بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے۔ یہ ایک فقہی قیاس ہے۔ اور اس قسم کے قیاس پر بہت سے شرعی احکام مبنی ہیں +

وصف کے مُباح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ ایک امر کی خبر ہے۔ اور خبر صدق و کذب پر تقسیم ہوتی ہے۔ شرع نے مولا کذب کی حرمت کا حکم دیا ہے۔ اور وہ باستانائے خاص صورتوں کے حلال ہے۔ اور جس طرح ذید کے حق میں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ فی الواقع موجود ہے +

اسی طرح ہم اللہ کے حق میں بھی کہہ سکتے ہیں۔ خواہ اس کے متعلق شرع کا حکم آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ وہ قدیم ہے، گو ہم جانتے ہیں کہ شرع میں یہ نہیں آیا۔ اور جس طرح ہم ذید کے حق میں یہ نہیں کہتے کہ وہ لبا اور سفید ہے تاکہ مُبادا ذید سن لے۔ اور اس کو اظہار عیب سمجھ کر رنجیدہ ہو جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حق میں ہم ایسا لفظ ہرگز نہیں بول سکتے جس میں کچھ شائبہ نقص کا پایا جاتا ہو۔ ہاں جن لفظوں میں نقص کا شائبہ نہ ہو۔ یا وہ مع پردہ الہیوں ان کا اطلاق کرنا مُباح ہے۔ اور یہ اسی دلیل سے مُباح ہے جس سے ایسے صدق کا مُباح ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ جو حرمت کے عوارض سے پاک ہو۔ اس لئے بعض الفاظ کا اطلاق ممنوع ہے۔ مگر جب ان کے ساتھ کوئی قرینہ شامل ہو جاتا ہے۔ تو جائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے حق میں یہ کہنا جائز نہیں کہ یا ذراع (اے زراعت کرنے والے) یا حادث (اے عورت کے شکم میں بیج بہنے والے) ہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عورت سے صحبت کرنے والا حادث نہیں حقیقی حادث خدا ہے۔ تخم ریزی کرنے والا ذراع نہیں حقیقی ذراع خدا ہے +

تیرا نماز تیر نہیں مارتا، بلکہ خدا مارتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں بھی نازل ہوا ہے وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللّٰهَ دَحٰى يَعْنِيْ جَبْ حَمْلٌ نے کنکریوں کی ٹھنسی پھینکی تو خود تم نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی +

اور ہم اللہ کے حق میں صرف یوں بھی نہیں کہہ سکتے کہ یا مُدِلُّ ہاں یوں کہیں گے







کے معنی ہیں باز رکھنا۔ چنانچہ کہا جاتا ہے عَقْلُهُ عَقْلُهُ یعنی اس کی عقل نے اس کو باز رکھا اور فطنت و ذکاوت سے مراد، سرعت ادا کا ہے۔ جبکہ در کفایت ہو۔ علیٰ ہذا القیاس باقی اسماء۔ پس اس قسم کے اسماء کے اطلاق کا مانع صرف یہی ہے، جو مذکور ہو چکا۔ اگر کوئی لفظ تحقیق کو پہنچ جائے۔ تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایسا م واقع نہیں ہوتا۔ اور نہ شرع اس کی مانع ہے۔ اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز سمجھتے ہیں

## وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ وَالْبَيْتُ الْمَجْمَعُ الْمِيَّارُ

الحمد لله والمنته کہ دریں ایام فرخندہ عالم کتاب مستطاب ثاویث شیخ و بٹا  
از تصنیف بدو العارفین مشہورے سالکین حجتہ الاسلام امام عالی مقام  
ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید با ختم سید









# مشکوٰۃ الاولیاء

امام غزالی

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درس نظامی، مولوی فاضل، منشی فاضل)



# فہرست مضامین

۱۸	خاتمہ	۳	دیباچہ
۲۳	باب دوم	۴	باب اول اقسام انوار
۱۱	قطب اول	۵	نور عامی
۳۰	خاتمہ و معذرت	۶۱	حقیقت
۳۲	نکتہ	۷	فرق مراتب
۳۳	قطب دوم مراتب ارواح بشریہ	۱۰	عقل کی رویت یکساں نہیں
۳۶	آیت کی مثالوں کا بیان	۱۱	نتیجہ
۳۸	خاتمہ		نکتہ
۳۹	باب سوم	۱۵	حقیقت
۴۰	قسم اول	۱۶	حقیقت حقائق



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کشادہ کرنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور ہر عجائبات دور کرنے والا ہے۔ اور ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ سرِ پانور الانوار و صفات حسنہ کے مالک، زبردست اور غالب خدا کے پیارے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سننے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے۔ پروردگار نازل ہو جو کفار کو تہ وبال اور فساق و فجار کو ذلیل و خوار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

اما بعد، اے مکرم بھائی خدا تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے اور سعادت و نیک نجات کی پوٹی تک پہنچنے کے لئے تیری رفتار تیز فرمائے، تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرملین کرے اور تیرے دل کو ماسوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی صرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اللہ نور و انوار است و انوار من دیعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوند کو شیشہ و طاق چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پر ہے ہیں۔ اگر وہ انہیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو ہلادیں جو ان انوار کو آنکھوں سے دیکھے۔



تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھائی پر چڑھایا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس در کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور اسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی ایک مسئلہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت نہ لوگوں کے سامنے کھولی جاسکتی ہے اور نہ بیان کی جاسکتی ہے۔ صرف شرفاء کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ رہبریت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے۔ حقیقہً کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ انہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں۔ ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو۔ اور جب ایسے نادانوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شریروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پر تو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا، اور تمام قسم کے حقائق و دقائق صرف رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا۔ کیونکہ اہل علم سے علم کو کونا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نا اہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

خَمْنٌ مَعْنَمٌ الْجَهْلُ عِلْمًا احْسَاةً وَمَنْ كُنَّحَ الْمُسْتَوْجِبِينَ فَقَدْ ظَلَمَ

جس نے جہل کے سامنے علم ظاہر کیا اس نے علم ضائع کیا اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا۔

اب تم مختصر کنایات و اشارات ہی پر اکتفا کرو۔ کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً نا کافی ہے اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے۔ کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خلا کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعے چاہتا ہے انہیں کھول دیتا ہے، اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

## باب اول

اقسام انوار فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجاز ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔



اولاً تم اس نور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں۔ دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہیں جس کے انحصار خواص قائل ہیں۔ اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات و حقائق بھی ذہن نشین کر لو تاکہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وجہات کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے۔ اور اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں وہ یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی | عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے۔ کیونکہ ہر شے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے اس لحاظ سے وہ نسبت ظاہر ہوتی اور نسبت "باطن" اس کے ظہور کو اور کات سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اور عوام کے نزدیک تمام اور کات میں سب سے زیادہ قوی جو اس غیمہ میں اور ان میں سب سے زیادہ قوی محاسبہ ہے۔

بمحاط حسن اشیاء کی تین قسمیں ہیں، اول وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جاسکتی ہوں جیسے سیاہ جسم۔ ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جاسکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی اور شے نہیں دیکھی جاسکتی۔ مثلاً روشن جسم، تلے، غیر روشن شدہ آگ، اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات بھی دیکھی جاسکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً چاند، سورج، شعلہ زن آگ اور چراغ وغیرہ، نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام سے کثیف اجسام پر گذرتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہو گئی، یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور درود یار کو روشن کرتا ہے۔ ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہ روشن ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شے ہے جو خود بھی دیکھی جاسکے اور اس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

حکمتہ۔ نور کی اصل حقیقت ظہور و ادراک ہے۔ اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن تابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر ہے



اور نہ کسی اور شئی کو ظاہر کرنے والا۔ جس سے ثابت ہوا کہ دیکھنے والی روح روح ظاہری کے مساوی ہے جو کہ نور کو معلوم کرنے کے لئے ایک لازمی رکنا ہے۔ پھر روح باصرہ یعنی قوت اور حاسہ بصر کو اس طرح ذوقیت حاصل ہے کہ اسی قوت کے ذریعہ نور کا ادراک کیا جاتا ہے اور یہی نور کو محسوس کرتی ہے۔ درہد بالذات نہ تو نور دریافت کرنے والا ہے اور نہ اس کے باعث کسی شے کا ادراک ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ادراکات کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔ اور نور کا نام نور رکھنے سے یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس نور کے دیکھنے والے کو نور کہا جائے۔ اسی لئے محققین نے دیکھنے والی آنکھ کے نور پر نور کا نام نور رکھ دیا۔

چمکاؤں کے باسے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی آنکھ کا نور ضعیف ہے۔ چوندے کے باسے میں کہتے ہیں کہ اس کی بینائی کا نور ضعیف ہے اندھے کے باسے میں بولا جاتا ہے کہ اس کی آنکھوں کا نور مفقود ہے۔ سیاہی کے باسے میں کہتے ہیں کہ وہ نور بصر کو جمع اور قوی کرتی ہے حکمت خداوندی نے اس لئے خاص طور پر پلکوں کو سیاہ بنایا اور اس سے نگاہ کو اسی لئے ڈھانپا تاکہ آنکھ کی روشنی جمع رہے۔

سپیدی آنکھ کے نور کو پھاڑ دیتی ہے اور اس سے آنکھ کا نور ضعیف ہو جاتا ہے حتیٰ کہ تیز سپیدی اور آفتاب کے نور کی جانب دیکھنے سے آنکھ کا نور جاتا رہتا ہے (خواہ وہ عارضی طور پر ہو) کیونکہ قوی کے سامنے ضعیف ناپیدا ہو جاتا ہے۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ روح باصرہ کو نور کہا جاتا ہے اس کا نام نور کیوں رکھا گیا اور اس نام کی وہ زیادہ مستحق کیوں ہے یہ دوسری وضع ہے جو خواص کی وضع ہے۔

**حقیقت** | یہ بھی جان لو کہ آنکھ کا نور کئی قسم کے نقصانات سے متصف ہے مثلاً وہ غیر کو دیکھتا ہے لیکن خود کو دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح وہ نہ اس شے کو دیکھ سکتا ہے جو اس سے دیاں دور ہو اور نہ اس شے کو جو اس سے دیاں قریب ہو۔ اور نہ اس شے کو جو پس پردہ ہو۔ یعنی یہ نور صرف ظاہری اشیاء کے حقد کو دیکھتا ہے لیکن باطن کو دیکھنے پر یہ قادر نہیں موجودات میں سے بعض کو دیکھتا ہے اور بعض کو نہیں دیکھتا۔ اشیاء متناہیہ کو دیکھتا ہے لیکن غیر متناہی اشیاء کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر دیکھنے میں اکثر غلطی بھی کھاتا ہے بڑی کی چھوٹی، بعید کو قریب، ساکن کو متحرک اور متحرک کو ساکن دیکھتا ہے۔ یہ سات نقائص ہیں جو نگاہ سے جدا نہیں



کاش مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی ان تمام عیوب سے پاک ہے تو وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔  
اب معلوم ہو کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں یہ کمال صفت ہے اور وہی آنکھ  
بے حس عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں۔ کیونکہ  
جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معانی بہت ہیں  
اس لئے ہم وہی معنی مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد، شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے  
ممتاز ہو جائے، اور جسے جمہوری اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں  
کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقائص سے پاک ہے۔

**فرق مراتب** | ۱۔ آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھ سکتی ہے  
خود کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ خود کو عالم وقار سمجھتی ہے۔ اپنے  
نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی الی غیر النہایہ۔ اصر یہ خاصیت ان میں موجود نہیں  
جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے ۲۔ جو حد  
سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے  
نزدیک قریب و بعید یکساں ہیں، وہ ایک ہی لمحہ میں تمام آسمانوں کی سیر کرتی اور ایک دم میں زمین  
کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ فی الواقع اجسام میں جو قرب و بعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں  
پھٹکتا، کیونکہ وہ خدا کے سمندروں کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ  
ہوتا ہے گو اس کے مساوی نہ ہو۔ اس سے اس حدیث کا راز عیاں ہوتا ہے **إِنَّ اللَّهَ خَلَقَ**  
**أَدَمَ عَلَى صُورَتِهِ** (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہماری اس تقریر پر مزید غور و فکر  
کی کوئی ضرورت نہیں۔

**نوٹ:** حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مراد لی ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ صورت  
سے منزہ ہے۔ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ **صُورَتِهِ** کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا  
آدم کی جانب۔ اور یہ قاعدہ کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہے اور قریب آدم واقع  
ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انہی کی  
صورت پر پیدا کیا۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہیں اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے



مشابہ نہیں۔ ح۔ ۳۔ ۲۔ نکلے پس پردہ چیز کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمان کے پردوں، کرسی، بلاد اعلیٰ اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور اپنے قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی، ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی صفت مقارنہ کے باعث خود سے پرے میں ہو جائے۔ اور اس صفت مقارنہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ پلوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ہذا اشارت تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ ۴۔ ۲۔ نکلے اشیاء کے ظاہری اور بالائی حصہ کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصہ کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کرتی اور اس پر حکم لگاتی ہے۔ اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شے کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیوں پیدا ہوئی، کتنی اشیاء سے مرکب ہے اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے اور دیگر مخلوقات کی نسبت اس کی کیا نسبت ہے۔ اسی طرح لا تعدد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ اس کا اختصار ہی بہتر ہے۔ ۵۔ ۲۔ نکلے بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت اور قولے مدرکہ یعنی سونگھنے سننے اور چکھنے کی قوتوں کو نہیں جانتی۔ بلکہ صفات باطنیہ جیسے فرح و سرور، غم و غم، درد و لذت، عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بے شمار موجودات اس کے احاطہ علم سے باہر ہیں۔ ۳۔ نکلے کی معلومات کا میدان نہایت محدود ہے اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہاں کا گذر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں از حد خفیس ہیں اور اعراض اجسام میں سب سے زیادہ خفیس رنگ و شکل ہے لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں۔ کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان تمام موجودات میں تصرف کرتی اور ان سب پر یقینی اور سچا حکم لگاتی ہے۔ اسرار باطنیہ اور مخفی معانی ان کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ۲۔ نکلے عقل کے مساوی نہیں ہو سکتی جو اس پر نور کا اطلاق کیا جائے وہ غیر کی نسبت سے نور ہے۔ لیکن عقل کی نسبت سے ظلمات ہے بلکہ ۲۔ نکلے عقل کے مخبروں میں سے ہے۔



ایک مخبر ہے اور یہ سب اس کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے اور رنگ و صورت کا خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں لمبی خبریں پہنچائے اور پھر عقل اس میں جو چاہے حکم لگائے اس کے سوا اور بھی اس عقل کے مخبر ہیں یعنی خیال و ہم فکر، ذکر اور حفظ، اور ان کے علاوہ جتنے مدارک ہیں وہ عقل کے خادم ہیں اور اس عالم موجودہ میں اس کے مقید ہیں۔ وہ انہیں اس طرح اپنے قابو میں رکھتی ہے جس طرح بادشاہ اپنے غلاموں کو مقید کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس کی شرح بھی طویل ہے ہم نے اس کی تفصیل ایضاً العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۱۔ آٹھ غیر متناہی شے کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلومہ اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور اجسام متناہیہ ہی متصور ہو سکتے ہیں لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے اور معقولات لا متناہی ہیں لیکن جب وہ علوم متحدہ کا لحاظ کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے۔ غیر متناہی سے مراد وہ شے ہے جسے عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شے غیر متناہی نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عقل اس کی انتہا کو معلوم نہ کر سکے۔ اور یہ خود عقل کے نقصان کی دلیل ہے۔ مثلاً علم حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی انتہا نہیں (نہایت نہ ہونا اور شے ہے اور اس کا علم نہ ہونا اور شے ہے اگر انتہا نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے بلکہ دو تین اعداد کے اعداد کے المضاعف کو معلوم کر لیتی ہے جن کی نہایت متصور نہیں "اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں اور جب وہ خود لا متناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شے کیسے لا متناہی ہو سکتی ہے؟" عقل اپنی کسی شے کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شے کا علم رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا اس کے علم کے علم کو بھی جانتی ہے۔ اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہا پر نہیں ٹھہرتی (فلاسفہ اس کے قائل ہیں کہ ہر شے کی ایک نہ ایک انتہا ہے۔ اور اگر اس کی انتہا نہ ہو تو عقلی انتہا ضرور ہے کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شے کی انتہا ہے۔)

۲۔ آٹھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش نیلگوں پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر۔ لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے کئی حصے بڑے ہیں۔ آٹھ تاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے کچھ کو اپنی مقدار



میں ساکن دیکھتی ہے لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ بڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ سایہ حرکت کرتا ہے تاہم ایک لحظہ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ اور ہاں آپ نے فرمایا کہ اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا کہ میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانچ سو سال کا راستہ طے کر گیا۔ آنکھ کی غلطیوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقائد کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات وہم کبھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں۔ حالانکہ دراصل یہ ان کے خیالات کی غلطی ہے۔ ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محکم النظر میں کی ہے اور عقل جبکہ وہم و خیال سے مجرّد ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصلی حالت پر دیکھتی ہے لیکن اس کا تنہا ہونا دشوار ہے ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اسرار ظاہر ہو جائیں گے (گویا جب تک عقل مجرّد وجود میں نہ آئے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں ہو سکتا) اور ہر شخص اپنی اچھائی اور برائی کو جسے وہ آگے پہنچا چکا ہو گا موجود دیکھے گا۔ اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا۔ لَا يَخَادُ صَغِيرَةٌ وَلَا كَبِيرَةٌ إِلَّا مَا أَحْضَرَهَا (نہیں چھوٹی اس سے چھوٹی بات اور بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی) اس چل میں اس سے کہا جائے گا۔ فَكَلَّمْنَا عَنْكَ غِطَاءً لَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (آج ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھا لیا ہے۔ آج تیری آنکھ تیز ہے) اور وہ خیالات و توہمات ہی کے پردے ہیں۔ اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور رہ چکا ہو گا کہے گا اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہیں پھر دنیا میں لوٹا دیکھے کہ اچھے عمل کریں۔ اب ہیں یقین آگیا ہے عقل کی رویت یکسان نہیں | یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اگرچہ عقل دیکھنے والی ہے۔

لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں وہ دیکھتی ہے یکسان نہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضروریہ۔ مثلاً اس کا یہ علم کہ ایک شے قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی کوئی شے معدوم موجود نہیں ہو سکتی اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی اور جب بھی کسی شے کے لئے حکم ثابت ہوگا تو اس کے



مثل کے لئے بھی لازم ثابت ہوگا اور جہاں خاص پایا جائیگا وہاں عام ضرور پایا جائے گا جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور میں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشن دکھائی دے جیسے امور نظریہ۔ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے۔ پس نور حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بننا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی۔

سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے کلام میں علی الخصوص قرآن مجید عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیسا کہ نور آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل۔ کیونکہ آنکھیں صحیح کام اسی کے ساتھ کرتی ہیں اسی لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے۔ جس طرح آفتاب کے نور کو نور کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کے نور کے مثل ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آ جاتا ہے۔ قَامِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا (اللہ اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے) اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہارے طرف ظاہر نور نازل کیا ہے)

**نتیجہ** | اس تقویر سے جب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ آنکھیں دو ہیں۔ ظاہری اور باطنی نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مغاہرہ سے ہے اور نگاہ باطنی کا تعلق عالم آخر سے۔ اور عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہوتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتا ہیں ہیں۔

جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہوگئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک در کھل گیا۔ اور عالم



میں داخل ہے اس کے ساتھ اس کا ایسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سایہ کا وجود انسانی سے۔ پھل کا پھل دار درخت سے اور مسبب کا مسبب سے تعلق ہوتا ہے۔ اور مسببات کی معرفت اسباب پر موقوف ہے۔ اس لئے عالم شہادت عالم ملکوت کی ایک تمثیل ہے جیسا کہ مشکوٰۃ و مصلح اور شجرہ کے بیان میں آئے گا۔ کیونکہ مشبہ مشبہ بہ کی مشابہت سے خللی نہیں ہوتا۔ اس کی حکایت ایک قسم کی حکایت ہے۔ قریب ہو یا بعید۔ یہ وہ نور و فکر کا وقت ہے جو شخص اس حقیقت سے واقف ہوگا اس پر قرآن کی تشبیہات انسانی سے ظاہر ہو جائیں گی۔

**نکتہ** ہم کہتے ہیں کہ جو شے خود کو اور غیر کو دیکھ سکتی ہے اس چیز کی نسبت جو غیر میں اثر نہ کرے اس کا نام نور رکھنا زیادہ مناسب ہے بلکہ اگر اسے روشن چراغ کہا جائے تو بہتر ہے کیونکہ اس کے انوار غیر پر پڑتے ہیں اور یہ خاصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پایا جاتا ہے اور تمام انبیاء بھی چراغ ہیں اور علماء بھی لیکن ان میں اور ان میں بڑا فرق ہے۔

**نکتہ** جب ایسی شے کا نام روشن چراغ رکھ سکتے ہیں جس سے نگاہوں کا نور فائدہ حاصل کرتا ہو۔ تو جس سے چراغ خود نور حاصل کرتا ہے اسکی جانب آگ سے اشارہ کرنا زیادہ لائق ہے یہ زمینی چراغ دراصل انوار علیا سے نور حاصل کرتے ہیں۔ نبی کریم کی روح نوراً روشن ہو جاتی ہے۔ مگر چہ آگ نہ چھوئے لیکن اگر اسے آگ چھوئے تو پھر وہ نور علیٰ نور ہے۔ تو اس صورت میں یہ زیادہ مناسب ہے کہ زمینی ارواح طویٰ ارواح سے نور حاصل کریں۔ جن کی تعریف حضرت علیؑ اور حضرت ابن عباسؓ نے کی ہے انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار چہرے ہیں اور ہر چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں ہیں۔ وہ ان تمام زبانوں سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہ اکیلا تمام ملائکہ کے مقابل ہے۔ پھر کیا گیا کہ جس دن روح اور ملائکہ صف باندھ کر کھڑے ہونگے اور اگر ان کا اس طرح الحاظ کیا جائے کہ زمینی چراغ اس سے روشنی حاصل کرتے ہیں تو انکی مثال بجز آگ کے اور کچھ نہ ہوگی۔ اور یہ سولے کوہ طہ کے ظاہر ہوگا وہ آسمانی انوار جن سے زمینی چراغ روشنی حاصل کرتے ہیں تو اگر ان کی ترتیب اس طرح ہے کہ بعض بعض سے انوار حاصل کرتے ہیں تو بعض الٰہی کے جو زیادہ قریب ہوگا وہی نور کھائے گا زیادہ مستحق ہوگا۔ کیونکہ اس کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔



ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر کی طرح ہے اور جس شخص نے اس جہاں کا سفر نہ کیا ہو اور نہ ہنوز وہ اسی جہاں کی لپٹی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایہ ہے جو انسانی خاصیت سے محروم ہے۔ بلکہ حیوانات سے بھی بدتر اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہاں کی طرف اڑنے کی قدرت ہی نہیں دی گئی۔ بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلَّغْهُمْ اٰمِلًا۔ یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم، عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ مغز کے مقابلے میں جھکا۔ یا روح کے مقابلہ میں صورت و شکل۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بندگی کے مقابلہ میں لپٹی۔ اسی لئے عالم ملکوت کو عالم روحانی، عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے۔ یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت و حس کے مقابلے میں بلند ہیں ان کے دریافت کرنے میں تو حیوانات بھی شریک ہیں۔ لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اسی وقت کھولے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے یہ نہیں کہ جو شے اس کے حس و خیال کے نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج ہے۔ انسان اسفل السافلین میں گمراہ ہوا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔ لیکن فرشتے عالم ملکوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان تعلق درگاہ خداوندی سے ہے۔ ان میں سے بعض عالم اسفل کی جانب بھی جھانکتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم ملکوت تک معراج ہوتی ہے تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اور عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی عالم ملکوت میں ہوگا اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ یعنی اس کے پاس سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں۔ کیونکہ عالم شہادت اس عالم کے آثار



دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ میں سے ایسے آئینہ پر گرتے ہوئے دیکھے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی ہو جو اس آئینہ کے مد مقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے تو زمین پر جو نور ہے وہ زمین کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ کے نور کے تابع اور آئینہ کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے۔ کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں۔ بعض بعض سے اعلیٰ و اکمل ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک مقام و درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھ والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی ترتیب پر پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام کا رتبہ جبریل علیہ السلام بڑھ کر ہو۔ اور ان فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا رتبہ حضرت ابوبیت سے جو منبع الانور ہے قریب ہو ان فرشتوں میں ادنیٰ درجے کے بھی ہیں۔ ان میں بہت سے درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آسکتے ہیں۔ ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے۔

وَمَا مَثَلُ الْآلَاءِ مَثَلُكَ مَعْلُومٌ  
وَإِنَّا كُنْزُ الْمَنَافِعِ  
وَإِنَّا كُنْزُ الْمُنَافِعِ  
ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا متعین مقام  
نہ ہو اور ہیں صغیر باندھے ہوئے ہیں۔  
اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ الوار کے لئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ طیر تنہا ہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا۔ اس سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہو زیادہ مناسب ہے یا اس ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی ہے تو میرے کوئی محبت نہیں اور اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور کا اسم ایسے نور پر ہونا زیادہ مناسب ہے جو نور اعلیٰ ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اس کی



جانب سے اوروں پر نور گرتا ہے۔

**حقیقت** بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور اول کے علاوہ اوروں پر لونا مجازی ہے۔ کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے بے لونا ہوگا۔ بلکہ اس کا نور غیر مانگا ہوا ہوگا اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہوگا اور مستغیر کی مستعار منہ سے نسبت مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے، گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لے لے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور پر غنی ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہوگا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہوگا جیسا کہ پہلے تھا۔ غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہوگا جس سے وہ شے عاریتاً لی گئی ہے۔ اور اس کی جانب رجوع اور اس سے ابتلا ہے۔

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ فی الحقیقت نور تو اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے۔ اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ یہ صرف شرکت لفظی ہے اور یہ نام رکھنے میں اس کو اسپر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے۔ جس وقت کہ مالک غلام کو مال دے کر اس کا نام مالک رکھ دے۔ لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھ لے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کی ملک میں ہے اور اس کا اس میں کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ کیونکہ اندھیرا کرنے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ دو آنکھوں کے لئے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ آنکھ کے لئے موجود ہوتا ہے حالانکہ وہ بالذات موجود ہے۔ اب جو شے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کیلئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہوگی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے اور اس کے بالمقابل وجود ہے اور وہی نور ہے۔ کیونکہ جو شے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ غیر کے لئے بھی ظاہر نہ ہوگی۔ وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے۔ اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔ ثانیاً۔ اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔



جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے گا تو وہ محض عدم ہوگا۔ کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور غنی کی مثال سے تمہ نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقت موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

**حقیقت حقائق** | اس حقیقت سے عارفین مہاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انہوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر شئی فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً ابدلاً ہلاک ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کا تصور اسی طرح ممکن ہے۔ اس لئے کہ جو شے اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیث الذات لحاظ کیا جائے گا تو وہ عدم محض ہوگی اور جب اس کا اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا۔ لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ظاہر ہے اس لحاظ سے موجود صرف ذات خداوندی ہوگی۔

ہر شے میں دو قسم کی نسبتیں ہوتی ہیں۔ ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پروردگار کی جانب جو اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں اللہ کے علاوہ ہر شے ازل وابد میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین قیام قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آواز سنیں کہ آج ملک کس کا، اللہ کیلئے قہار کا بلکہ یہ ندا ان کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی انہوں نے لفظ اکتہ اکبر سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے۔ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو۔ بلکہ غیر کے لئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں غیر کو تو اس کے تابع رہنے کا رتبہ حاصل ہے بلکہ غیر کو وجود بھی اسی باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔ اور فقط اس کی ذات موجود ہے۔ اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر



اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچانتا ہی نہیں۔ کیونکہ ہر پہچانی ہوئی شے عارف کے سلطان و علم میں داخل ہوتی ہے اور یہ بات اس کے جلال و کبریاء کے منافی ہے ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنی فی الاسماء الحسنی میں کی ہے عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے وجود میں سوائے ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذوق و حالی ہوتی ہے۔ ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتیٰ کہ اپنے ذکر کی بھی۔ ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا ان پر اتنا نشہ چھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض نے اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) بھی کہہ دیا۔ اور ایک نے کہا سُبْحَانِي مَا اَعْظَمُ شَيْءًا فِي (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا مَا فِي الْجَبَّةِ اِلَّا اللّٰهُ (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عاشق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں خدا کی ترازو ہے تو سمجھ لیتے ہیں کہ یہ حقیقت اتحاد تھی بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے۔ اَنَا مَعَهُ اَهْوَى وَمَعَهُ اَهْوَى اَدَا (یعنی میں وہ ہوں جسے چاہتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں) فَمَنْ رَوَّحَانِ حُلَيْنَا بَدْنَا (ہم دورہ میں ہیں جو کہ بدن میں داخل ہیں) یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اپنا تک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو اور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے ملحق ہے۔ اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس کا رنگ ہے اور اس کی یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

رق الذجاج ورق التخمير وتشبهها فتشاكل الامر

فكانما خمرو لا قدح وكانما قدح ولا خمير

گلاس حق ہے اور شراب بھی حق ہے اس کے مشابہ ہے گویا کہ اس کپے میں شربت ہو گیا کہ شراب ہے اور پیالہ نہیں اور پیالہ ہے اور شراب نہیں۔



جب یہ حالت غالب ہو جاتی ہے تو یہ اصل حال کی بہ نسبت فنا کہلاتی ہے بلکہ فنا الفناء ہے کیونکہ وہ اپنے نفس سے بھی اور اس کے فنا ہونے سے بھی فنا ہو چکا ہے وہ اس حالت میں خود سے بھی واقف نہیں اور نہ اسے یہ علم ہے کہ میں خود سے واقف نہیں۔ اگر اسے اپنے نفس کے عدم شعور کا شعور ہوتا وہ خود کو پہچانتا اور اس حالت کو جس میں وہ غرق ہو چکا ہے زبان مجاز میں اتحلا کہتے ہیں اور حقیقت کی زبان میں توحید۔ ان حقائق کے سوا بھی ایسے اسرار ہیں جن میں غور و فکر جائز نہیں۔

### خاتمہ

تم شاید یہ بھی چاہتے ہو گے کہ خدا کے نور کی آسمان اور زمین کی طرف نسبت کی وجہ بھی تمہیں معلوم ہو جائے بلکہ اس کی وجہ بھی کہ وہ بذاتہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اور تم پر یہ بات مخفی رہنا بھی مناسب نہیں کیونکہ جب تم نے یہ پہچان لیا کہ وہ نور ہے اور اس کے سوا کوئی اور نور نہیں وہی مجموعہ النوار ہے اور وہی نورِ کلی ہے کیونکہ نور اسے کہا جاتا ہے جس سے چیزیں ظاہر ہوں اور اعلیٰ درجہ کا نور وہ ہے جس کے سبب سے اور جس کے لئے اور جس سے ظہور ہوا اور حقیقی نور وہ ہے کہ اس کے سبب اور اس کے لئے ہوا اور اسی سے انگشتان ہوا اس سے بڑھ کر کوئی نور نہیں جس سے نور کا اقتباس ہو۔ بلکہ یہ نور اس کے لئے اپنی ذات سے فی ذاتہ ہے اور اپنی ذات کے لئے ہے نہ کہ غیر سے۔

جب تمہیں یہ معلوم ہو چکا کہ نور اول کے علاوہ یہ امر کسی کے لئے منحصر نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے متصف ہو سکتا ہے تو تمہیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ آسمان اور زمین دونوں قسم کے نور سے بھرے ہوئے ہیں وہ دونوں نور جو بصارت اور بصیرت کی جانب منسوب ہیں۔ یعنی حس اور عقل کی طرف۔ بھری نور وہ ہے جس کا ہم آسمانوں پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ یعنی سورج چاند ستارے اور جسے ہم زمین میں دیکھتے ہیں۔ یعنی شعاعیں جو کہ روئے زمین پر پھیلی ہوئی ہیں حتیٰ کہ اس کے باعث مختلف رنگ ظاہر ہوتے ہیں علی الخصوص موسمِ ربیع میں۔ نیز وہ شعاعیں، حیوانات نباتات مساوی اور موجودات کے تمام اقسام پر پھیلی ہوئی ہیں اگر وہ نہ ہوتیں تو رنگوں کا ظہور ہرگز وجود بھی نہ ہوتا۔ پھر حس کے لئے جو مقادیر اور شکلیں ظاہر ہوتی ہیں۔ تو ان سے تبعاً رنگت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ اس کے ادراک کا تصور انہی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔



رہے انوار عقیلہ اور معنویہ تو ان سے تاکہ عالم علیٰ معہور ہے اور وہ جواہر ملائکہ ہیں۔ اور عالم سفلی بھی اس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے۔ انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ نور ملکی سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے۔ **وَهُوَ الَّذِي اَنْشَأَ كُفْرًا مِنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَ كُفْرًا فِيْهَا** اور وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا اور فرمایا۔ **لِيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ** (وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا) ایک مقام پر ارشاد ہے۔ **وَيُخَلِّكُمُ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ** (اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔ **اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً** (میں زمین میں خلیفہ بنالے والا ہوں) جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ بصریہ اور باطنہ عقیلہ سے معہور ہے اور یہ بھی ہو گیا ہو گا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور وہ انہی کے اجزاء ہیں جس طرح کہ چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے اور چراغ دراصل نور نبوی اور ارواح نبویہ، قدسیہ ارواح علویہ سے اس طرح نور حاصل کرتی ہے جس طرح کہ چراغ تیل سے نور حاصل کرتا ہے پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب نور الانوار اور اصل معدن منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہی وعدہ لا شریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے مانگوں میں اس لئے وہی گل ہے وہی وہی ہے اور غیر کے لئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں صرف اسی کا نور ہے اور انوار اسی باعث انوار ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں۔ اپنی ذات سے وہ قطعاً موجود نہیں۔ اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کے لئے اس کی ذات کافی ہو۔ اور جدھر بھی منکر اللہ ہی کی ذات ہے۔ **فَاَيْنِسْنَا تَوَكُّوْا فَاَنْتُمْ وَجْهَ اللّٰهِ**۔

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کے لئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ انوار و ارواح ہیں بلکہ جس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ "اسے کہتے ہیں۔ جس کی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ



کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا اگرچہ تو اسے ان اشیاء مذکورہ کے حقائق کے حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں پہچانتا جیسے نور آفتاب کی جانب اشارہ نہیں ہوتا بلکہ آفتاب کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جتنی اشیاء موجود ہیں ان کی اس کی طرف نسبت ظاہر مثال میں ایسی ہی ہے جیسا کہ نور کی آفتاب کی طرف لا اِلهَ اِلَّا اللہ عوام کی توحید ہے اور لاَهُوُ (لاَهُوُ) نہیں مگر وہی) خواص کی توحید ہے۔ کیونکہ وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شائع، زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے مننے والے کو فروانیت میں زیادہ داخل کرنے والا ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فروانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیڑی نہیں کیونکہ کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی ہے کہ اس سے چڑھاؤ ہو اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت ختم ہو جاتی ہے اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر نہ بلندی ہے نہ پستی نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے والا۔ ترقی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار۔ اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں وحدت کے ساتھ کثرت نہیں۔ اور کثرت ختم ہو جانے کے بعد سیڑی کا بھی وجود باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر وہاں کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی جانب اترنے کے باعث ہے۔ یعنی بلندی سے پستی کی طرف جھکنے کی وجہ سے۔ کیونکہ اعلیٰ کے لئے اگرچہ کوئی اور اعلیٰ نہیں لیکن اسفل ضرور ہے۔ سو یہ تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار کرتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جب وہ اسے بیان کرتے ہیں تو ان لوگوں کے علاوہ جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا اور یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے کہ بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اس لئے کہ اس فروانیت کے غفلت لے تو یہ کہا ہے کہ اس کے لئے دنیاوی آسمان کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا یہ نزول استعمال حواس یا تحریک اعضا کی جانب ہے اور اس کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ زبان بن جاتا ہوں



جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اور جب کہ خدا اس کے کان اور آنکھ میں جاتا ہے تو اور کوئی نہیں ہوتا اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ الحدیث۔

پس اس موجد کی آسمان و نیلے حرکات ہیں۔ اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی عقل بھی بالاس ہے وہ آسمان عقل سے مخلوق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں۔ اس کے بعد عقل عرش و عدانیت پرستی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اس پر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا یہ قول کہ میں خدا ہوں اور پاک ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عبادت نہ کی۔ اور میں اس کے کان، آنکھ اور زبان میں جاتا ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اس لئے کہ اس سے زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کو حاصل کرنے سے قبل ہی تمہارا ہمت جواب دے جائے۔ اس لئے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

مثلاً تم خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنی ظاہری نور لیتے ہو۔ یعنی آنکھوں والا نور۔ مثلاً جب فصل زریع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بے اوقات تجھے یہ وہم ہوتا ہے کہ تو رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ایک قوم نے اسی پر اسرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنی نہیں۔ اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس طرح انہوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ وہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیاء کا ظہور ہے وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ لیکن غروب آفتاب کے وقت چراغ گل ہونے کے وقت اور سایہ ڈھیل جانے کے وقت، وہ محل سایہ اور روشنی



کے درمیان ضرور فرق محسوس کرتے ہیں۔ مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شے ہے کہ جو رنگوں کے علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس نہیں ہوتا۔ اور زیادتی ظہور کے سبب محض ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے اور جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ عاقلوں نے جس شے کو دیکھا ہے تو اس کے ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے۔ کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں۔ تخیل اول کی جانب اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَوَّلَمْ يَلْعَبْ بَرَبِّكَ اَفْتَعْلٰ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ کیا تیرا رب ہر شے پر گواہی کے لئے کافی نہیں (اور دوسرے تخیل کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ رَعْتَرِبْ ۝ ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں دکھا دیں گے) پہلا شخص صاحب مشاہدہ اور دوسرا اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے۔ اول درجہ صدیقین کا ہے، دوسرا علمائے راسخین کا اور ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی درجہ نہیں۔ جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شے آنکھ کے لئے نور ظاہری سے ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کے لئے ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے پس وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اسی سے ہر شے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہو جاتا ہے لیکن خود اس کا غائب ہونا مستصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

گویا طریقہ استدلال تفریق پر منقطع ہوا۔ اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہو تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جائیں ہاں اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔ لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ ان کا خالق ایک ہے۔ اور ہر شے اسی کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء اور تمام اوقات میں کرتی ہیں



نہ کہ بعض اوقات میں تو تفریق ختم ہو جاتی ہے اور طریقی مخفی ہو جاتا ہے کیونکہ ظاہری قاعدہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنی حد سے پہچانی جاتی ہے۔ کیونکہ جس شخص کی خیر اور نقصان نہ ہو تو ظاہر میں ان کا حال یکساں ہوگا۔ تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مخفی ہو اور اس کا یہ خفا زیادتی ظہور کے سبب ہو۔ اور روشن کی چمک کے باعث انسان اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ لہذا وہ پاک ہے جو اپنی مخلوق سے اپنے ظہور کے باعث مخفی ہے اور اپنے نور کے سبب مخلوق سے پرچے میں ہے بعض اوقات کوتاہ فہم اس کلام کو نہیں سمجھتے ہماری اس تقریر سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کے ساتھ ہے جیسا کہ اشیا کے ساتھ نہ ہے۔ بلاشبہ وہ ہر جگہ ہے لیکن وہ اس سے بندھ چکا ہے کہ کسی مکان کی اس کی طرف نسبت کی جائے بلکہ وہ اس سے بھی زیادہ بعید ہے کہ یہ خیال پیدا ہو کہ وہ ہر شے سے قبل ہے اور یہ وہ ہر شے کے ادھر ہے اور یہ خیال کہ وہ ہر شے کو ظاہر کرنے والا ہے اور صاحب عقل کے نزدیک ظاہر کرنے والا ظاہر شے سے چلا نہیں ہوتا۔

ہم جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہر شے کے ساتھ ہے اس کا مقصود یہی ہے۔ اور یہ بھی تم پر مخفی نہیں کہ ظاہر کرنے والا ظاہر شدہ سے قبل ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر ہوتا ہے اگرچہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ گویا کہ ایک حیثیت سے وہ اس کے ساتھ ہے اور ایک لحاظ سے اس سے قبل تو کسی کو یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ یہ باہم نقصان میں تو انہی محسوسات کو پیش نظر رکھ کر کہ جن کی معرفت میں تیرا حصہ ہے اور خیال کر کہ ہاتھ کی حرکت ہاتھ کے ساتھ کیسے ہوتی ہے اور اس سے قبل کہ ہاتھ اور جس شخص کا سینہ اس معرفت کے لئے کشادہ نہ ہو اسے اس عالم کی راہ ترک کر دینی چاہئے۔ کیونکہ ہر علم کے لئے خاص افراد ہوتے ہیں اور جس فن کے لئے وہ پیدا ہوا ہے اس کے لئے وہی سہل ہوتا ہے۔

## باب دوم

مشکوٰۃ و مصباح اور زجاج وغیرہ کی تشریح | اس کا بیان اس کا طالب ہے کہ

اس سے قبل دو قطب ہو جن میں ہر مریخ و وسعت پائی جاتی ہو۔ لیکن میں ان جانب رمز و کنایہ پر اشارہ کرنے پر اکتفا کروں گا۔

قطب اول | اس بیان میں ہے کہ اس مثال میں کیا سر ہے اور معانی کو تمثیلات کے طور







عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب و دشوار ہوتا بلکہ اس سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تا وقتیکہ وہ عالم قدس کے بڑے بڑے میدان طے نہ کر لے۔ جو عالم ادراک اور حس و خیال سے بلند ہے ہم اسے عالم قدس کہتے ہیں۔ اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی ایسی شے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے خطیر القدس یعنی بہشت کہا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہم اس روح بشری کو جو قدس کی روشنیوں کی گذرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ و خیل ہیں لیکن خطیرہ کا لفظ تمام طبقات کو شامل ہے

یہ وہم نہ کرو کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں۔ اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب رجوع کرو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراطِ مستقیم پر چلنا ہے اسی کو دین اور منزلِ ہدایت کہا جاتا ہے اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا مستحضر بھی نہ ہوتا۔ پھر رحمتِ خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے اس لحاظ سے اس جہاں میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس عالم کی کسی شے کی مثال نہ ہو۔ اور بعض اوقات ایک ہی شے عالم ملکوت کی چند اشیا کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شے کے لئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو۔ ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ قدرتِ انسانی سے باہر ہے اور قوتِ بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور تھوڑی عمر میں اس کے لئے کافی نہیں۔ میرا اشارہ یہ ہے کہ تمہیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر اور بقیہ امور کے لئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

اگر عالم ملکوت جو جو اہر فورانیہ ہیں انہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہی سے ارواح



بشر پر انوار کرتے ہیں۔ اسی باعث انہیں رب کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ رب الارباب ہوا۔  
 نورانیت میں ان کے مراتب مختلف ہیں اور عالم شہادت میں ان کی مثال، مانند سورج اور  
 ستارے ہیں۔ اس راہ کا چلنے والا اول ستاروں کے درجہ تک ترقی کرتا ہے۔ تو اس پر نور کی چمک  
 ظاہر ہوتی ہے اور اس پر اس کا ایسا جمال اور بلند درجہ دکھاتا ہے کہ وہ پکارا مکتا ہے اور کہتا ہے کہ  
 یہ میرا رب ہے۔

پھر جب اسے آگے بڑھ کر چاند کا رتبہ معلوم ہوتا ہے تو پہلے ستارے کے غروب کو ایک  
 دم خیال کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں غروب ہونے والی کو دوست نہیں رکھتا اسی طرح ترقی کرتا جاتا  
 ہے حتیٰ کہ آفتاب کی مثال تک پہنچ جاتا ہے پھر اسے دیکھتا ہے کہ وہ بہت بڑا اور بلند ہے۔ اس  
 کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت کے مثال کے قابل ہے اور نقصان دار کے ساتھ نقص اور غروب  
 کی مناسبت بھی ہے پس اسی باعث گویا ہوتا ہے۔

إِنَّ جَنَّاتٍ وَجُجُجٍ بَلَدًا تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ  
 وَالْأَرْضُ مِنْ خَضِرٍ وَأَخْضَرَ وَالْجِبَالُ مِنْ ذَهَبٍ  
 الذی ایک بہم اٹھا رہا ہے اسے اس سے کوئی مناسبت نہیں اس لئے اگر کوئی یہ کہے کہ  
 الذی کے مفہوم کی کیا مثال ہے تو اس کا جواب تصور میں بھی نہ آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہر مناسبت  
 سے پاک ہے اور اسی لئے جب بعض بدویوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ  
 اللہ کی کیا مناسبت ہے تو اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِمِثْلٍ  
 وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَ اللَّهِ بِمِثْلٍ  
 اس کا تصور یہ ہے کہ وہ ہر نسبت سے پاک ہے۔ اسی لئے جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام  
 سے سوال کیا تھا مَا رَبُّكَ فَقَالَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي  
 آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے بے نیاز ہے۔ نہ  
 جتنا ہے اور نہ جتنا گناہ ہے اور نہ اس کا کوئی ہمسر ہے

جیسے کوئی ماہریت کا طالب سوال کرتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے افضال ہی سے جواب دیا  
 تھا۔ کیونکہ سائل کے نزدیک اس کے افضال ہی نہ رہا تھا ہر تھے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا  
 کہ وہ آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ فرعون نے اپنے مادیہ فطنیوں سے کہا کیا تم سنتے نہیں ہو گویا



وہ ان پر معترض تھا کہ موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باب داراؤں کا بھی رب ہے۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا۔ اس لئے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے۔ اسی باعث فرعون نے کہا تھا کہ تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

آدم برسر مطلب۔ علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس لئے خواب نبوت کا ایک جز ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت و مشابہت ہے وہ سب پر بلند ہے اور اس کا انوار و آثار کا سب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے۔ کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاند ہی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے جیسا کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے نائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ یا مثلاً خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اسے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل اذان دیتا ہے۔ اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں۔

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطہ قدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں وہ اشیاء پائی جاتی ہیں جن مثال آفتاب، چاند اور تارے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں اور علی الخصوص جب کہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ نورانیت کا لفظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں۔ بڑی ہے چھوٹی نہیں اور اس سے معارف و مکاشفات کے نقشے پھوٹ پھوٹ کر دلوں کی جانب



ہمارے ہوں تو اس کی مثال طور ہر سلتی ہے۔ اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفائس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفائس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں اور بعض ان میں سے غوطہ زن ہیں

مناسب یہ ہے کہ اول وادی امین ہو کیونکہ وہ بہت بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی امین کے انتہائی درجات سے ملحق ہے تو وہ شخص وادی امین کے کنارے پر غوطہ زن ہے ایسا شخص وادی کے درمیان اور بھنور میں غوطہ زن نہیں۔ اگر بنی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ اَمْرِنَا (ہم نے روح کو اپنا حکم سے کراپ کے پاس بھیجا)

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں۔ اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انگار اور چنگاری کی ہے اور صاحب ذوق بعض احوال میں بنی کا شریک ہوتا ہے۔ اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکنا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے ورنہ وہ اس کی خبر نہ سنتا اگر انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حس و خیال سے عالم مقدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادی مقدس۔ اور اس وادی مقدس کا طے کرنا دونوں جہاں کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور دنیا و آخرت دونوں باہم بالمقابل ہیں۔ وہ دونوں دنیا و آخرت کے عوارض ہیں۔ ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ قدس کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے۔ بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کر کے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسی شے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم منفصلہ جواہر قابلہ ہیں نقش پذیر ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے اور اگر ان میں ایسے جواہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح۔ کتاب اور ورق منشور یعنی صحیفہ روشن ہے اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے تو وہ اس کے ساتھ مقید ہے



تو اس کی مثال ہاتھ ہے اور اگر اس درگاہ کی جو کہ ہاتھ لوح و قلم اور کتاب پر مشتمل ہے کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمن پر ہے اور اس بات میں کہ وہ اللہ کی صورت ہے بین فرق ہے۔ کیونکہ وہ رحمت الہی جو صورت الہی پر ہے وہ اس صورت کے ساتھ متصف ہے۔

خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر مہربانی فرمائی اور انہیں وہ مختصر سی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے۔ گویا وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر سے جہاں کا نسخہ ہے اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ اس کا خط تحریر و حروف سے پاک ہے۔ جیسا کہ اس کا کلام آواز و حروف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سر کندہ یا لوسے سے بنا ہو۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی ہو اور اگر یہ رحمت الہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز رہتا۔ اس لئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمن پر ہوا نہ کہ اللہ کی صورت پر۔

پس حضرت الہی حضرت رحمن کے غیر ہے اور بادشاہت و ربوبیت کے بھی غیر ہے اس لئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو۔ ارشاد ہے۔ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ (آپ فرما دیجئے کہ میں لوگوں کے پھوکار۔ لوگوں کے بادشاہ سے پناہ مانگتا ہوں) اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمن کی صورت پر پیدا کیا لفظاً درست نہ ہوتا بلکہ یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علی صورت الرحمن ہے (حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ صرف مصنف کی اختراع ہے)

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے میسر کرنے کے لئے طویل شرح کی ضرورت ہے۔ لہذا ہم اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی تھاہ نہیں۔ اگر تمہارے دل میں ان مثالوں سے کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو۔



أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَافِدِيًا  
اسی نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر سرسبز کر کے طابق  
پیدا کیا۔  
اس سے نالہ نہ جائے۔

کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہے۔

### خاتمہ و معذرت

اس مختصر اور ضرب المثل سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے گویا یہ رخصت ہے کہ  
آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بطلان کا عقیدہ قائم کیا جائے۔ میں یہ نہیں  
کہہ سکتا کہ مولیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے نہ تھے اور انہوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے  
اتار دو نہیں سنا تھا۔ خدا کی پناہ میں یہ کیسا کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنیوں  
کی رائے ہے جنہوں نے اپنے بیٹے پن کو جو جسے دونوں جہاں میں سے صرف ایک جہاں کو  
دیکھا اور دونوں کے تعالیٰ میں جہالت سے کام لیا اور وجہ بھی نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کلیتہ  
باطل کرنا حشو یہ کامسک ہے۔ پس جو شخص بھروسہ ظاہر پر ہے وہ حشو ہے اور جس کا تعلق صرف  
باطن سے ہے وہ باطنی ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع  
ہے (یعنی جائے طلوع ہے) اور یہ قول حضرت علی کریم اللہ وجہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے  
بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ مولیٰ علیہ السلام نے خدا کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار  
دو یہ سمجھا کہ دونوں جہاں چھوڑ دو۔ پھر ظاہری حکم کی تعمیل کے لئے جوتے اتار دیئے اور باطن  
میں تمام جہاں کو چھوڑ دیا (یہ صرف تاویل برائے تلوین ہے جس کا قرآن و شریعت سے دور کا  
بھی تعلق نہیں) اسی کو اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے تک عبور کرنا اور ظاہر  
باطن کی طرف جانا ہے۔ وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے  
فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور بھروسہ شخص  
کتنے کو اپنے گھر میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مروی نہیں بلکہ مقصود یہ ہے  
کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ ملائکہ کے الوار کی معرفت سے  
روکتا ہے۔ اس لئے کہ غصہ عقل کا قتل ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث



ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر یہ کہتا ہو کہ کتنا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور جب اس گھر کی حفاظت واجب ہے جو کہ انسان کے وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ مکتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پر دل کے گھر کی جو ہر حقیقی کی قرار گاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے۔ اور کاملین کے اس قول کا مقصد یہ بھی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہیں بجھاتا۔ اور اسی باعث تو کامل کو دیکھے گا کہ وہ کامل بعیرت و عقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا بعض سالکین طریقت کا احکام ظاہر کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے ناز ترک کر دی اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی ناز میں رہتے ہیں۔ اور یہ ابا حنہ والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنہیں یہود و باطن نے پکڑ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ باطن خواہشوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں۔ اور غضب و خہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر قادر ہے۔ پس یہ جانتی ہیں اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسول میں لٹکا دیا؟ اب میں خلیفین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہر و جوتوں کا اتارنا دونوں جہاں کے تنک کی طرف اشارہ ہے۔ پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف سے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس رقبہ کے لوگ ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ جیسا کہ زجاجہ کے سعی میں عنقریب آئے گا۔ کیونکہ وہ خیال جس کی مثال اصل سے اخذ کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے۔ اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے لیکن جب صاف ہوتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہوتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا دیتا ہے بلکہ وہ اس کے لئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیلوں سے بچ نہ جائے۔ اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔



جان لو کہ عالم کشف خیالی سفلی انبیائے کرام کے حق میں شیشہ، انوار کے لئے طاقتور  
 اسرار کے لئے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیر میں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق  
 ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے۔ اس پر طور اور آئین کو قیاس کر لو۔

**نکلتہ** | جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں نے عبدالرحمن بن عوف کو  
 گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوتے دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے انہیں آنکھ سے  
 نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ انہیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے  
 اگرچہ عبدالرحمن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوتے تھے۔ کیونکہ نیند سلطان حواس کو بند  
 باطن الہی پر غالب کر دینے کے باعث مشاہدات ہی پر اثر کرتی ہے۔ کیونکہ حواس عالم حس کو اپنی  
 جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں اور اس کی ذات کو عالم غیب و ملکوت سے پھیرنے  
 والے ہیں۔ لیکن بعض انوار نبویہ اتنے خفایا اور غالب ہوتے ہیں کہ انہیں حواس اپنے عالم  
 کی جانب مشغول نہیں کرتے۔ اسی باعث وہ بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو اور لوگ نیند  
 میں دیکھتے ہیں اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو اس کا ادراک مخفی صورت دیکھنے والی  
 آنکھ تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل ہے کھینچتی ہے۔  
 پس جبکہ اشغال دنیویہ کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو تو  
 وہ جنت کی سیر سے رہ جائے گا۔ اور اگر جاذب ایمان زیادہ قوی ہے تو یہ تنگی رزق پیدا کرے گا  
 یا اس کی سیر میں چلے گا۔ عالم شہادت میں اس کی مثال ابر ہے۔ علی ہذا اسرار آئینہائے خیال  
 سے قبل ہی ظاہر ہو جائیں گے۔ اور آپ کا یہ حکم عبدالرحمن ہی تک محدود نہ رہے گا۔ گو کہ  
 آپ کا دیکھنا انہی تک محدود تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس  
 کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو۔ لیکن ساتھ میں مال کی کثرت ہو۔ کیونکہ کثرت مال ایمان کی  
 مزامم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا مقابلہ نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے اس سے یہ معلوم  
 ہو جائے گا کہ انبیاء کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے ہیں اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ  
 کر لیتے ہیں۔ اعلیٰ یہ ہے کہ معنی مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں۔ پھر اس سے روح خیال  
 کو دیکھتے ہیں اور ایسی صورت جو کہ معنی کے مشابہ اور مساوی ہے وہ منطبق ہو جاتی ہے اور



بیداری میں وحی کی یہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند میں تعبیر کی محتاج ہے۔ اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص بنویہ کے ساتھ اس کی نسبت ایسی ہے۔ جیسا کہ ایک کو پھیالیس کے ساتھ۔ اور اگر بیداری میں ایسا ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے۔ میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی نسبت ایک کی تین سے ہوگی۔ کیونکہ ہم پر جو کچھ خیال ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواص بنویہ تین قسم کے شعبوں میں منظر ہیں اور یہ تینوں میں سے ایک ہے۔

### قطب دوم

مراتب ارواح بشریہ نورانیہ | اول روح حاس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ جس کو کچھ اس پر پیش کرتے ہیں وہ ان سے ملتی ہے۔ یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اسی کے باعث حیوان کو حیوان کہتے ہیں۔ یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے۔

دوم روح خیالی۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ اسے لکھتی اور اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقل کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے۔ یہ دودھ پینے والے بچے کو شروع نشوونما میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے وہ کسی شے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لے لے اور جب وہ شے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔ اس کا نفس اس پر جھگڑتا نہیں۔ حتیٰ کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شے اس سے غائب ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے۔ کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ آگ کی جانب اس لئے پھکتے ہیں کہ انہیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام پر جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس پر گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دوبارہ اور سہ بارہ اس کی جانب پھکتا ہے۔ اگر اس کی روح حافظ ہوتی تو اسے اس کی جب کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفعہ کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی۔ لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔



سوئم۔ روح عقلی۔ یہ ان معالیٰ کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماورا ہیں یہ جو ہر انسان کے لئے خاص ہے اور جو پاپوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معلومات معارف غفر یہ کلیہ ہیں جیسا کہ ہم یہ اس جگہ بیان کر چکے ہیں جہاں ہم نے نور عقل کو نور بصیرت فضیلت دی ہے۔

پہارم۔ روح فکری ہے۔ اور وہ روح وہ ہے جو علوم عقیدہ محض کو لیتی ہے پھر ان میں الفت و ملاپ پیدا کرتی اور ان سے معارف نفیہ پیدا کرتی ہے پھر اگر دو نتائج برآمد ہوں تو دربارہ انہیں ملائی اور نتیجہ برآمد کرتی ہے اسی طرح ہمیشہ الٰہی غیر النہایہ کرتی رہتی ہے۔

پنجم۔ روح قدسی نبوی۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں غیب کے علوم احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنہیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے۔

وَكُنَّا لَكَ آفِيئَةً نُّفَعَا مِنْ  
أَمْرِ مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا  
الْوَيْبَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا هَدًى  
لِّمَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ  
لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم سے کر بھیجا۔  
ورنہ آپ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیلئے  
ہے لیکن ہم نے آپ کو نور بنایا ہے کہ ہم آپ کے ذریعہ  
اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں  
اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ عقل تمیز و احساس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں محاسن و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز قصور وار ہوں۔ پس انتہائی کمال کو اپنے نفس پر سقوت خیال و فکر کر تم ایسی مثال کے خوابان ہو جس سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جامعیت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انہیں بالکل سوز و زخامت کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں قوت ذوق اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی راگنیاں اور مختلف قسم کی لے ایجاد کی ہیں جن میں بعض غم پیدا کرنے والی۔ بعض خوشی پیدا کرنے والی۔ بعض سلانے والی۔



بعض رلانے والی، بعض جنون آفرین اور بعض غلطی کی موجب ہیں۔ اسی میں یہ اثر قوی ہوتا ہے جن میں اصل ذوق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے لگاؤ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو ضرور شریک ہے لیکن اس میں یہ اثر نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد و غشی سے تعجب کرتا ہے۔ اگر تمام ذوق والے عقلاء ذوق کا مفہوم سمجھنے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھنے پر قادر نہیں اور یہ ایک معمولی سی مثال ہے جو تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے اس پر ذوق نبوی کو قیاس کر لیا جائے۔ اور اس کی کوشش کر کے اس روح کے اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو اس میں مذکورہ قیاسات و تشبیہات کے ذریعہ کوشش کر۔ تاکہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے۔ اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہئے۔ (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھائے گا۔

علم ایمان سے بڑھ کر ہے اور ذوق علم سے بڑھ کر ذوق وجدان ہے۔ علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تعلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان و عرفان سے سخن ظن رکھنا ہے۔ جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں۔ اس لئے کہ ان سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں۔ حسی و خیالی موجودات اگرچہ چرپا یہ ہیں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کے لئے مخصوص وہ وہ حصہ ہے جو اشرف و اعلیٰ ہے۔ اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کے لئے پیدا کی گئی ہیں جو بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن حیوانات میں یہ دونوں حسیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آزر نہ بنیں اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دینیہ کا شکار کر سکے۔ کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنی بھی نکال لیتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عبد الرحمن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے۔ جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں۔



## آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زینت سے تقابل میں کلام طویل ہو جائے۔ لیکن میں ان کا طریق معلوم کرنے میں اختصار ہی سے کام لوں گا۔ اگر تم دیکھنے والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج پاؤ گے۔ جیسے دو آنکھیں دو کان دو نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکوٰۃ ہے۔ روح خیالی کے تین خواص ہیں۔ ۱۔ یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ خیالی شے کے لئے مقدار صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہے اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید ہوتی ہیں اور کثیف جو کہ اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ ان انوار عقیدہ محضہ جو کہ جہات و متادیر اور قرب و بعد کے وصف سے منزہ ہیں پرے ہیں۔

۲۔ یہ خیالی کثیف جب خفایا و رفیق اور مہذب و مضبوط ہو تو وہ ایسے معانی عقیدہ کے مناسب ہوتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو حاصل نہیں۔  
۳۔ خیال ابتدائی امر میں اس کا انتہائی محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے معارف عقیدہ کو محفوظ رکھ سکے۔ پس تو مضطرب و پریشان نہ ہو کہیں وہ حافظہ سے نہ نکل جائے۔ اس لئے کہ تم خیالی مثالوں کو معارف عقیدہ کے لئے جمع کرو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو۔ اور وہ زجاجہ ریشہ کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے۔ اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جوہر کثیف ہے لیکن شفاف و رفیق ہے۔ حتیٰ کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علی حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں اور سخت حرکتوں کے بھانسنے سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس وہ اس کی بہترین مثال ہے۔  
تیسری وہ روح عقیدہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور تجھ پر وجہ تمثیل پوشیدہ نہیں۔ اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہونا مذکور ہے پہچان لیا ہے۔

چوتھی روح روح فکری ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جرم سے شروع ہو کر دو شاخوں میں پھٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے



تقسیمات عقل سے بنجاتے ہیں حتیٰ کہ آخر میں ظاہر نتائج تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ہم جنسوں کے لئے بیج کا کام دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہوں۔ اس جہاں میں اس کی مثال شجرہ ہے جب اس کے معارف کے ثمرات دو چند اور ثبات و بقا کے لئے مادہ ہیں تو مناسب یہ ہے کہ زیتون کے علاوہ اس کی مثال ناشپاتی، سیب، انار اور دیگر درختوں سے نہ دی جائے۔ کیونکہ اس کے پھل کا مغز وہ دیتا ہے جو کہ چراغ کا مادہ ہے۔ اور تمام تیلوں میں چمک کے لحاظ سے خاص خصوصیت رکھتا ہے اور چونکہ اسی درخت پر کثرت سے پھل آتا ہے اس لئے اس کو مبارک درخت کہتے ہیں۔ تو وہ درخت کے پھل کی کوئی حد و انتہا نہ ہو اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اسے مبارک درخت کہا جائے اور چونکہ انکار عقلیہ محض کے شعبہ جہات اور قرب و بعد سے منزہ ہیں تو وہ اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ نہ وہ شرقی ہو اور نہ غربی۔

پانچویں روح: روح قدسی نبوی ہے جو کہ اولیاء اللہ کی جانب منسوب ہے بشرطیکہ وہ نہایت چمک دار اور صاف ہو اور روح مفکرہ اس امر کی جانب منقسم ہے جو کہ تعلیم اور تنبیہات خارجیہ کی جانب منسوب ہیں جب تک وہ اقسام معارف میں رہیں۔ ان میں سے بعض تو بہت شفاف ہیں۔ گویا وہ کسی خارجی امداد کے بغیر خود بخود روشن ہیں۔ تو اس صورت میں مناسب ہے کہ صاف سے قریب الاستعداد مراد لیا جائے۔ باین طور کہ قریب ہے کہ اس کا زیتون روشن ہو جائے۔ اگرچہ اسے آگ قطعاً نہ چھوئے کیونکہ بعض حضرات اولیاء الیہ بھی ہیں کہ قریب ہے ان کا نور چمک اٹھے اور وہ انبیاء کرام علیہ السلام کی مدد سے مستغنی ہو جائیں۔ اسی طرح بعض حضرات انبیاء وہ ہیں جو کہ ملائکہ کی درجے سے مستغنی ہیں۔

یہ مثال اس تقسیم کے مطابق ہے اور جب یہ افکار ایک دوسرے پر مرتب ہیں تو اس سے یہ خود ثابت ہو گیا کہ پہلی قسم حسی ہے اور وہ روح خیالی کے لئے تمہید کی حیثیت رکھتی ہے۔ کیونکہ حسی کے بغیر خیالی کا تصور ممکن نہیں۔ اور فکر و عقل کا مقام ان دونوں کے بعد ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ شیشہ چراغ کے محل کی مانند ہو اور طاقت شیشہ کے محل کی طرح۔ اور جب یہ انوار ایک دوسرے پر فائق ہیں تو انہیں نور طالعی نور بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس بات کو خوب ذہن نشین کر لو۔ خدا تعالیٰ تو ذیق بختی



والا ہے

## خاتمہ

یہ مثال مومنین انبیاء کرام اور اولیاء کے دلوں کے لائق ہے نہ کہ کفار کے۔ کیونکہ نور کا

ارادہ ہدایت کے لئے ہوتا ہے

جو فتنے طویق ہدایت سے پھیرنے والی ہوں اس باطل اور ظلمت ہے بلکہ ظلمت سے بھی بڑھ کر  
اس لئے کہ ظلمت جیسے حق کی جانب نہیں لے جاتی وہ ہدایت کی طرف بھی نہیں لے جاتی کفر کی عقلیں  
اندھی ہیں۔ ان کے تمام ادراکات ان کے حق میں ان کی گمراہی پر محدود و معطل ہیں۔

ان کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو سمندر کے بخنور میں بھنس گیا ہو اور جسے ایسی موج  
نے ڈھانپ لیا ہو کہ اس موج کے ساتھ پھر پے موجیں ہوں اس کے اوپر باطل اور ظلمتیں یکے بعد  
دیگر چھائی ہوں۔

بخنور والا سمندر دنیا ہے جس میں بہت سے خطرات و مہلکات، حوادث و مکررات موجود  
ہیں جو انسان کو اندھا کرنے والے ہیں۔ پہلی موج تو شہوتوں کی موج ہے جو کہ صفات بہیمیہ کو بھاتی  
ہے اور لذات حسمہ اور عادات دنیاویہ کو پورا کرنے میں منہمک رکھتی ہے یہ لوگ اس طرح کھاتے  
اور نفع حاصل کرتے ہیں جیسے چرپائے کھاتے جاتے ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہے تو لازماً یہ موج  
تاریک ہوگی۔ کیونکہ کسی شخص کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

دوسری موج صفات زندگی کی موج ہے جو کہ غضب، عداوت، دشمنی، کینہ، حسد، بغی  
فخر اور کثرت مال پر بھاتی ہے۔ انسان تاریک ہوگی۔ کیونکہ غضب عقل کا بگڑا ہے اور لذائذ موج  
اعلیٰ درجہ کی ہوگی کیونکہ اکثر جب غضب موج ملتا ہے تو شہوات پر بھی غالب آ جاتا ہے اور انسان  
شہوات و لذات سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شہوات اس موج انگیز غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی  
وہ باطل تو وہ اعتقادات غیبیہ، خیالات فلسفہ اور جھوٹے گمانات ہیں جو کہ ایمان و  
معرفت حق اور قرآن سے غور حاصل کرنے میں حجاب بنے ہوئے ہیں اس لئے کہ بادل کی خاصیت یہ  
ہے کہ وہ نور آفتاب کی چمک کو چھپا لیتا ہے تو جب ان تمام اقسام کی تاریکیاں ہوں تو انہیں ایسی ظلمتوں  
سے تعبیر کرنا مناسب ہے جو ایک دوسرے پر چھائی ہوں اور جب ان ظلمتوں کی موجودگی میں اشیائے



قربیہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی۔ اسی لئے کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تا مل سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور جب کہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موجد کو یہ اعتقاد کرنا چاہئے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس لئے کوئی نور نہیں۔ اس آیت کے اسرار میں سے آنا ہی کافی ہے بس اسی پر قناعت کرو۔

## باب سوتم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے مترادف ہیں۔ اگر انہیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیزیاں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں ہلاک کر دیں۔ اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پرے بھی آئے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے بالذات روشن ہے اور حجاب ہمیشہ محبوب کی بہ نسبت ہوتا ہے۔ اور محبوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اول جو صرف ظلمت کے پرے میں ہوں۔ ثانیاً جو محض نور سے پرے میں ہوں۔ ثالثاً وہ لوگ جو اس نور سے پرے میں ہوں جو ظلمت کے ساتھ مخلوط ہے۔ ان اقسام کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ممکن ہے کہ میں انہیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اس تعداد سے حصر مقصود ہے۔ معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شے، لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سو اس کا قوت نبوی ہی اور رک کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا گمان یہ ہے کہ یہاں مذکورہ عدد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے۔ کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے۔ میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتا دوں جو حسب ذیل ہے۔



## قسم اول

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محجوب ہیں۔ اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخرویہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جو اس جہاں کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے۔ کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے لیکن وہ خود تار یک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے۔ اس کے لئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے۔

۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انہوں نے سبب کے تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے۔ ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں۔ اور ہواؤ نفس سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض خواہش نفس ہے۔ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

ایک طبقہ کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت و شہوت کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح، کھانا پینا اور لباس۔ یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل کر لینا ہی اصل سعادت ہے۔ انہوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ چوپایوں کے قائم مقام ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ پس اس سے بڑھ کر کون سی ظلمت ہوگی۔ یہ لوگ محض اند صیرے میں ہیں ”موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے“

ایک دوسرے فرقہ نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور شرابی حاصل ہو۔ اسی باعث وہ قتل و غارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوی، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بے وقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات زندگی کی ظلمت میں محجوب ہیں۔ کیونکہ در زندگی ان پر



غالب ہے اور ان کا مقصود بڑی بڑی لذات ہیں یہ لوگ اس کو بہتر سمجھتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم رہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ پر۔

تیسرے فرقے کا تصور یہ ہے کہ انتہائے سعادت یہ ہے کہ بہت سامان اور فراخی ہو اسی لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پہنچانے کا آلہ ہے۔ اور اسی سے انسان اپنی حاجت روائی کرتا ہے ان لوگوں کی بہت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، عمدہ گھوڑے چوہائے، کھیتی کی کثرت۔ یہی ان کی طلب ہے۔ پھر یہ زمین کے نیچے اشرافیاں جمع کرتے ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے۔ خطرناک میدانوں کے طے کرتے۔ سفر کی مشقتیں اٹھاتے سمندروں میں سفر کرتے، مالوں کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر نخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی لوگ بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ ہلاک ہو جائے بندہ درندہ ہلاک ہو جائے بندہ درہم۔

اس سے بڑھ کر کیا تاریکی ہو گی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبہ ہے کہ سونا چاندی دونوں ہتھ رہیں۔ بالذات مقصود نہیں۔ اور جب اس سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی انہیں خرچ نہ کیا جائے تو یہ کنکری کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ بلکہ تعلیم یافتہ ہے اس کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ خوب جاہ و جلال ہو۔ شہرت ہو اور گھر گھر چرچے ہوں۔ بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو۔

تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہمہ وقت آئینہ کی جانب دیکھتے ہیں اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک بیٹھ نہیں۔ لیکن وہ اپنا مال نفیس نفیس کپڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس قسم کے لوگ لا تعداد ہیں۔ اور یہ سب کے سب خدا تعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں۔ ان کے نفوس اندھے ہیں۔

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں۔ یا ان سے مرد لینا یا ان کے



مال کی طلب مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں جب اس کلمہ سے یہ لوگ مل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انہیں ظلمات سے نہ نکالے گا ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ خالص ظلمت میں نہیں اگرچہ گناہگار ہو (یعنی اس میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے) دوسری قسم وہ جماعت ہے جو ایسے نور سے محبوب ہے جو ظلمت سے ظاہر ہے یہ تین قسم کے لوگ ہیں۔

۱۔ اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء حس ہے۔

۲۔ دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشاء خیال ہے

۳۔ ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا مقصود قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت صیہ سے محبوب ہے یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حرص کرنے سے محترز نہ ہو اور اپنے رب کی معرفت کا شوق نہ رکھتا ہو۔ ان میں سے اول درجہ پرست لوگ ہیں اصلاً فردرجے میں تنویہ ہیں ان دونوں کے بھی کئی درجات ہیں

اول گروہ مستہ پرستوں کا ہے۔ وہ فی الجملہ یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو خود کو ان کے اندر سے نفوس پر ترجیح دینا لازمی بتاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شے سے زیادہ عزیز اور ہر نفسی شے سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں حس نے محبوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے آگے نہیں بڑھتے انہوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یا قوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائیں اور انہیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جمال و عزت کے نور سے محبوب ہیں۔ انہیں اس نور سے جس کی ظلمت نے روک رکھا ہے۔ کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے میں ظلمت ہے جیسا کہ اوپر گلدرد چمکا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکستان کے پرلی جانب واقع ہے ان کا مذہب مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد یہ ہے کہ ان کا ایک رب ہے جو سب سے زیادہ خوبتر



ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت انسان اور سخت گھوڑے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا رب ہے۔ یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمتِ حق کے ساتھ محبوب ہیں یہ بت پرستوں کی بہ نسبت نور کے لحاظ میں زیادہ داخل ہیں۔ کیونکہ وہ مطلق حق کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی ذات خاص کی۔ اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے۔ پھر وہ قدرتی جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نورانی ہو۔ بلحاظ صورت خوب صورت ہو اور اپنے نفس میں غائب ہو، اپنے حضور میں باہمت ہو۔ کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی بیزار محسوس کا کوئی مقصد نہیں۔ انہوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے اور اسے اپنا رب بنالیا۔ یہ لوگ سلطنتِ درونق کے نور سے محبوب ہیں۔ اور یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے انوار میں داخل ہیں۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شے میں سلطنتِ درونق پائی جاتی ہے۔ ہم میں اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے۔

ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثرات کا منسوب ہونا مشہور تھا اس لئے ان میں سے بعض نے تو شعری کی عبادت کی اور بعض نے مشتری وغیرہ ستاروں کی۔ اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کہ کن میں تاثر زیادہ ہے عبادت شروع کی۔ یہ لوگ بلندی کے نور اور اس کے اشراق و غلبہ سے محبوب ہیں اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے۔

پہٹا گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ کہتا ہے کہ نورِ آفتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شے رب کی شریک ہو۔ انہوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی ان کا خیال ہے کہ وہ رب العالمین ہے اور تمام خوبیاں اس کی جانب منسوب ہیں لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے



رب کی جانب منسوب کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے اس لئے انہوں نے ظلمت کا بھگڑا کھڑا کر کے جہاں کو نور و ظلمت کے حوالہ کر دیا۔ اکثر نے ان کا نام یزدان طاہر من رکھا یہ لوگ ثنویہ ہیں۔ اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جو ان بعض انوار سے مجرب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں۔ یہ لوگ جس سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انہوں نے ایسے موجود کی عبادت کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان سے کم تر رتبہ والے مجسمہ ہیں۔ پھر کراسیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں۔ ان کے مقالات و مذاہب کی شرح مجسمے نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جہانیت اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن ان سے بتدی کی نفی نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شے جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو۔ یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہاں سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ مغفولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات و مکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسد کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع و بصیر، عالم قادر، محی اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا۔ حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف و احوال ہے بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور بولے کہ نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے ملک کے کلام کی طرح کہ جس میں حروف و آواز نہیں ملے ہوا۔

جب ان سے سمیع و بصیر اور حیات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہے تو وہ معنی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اگرچہ لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظات کے اطلاق کے معنی نہیں سمجھے۔ اسی لئے اس کے ارادے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے اور وہ ہماری طرح قصد و طلب کرتا ہے۔ یہ مذاہب مشہور ہیں جنکی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ



فاسدہ کی ظلمت میں محبوب ہیں۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض الوار سے مجرب ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے میں ان میں سے تین قسموں کی طرف اشارہ کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنہوں نے صفات کے تحقیق معنی معلوم کر لئے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام، ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسما کا خلاصہ اس قسم کا اطلاق نہیں جیسا کہ انسان پر کرتے ہیں۔ انہوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے احتراز کیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العلمین کیا ہے تو جو موسیٰ نے جواب دیا تھا یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں رب جو کہ ان صفات کے معنی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پر یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جدا گانہ محرک موجود ہے جیسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان کی کثرت ہے اور ان کی نورانیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسا کہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پر بھی یہ ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمان کے ضمن میں ہیں اور یہ تمام آسمان دن رات میں اسی آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں۔ پس اوپر کے رب جسم کا رب جو تمام آسمانوں پر مادی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی منافی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک ملاقات و مباشرت کے طور پر ہے۔ مناسب ہے کہ رب العلمین کی خدمت و عبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کے لئے ہو جسے فرشتہ کہتے ہیں۔ اس کی انوار الہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف جانہ کی طرف نسبت۔ اور ان کا مکان یہ ہے کہ رب ہی اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے۔ اور پھر دیکھانے ہر ایک کے لئے محرک پیدا فرمایا ہے اور یہ محرک بطریق ہر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھانے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔



اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام اقسام انوار محضہ کے ساتھ محبوب ہیں اور پہنچنے والے چوتھی قسم کے ہیں جن کے لئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوت ہے جو واحدانیت محضہ ہے اور اس مطاع کی وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انگارے کی خالص آگ کی جوہر کی طرف پھر انہوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمان کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رجوع کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور بن عقلیں پاتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور مقدس پایا ہے۔

پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ جن سے وہ سب امور کہ جنہیں ان کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جمل اور پھٹ گئے لیکن وہ خود جلال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جلال سے دیکھ رہے ہیں جس نے حضرت الہی سے ملنے کے سبب جمل پایا ہے پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں۔

ان سے آگے ایک اور عہدہ ہے ان میں خواص الخواص ہے انہیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلادیا ہے اور سلطان جلال نے انہیں ڈھانپ لیا ہے وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشی ہو گئے ہیں انہیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا۔ کیونکہ یہ لوگ عہد سے بے پرواہ ہو گئے ہیں اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا **كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهًا** ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا۔ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے اتحاد کا کیسے اطلاق کیا۔ یہ واصلین کی نہایت ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان پر عروج نے زیادتی نہیں کی۔ وہ اول ہی درجہ میں معرفت کی اس ہر شے سے کہ جس سے اسے پاک کرنا چاہئے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے۔ بس ان پر اول ہی درجہ غلبہ آگئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آتی۔ ان پر دفعتاً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزوں کو جلایا جنہیں بصر حسی یا بصیرت



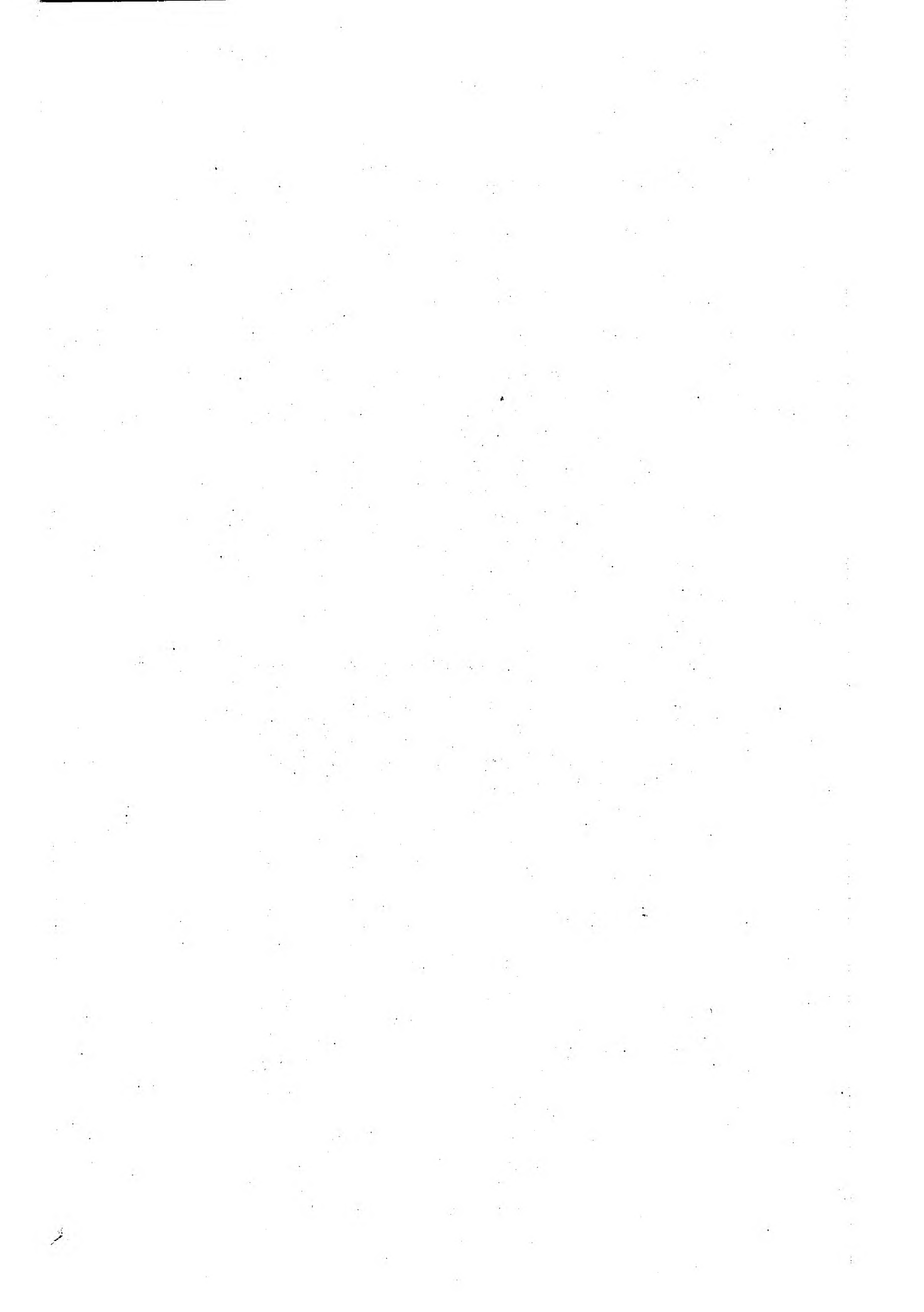
عقل معلوم کرتی ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ یہ محجوب ہیں کہ اقسام کی جانب اشارہ ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے حجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد و شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے لیکن جب تم تفتیش کرو گے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے۔ کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا صحن خیال یا قیاسات عقل یا نور محض سے محجوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالات کے جواب میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دیگر جانب مائل تھی میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے اس زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے کیونکہ اسرار الہیہ کے بھنور میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے کوئی سہل نہیں۔

والحمد لله رب العلمین وصلى الله على سيدنا

محمد وآله الطيبين الطاهرين تمت







حَامِدًا وَمُصَلِّيًا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ موسوم بہ



مصنف شیخ طریقت و حقیقت ابوالفتوح شہاب الدین احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ  
برادر امام ہمام حمۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ



# التماس

واضح ہو کہ مصنف کامل نے اس رسالہ کو بطور مناظرہ لکھا ہے اور منکرانِ سماع کا اول اعتراض لکھ کر جواب دیا ہے سو اسلئے اس ترجمہ میں کوشش اس امر کی ہوئی کہ کوئی فروگزاشت نہ ہو۔ لہذا کوئی تفسیر مستحکم نے اپنی طرف سے نہیں کیا اور لغت کے مطابق ترجمہ کیا اور بعض الفاظ جو صوفیہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ہتھمال میں خاص طور پر ان کو ایسی طرح لکھ دیا ہے کہ ترجمہ سے وہ بعید از فہم ہو جاتے۔

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب حمد کی لائق وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے اپنے بندوں کو شائقِ اول میں خطا بستہ برہم درجہ معارف کے کامل کرنے کے واسطے بنایا اور مطلاب کی عقول کو فوائد اعمال و بطائف کے ادراک کی واسطے کامل کر دیا اور انکی ارواح کے پردوں کو جو جنابِ احدیت میں ترقی کے مانع تھے مصارف اور گردشوں کے دفع کی واسطے ہٹا دیا اور انکے دلوں کو نور یقین سے نرم کر دیا اور انکے نفوس کے آئینہ کو قوائے تمکین سے جلادیدی یہاں تک کہ انہوں نے تجلیات کے آثار کو پایا اور شہوتوں کی غلامی سے نجات پائی اور انکی اجسادنی سماع میں جولاں کیا اور خواہش پر کہ روح کو چھٹکارہ ہوا اور اس جرم پر کہ بڑے بڑے فتوح حاصل کریں کیونکہ ذریعہ آدمی کی صفات میں سے یہی صفت کامل تر ہے اور درجہ بہتر ہے جناب بنی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ خاتمِ رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں ایسا درود جو کہ اُسکے قائل کو برکات و شرافت کی شاخوں تک پہنچا دے کہتا ہے بندہ اللہ تعالیٰ کا فقیر و راہ اللہ تعالیٰ کا محتاج واسطے حاصل کرنے فیضِ نعل باری تعالیٰ کے اور ملتجی اللہ تعالیٰ کی جناب میں احمد بنیا محمد بنیا محمد کا ساکن طوس جسکو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ لائق فرمائے کہ مجھے بعض صلحا انم کہ جو اللہ کی طرف آرام و تکلیف میں متوجہ ہیں خواہش کی کہ میں ایک رسالہ سماع ادا دے سکے قواعد میں لکھوں اللہ اُسکے کرنے میں جو شرط



ہیں وہ لکھوں تاکہ اُسکے نواز ظاہریوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف اور افعال صحابہؓ کو اُسپر گواہ لایا  
 اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور اس ابکار سے جو الزام اُسپر قرآن و حدیث و افعال صحابہ سے  
 آتا ہے۔ اُسکو بیان کروں اور اُس شخص کی نسبت جو اُسکو حرام کہتا ہے قرآن مجید اور حدیث شریف  
 اور معقول و منقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالاجمل کافر ہے اور اُس پر طریقے روشنیوں اور عالموں  
 کے سدود ہیں جبکہ میں نے سائل کی صدق و رغبت کو دیکھا تو اُسکے سوال کی اجابت کی اور بس کتاب  
 کو اللہ تعالیٰ سے اتھا رہ کے بعد لکھنے سے اُسکے واسطے نوال حاصل کیا اور اُسکا نام بوارقی الالامع  
 فی تکفیر من یحرم السماع رکھا اور اُسکی بزرگی بالاجمل متعین ہوئی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ اس کتاب سے  
 نفع پہنچائے تحقیق اللہ تعالیٰ قریب اور مجیب ہے۔ جان تو اللہ تعالیٰ تیرے دل کو لارطاعت سے  
 آراستہ فرمائے اور حقیقت شفاعت و شہادت میں بجا کوسج فرمائے کہ اس گروہ کا سماع غلط  
 اسرار غریبہ کا ایسے اشعار سے ہے جو رقیق ہیں اور قوال اُنکو اسرار اور باریکیوں کی آگاہی کے لئے اللہ  
 تعالیٰ کی یاد کے ساتھ گاتا ہے اور انہوں نے اور افعال میں سے اُسکو بوجہ مرفوع ہونے حجتوں سماع  
 کی نسبت اور دوسروں کی دو باتوں سے پسند کیا ہے ایک یہ کہ سماع مقابلہ میں رتبہ نماز کی جو ہے  
 نماز بغیر سماع کے صحیح نہیں ہوتی اسلئے کہ اگر مصلیٰ نماز کے ارکان اور سنن اور شروط کو بطور تعلم نہ سنے تو  
 اُسکی نماز صحیح نہ ہوگی نیز نماز میں اگرچہ بظاہر جمیعت ہے مگر یہ باطن اُنہیں یا تفرقہ معنویہ ہے اور وہ اللہ  
 تعالیٰ کے ساتھ حضور کا منافی ہے یا تفرقہ ظاہری ہے جو کہ میوب ہے جیسے کہ خیالات فاسدہ  
 کا نماز کی حالت میں قلب میں واقع ہونا اور سماع میں اگرچہ ظاہر میں تفرقہ ہے مگر اُسکے باطن میں جمیعت  
 ہے اس واسطے کہ بوجہ استیلاء حکم سماع کے مستمع کے انکار سے عوارض فاسدہ جاتی رہتی ہیں یہاں تک کہ  
 کہ بسا اوقات مستمع کا نفس اُسکے قلب میں خطور نہیں کرنا۔ دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات  
 کو پیدا کیا تو اُسکے دو درجہ بنائے ایک وہ جس کا نام عالم غیب اور عالم ملکوت ہے اور یہ عالم سارے  
 عالموں میں زیادہ وسیع اور زیادہ کابل ہے اور روح اور تیرے اس عالم میں تصرف ہوتا ہے اور اس عالم  
 اور اُسکے تجلیات کے وجدان کا اور اُسکے نورانی معانی سمجھنے کا آلہ جس کے ذریعہ سے یہ کام ہو سکے ذوق



اور صفائی دل اور بصیرت ہے اور اس عالم کے رہنے والے ملکہ علیہم السلام اور ارواح ہیں اور یہ وہ درجہ ہے جس پر عقل اور حس حاوی نہیں ہو سکتی و تقیید انقل اس کا ادراک کر سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا و کذا انک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض یعنی اسی طرح ہم ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھانے لگے اور فرمایا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبردار ہو جاؤ کہ نشانی عقلمندی کی یہ ہے۔ کہ اس دہو کے کے گھر (دنیا) سے آدمی دور رہے اور ہمیشہ رہنے کے گھر (آخرت) کی طرف رجوع کرے اور دوسرا وہ ہے جس کا نام عالم شہادت اور عالم ظاہر ہے اور یہ عالم غیب سے تنگ تر اور زیادہ قریب ہے اور اس عالم میں جو عجائب اور حکمتیں ہیں ان کے سمجھنے کا عقل اور حواس ہیں جو کہ بعض وقت شک میں پڑ جاتی ہیں اور ان پر امر متبہ ہو جاتا ہے اور اس عالم کے رہنے والے اعیان ظلمانیہ حیوانیہ ہیں پس اللہ تعالیٰ کی حکمت نے چاہا کہ ایسا منظر پیدا کرے جو کہ انوار و ظلمات کا مجموعہ ہوتا کہ تنزیلات و تجلیات کے معنی کا فہم اور قدرت کی نشانیوں کی حقیقت ظاہر ہو جائے پس وہ منظر حقیقت حق انسان ہے جو کہ متیقن اور نورایمان کا قبول کرنے والا ہے۔

چونکہ عالم غیب زیادہ وسیع و کمال تھا اور عطار روح اور عقل اور کشف اس عالم سے متعلق تھی تو روح اور ستر سے تصرف اس عالم میں ہوا اور چونکہ عالم شہادت بنسبت عالم غیب کے تنگ تر تھا اور اسکو مختلف قسم کی چیزوں کے جکی صورتیں اور طبیعتیں مختلف ہوں اپنی صورت کے درست کر نیکی واسطے ضرورت تھی تو اسکو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت ازی سے حواس اور نفس اور تمیز عطا فرمایا تاکہ اس کے واسطے سے وہ کمال معرفت اور فہم حاصل کرے اور جو سعادت کہ اس کے حجت میں لگتی تھی ہے اسکو پوسے طور پر کمالی اور چونکہ انسان کا وجود محدود اور محصور تھا تو اس کے واسطے یا مزن ممکن تھا کہ سب حاضر اور ہوا اختیار کو ایک ہی دفعہ سمجھ سکے اور مظاہر تجلیات حق پر ایک ہی بار حاوی ہو جائے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کے اپنا کمال رتبہ ایسے گروہ کو تفویض فرمایا جنکو اس درجہ میں بنسبت اس درجہ کے کمال اور قوت اور دوسرے میں نفوذ کا مادہ دیا تھا نیز چونکہ انسان جزئی بنظر ضعیف الاستعداد تھا۔ تو اسکو اپنے مصلح کی رستی عالم ظاہر و باطن میں ناممکن ہوئی کیونکہ جزو درجات کلیہ کا احوال نہیں کر سکتا پس اللہ تعالیٰ



نے بعض انسان کو بعض کے حوالہ کر دیا اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنایا اس طرح کہ ہر ایک  
 انہن سے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے نفس سے دوسرے کا محتاج ایک واسطہ تک  
 پہنچے پس اگر یہ واسطہ یا ذریعہ کوئی کنایہ یا اشارہ ہوتا تو یہ کمال مقصود کو پورا نہ کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ  
 نے کلام کو جس میں آواز ہو واسطہ اپنی مہرانی سے بنا دیا تاکہ جلدی سے اثر کرنے والا اور جلدی ہٹانے  
 والا اور ہر ایک کا طلب منفعت میں دوسرے سے مددگار ہو پس انسانی طبیعت نے آواز سے  
 محبت کی کیونکہ انسانی طبیعت اس آواز کے صوری اور معنوی کمالات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اوسیکو  
 دوسروں میں سے منتخب کیا جیسے کہ جسدی طبیعت اپنی بقا کی واسطہ غذا کی اس حیثیت سے کہ وہ غذا ہی  
 محتاج ہے ہاتھ تک کہ حاجت کی وقت تمام محبوب چیزوں پر اسکی آواز دے جاہ مال کے اختیار کرتے  
 ہی پس جبکہ آواز میں زیادتیاں ترتیبوں کی اور ذوقی روحی ابھار اور پیدائشیں حاصل ہوئیں اور سید کا  
 نام علم موسیقی ہے تو طبیعت زیادہ تر بہ نسبت اور لذتوں کے اسکی طریقت مائل ہو گئی اور تحقیق اللہ  
 تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام کو صورت حسن عمدہ آواز عطا فرمائی تھی کہ جب وہ زبور شریف  
 پڑھتے تھے تو انکی مجلس میں بعض سننے والے مرجاتے تھے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
 ہے کہ زید فی المثلک ما یشاء کہڑا تمہارے خلقت میں جو چاہتا ہے یعنی جو جہمی ترکیب ہے انہیں زیادہ  
 فرمادیتا ہے۔ مفسروں نے اسکی تفسیر بھی آواز کی ہے یعنی خوش آواز ہی عطا فرماتا ہے اور فرمایا جناب  
 رسول علیہ السلام نے من لم یغن بالقرآن فلیس مشا جو کوئی قرآن مجید میں تغنی نہ کرے وہ ہماری  
 جماعت میں سے نہیں اور فرمایا کہ اپنی آوازوں سے قرآن مجید کی زینت کرو اور جو کچھ کہہ رہے  
 ذکر کیا یہ اس امر کی دلیل ہے کہ موسیقی لغات کے ساتھ آواز کا بلند کرنا مطلقاً مطلوب انسان ہے لیکن  
 یہ گانا سننا جو فقر اور اصحاب احوال میں رقت باطن اور صفائی قلب کی واسطہ مروج ہے تو اسکی  
 بنائیں چیز یعنی زمانہ اور مکان اور ماخو ان (ہم صحبت لوگ) کی دستی اور عمدگی پر ہے پس وہ زمانہ حیر  
 گانا سننا درست ہے وہ ہے جبکہ دلوں میں صفائی ہو اور لوگ اسوقت محبوب (اللہ تعالیٰ) کی رضا  
 کی طلب کی واسطہ جمع ہوں اور انکا ظاہر نفسانی خطوط سے مجر د اور انکا باطن شہوانی مادیات کے تعلق



سے بالکل جدا ہو اور اپنے کونائے کریں واسطے حضور قلب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قیام کر نیکی کے  
 نہ مراتب انسانی کے حاصل کرنے کے واسطے اسلئے کہ عبادت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ ضرور ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو نہ کسی اور علت کی واسطے پس جبکہ ایسے وقت لوگ جمع ہونگے تو بعض  
 کے دلوں کے انوار دوسروں کی طرف منعکس ہونگے تب اس اجتماع سے نور اور ظہور اور سرور  
 اور وضع کی زیادتی ہوگی اور یہ اہل جنت کا وصف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے وَنَزَعْنَا فِي مَعْدِنِ  
 مِنْ غُلٍّ الْأَكَاثِرِ۔ اور کالد یا ہم نے ان کے سینوں میں سے جو کینہ اور کھوٹ تھا اس آیت سے مراد اہل  
 معرفت ہیں اور نزعنا کے معنی مٹا دیا ہے اور معانی معدن و کمراد اہل معرفت اور شہود اور صاحبان  
 اذواق رقیقہ کے سینے ہیں اور من غل سے مراد دنیا کے خطوط کا طلب کرنا اور انسانی شہوتوں  
 کا پورا کرنا ہے۔ اور اخوات یا جو اس آیت میں ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ انوار اور طاعتوں  
 اور معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہیں اسلئے کہ بہانیوں کی پیدائش ایک ہی جگہ سے ہوتی  
 ہے علی سر جو اس آیت میں ہے اُس سے مراد احوال اور مقامات اسمائہ ہیں اور متقابلین سے  
 یہ مراد ہے کہ جنکی عقل کا حکم ادن پر غالب ہے اُنکے مقابلہ میں ہیں جن پر حکم اُنکے قلب کا غالب ہے  
 اور وہ جنکی روح کا حکم اُن پر غالب ہے اُنکے مقابلہ میں ہیں جن پر کہ اُنکے ستر کا حکم غالب ہے  
 لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ سے مراد یہ ہے کہ اُنکو علم باللہ اور علم بامر اللہ اور علم بتدبیر اللہ میں کوئی حجاب  
 اور رجوع نفس کی طرف لاحق نہیں ہوتا اور مَا هُمْ مِنْهَا بِخَرَجِينَ سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے باطن  
 جو کشف اور مقامات اور معارف کا ہے نہ نکلیں گے اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں  
 کو رتبہ کمال اور مراتب وجود کے علم کا عطا فرمایا تو اُن سے اُسکو بالکل نہیں چھینے گا کیونکہ وہ سخی اور  
 کریم ہے جب دیتا ہے تو بڑا تامل ہے اور واپس نہیں لیتا لیکن مکان جو گمانہ کے واسطے سزاوار  
 ہیں وہ نرا دیدار خانقاہیں اور مسجدیں ہیں اور مساجد بہتر ہیں کیونکہ مسجد بدنی عبادت کی واسطے  
 بنائی گئی ہے۔ اور دل وہ جگہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ظہور کی واسطے بنایا گیا ہے  
 اور وہ دل اللہ تعالیٰ کے انوار کے نزول کی جگہ ہے پس جبکہ صاحب قلب مسجد میں نور قلب



کی بڑائی اور نفس کے صاف کرنے کے واسطے حرکت کرے تو وہ بہتر ہے اس شخص کے جسد کی حرکت سے جو بی حضور کی نمازیں کرتا ہے۔ اور اس میں خلافت نہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز ظاہری میں مشغول ہو حالانکہ دل اس کا وساوس اور خیالات اور ایسے امور سے بھرا ہوا ہے۔ جن کو کہ شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ موانع کو بھی زائل کرے اس کو دخول مسجد سے نزدیک جائے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ظالم ناجر حرام خوار کا مساجد میں داخل ہونا متحقق ہے جنکی بابت قرآن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مشغول اس فکر میں ہوتے ہیں۔ کہ لوگوں پر ظلم کریں اور انکا مال چھین لیں مگر بظاہر نمازیں مشغول ہیں۔ تو ایسے لوگ مسجد میں جانے سے نہیں روکے جاتے پھر کیونکر وہ شخص مسجد میں جانے سے روکا جائے جو کہ صفائی دل اور جلا نفس کا خواہش مند ہے اس کا روکنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ وہ غرائب کلام کے مٹنے اور لطائف اشعار کے سمجھنے سے جو کہ ملکہ علیہم السلام کے ساتھ اسکے ثبوت نسبت کی واجب کرنے والی اور ابلیس و شیاطین سے اسکی نسبت کے قطع کرنے والے ہیں اپنے نفس کو نرم اور اپنی روح کو صفا کرنے کی کوشش کرتا ہے لہذا جبکہ اہل صفا عبادت کی جگہ جمع ہوں اور بعض کے دلوں سے بعض کے دلوں کے صفا اور انوار اسرار کی زیادتی اور اس مکان کے نور سے نفوس اور ابدان کے صفا کی کثرت بھی چاہتے ہوں تو ان کے احوال میں زیادتی ہوگی اور انکی ذاتیں کامل ہونگی کیونکہ جو مکان عبادت کی واسطے بنائے گئے ہیں ان کے ساتھ عالم غیب نور اور روح متعلق ہو جاتی ہیں تو اسکی حرمت اور بزرگی بڑھ جاتی ہے جیسے کہ اسطبل کہ اسکو جب مسجد بنایا جائے تو تعظیم اور بزرگی اس سے متعلق ہو جاتی ہے حالانکہ وہ نجاست اور شیا صرا ہو برہ کی جگہ تھی پس اس میں بیہنا جبکہ وہ مسجد ہے باطن کی نورانیت کو یہاں اگر گنا جیسے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔

المسجد بیت کل تقی یعنی مسجد ہر پرہیزگار کا گھر ہے اور اخوان (ہم صحبت) تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ اخوان مطلقاً کہ جو ایمان میں شریک ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اخْوَاۃُ یعنی سوائے اسکے نہیں کہ مومن بہائی ہیں پس ایسی بہائیوں کی صحبت بھائی کی واسطے جائز نہیں بلکہ تہوری



دیر کے واسطے انکی صحبت رکھی جائے تاکہ انکو اس چیز سے جس سے وہ نفع حاصل کریں فائدہ پہونچا یا جاوے اور دوسرے اخوانِ امارت اور محبت میں جیسے کہ وہ عام لوگ جو فقط سے محبت رکھتے ہیں اور صفا کے طریقوں کے حاصل کرنے کے واسطے اپنی جان و مال سے انکی مدد کرتے ہیں اگرچہ یہ لوگ ایسا وصف نہیں جو کہ فقر میں پائے جاتے ہیں تاہم انکی مصاحبت بوجہ انکی قوتِ محبت کے اہلِ ذوق و کمال کے ساتھ جائز ہے۔ لیونکہ وہ بوجہ صدق اور قوتِ ارادت کے اہلِ صفا کے قلوب سے انوار کو حاصل کرتے ہیں جیسے کہ سمیع لیلٰی نقاش کی حرارت کا کسب کرتی ہے اور جب وہ عوام کی طرف جاتے ہیں تو اور لوگ ان سے نفع حاصل کرتے ہیں اور نیسری قسم کے اخوانِ صفا و ہلو ہیں جنہیں کہ وجہ اور تفسیر اور ذوق اور شوق اور کمال اور صفا اور وصال کی صفات میں ایسے حضرات کی مصاحبت اس طرح واجب ہے جیسے کہ سپاہی کو لڑائی کے وقت اسلحہ کار کہنا لازم ہوتا ہے۔ اور مریدوں کے واسطے انکی مصاحبت مستحب اور محبوب کی واسطے مندوب ہے۔ تاکہ اہلِ کمال کی حرکات و سکنات کے ساتھ تشبیہ ہو فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے من تشبہ بقوم فهو منهم ومن احب قوما خسر معہم یعنی جسے کسی قوم کی سی صورت بنائی تو وہ انہیں ہی سے ہوگا اور جس نے کسی قوم کے ساتھ محبت رکھی تو اسکا خسران کے ساتھ ہوگا اور فرمایا جناب باری تعالیٰ نے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وكونوا مع الصادقین یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی اگر خود سچوں میں سے نہیں ہو تو ان کے ساتھی ہی بن جاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے والو علم اللہ فیہم خیر ولا سمعہم یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان میں بہلائی جانتا البتہ انکو نہ مانا یعنی حق اور حکمت اور عظمت اور نواہی۔ (روکنے والی باتیں) انکو نہ مانا اور یہ قول سننا کا عام ہے خواہ قرآن مجید ہو یا حدیث شریف یا اشعار وغیرہ ہوں جو کہ سنائے جائیں اور جناب بنی علیہ السلام نے فرمایا۔ ان من الشعر حکمة تحقیق بعض اشعار میں حکمت ہے پس جسکے حق میں اللہ تعالیٰ خیر نہیں جانتا تو اسکو بالکل حکمت اور معرفت اور مواظبت اور نواہی نہیں سننا تاو اس حال میں جو خیر اور حق کہ اشعار میں ہوئے ہیں وہ بھی نہیں سننا تاو پر جو کوئی کچھ بھی حق اور حکمت اور فائدہ سے حصہ نہیں پاتا وہ اشعار انکار کر دیتا ہے لہذا اسوقت یہ انکار اسکا خود اپنے نفس پر ہوگا اور اس کا انکار گمانے اور دھوکے اور اچھی آوازوں کے سننے سے مخالفتِ سنت کی ہے اور سنت کی مخالفت اعتقادِ ایا تھو یا کفر ہے اور سنت سے منہ پھیرنا



اور رک جانافسق ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفر کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور میرے فرش پر بیٹھے اور میرے پاس دو لڑکیاں دف بجاری تھیں اور بد رکی لڑائی میں جو انکے بزرگ شہید ہوئے تھے انکی تعریفیں گارہی تھیں تو ایک انہیں سے گانے لگی و فینا بنی یعلم مانی عذہ یعنی ہم میں ایسے بنی علیہ السلام ہیں جنکو کل کی بات کا علم ہے اسپر حضرت صلعم نے فرمایا کہ ایک چوڑا اور وہی گاجو پہلے گارہی تھی اور شعر یہ تھا تحارب اقام بئر ثمدن یضربو طعن والیوف المہند نہ تو انہیں ایک لڑکی گاتی گاتی وہ مصرعہ بنا کر گانے لگی کہ ہم میں ایسے نبی پر کہ جنکو کل کی بات کی خبر ہے بس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلعم نے دف کی آوازاں اور گانے اور شعر کو ایسی حالت میں سنا کہ ان لڑکیوں کی آوازوں کا سننا بغیر حاجت کے درست نہ تھا اور وہاں خود حضرت صلعم موجود تھے اور توجہ سے کان لگا کر سننے تھے پس جب ایسی لڑکیوں کا دست ہوا تو مردیکا بطریق اولیٰ درست ہے اور کیونکر حالانکہ حضرت صلعم نے دونوں لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کا اس قول سے حکم دیا کہ گاجو تو گارہی تھی اور امر جبکہ قرآن سے مجرد ہوتا ہے تو وجوب کے واسطے ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم و اقموا الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو یا ندب کی واسطے قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ قول اللہ تعالیٰ کا فکاتوبہم صرّ علیہم فیہم خیر یعنی سکاتب بناؤ انکو اگر انہیں بہلائی جانتے ہوں نیز آیات یواسطے ہوتا ہے جبکہ قرینہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول و اذا حملتم فاصطادوا اور جبکہ احرام سے فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو اور یہاں امر وجوب کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور صلعم نے رد برو انکو حکم دیا لہذا مخالفت آپکی جائز نہیں اسلئے کہ جو وہ گارہی تھیں اسکے اعادہ کا حکم فرمایا اور خود اسکے معافی کو کان لگا کر سن رہے تھے اور جبکہ رسول اللہ صلعم دوسرے سے کچھ چاہیں اس حال میں کہ اسطرت توجہ ہوں تو انہیں اسکا ذکر واجب ہے بوجہ اس حکم باری تعالیٰ کے کہ فرمایا یا ایہا الذین آمنوا سجدوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما بحلیکم یعنی اے ایمان والو! حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول علیہ السلام کا جبکہ وہ تمکو بلائیں ایک کام پر جیسے تمہاری زندگی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہ سے روایت کی کہ ابو بکرؓ انکے پاس آئے اسوقت کہ دو لڑکیوں دف بجاری تھیں اسگفت دشمنید کے ساتھ جو انکے کے باعث



کی لڑائی میں ہوئی تھی اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑا اوڑھے ہوئے تھے تو ابو بکرؓ نے انکا  
جھڑکا اس پر حضرت صلعم نے چہرہ مبارک کھولا اور فرمایا کہ اے ابو بکرؓ انکو چھوڑو تحقیق یہ عید کے دن میں یہ  
حدیث صراحۃً گانا اور دف مٹسنے پر اور ایسی جگہ حاضر ہونے پر جواز کو ثابت اور منکروں کا ذکر رہے  
ہے اور اس پر بھی دلیل ہے کہ جو انکار کرے اسکو روکنا اور انکار سے ہٹانا جائز ہے کیونکہ حضرت  
صلعم نے منکر کو روکا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ یعنی تمکو اچھی تھی  
رسول کی چال سیکھنی پس جس نے گانا سننے اور دف بجانے اور ایسے موقع پر شریک ہونے کو حرام کہا  
گویا اس نے یوں کہا کہ بنی صلعم حرام فعل کو مٹنا اور حرام فعل کے نبی کو روکا اور جس نے ایسا اعتقاد رکھا  
وہ بالاتفاق کافر ہوا۔ اگر کہا جائے کہ یہ گانا صرف عید کے دن جائز ہے۔ کیونکہ عید کے دن کی قید  
اُسکے جواز میں پائی جاتی ہے ہم جواب دینگے کہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ سبب کا خاص ہونا  
حکم کے عام ہونے کا مانع نہیں ہوتا اما اکثر قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَسْوَا لِمَا عَلِمْتُمْ اَنَّهٗمْ اٰمَنُوْا اَمْ لَمْ يَمْنُنِ لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ یعنی جو منکر ہوئے برابر  
اُن کو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانینگے یہ آیت ابو جہل اور ابولہب اور عقبہ اور شیبہ اور عبد اللہ  
بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم کفار کے بارہ میں عام ہے اسی طرح دوسری آیت  
میں فرمایا اِمَّا يَلْعُنُ الْعِلٰلُ اِذَا دُعِيَ اِلٰهَا وَكُلُّهَا فَلَ تَقُلْ لَهَا مَاتْ وَلَا تَقُلْ لَهَا قُلْ لَهَا قُلْ لَهَا  
مَرِيًّا وَانْخَفِضْ لَهَا جَنَاحَ الدَّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ یعنی کہی ہو پرخ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ ایک  
یادوؤں کو نہ کہہ اُنکو ہوں اور نہ جھڑک اُنکو اور کہہ اُنکو بات ادب کی اور جھکا اُنکے سامنے کندھے عاجزی  
رکے ثبابت اگرچہ اس آیت میں خطاب جناب بنی صلعم کی طرف ہے مگر حکم عام ہے واسطے ہے۔  
لہ والدین کی تعظیم کریں اور اس حدیث میں سطر اشارہ ہے کہ ہر حال میں جبکہ تلب و خاطر میں  
فرحت پائی جائے خواہ عید کے دن ہوں یا نہ ہوں تو اس میں گانا اور دف اور اشعار سنا جائز ہے  
اور سند امام احمد میں روایت ہے کہ جشی حضرت رسول اللہ صلعم کے سامنے دف بجا رہے تھے اور  
باج رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمد صلعم نیک بندہ ہیں حضرت نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہیں عرض



لیا گیا کہ رہے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نیک بندہ ہیں یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ نواج دیکھنا اور دف اور گانا  
سننا جائز ہے اس پر بھی اگر کوئی کہے کہ نواج دیکھنا اور گانا اور دف کی آواز سننا حرام ہے تو یہ اسکا افتراء ہوگا  
کہ بنی علیہ السلام حرام کام میں حاضر ہوئے اور دوسرے کو حرام کام کرنے والے جس کے دل میں یہ بات  
اینگی وہ بالاتفاق کافر ہو گیا اور اگر منکر کہے کہ یہ جناب رسول علیہ السلام کے حق میں جائز تھا مگر ہم اسے  
واسطے کیونکر جائز بتاتے ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضور شارع تھے اور شارع علیہ السلام کیواسطے جائز  
نہیں کہ ایسے امر کو جس میں شرعی حکم پایا جائے چھپائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے - اِنَّ الَّذِیْنَ یُکْتُمُوْنَ  
مَا اَنْزَلْنَا مِنْ الْبَیِّنَاتِ وَالْهُدٰی مِنْۢ بَعْدِ مَا بَیِّنَاۤهُ لِلنَّاسِ فِی الْکِتَابِ اُولٰٓئِکَ یُغْنِمُ اللّٰهُ وِیْلَیْغُمُ اللّٰہُ اَعْنُوْد  
یعنی وہ لوگ جو چھپا دیں اُن بینات اور ہدایت کو جو ہم نے اُتاری ہیں بعد اسکے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے  
کتاب میں اُسکو کھول دیا ہے تو وہ ہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کر نیوالے لعنت  
کرتے ہیں اور فرماتا ہے وَاِذَا خِذَ اللّٰهُ مِیثَاقَ الَّذِیْنَ اَوْ تَوَا کِتَابَ لِّلْبَیِّنٰہِ لِلنَّاسِ وَلَا تَکْتُمُوْا نَہ یعنی اور  
جب اللہ تعالیٰ نے میثاق اُسے لیا جبکو کتاب دی گئی تھی کہ لازم پڑھے کہ لوگوں پر اسکا اظہار کر دے اور  
اُسکو نہ چھپا دے پس اگر نواج اور حضور سماع اور غنا اور دف بجانا حرام ہو تا تو آیت کے مطابق حضرت صلعم  
پر اسکا اظہار واجب تھا اور اگر محض حضرت کے واسطے جائز ہو تا تو اسکا اظہار بھی ضروری تھا جیسے  
کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بنی صلعم نے لوگوں کو دھمال (بغیر اظہار دوسرا روزہ رکھنا) سے منع  
فرمایا اور خود لیے روزے رکھے اور جب صحابہؓ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میں اپنے رب  
تبارک و تعالیٰ کے پاس رات بسر کرتا ہوں اور مجھے وہ کہلاتا پلاتا ہے پس جبکہ حضرت نے نواج دیکھا  
اور گانا اور دف سنا اور کسی کو اس سے منع نہ فرمایا تو یہ مطلقاً اُسکے جائز ہونے کی دلیل ہے اگر منکر  
کہے کہ نواج کھیل ہے اور کھیل حرام ہے اسواسطے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کھیل مجھے نہیں نہیں  
کھیل سے ہوں یعنی میری عادت اور سیرت کھیل کو دہنیں اسکا جواب یہ ہے کہ اس کھیل سے  
مراد حرام کھیل ہے جیسے کہ زرد اور جوا وغیرہ اسواسطے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ فرماتا  
ہے کہ جناب بنی علیہ السلام میرے گہر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی



لکڑیوں سے کیل ہے تھے اور میں اُنکے کہیل کو دیکھ رہی تھی پس جبکہ شارع علیہ السلام کے سامنے مسجد  
 لیل جائز ہوا تو دوسرے محل میں بطریق اولیٰ جائز ہوا۔ لہذا جو شخص کہے کہ کہیل مطلقاً حرام ہے تو وہ  
 اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ جناب بنی علیہ السلام نے حرام کام کو دیکھا اور حرام کو اُسکے حال پر رہنے دیا  
 حالانکہ جس کے دل میں یہ بات آئی وہ بالاتفاق کافر ہوا۔ اور اگر منکر کہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے  
 لا لعب الا فی ثلاث الرمی والفرس وملاعبتنا الجبل مع اہلہ یعنی سولے تین محل کے اور جگہ کہیل  
 جائز نہیں ایک تیسرا نڈازی میں دوسرے گھوڑے کے ساتھ بیسے شوہر کی طاعت بیوی کے ساتھ اس کا  
 جواب یہ ہے کہ یہ حصر خاص اہتمام کیواسطے ہے اور یہ تحریم ماسوا پر دلالت نہیں کرتا جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا اِغْنَانْتَ مِنْ دَرَسَوا نَیْ اِسْکَے نہیں کہ تو ڈرائیو ہے اور کلمہ لا کا واسطے حصر کے ہے تو حضرت مسلم  
 کے حال کو اندازہ ڈرانے میں (حصر کیا اور اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ڈرائیو مخصوص نقطہ اُنکے ساتھ ہی  
 لیونکہ وہ خاتم النبیین ہیں مگر اس نے حصر کا فائدہ نہ پایا کیونکہ اُنکے سوا حضرت مسلم بشر اور صلح وغیرہ بھی تھے  
 اسی طرح یہاں بھی یہی ہے۔ پس ان تین کا حصر کے ساتھ ذکر حیثیت کمال دین سے ہے سیر نڈازی اور  
 نواد اور تحاب میں اپنی اہل سے سیاں بیوی میں ثبوت مودت کیلئے اور اطلاق جو باہم محبت کرنیوالی شوہر  
 اور بیوی میں ہوگی وہ پسندیدہ اخلاق ہوگی اور جو باہم نفرت کرنیوالوں میں ہوگی وہ بدخلق ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے  
 فرمایا الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ الْقَوْلَ فیتبعون احسنہ یعنی جو لوگ بات سنتے ہیں پس پیروی کرتے ہیں اُسکے  
 احسن (زیادہ اچھی) کی۔ اِنَّ لَکَ الذِّیْنَ هٰکَ هٰکَ هٰکَ هٰکَ هٰکَ هٰکَ ہا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا عام ہے خواہ وہ  
 اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی اور وہی عقلمند میں اور لفظ قول جو یسمعون القول میں فرمایا عام ہے خواہ وہ  
 ہو یا حدیث یا حکایت صلحا ہو یا اشعار کا مستنا ہو سب انہیں داخل ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اُسکے جو کہ قول کا  
 سننے والا اُسکے اچھے کی پیروی کرنیوالا ہے مع فرمائی کہ اُسکو صاحب ہدایت اور عقل قرار دیا پس اس  
 لازم آیا کہ جو گانے والے کا گانا نہ سننے جو کہ مطلق قول یسمعون القول سے سمجھا جاتا ہے جو گانا کہ اچھی آواز  
 کے ساتھ حکمت پر مشتمل ہے تو وہ ایسا شخص ہوگا جسکو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نہیں فرمائی اور نہ اُسکو عقل عطا  
 نہ اور جو شخص ہدایت گامی اور خالی ہے وہ گمراہ ہے اور گمراہ دوزخی ہے اور اُسکے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو



نصاری کی صفت تیار دیا ہے جیسے کہ فرمایا قل صلو من قبل واضلوا اکثر ائینی پہلے سے خود گمراہ ہو  
 پر بہت لوگوں کو گمراہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کو کفر کے ساتھ موصوف فرمایا۔ جیسے کہ فرمایا۔  
 لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلثة یعنی تحقیق کفر کیا انہوں نے جنہوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ ایک  
 سے تین میں سے پہلے میں سے لازم آیا کہ جسے گائیوالے کا گانا نہ سنا جو کہ مطلق قول باری تعالیٰ یتصو  
 لقول سے بھابی جاتا ہے اور جو کہ اپنے عہد پر باقی ہے اور کوئی شخص جس سے کہ بھی آواز کا یا گانیک یا دت کا سننا  
 منع ہو نہیں پایا جاتا جو اسکے کہنے روایات بخاری اور احمد سے دت درگاتا جنشیوں کا اور انکا  
 مانع دیکھنا اور انکیوں کا گانا سننا بتایا ہے۔ تو وہ گمراہ کا فریوگا کیونکہ حالانکہ تینوں کام حضرت صلعم کے رد ہر  
 بیسے کہ ایک نصاریٰ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم میں نے نذرمانی ہے اس امر کی کہ آپ کے سامنے دت بجاؤں تو حضرت  
 نے فرمایا کہ ہاں بجا اگر تیری نذرمانی ہوتی ہے اُسے بجا یا اور یہ شعر گائے سے طلع البدر علینانہ من ثلثة الوداع نہ وہ  
 فکری علینانہ مادی للہ طاع پس بنی صلعم نے عورت کا گانا دت کے ساتھ سنا اس پر کوئی کہے کہ گانا اور دت منشاء  
 ورنایح دیکھنا حرام ہے تو اس نے یہ کہا کہ بنی صلعم نے حرام کیا اور حرام کا حکم دیا تو جس کے دل میں یہ بات آئی وہ  
 بالاتفاق کافر ہوا۔ اس میں خلاف نہیں کہ نذر حرام کے ساتھ منع نہیں ہوتی لہذا اولہ مذکورہ آیات اور احادیث سے ثبوت  
 دیکھا کہ گانا سننا اور دت بجانا اور ناچنا مباح ہے اور جواز قص میں اس کی تاہید ہوتی ہے جو کہ مسند امام احمد میں حضرت علی  
 یم اللہ وجہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں اور حضرت اور دیگر حضرت رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے  
 وادھون نے زید سے فرمایا کہ تو میرا مولا ہے اس پر انہوں نے مجھ سے کہا اور حضرت سے فرمایا کہ تو میرے خلق اور  
 خلق سے مشابہ ہے اس پر انہوں نے بھی مجھ سے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اس پر میں نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں نے حق اور عام  
 و خاص پر جسکی ایک نئی قص کی جائز ہوئی تو مطلق قص بھی جائز ہو اگر نہ کہہ کہ جائز مجھ سے تسلیم کرتے ہیں مگر اسکی کثرت  
 تم کہانے کالتے ہو اسکا جواب یہ ہے کہ ایک مطلق چیز میں سے جب بعض جائز ہوئے اور باقی کیواسے کوئی مانعت  
 نہیں ہوتی تو وہ سب جائز رہی اسلئے کہ اگر باقی حرام ہوتی تو جناب رسول علیہ السلام پر اسکا اظہار واجب تھا۔ تو  
 اللہ تعالیٰ کے اس قول کے وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس یعنی اے رسول ہم نے تیری طرف ذکر کو اتارا  
 ہے تاکہ لوگوں سے بیان کر دے پس اگر کثرت از کتاب مجھ کی حرام ہوتی تو حضرت صلعم پر اسکا بیان واجب تھا۔

۵۔ اسکہ کہتے ہیں کہ بانوں کو انہا کو دوسرے سے خوشی میں کوٹے۔



در جبکہ حضرت نے تعرض نہ فرمایا تو اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے پس یہ امور جو پہلے ذکر کے قرآن مجید اور حدیث شریف سے تعلق ہیں لیکن جو کہ متعلق منقول سے ہیں وہ یہ ہیں کہ ابو طالب کی نے جو کہ اہل اسلام کے نزدیک محترم شخص ہیں تو یا یہ ہے کہ بعض صحابہ نے مثل امیر معاویہ وغیرہ کے اشارہ کیا ہے خلوت کے وقت کہ اپنا نفس اس وقت خوش ہو اور ہمیشہ سے علمائے اہل ملت سماع کیلئے ہمارے زمانہ تک سوانحیت کی ہے جیسے کہ عبداللہ بن جعفر اور ماددی نے مادوی کہیں ہیں ایک بات لکھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امیر معاویہ کو خبر ہوئی کہ عبداللہ بن جعفر اپنا بہت وقت گانا سننے میں صرف کرتے ہیں تو انہوں نے عمر بن عاص سے کہا کہ اٹھو اُن کے پاس چلو سنے کہ اُن کی بزرگی پر اُن کی ہوا غسانی غالب ہو گئی ہے اور دونوں رات کو اُن کے پاس آئے عبداللہ نے گانے والیوں کو سکوت کا حکم دیا اور ان کو بلا لیا جبکہ امیر معاویہ بیٹھے تو کہا کہ اے عبداللہ ان کو گانے کا حکم دودہ گانے لگیں اور معاویہ تخت پر بیٹھے ہوئے سر اور پاؤں ہلانے لگے! پھر عمر بن عاص بولے کہ تم ان کو روکنے آئے تھے اب وہ تم سے بہتر حالت میں ہیں وہ بولے کہ چپ ہو جاؤ امی عمر و کریم آدمی طرب کر نوا لاہوتا ہے۔ حالانکہ امیر معاویہ بڑے صحابیوں میں سے تھے اور کاتبِ حی رسول صلعم اور اُن کی زوجہ مطہرہ ام حبیبہ کے بہائی تھے اور صحابہ کی پیروی حصولِ ہدایت کا سبب جیسے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب مثل ستارہ کے ہیں جس کے پیروی کر لو گے ہدایت حاصل کر لو گے لہذا جو کوئی اُن کی پیروی سے رُک گیا تو اس نے ہدایت حاصل نہ کی اگر شکر کے کہ اور تقدیرِ صحت اس قدر مراد یہ ہے کہ سوارِ سماع کے اور سب صورتوں میں اُن کی پیروی کرنی چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات نفع نہ دیتی اس واسطے کہ اس صورت میں اُن کی حالت صحابہ کے ساتھ ایسی ہوگی جیسی کہ ابولہب کی جناب رسول علیہ السلام کے ساتھ تھی کہ اُس نے حضرت صلعم سے کہا کہ اے محمد علیہ السلام تم کہتے ہو کہ ہم تمہارے اقوال پر ایمان لائیں اور بخلا تمہارے اقوال کے یہ قول ہے کہ میں ایمان نہیں لاتا پس میں تمہارے اس قول کی تصدیق کرتا ہوں اس پر حضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ تجھ کو نفع نہ دے گا اس واسطے کہ ایمان معتبر وہی ہے۔ جبکہ سب باتوں پر جو رسول علیہ السلام لائے ہیں ایمان لائے درائے بغیر نہ کہ پس یہی حال یہاں ہے کہ صحابہ کے سماع کے مسئلہ میں پیروی کرنی اور باقی امور میں پیروی کرنی نفع نہ دے گی اور نہ ہدایت حاصل ہوگی اگر شکر کہے کہ امام ابو حنیفہ اور شیخ ابوالیمان نے سماع کو حرام کہا ہے اور میں انہیں انگو پیروی کرتا ہوں اس کا جواب یہ ہے کہ اہل لادیم ہے اس کو ماننا اس بات کا کہ امام ابو حنیفہ کی مراد وہ گناہی جو کہ حرام ہے



اگر کسی اور لوہ میں ڈالنے والا ہے۔ نہ کہ مطلق غنا مراد ہے ورنہ اُسکے لئے مخدرات یعنی وہ باتیں جسے خوف کیا جاتا ہے لازم ہو جائیگے ایک اُمین سے کفر یا فسق قطعی ہے اور یا سوا سطرے ہے کہ ہکوتین قسم کی احادیث پہنچی ہیں جنکی تفصیل یہ ہے اول وہ جنکی اصل اور فرع متواتر ہے جیسے کہ حدیث نماز اور رکوع کی کہ انکا منکر کافر ہے دوسرے وہ جو کہ احاد الاصل اور مشہور الفرع ہیں جیسے کہ احادیث مسلم کی کہ انکا منکر فاسق ہے تیسرے وہ کہ احاد الاصل جو جیسے کہ احاد الفرع ہے مثل اس حدیث کے کہ میں اللہ سے ہوں اور مومن مجھے ہیں کہ اسکے منکر پہنچ گناہ نہ ہو اور جو احادیث کہ گانے اور اشعار اور دن کے سننے کے جواز پر مبنی بیان کی ہیں وہ احاد الاصل مشہور الفرع ہیں پس اگر ابن احادیث سے انکار کر لیا تو فاسق ہوگا۔ اور اگر امام ابو حنیفہ کے قول کو بغیر خد صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر ترجیح دیا تو بالاتفاق کافر ہوگا دوسرے محدثوں کے واسطے یہ ہوگا کہ اُسے ترک کیا ایسے قول کو جسکی صحت میں عدالت کی شرط ہے بقا بلایسے قول کے جسکی صحت میں عدالت کی شرط نہیں اور یا سطرے ہے کہ کتب فقہ میں جسے اخذ فقہ ہوتا ہے۔ عدالت کاتب اور عدالت رادی کی شرط نہیں ہے پس جائز ہے کہ کاتب پہلے یا دوسرے نسخہ میں کمی یا بیشی کرے تو ایسے کتب پر یقیناً اعتماد نہیں بخلاف احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ وہ ان صحت روایت میں عدالت کی شرط ہے۔ اور جو کوئی ایسی بات کو اختیار کرے جسکی صحت میں عدالت کی شرط ہو وہ سفید ہو کہ سفید ہو قون) وہی ہے جو اپنے دین اور دنیا کی واسطے جو امر کہ بہتر ہو اختیار کرے اور یہ سفاہت و صفت منافقوں کا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اُنکے حق میں الا انهم هم السفهاء خبردار ہو کہ وہ منافق ہے سفید میں اور منافق دوزخ کے نیچے کے درجہ میں ہونگے لہذا لازم آیا کہ جو کوئی ایسے قول کو جو سوائے بنی علیہ السلام کے کسی دوسرے سے منقول ہے اور اُسکی نقل میں عدالت کی بھی شرط نہیں اختیار کرے اور اُسکا عقیدہ رکھے اور ایسے قول کو ترک کرے جو کہ حضرت بنی علیہ السلام سے منقول ہو اور اُس سے منہ پھیرے تو اُسکا ٹھکانا دوزخ کا نیچا درجہ ہے پس نتیجہ نکلا کہ جو کوئی گانے کو حرام بتائے بنی صلعم کے قول کے سوا دوسرے کے قول سے اور قول اور فعل بنی صلعم کا ترک کرے تو اُسکا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ اور منکر ان سماع اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وماکان صلواتہم عند البیت الامکاء و لصلواتہم یعنی نہیں تھی نماز اُنکے نزدیک کعبہ شریف کے مگر یہی اور تہالی بجانی پس مکاء یہی ہے اور تصدیق یہی ہے کہ دوسری



ماننا ہے جس سے آماجنگے ہم کہتے ہیں کہ یہ استدلال فاسد ہے اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو کعبہ شریف کے پاس ایسے افعال سے روکا اور کسی بات کو ایک حالت محرمہ میں روکنے سے اسکی مانعت اور مقاموں میں جو کہ اس عمل سے جدا ہیں لازم نہیں آتی اور اس واسطے عورت کا پشت دست پر پہیلی کا ماننا نمازیں جبکہ کوئی حادثہ ہو تو جائز ہے اور دوسری جگہ جائز نہیں چونکہ کعبہ شریف منظم اور اسکے گزوطواف محل نماز تھا تو وہاں ایسے فعل سے روکا نیز یہ نماز کہ نہیں تھی نماز انکے کعبہ شریف کے پاس اور یہ نہیں فرمایا کہ انکھاسماع نہیں تھا کعبہ کے پاس لہذا بخ تصدیق سے کعبہ شریف کے پاس اسکی مانعت اور جبکہ لازم نہیں آتی اور مانعاں سماع میں آیت سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن الناس من يشترى ليعوا الحديث يعني بعض لوگ ایسے ہیں جو کہ کہیل کی بات کی خریدار ہیں اور کہیل کی بات یہی گانا ہے ہم جواب دیتے ہیں کہ لہو الحدیث سے کہیل ہی مفہوم ہے اور حق گوئی کا سننا جائز ہے برابر ہے کہ وہ حق الحدیث قرآن مجید ہو یا شعر وغیرہ ہوں اور ہم نے صحیح حدیثیں جو کہ جواز سماع دت اور غنا پر دلالت کرتے ہیں بیان کر دیں اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ بعض شعرے حکمت ہے پس اس آیت سے یہ امر ثابت ہوا کہ لہو الحدیث سے مراد وہی سماع ہے جو کہ گمراہ کر نوالا اور حق اور عبادت سے مشغول کر نوالا اور بندہ کو حق سے دور کر نوالا ہوا جو ایسا نہ وہ اپنی اباحت پر مبنی ہے عادیہ بات بھی ہے کہ جب کوئی ایسی شعر وارد ہو جو کہ عموم کو قبول کرتی ہے تو واجب ہے اول اسکا مخصوص ڈھونڈ لیا جائے اگر مخصوص مل جائے تو تخصیص ہوگی ورنہ عموم پر حمل کیا جائیگا اسکی مثال یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اخوانی وجوہ الملاحین المتراہ یعنی ملاح کر نیوالوں کے منہ میں مٹی ڈالو پھر یہ بھی آیا ہے کہ حضرت صلعم کی بیچ کی گئی تو آپ اس کے عیوض میں انعام دیا اور تعریف فرمائی کعب ابن زہیر فی یہ قصیدہ پڑھا بابت سعاد و قلوب الیوم مبتول ہر نبی صلعم نے اپنی چادر مبارک انکو عطا فرمائی پس واجب ہوا کہ حمل کیا جائے حضرت کے مٹی ڈالنے کے حکم کو ایسے بیچ کر نیوالوں کی نسبت جو کہ جو نہت اور نسق کے نساق کی واسطے بیچ کرتے ہیں لہذا واجب ہے کہ لہو الحدیث بھی جھوٹ اور بیہودہ شعر اور گانا مراد لیا جائے اور جو ایسا نہ ہو تو وہ قطعاً جائز ہے اگر منکر کہے کہ سماع فقر اس طرح ہے ہم کہیں گے کہ کسی کے واسطے یہ حلال نہیں کہ شرع میں کسی چیز کو حلال یا حرام کرے جسکی بابت کہ شارع علیہ السلام نے کوئی حکم ندیا ہو اسلئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام ظاہر ہے اور اسکے بیچ میں مشتبہ امور ہیں۔



اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تقولوا لما تصفوا لکم الذباب هذا حلال وهذا حرام لتفتروا علی اللہ اللہ  
 اور نہ کہو اپنی زبانوں کی جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو پس جو یہ  
 کہے کہ گناہنا حرام ہے تو اُس نے فی الحقیقت اُس امر کو شرع میں حرام کیا جس کی بابت کوئی حکم نہیں  
 لیونکہ کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نص تحریم سماع و رقص پر نہیں اور جو کوئی شرع  
 میں اس چیز کو حرام کرے جو کہ حرام نہیں ہے تو اُس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی  
 جھوٹ باندھا تو وہ بالاحتماع کافر ہوا نیز عوام کا سماع اور رقص مشابہ اُس سماع و رقص کے ہے جو حبشیوں کا حضرت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوا اور اُس کے مبلع ہونے میں عوام کے واسطے خلاف نہیں نیز ان کی حرکتیں سماع و  
 مشابہ ان کی خوشیوں کے باغوں میں ہیں اور اُس کے مبلع ہونے میں کوئی خلاف نہیں اسی طرح سے ان کی حرکت  
 سماع میں بھی مباح ہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ من تشبه بقوم فهو منهم یعنی جس نے کسی قوم جیسی اپنی  
 صورت بنائی تو وہ انہیں سے ہے اور خالص اصحاب حق مثل بعض صحابہؓ اور اولیاء اللہ تعالیٰ مثل عبید  
 رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی سماع میں ہتی تھی جیسا کہ کتب رقائق میں کثرتاً منقول ہے پس اگر ایک عامی بھی ان کی  
 صورت بنانے کیلئے حرکت کرے اُس حال میں کہ ان کی برکات کا طالب ہے تو وہ بھی انہیں سے ہوگا اور حدیث  
 میں ہے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ سبب ان کے انکا ہم نشین شقی ہوگا اگر نہ کرے کہ کوئی شخص انسان کی محبت  
 یا انسان کی صورت پر وجد کر لگا تو حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قسم ہے اس ذات  
 پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ہرگز حبشت میں داخل نہ ہوگی جب تک کہ ایمان نہ لاؤ گے اور ہرگز ایمان  
 نہ لاؤ گے جب تک کہ باہم محبت نہ کرو گے کیا میں تم کو نہ بتاؤں وہ بات کہ جب اُسکا عمل کرو گے تو باہم محبت ہو جاؤ گے  
 یہ ہے کہ آپس میں سلام کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ہدیہ دو نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن  
 اللہ تعالیٰ فرمایا گا کہ کہاں ہیں باہم محبت کرنے والے میرے جلال کی واسطے پرائے واسطے نور کے منبر لگائے جائیگے  
 پھر کہ انہی اور شہداء علیہم السلام ترک کرینگے پس اگر وہ شخص آپس میں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کریں  
 اور ایک انہیں سے دوسرے کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے واسطے حرکت کرے تو یہ مباح ہوگا جبکہ باطل کے  
 ساتھ نہ مانا گیا ہو اگر نہ کرے کہ عامی حرکت نہیں کرتا مگر باطل طور پر یا کیل سے اور یہ حرام ہے اُسکا جواب



یہ ہے کہ حدیث میں ہے جب تیرے بھائی سے کوئی بات ظاہر ہو اور اسکا حمل اچھے معنی پر ہو سکتا ہو تو اسکا حمل بُرے معنی پر نہ کر س جس جیکہ ہم مومن موجد کو خواہ عامی ہو یا غیر عامی سماع میں حرکت کرتے ہوئے دیکھیں اور وہ باطل کے ساتھ بنانا گیا ہو واجب ہے کہ اس کے فعل کو حق پر حمل کریں پس اگر اس کے ساتھ وہی گمان کیا گیا ہے جیسا کہ ہم نے کہا تو وہی ہے ورنہ اس کے اعتقاد کا کام تو اللہ تعالیٰ کی سپرکا نہ اسکی طرف دیکھنے والے کے اگر معترض کہے کہ بغیر جہانج کے دف کا بنانا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جائز ہے کیونکہ عرب کا دف ایسا ہی تھا مگر جہانج کے ساتھ دف بنانا ہم تسلیم نہیں کرتے اسکا جواب یہ ہے کہ اسکی بابت کوئی حکم حرمت یا کراہت کا نہیں آیا ہے اس واسطے مباح ہے پس اگر ملا دیا جائے کلام استماع جو سنا جائے ایک مباح کے ساتھ جو سنا گیا ہے تو سب مباح ہو جائیگا مگر اسوقت نہوگا جبکہ کوئی قرینہ اسکی جمع کی منع پر ساتھ تحریم کے دلالت کرے جیسے کہ دو بہنوں کے ساتھ نکل جانا کہ ہر ایک سے جدا جدا جائز ہے اور دونوں میں جمع کرنا حرام ہے لیکن قصب ناری اس کے بارہ میں کوئی حکم نہیں اسلئے وہ اپنی بابت پر باقی ہے مگر حرار (بالسری) حرام ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اسکی آواز کو حضرت صلعم نے سنا اور کانوں کو بند کر لیا نیز جو شخص کہ گانا اور رقص اور دف بجانے کا منکر ہے اسکو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑائی بالاتفاق کفر ہے اور یہ اس طرح ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کے ساتھ دشمنی کی تو وہ میری لڑائی کے واسطے میدان میں نکلا اور امت محمدیہ صلعم میں اس امر پر اتفاق ہے کہ اس امت میں اولیاء ہیں اور سب طرف کے مسلمانوں نے صحت ولایت حضرات جنیدؒ اور شبلیؒ اور معروفؒ کرخی اور عبد اللہ بن جیف وغیرہم پر اتفاق کیا ہے ان اولیاء وغیرہم میں سے جتنا رسالہ نقشبندی میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی ان کے نزدیک ان صاحبوں کے عادات و محالات میں ثابت ہوا ہے کہ وہ گانے میں وجد کرتے تھے اور رقص کرتے تھے واسطے ترک ماسوی اللہ کے اپنے قلوب سے پس جو کوئی سماع کو مطلقاً حرام کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے کہ یہ حضرات حرام کے مرتکب ہوئے اور مہینے ان کو حرام اور مباشرت فعل حرام سے منسوب کیا



تو اس نے از روئے قول و اعتقاد کے اون سے دشمنی کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے میدان میں آیا اور جو اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے نکلا وہ بالاتفاق کافر ہوا پس تحقیق اللہ تعالیٰ کے غضب کو کمال لایا اور ٹھکانا اس کا دوزخ ہوا اور وہ بُری باز گشت ہے پس جبکہ اون تقریرات اور دلائل اور احادیث سے جنکو ہم نے بیان کیا ثابت ہو گیا کہ سماع علقۃً مباح ہے اور اسکا سنکر یا کافر یا فاشی ہے اور وہ مریدوں کے واسطے مستحب اور اولیاءِ خدا تعالیٰ کے لئے بہ نسبت اون کے مقامات کے واجب ہے کیونکہ وہ حضرات مجرد ہیں اوس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے طرف اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ چاہتے ہیں اسکی وجہ کو اور جبکہ وہ کوئی بات ظاہری صورتوں میں سے پاتے ہیں تو اسکو معانی غیبیہ پر حمل کرتے ہیں جیسے کہ جناب رسول علیہ السلام نے اسید بن حضیر کے بارہ میں فرمایا انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شب گذشتہ کو سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں میرے سر پر ایسا بادل چھایا کہیں ہر مانع تھے حضرت نے فرمایا کہ وہ سکینہ تھی تو اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ صورتوں کو معانی پر حمل کرتے ہیں بوجہ اون کے مراتب صورت کی ترتیب کے اور مراتب معانی میں اون کے سیر کے پس دف اون کے نزدیک اشارہ ہے طرف دائرہ اکوان کی اور جو پھٹی اسپر چڑھی ہوئی ہے وہ اشارہ ہے طرف وجود مطلق کی اور ضرب جو دف پر پڑتی ہے اُس میں اشارہ ہے طرف ورود و ادرات الہیہ کے باطن بطوں سے طرف وجود مطلق کی واسطے تحویل اشیاء کے باطن سے ظاہر کی طرف اور پانچ جلاجل سے اشارہ ہے طرف مراتب نبوت اور مراتب ولایت اور مراتب رسالت اور مراتب خلافت اور مراتب امامت کی اور اوسکی آواز سے اشارہ ہے طرف تجلیات الہیہ اور علم الہی کے ان مراتب کے واسطے اولیاء اور اہل کمال کے قلوب میں اور نفس مغنی سے اشارہ ہے طرف عطیات حق تعالیٰ کی جیسا کہ وہ اشیاء کا محرک اور موجد اور مغنی ہے اور آواز مغنی سے اشارہ ہے طرف حق وارد کی اس کی طرف سے باطن بطوں میں اور اشارہ ہے طرف مراتب ارواح اور قلوب کی جو کہ اسرار ہیں اور مقصب سے اشارہ ہے طرف ذات انسانہ کی اور نوسو باخوں سے



اشارہ ہے طرف متاخذ ظاہری انسان کی اور وہ نہیں دو آنکھیں اور دو کان اور دو سوراخ  
 ناک کے اور منہ اور قبل اور دہر اور نو سوراخ اور مقلوب قلب اور عقل اور روح اور  
 نفس اور بستر اور جوہر انسانی اور لطیفہ زاکیہ اور قواد اور شفاف ہیں اور جو پھونک کہ  
 قلب میں جاتی ہے آسمیں اشارہ ہے طرف نفاذ نور اللہ تعالیٰ کے قصب ذات انسان میں  
 پس اون کا ہلنا گانے میں اشارہ ہے طرف یاد کرنے طیر حقیقت انسانہ کی مقام خطاب ازلی  
 میں اس وقت جبکہ است بر یکم فرمایا تھا اور وہ مضطر ہوئے بستر کو قصص جسم کے کھینچنے اور اس کے  
 وطن حقیقی کی طرف پھرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ فرمایا وطن کی محبت ایمان ہے یعنی  
 وطن ارواح کی جہاں سے کہ روح کو ایجاد کیا گیا جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے و نخلق نیہ  
 نوحی یعنی پھونک دی اس میں میں نے اپنی روح سے اور نقص اشارہ ہے طرف  
 جولان روح کی گرد دائرہ موجودات کے واسطے قبول کرنے تجلیات اور تشرلات کے  
 اور یہ عارف کا حال ہے اور فعل اشارہ ہے طرف وقوف روح کی اور اس کے بستر اور  
 اس کے وجود کی اور اس کی جولان نظر اور سکر کی اور اس کے نفوذ کے مراتب موجودات  
 میں اور یہ محقق کا حال ہے پس اس کا کو دنا اوپر کی طرف اشارہ ہے اس کے کھینچنے  
 انسانی سے طرف مقام احدی کے اور کائنات کے واسطے آثار روحانیہ کے حاصل  
 کے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی امداد کے پس جبکہ اس کی روح حجاب سے نکلتی ہے  
 مراتب صواب تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنا سر کھول دیتا ہے پھر جبکہ ہر چیز سے جو سوا  
 اللہ تعالیٰ کے ہے مجرد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متصل ہو جاتا ہے تو اپ  
 پڑے آثار دیتا ہے پھر اگر گانے والا بھی صاحب حال اور مقام ہے تو وہ اپنے کپڑے  
 زینت پہنک دیتا ہے اور اگر اس درجہ کا نہیں ہے تو اس کی طرف پھینکنا ظلم ہے اس لئے  
 کہ صاحب حال کے کپڑے اس کے حال کی صورت ہیں اور اس کے حال کے قبول کا  
 وہی مستحق ہے جو کہ اس کے رتبہ کا ہو پھر اگر محقق مقام علوی پر چڑھ گیا اور گانے والا مقام



شکل میں گارہا ہے تو وہ ایک شعر مناسب اپنے حال کے اسکو افتاء کرتا ہے پھر اگر آپہ  
 شکل ہو جائے اُس کو تھپے چھوڑتا ہے اور اُس کا حال اُسپر بٹھیر جاتا ہے تو دوسرا لیلیٰ ہے  
 اور اوس کے ساتھ حال کرتا ہے تاکہ اُس کا حال اُس کے حال کے ساتھ جمع ہو جائے  
 اور اُس کا عقدہ حل ہو جائے پھر اگر وہ پیاسا ہو جائے اور پانی پینا چاہے تو یہ اس امر  
 کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا اس لئے کہ مقام روح مقام صفا ہے اور اوس کی غذا انوار  
 سے ہوتی ہے پس جب پیاسا ہوگا تو دلیل اسکی ہوگی کہ وہ مقام جسد کی طرف واپس آیا  
 اور مقام روح کا اور حال روح کا غیب کے ساتھ غذا حاصل کرنی ہے اور اوسکو ظاہر کی  
 احتیاج نہیں اور مقام جسد صورت کے ساتھ غذا حاصل کرنا ہے تو جب غیب سے شہادت  
 کی طرف رجوع کرے گا پانی مانگے گا اور یہ اوس کے نقصان کی دلیل ہے اور لیکن  
 معنی مقول شرف سماع پر دلالت کرنے والا پس وجود اوس کا دلالت کرتا ہے اس امر پر  
 کہ احوال لاحقہ دو قسم کے ہیں حرکت اور سکون پس حرکت صفت ارواح اور اسرار کی ہے  
 اور سکون صفت اجساد اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور لطیف ہونا حرکت کے لازم میں  
 سے ہے اور شبکی بجاؤں اور بدناسکون کے لازم میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب پانی طوز  
 میں ٹھہرا رہتا ہے اگرچہ کثرت سے ہو بعد گزرنے زلنے کے اُس کی حالت پلٹ جاتی ہے  
 اور اگر تھوڑا سا بھی جاری ہو تو نہیں بدلتی پس اسی طرح جب کہ آواز موجود باطن میں اثر کرتی  
 ہے تو روح کو بلندی پر چڑھنے کی خواہش کے لئے حرکت دیتی ہے پس یہ بھی روح کی  
 حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تب اوس کے وجود میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اوسکو وجہ  
 فغلہ گھبراتے ہیں اور اُس کے قلب میں آثار شہودہ ظاہر ہو جاتے ہیں دوم یہ کہ وہ غذا جو  
 محسوس ہوتی ہے بدن کو قوی کرتی ہے اور اُسکا حصول غذا کے استعمال سے ہے اور غذا روح کے قلب اور  
 سر کو قوی کرتی ہے اور یہ استعمال سے ایسے آلات کے ہوتا ہے جو کہ نور و حیات کے عالم غیب سے اتار لے کے ہیں اور وہ ہی  
 ترکیب روح کی اور اشعار رقیقہ سے معانی طریبہ کا سُنا اور تعلقات کو نیہ کا ترک کرنا اور روحانی متنوں کی پڑ

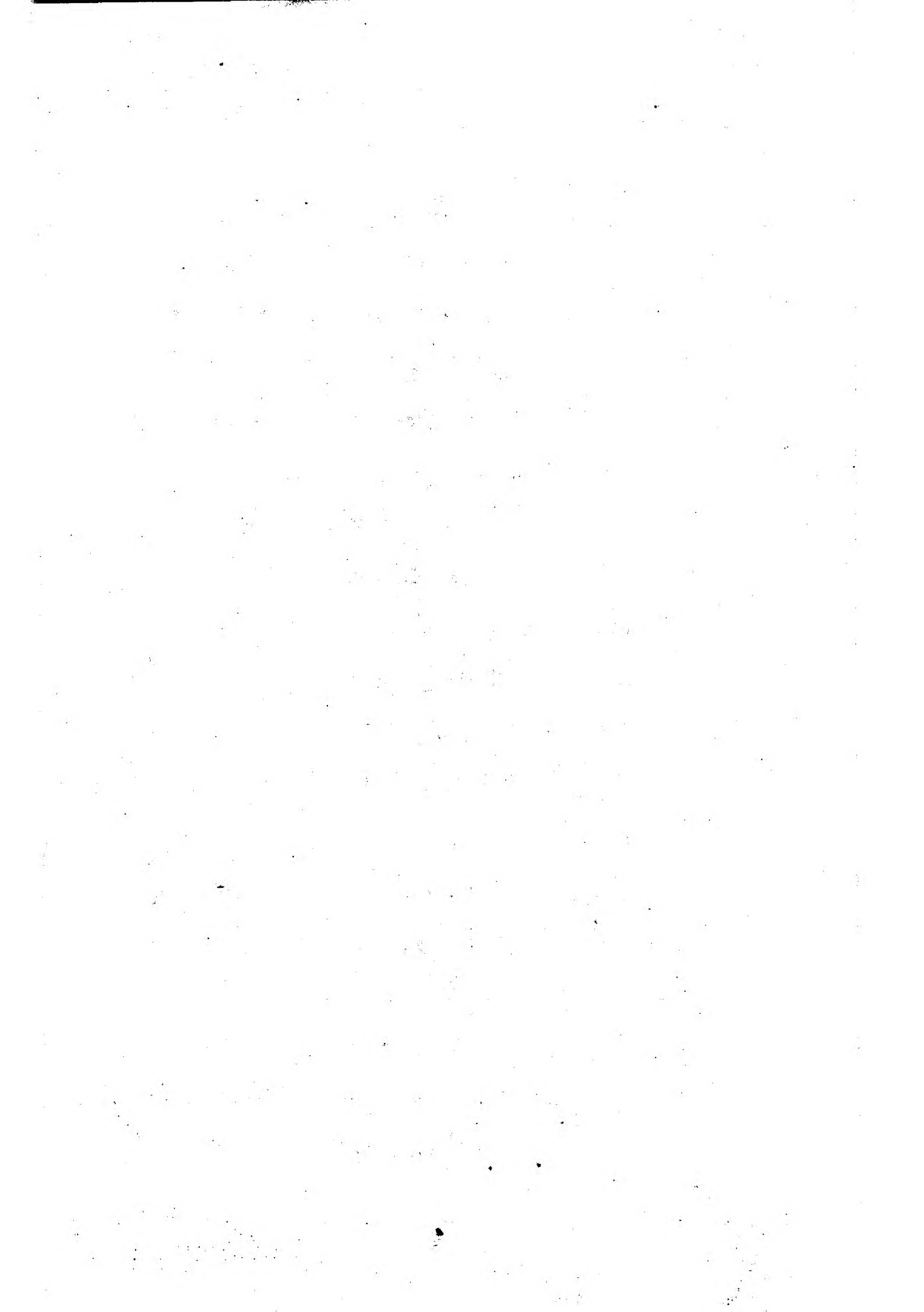


لچینما ہے اور ان امور کے حاضر ہونے کا آلہ اجتماع اخوان اور طلب مدد اللہ جلّٰں سے ہے سوم یہ کہ سماع آدمی کو امور ظاہرہ سے مجرّد کرتا ہے اور انوار اور اسرار باطنہ کے قبول کے واسطے آمادہ کرتا ہے پھر جتنا کہ اوس کا وجد سماع میں زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اُس کے سیر اور طیر عالم ارواح میں زیادہ ہوتی ہے اور جب کثرت سے اُس کی زیادتی ہو جاتی ہے تو اُس کا قلب فریق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آثار فیض اور تجلیات میں سے پھونچ جاتے ہیں تو اُس کو مقام وصول بغیر ریاضت اور جذبہ کے حاصل ہو جاتا ہے چہاں یہ کہ آواز ظاہر سے باطن میں نفوذ کرنے والی ہے اور قلب سے متصل ہو جاتی ہے پھر قلب اور روح بواسطہ اختلاف نغموں کے اور متعدد ہونے ان معانی کے جو روح پر وارد ہوتے ہیں مرات وجود سے منتقل ہو جاتے ہیں اور قلب جسد کو روح کے پیچھے لگا دیتا ہے حرکت میں پھر وہ توہمات سے متجرد ہو جاتا ہے پھر قوائے جسدیہ میں وہ معانی منفصلہ جو کہ روح میر ہیں نفوذ کرتے ہیں پھر جسد مقام روح تک کھینچتا ہے اور پردہ اٹھ جاتا ہے پھر ان معانی اور حقائق کو ایک ہی دفعہ شاہدہ کر لیتا ہے اور یہ مقام کمال عیانی ہے جو کہ بہت قسم کی ریاضتوں سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ پنجم یہ کہ سماع باطن میں سکون اور ظاہر میں حرکت ہے اور اوس کے سوا سب عبادات سوائے روزہ کے ظاہر میں حرکت ہیں اور حرکت ظاہرہ کثرت سے متناسب ہوتی ہے پس بقدر حرکت سماع میں زیادہ ہوگی اوس بقدر سکون قلب میں زیادہ ہوگا۔ چھم وہ قلب اُس چیز سے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے مجرّد ہوگا اور اسیں وجد پیدا ہوگا اور مقام احدی کی طرف کھینچا تو وہ نظر شوق سے اللہ تعالیٰ کے لیے عالموں کو دیکھیگا جن کا کائناتیں اور سمجھیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور لیکن یہ تین ارکان نماز اور حج اور شہادت دکنہ طیبہ اگرچہ ظاہر میں حرکت ہیں لیکن دو حرکتوں میں کبھی ایک سکون روحی و حسی ظاہر ہوتا ہے جو کہ اوس کے صاحب کو فنا اور بقا کی طرف قوت اور مدد دیتا ہے اور لیکن روزہ ظاہر اور باطن سکون ہے اور دو سکونوں میں سے ایک حرکت اللہ سے اور ساتھ اللہ کے اور واسطے اللہ کے



پیدا ہوتی ہے اور یہی اطلاق تام اور حکم عام ہے پھر حیکہ یہ سماع منتشر ہوا اور اس کے مراتب مثل حقایق ارکان پر ہیں مثل نماز اور حج کے اور دونوں شہادتیں اس کے مراتب ظاہر میں سے ہیں اور روزہ اور زکوٰۃ اسکے باطن کی طرف سے ہیں تو انسان کو سماع میں وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اور عبادات کے مواظبت سے حاصل نہیں ہو سکتے ششم یہ کہ سماع مثل احوال کمالیہ پر ہے جو کہ اس میں نہایات مقامات ہیں باور سین سماع اشارہ کرتا ہے طرف سم کی یعنی بحید سماع کا مثل زہر کے ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی تعلقات غریبہ سے مر جاتا ہے اور وہ اس کو مقامات غیبیہ تک پہنچا دیتا ہے اور اکامیم اور عین اشارہ کرتا ہے معیت ذاتیہ الکیہ کی طرف جیسے کہ فرمایا حضرت علیہ السلام نے کہ میرے واسطے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت ہے اور اس کے سین اور سم اور الف مشعر ہیں اس امر کے کہ صاحب سماع علوی ہو جاتا ہے اور مراتب سفلیہ سے کھجالتا ہے اور اس کے الف اور سم اشارہ کرتے ہیں طرف اتم کی تاکہ جانا جائے کہ صاحب سماع اصل ہر چیز کی ہے پس وہ غیب سے بہ سبب اپنی روحانیت کے مدد لیتا ہے اور دوسروں کو مراتب موجودات میں سے اس سے فیض پہنچاتا ہے اور علم جو اس کی طرف اشارہ کریگا ہے کلمہ ماہی اور سم اس کی اشارہ کرتی ہیں طرف غم کی یعنی صاحب سماع بسبب اپنی روحانیت کے علویات اور سبب حیات قلب کے سفلیات اور اسکے سوا اور مراتب غیبیہ پر مثل ہے پس تحقیق کہ صاحب سماع ان مقامات الکیہ تک پہنچتا ہے جہاں تک کہ ہر اور اجتہاد اور کامل تر ریاضتوں سے نہ پہنچتا اور سطح سماع کے فوائد انتہائے فائدہ تک پہنچتے ہیں جبکہ صاحب ذوق اور شہود پاتا ہے اور سم اس کتاب کو اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کرتے ہیں اور بگو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پہنچی ہے کہ فرمایا میں کسی امر کا حکم دوں تو اس کو جہاں تک ہو سکے بجا لاؤ و صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ اللہ علیہ یا اللہ یا رحمن یا حی یا قیوم الحمد للہ تعالیٰ کہ ترجمہ لوارق السماع مصنفہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تمام ہوا۔ نقطہ۔







أمر وتوجيه كتاب

آدابُ الاخلاق

يعني

اخلاق محمد<sup>ص</sup> محمد<sup>ص</sup>

مصنفه

جناب امام بهرام حجة الاسلام امام محمد الغزالي رحمه الله عليه



# آداب الاخلاق

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
۳۴	ساتواں بیان آنحضرتؐ کا قدرت کے باوجود مجرموں کے قصور معاف کرنے کا بیان	۱	آغاز کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و معجزات
۳۷	آٹھواں بیان آنحضرتؐ بری باتوں کو دیکھ کر چشم پوشی بھی فرماتے تھے۔	۳	پہلا بیان اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو آداب قرآنی سے مودب فرمایا
۳۹	نواں بیان آنحضرتؐ کے جو دو سخاوت کا بیان	۹	دوسرا بیان آنحضرتؐ کے ان اخلاق حمیدہ کا ذکر جو علمائے حدیث کی کتب میں منتخب ہے
۴۱	دسواں بیان آنحضرتؐ کی شجاعت کا بیان	۱۶	تیسرا بیان آنحضرتؐ کے ان اخلاق و آداب کا ذکر جو حضرت ابو بکر صری نے روایت کیے
۴۲	گیارہواں بیان آنحضرتؐ کی تواضع کا ذکر	۲۰	چوتھا بیان آنحضرتؐ کی گفتگو اور خندہ کا ذکر
۴۴	بارہواں بیان آنحضرتؐ کے حبیبہ مبارک کا ذکر	۲۴	پانچواں بیان آنحضرتؐ کے کھانا کھانے کے آداب کا ذکر
۴۷	تیرہواں بیان آنحضرتؐ کے ان معجزات کا ذکر جن سے حضورؐ کی صداقت معلوم ہوتی ہے۔	۳۰	چھٹا بیان آنحضرتؐ کے آداب اخلاق برائے لباس



۱  
اُردو تنہا کتاب

# آداب و اخلاق

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و معجزات

جانتا چاہیے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں۔ اور اعضاء ظاہری کی حرکتیں دلی خیالات کا ثمرہ ہوا کرتی ہیں۔ اور ظاہری اعمال باطنی اخلاق کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور اخلاق و آداب انجام معرفت ہیں۔ اور اسرار باطنی اعمال و افعال کے منبع ہیں۔ باطنی نور سے ہی اصل ظاہری زینت و زیبائش حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کی برکت سے ظاہری برائیاں خوبوں سے بدل جاتی ہیں۔ جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضاء سے بھی خوف خدا معلوم نہیں ہوتا۔ جس کا سببہ الوار الہی سے متور نہیں ہوتا۔ اس کے ظاہری اعضاء پر بھی اخلاق و آداب نبوی کی چمک نظر نہیں آتی۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ معاملات کے اختتام پر ایک باب تمام آداب زندگی کے بیان میں لکھ دوں۔ لیکن جب میں نے سوچا کہ جلد اول و دوم کے ہر باب میں تھوڑے تھوڑے آداب مذکور ہیں۔ سو اگر ان کو دوبارہ لکھا جاوے تو مضمون مکرر ہونے کے باعث ناظرین کی طبائع پر گماں معلوم ہوگا۔ اس لئے تمام آداب زندگی ذکر نہیں کئے گئے۔ بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے وہ اخلاق کریمہ ذکر کئے گئے ہیں۔ جو صحیح اسناد کے ساتھ



روایت کئے گئے ہیں۔ لیکن اسناد کو بوجہ طوالت ترک کر دیا گیا ہے۔ اخلاق نبویؐ کو یکجا جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جناب سرور کا ثنابت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حمیدہ معلوم کر کے انسان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہو جاوے۔ کیونکہ حضور کی ایک عادت شریف ایسی ہے کہ جس سے قطعی طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ تمام مخلوقات سے برگزیدہ انسان ہیں۔ جب ایک عادت شریف کا یہ حال ہے۔ تو جس صورت میں تمام اخلاق حسنہ حضور کی ذات اقدس میں جمع ہوں۔ اس صورت میں کیونکہ آپ بہترین خلائق نہ ہوں گے۔

اخلاق کے بعد آپ کے وہ معجزات ذکر کرونگا۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ تاکہ اخلاق حسنہ کا بیان مکمل ہو جاوے۔ اور انکروں کا پروردہ غفلت دور ہو جاوے۔ قلم لے لے سے التجا ہے کہ وہ ہمیں تمام اخلاق و عادات اہتمام امور دینی میں حضور سرالہ نورؐ کے اتباع کی توفیق عطا فرماوے۔ وہی تحریروں کا رہنما اور بے قرار سائلوں کی دعا میں قبول فرمانے والا ہے۔

گو اخلاق نبویؐ کا ایک ندیا سے ناپید اکتار ہے۔ لیکن تاہم ہم اسکو تیرہ بیانوں میں تحریر کریں گے۔

## بہ سلا بیان

اس امر میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
اللہ تعالیٰ نے آداب قرآنی سے مژدہ فرمایا

جناب رسالتآب صلی اللہ علیہ وسلم باگاہ الہی میں بیحد گریہ و زاری فرما کر  
یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْسِنْ خَلْقِي وَخَلْقِيْ بِعَنِّيْ خَدَا يَا مَبْرِ اَظَاہِر وَاٰطَن  
اس روایت کیا اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعودؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے لیکن ان



اچھا کر دے۔ نیز یہ دعا بھی کیا کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مُتَكَبِّرًا مِّنَ الْاَخْلَاقِ  
یعنی اے اللہ مجھے بڑی عادتوں سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ دعائیں  
قبول فرمائیں۔ لہذا اپنے اس وعدہ کو پورا کیا۔ اَلْعُوْنِيْ دَا سَتَكْمِيْتُ لَكَ كُمْ یَعْنِ  
”گو کہ تم مجھ سے دعا مانگوں میں تمہاری دعا قبول کرونگا۔“ چنانچہ آپ پر قرآن مجید نازل  
فرما کر اس کے ذریعے آپ کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی۔ اسی لئے حضور پر نور صلی اللہ  
علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تمام قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعد بن ہشام سے  
روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور ان سے حضور  
الور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا حال دریافت کیا تو انہوں نے مجھ  
سے فرمایا کہ کیا تو قرآن مجید پڑھتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں پڑھتا ہوں۔  
حضرت عائشہ نے فرمایا کہ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق بعینہ قرآن مجید تھا۔  
حسب ذیل آیات قرآنی میں حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق و آداب کی  
تعلیم دی گئی ہے:- خُذِ الْعَفْوَ

وَاَعْفُ الْعُفُوَّ وَآمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ  
یعنی اسے پیغمبر لوگوں کے قصور و معاف کر دیا کرو۔ ان کو نیکی کی ہدایت کیا کرو۔ اور  
جائزوں سے کنارہ کش رہو۔

(۲) اِنَّ اَمْرًا بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَانْتِظَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ  
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان  
اور دشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بی حیائی، بڑائی اور سرکشی سے  
منع فرماتا ہے۔

(۳) اِحْبِبْ عَلٰی مَا اَمَّا بَكَ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزَمِ الْمَوْعِدِ  
یعنی اسے پیار سے جیسے جو تکالیف و مصائب آپ کو پہنچیں۔ آپ ان کو صبر و  
رتبیہ (صفحہ ۲) کے افکاروں میں اللہ تعالیٰ آخستہ خلقی فَاخْبِرْ خَلْقِیْ اَللّٰہِ لَوْنِ  
مجھے خوبصورت بنایا ہے۔ خوبصورت بھی بنا۔

لہذا روایت کیا اس حدیث کو ترمذی اور عاکم نے حضرت ثعلبہ سے۔



استقلال سے برواشت فرمائیے۔ کیونکہ ہمت کا کام ہی ہے۔  
 (۴) لَمْ يَصْبِرْ وَ عَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَشْرِ الْأَمْثَلِ  
 یعنی جو شخص صبر و معافی اختیار کرے۔ وہ بہترین انسان ہے کیونکہ صبر و معافی واقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) فَاَعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ  
 اے پیغمبر آپ ان لوگوں کا قصور و معاف فرما دیجئے۔ اور ان سے درگزر کیجئے بیشک خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

(۶) وَالْيَعْفُو وَالْيَصْفَحُ أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ  
 ان لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معاف اور درگزر کرو یا کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

(۷) إِذْ فَعَّمَا تِلْكَ فِي أَحْسَنِ فَذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ  
 گائے و لی حَمِیْلٌ  
 یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اچھا جواب دیا کریں۔ اس سے آپ کے دشمن ایسے بن جاویں گے جیسے کوئی بچا دوست ہوتا ہے۔  
 (۸) الْكَافِرِينَ الْغَيْظُ وَالْعَاصِفِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ  
 یعنی اللہ کے بندے غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے قصور و معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

(۹) اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا  
 یعنی زیادہ گمانی مت کیا کرو۔ کیونکہ بعض گمانی گناہ ہوتی ہے۔ اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

جنگ اُحد میں جب حضور اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہو ہوئے۔ اہل آپ کے سر مبارک پر سخت چوٹ آئی۔ تو حضور کے چہرہ الورہ پر خون بہنا چاہتا۔ اور آپ خون کو پونچھتے جاتے۔ اور فرماتے جاتے کہ ان لوگوں کا کیونکہ بھلا ہوگا۔ جنہوں نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلودہ کیا۔ حالانکہ وہ نبی ان کو سیدھی



راہ بتلاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی :-  
 (۱۰) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبُهُمْ  
 فَلَا تَهْتَدِ ظَالِمُونَ ط اسے پیغمبر آپ کو کچھ اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ خواہ ان کو توبہ  
 کی توفیق عطا کر دے خواہ انہیں عذاب کرے کہ وہ ظالم ہیں +  
 اسی طرح قرآن مجید کا مقصد اولین ہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 آداب و اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر تمام مخلوقات کو آپ کے ذریعے ادب و تہذیب  
 سکھائی جاوے۔ اسی لئے حضورؐ نے فرمایا ہے کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے  
 لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کو اخلاق حسنہ  
 میں سے اُن امور کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم باب ریاضت نفس اور تہذیب خلق  
 جلد ثالث میں کریں گے۔ اس لئے ان امور کو یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس  
 نہیں ہوئی +

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اخلاق حسنہ میں کامل و مکمل فرما دیا۔ تو تعریف و  
 توصیف کے طور پر فرمایا۔ وَاتْلُ لَكُمْ كَلِمَاتٍ خُلِقَ عَظِيمٌ یعنی اے  
 ہمارے حبیب آپ اعلیٰ درجہ کے خوش اخلاق ہیں۔ سبحان اللہ خدائے تعالیٰ کا  
 کس قدر فضل و کرم ہے کہ خود ہی اپنے پیارے حبیب کی تعریف فرماتا ہے۔ کہ  
 اے پیغمبر آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے تمام دنیا کو تعلیم  
 دیتے ہوئے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کو اچھے اخلاق پسند ہیں۔ اور بُرے اخلاق ناپسند  
 حضرت علی کریم اللہ وجہ فرماتے ہیں کہ انسوس ہے اس مسلمان پر جس کے پاس  
 کوئی دوسرا مسلمان کسی حاجت کے لئے آوے اور وہ اس کی کچھ بھلائی بھی نہ کرے  
 اگر اس کو ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر نہ بھی ہو تو بھی اس کو یہ تو لازم ہے کہ اخلاق  
 حسنہ سے پیش آوے۔ کیونکہ اخلاق حسنہ ہی سے نجات حاصل ہوتی ہے کسی شخص

۱۔ روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور حاکم امام بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے +

۲۔ روایت کیا اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے +



شخص نے حضرت علیؑ سے عرض کیا کہ یہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے کیا یہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں میں نے حضور سے علاوہ اس کے ایک اور بات بھی سنی ہے۔ جو اس سے بھی بہتر ہے۔ وہ یہ کہ جب حضورؐ پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبیلہ بنی ہلی کے قیدی گرفتار ہو کر آئے۔ تو ان میں ایک لڑکی بھی تھی۔ اس نے حضور سے عرض کیا کہ اگر آپ صحت سمجھیں تو مجھے رافقہ دیں تاکہ قبائل عرب کو مجھ پر ہنسی کا موقع نہ مل سکے۔ کیونکہ میں اپنی قوم کے سرواڑ کی لڑکی ہوں۔ میرے والد ماجد کا یہ شبوہ تھا کہ وہ اپنی قوم کی حمایت کیا کرتا تھا۔ قیدیوں کو رہا کروا کرتا تھا۔ بھوکوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا۔ اور لوگوں سے بکثرت سلام کیا کرتا تھا۔ انہوں نے کبھی کسی حاجتمند کو یا بس نہیں پھیرا۔ یعنی میں عالم طائی کی بیٹی ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیٹی! یہ تو عادتیں ایما تباروں کی ہیں۔ اگر تیرے باپ مسلمان ہوتا۔ تو ان عادات کی بنا پر ہم اس پر درود و سلام بھیجتے۔ یہ فرا کر حکم دیا کہ اس لڑکی کو رہا کرو۔ کیونکہ اس کا باپ اخلاق حسنہ سے موصوف تھا۔ اور اللہ تعالیٰ خوش اخلاق لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ جنت میں خوش اخلاق ہی داخل ہوں گے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دو چیزوں میں مختصر کر دیا ہے۔ ایک اخلاق حسنہ، دوسرے نیک اعمال۔ معجلہ اخلاق حسنہ اعمال صالحہ کے حسب ذیل امور ہیں:-

(۱) آپس میں محبت سے رہنا (۲) اچھے کام کرنا (۳) لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا (۴) خیرات کرنا (۵) کھانا کھلانا (۶) سلام کثرت سے کرنا (۷) مسلمانوں کی بیمار و چرپی کرنا (۸) مسلمان خواہ نیک ہو یا بد اس کے جنازہ کے ساتھ جانا (۹) ہمسایہ خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کے ساتھ محبت سے رہنا (۱۰) بوڑھے مسلمانوں کی تعظیم کرنا

۱۱ روایت کیا اس حدیث کو حکیم ترمذیؒ نے اپنی کتاب نوادر میں تھوڑی سی ضعیف سند سے +

۱۲ اس حدیث کا حوالہ مجھے معلوم نہیں ہوا۔ اور دوسری روایت جو حضرت معاذ بن جبلؓ سے آگے

آتی ہے۔ اس کے سامنے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے +



۱۱) اگر کوئی دعوت کرے تو اس کو قبول کرنا (۱۲) دوسروں کی دعوت کرنا (۱۳) لوگوں کے قصور معاف کرنا (۱۴) لوگوں میں صلح و امن قائم رکھنا (۱۵) سخاوت کرنا (۱۶) دوسرے کو پہلے سلام کرنا (۱۷) غصہ کوئی جاتا رہا (۱۸) لوگوں سے درگزر کرنا (۱۹) جو چیزیں اسلام میں حرام ہیں ان سے بچنا مثلاً کھیل نہانا، راکب، ہاجہ، سازگی وغیرہ آلات موسیقی، بغض و کینہ، غیب کی ہر ایک بات، غیبت، جھوٹ، بخل و کنجوسی، دعا فریب، بد تہذیبی، چغلی، باہم جنگ و جدال رکھنا، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا، بد مزاجی، تکبر و غرور، گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا اور سننا، بد نالی (شگون بد لینا) سرکشی، حد سے گزرنا، ظلم و ستم۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی جو ہمیں نہ بتلائی ہو۔ اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا ہے جس سے ہمیں ڈرا یا یا منع نہ کیا ہو۔ اجمالی طور پر یہ سب باتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں) اس آیت میں آجاتی ہیں: **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَ**  
**إِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ** یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بھیبانی، ہالی اور سرکشی سے منع فرماتا ہے۔

حضرت معاویہؓ بن جبل فرماتے ہیں کہ جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ وصیت فرمائی کہ اے معاویہؓ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔ سچ بولا کر۔ وعدہ کو پورا کیا کر۔ امانت کو ادا کیا کر۔ امانت میں خیانت نہ کیا کر۔ ہمسایہ کا لحاظ رکھا کر۔ یتیموں پر رحم کیا کر۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کر۔ اور لوگوں کو سلام بہت کیا کر۔ نیک عمل کیا کر۔ ایسی امیہیں دل میں نہ ٹھانا کر۔ ایمان پر ثابست قدم رہ۔ قرآن مجید کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت رکھ۔ حساب قیامت سے ڈرتا رہ۔ تواضع اختیار کر۔ نیز میں تجھے منع کرتا ہوں کہ کسی دانا اور عقلمند شخص کو گالی نہ دینا۔ اور سچے کو جھوٹا مت کہنا۔ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کرنا۔ اور بادشاہ عادل کی نافرمانی مت کرنا

۱۵ اس حدیث کی سند مجھے دستیاب نہیں ہوئی۔ لیکن مضمون حدیث بالکل صحیح ہے۔

۱۶ روایت کیا اس حدیث کو امام ابو نعیمؒ نے کتاب الحلیہ میں اور امام ہیثمیؒ نے کتاب الزہد میں۔



فتنہ و فساد نہ کرنا۔ نیز میں تجھے نصیحت کرتا ہوں۔ کہ خدا سے ڈرتا رہو۔ خواہ (تو) اتنا مفلس ہو کہ تیرے پاس بجز پتھر و جھلے اور درخت کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ ہر گناہ پر تاناہ اوڑنی تو یہ کرنا۔ پوشیدہ گناہوں کی پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کی ظاہر تو یہ کرنا۔ الغرض سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر دنیا کو اخلاق و آداب اور اعمال صالحہ کی دعوت و تبلیغ کی۔ اور ان کو یا ادب بنانے کی سعی یلین کی۔

## دوسرا بیان

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خلاق حمید کے  
ذکر میں جو بعض علمائے احادیث سے منتخب کئے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب لوگوں سے زیادہ نرم مزاج، سب سے زیادہ بہادر  
سب سے بڑھ کر عادل اور سب سے زیادہ پارسا تھے۔ کسی غیر عورت کو آپ کا دست مبارک  
کبھی میں لگا۔ آپ سب سے زیادہ سخی تھے۔ یہاں تک کہ رات کو آپ کے پاس ایک  
وجہلا بھی باقی نہیں رہتا تھا۔ اگر اتفاقاً کچھ بچ بھی جاتا۔ اور رات تک کوئی محتاج نہ آتا۔ تو  
اس وقت تک آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف نہیں لاتے تھے۔ جب تک کہ کسی  
۱۔ اس حدیث کو روایت کیا امام ابو الشیخ نے کتاب الاخلاق میں حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر سے سیرسل اور

امام ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں۔

۲۔ راوی حدیث بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۳۔ راوی ترمذی بروایت علیؓ کتاب شمائل ترمذی۔

۴۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ۔

۵۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ۔

۶۔ ابوداؤد بروایت بلالؓ اور بخاری میں بروایت عتبہ بن الحارث اسی کا قریب ایک اور مضمون ہے۔



حاجتمند کو وہ بچا ہوا مال دے نہ چکتے۔ خدا نے تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ مال دے رکھا تھا۔ آپ اس میں سے سوائے اپنی غذا یا دیگر ضروری اخراجات کے اور کچھ نہیں لیتے تھے۔ غذا بھی نہایت انداز کمبور میں اور حج کی ہوتی تھی۔ مانی مال راہ خدا میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضورؐ سے جو چیز کوئی مانگتا آپ اسے عطا فرما دیتے۔ پھر آپ اپنے سال بھر کے خرچ میں سے بھی راہ خدا میں دے دیا کرتے۔ اور ساتلوں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے۔ حتیٰ کہ اگر آپ کے کوئی نیا شریع نہ آتا۔ تو وہ معینہ خرچ سال ختم ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ آپ اپنا جو تاخود ہی گانٹھ لیا کرتے۔ اور خود ہی اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیا کرتے۔ اور اپنے گھر کا کام بھی خود ہی کر لیتے تھے۔ چنانچہ ازواج مطہرات (ہیولوں) کے ساتھ گوشت کاٹتے۔ حضورؐ سب سے زیادہ جبار تھے۔ کسی کے چہرہ پر آپ کی نظر نہیں جمتی تھی۔ آزاد و غلام (ہر چھوٹے بڑے) کی دعوت قبول فرما لیا کرتے تھے۔ اور جو کوئی ہدیہ (تحفہ) حضورؐ کی خدمت اقدس میں پیش کرتا اس کو

۱۔ بخاری مسلم بروایت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲۔ روایت کیا اس حدیث کو طیبانی و دارمی نے سہل بن سعد و بخاری و مسلم نے بروایت انس و جابر اس مضمون کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔

۳۔ یہ مضمون ترمذی ابن ماجہ اور نسائی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ یعنی جب آپ نے وصال فرمایا ہے۔ اس وقت آپ کی زرہ مبارک میں صاع جو کے عوض گرو تھی۔ یہ جو حضورؐ نے اپنے گھر والوں کی خوراک کے لئے قرض لئے تھے۔ یہی مضمون بخاری میں بروایت عائشہ صدیقہؓ مروی ہے۔

۴۔ راوی احمد بن حنبل بروایت عائشہؓ۔

۵۔ حاکم بن حنبل بروایت عائشہؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت عبدالرحمن بن ابی بکر ایک حدیث کے ضمن میں یہ مضمون مذکور ہے۔

۶۔ بخاری و مسلم بروایت ابو سعید خدریؓ بالفاظ دیگر۔

۷۔ ترمذی و ابن ماجہ بروایت انسؓ۔

۸۔ یہ روایت اس کا بدلہ دینا بخاری میں بروایت عائشہؓ مذکور ہے۔ اور دودھ کا ہر منظور کرنا بخاری۔



بخوشی قبول فرما لیتے۔ خواہ وہ ہریہ و دودھ کے ایک گھونٹ یا خرگوش کی ایک ران کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ ہدیہ کا احسان ضرور اُتار دیتے (یعنی ہدیہ کے بدلہ میں ہدیہ دیتے) ہدیہ کو تناول فرما لیتے۔ لیکن صدقہ و خیرات کا مال نہیں کھاتے تھے۔ لونڈی اور مسکین کی دعوت قبول فرمانے سے کچھ عار نہ کرتے۔ اُن کے ساتھ تشریف لے جانے اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں پر غصے ہوتے۔ لیکن اپنے لئے اُن پر غصہ نہیں فرماتے تھے۔ حق کی اشاعت فرمانے۔ خواہ اشاعت حق میں آپ کا امساپ کے صحابہ کرام کا نقصان ہی کیوں نہ ہو جاتا۔ بعض مشرکوں نے حضور سے درخواست کی کہ کیا ہم آپ کے حامی و مددگار ہو کر آپ کے مخالف دشمنوں سے بدلہ لیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں سے مدد نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور کے پاس اس وقت آدمیوں کی اس قدر قلت دیکھی تھی۔ کہ اگر ایک آدمی بھی حضور کے ساتھیوں میں شامل ہو جاتا۔ تو وہ بھی غنیمت تھا۔

ایک نہایت جلیل القدر صحابیؓ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا۔ لیکن حضورؐ نے ان پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں فرمائی۔ بلکہ اس مقتول کی وصیت (بدلہ) میں سوا و تثنیاں فرمیں حالانکہ اس وقت صحابہ کرام کو اوتثنیوں کی اس قدر اشد ضرورت تھی۔ کہ ایک اونٹ سے بھی اُن کا بہت سا کام نکلتا تھا۔ نیز حضورؐ علیہ السلام بھوک کی تکلیف سے پیٹ پر تھیرنا نہ دھتے تھے۔ جو مل جاتا وہی تناول فرما لیتے۔ اور جو موجود ہوتا اُس کو (یعنی عایشہؓ وغیرہ) مسلمین پر وصیت اُتم افضل منقول ہے۔ اور خرگوش کی ران کا ہدیہ قبول کرنا بخاریؒ

مسلم میں بروایت انسؓ آیا ہے۔

عہ بخاریؒ و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ

عہ بخاریؒ و مسلم بروایت ہل بن ابی قیسہؓ و دافع بن خدیجؓ اور جس صحابیؓ کو یہودیوں نے قتل کر ڈالا تھا

ان کا نام عبد اللہ بن مسعودؓ ہے۔

عہ بخاریؒ و مسلم بروایت جابرؓ

کہ آپ کے یہ سب اخلاق مشہور و معروف ہیں چنانچہ ترمذیؒ میں بروایت اُتم ہانی خشک روٹی کا

کھانا۔ اور بروایت اُتم سلفؓ چنے پرے گوشت کا کھانا اور بروایت ابن عباسؓ جو کی روٹی کا کھانا



نہ بھی نہیں کرتے تھے۔ حلال اشیاء کے کھانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ اگر روٹی نہ ملتی۔ تو صرف کھجوروں پر ہی اکتفا کر لیتے۔ بھنا ہوا گوشت بل جاتا تو اس کو بھی کھا لیتے۔ اور اگر گیہوں یا جو کی روٹی مل جاتی۔ تو اسے بھی نوش جان فرما لیتے۔ اگر شہد یا کوئی اور قیمتی چیز مل جاتی۔ تو اس کو بھی تناول فرما لیتے۔ اگر روٹی نہ ہوتی اور صرف دودھ مل جاتا تو اس کو ہی پی کر گزار دیتے۔ خرپونڈ یا کھجوریں بل جاتیں تو وہی کھا لیتے۔ تنکے لگا کر نہ کھاتے۔ اور نہ (میز و غیرہ) اونچی جگہ رکھ کر کھانا تناول فرماتے۔ آپ اپنے پاؤں مبارک کے ٹوؤں سے دھال کا کام لے لیتے (یعنی ان سے اپنے ہاتھ پونچھ لیا کرتے) حضورؐ اور صلے اللہ علیہ وسلم نے تمام عمر بھر متواتر تین دن تک پیٹ بھر کر گیہوں کی روٹی تناول نہیں فرمائی۔ یہ سب تکلیفیں مغلیں اور ناداری کے باعث برداشت نہیں کرتے تھے۔ باوجود سب کچھ موجود ہونے کے محض اپنے نفس کو مغلوب رکھنے کیلئے احتیاری طور پر تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ ولیم کی دعوت قبول فرماتے۔ بیماروں کی بیمار پرسی فرماتے۔ جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے۔ دشمنوں میں نہا بغیر کسی پرے کے پھرتے۔ آپؐ سب سے بڑھ کر متواضع اور باوقار تھے۔ آپؐ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ کلام (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰) کد ہے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ حضور کا علوئے اولیٰ و شہد کو پسند فرماتا اور متواتر تین دن تک گیہوں کی روٹی نہ کھانا منقول ہے۔ اور نسائی میں بروایت عائشہ صدیقہؓ خرپونڈ کا کھانا مروی ہے۔

۱۔ اس کی سند کھانا کھانے کے آداب کی پہلی فصل میں گذر چکی ہے۔  
۲۔ یا علیؓ حضور کا مشہور نہیں ہے۔ بلکہ میں باوجود بروایت جابرؓ ذکر کیا ہے کہ ہم آپ کے عہد مبارک میں یوں کیا کرتے تھے حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کیا،

۳۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ

۴۔ یہ فعل حضورؐ کا مشہور ہے۔ اور ابھی گذر چکا ہے۔

۵۔ ترمذی و امام نے بروایت عائشہ صدیقہؓ نقل کیا ہے۔ کہ جب ایت واللہ یخیرکم من الناس

آئی تو آپؐ کسی کو اپنے پاس آنے سے منع نہیں فرماتے تھے۔

۶۔ ابوالحسن علی بن عساکر نے ابن العفا سے اپنی کتاب الشرائع میں نقل کیا ہے۔ اور نسائی میں ابوبکر و عائشہ

میں آپؐ کی سیرت کو اضع کے متعلق کئی احادیث آئی ہیں۔



ہی اور مغرورانہ نہیں فرماتے تھے۔ آپ خندہ پیشانی تھے۔ کسی دنیاوی چیز سے آپ زیادہ خوش نہیں ہوتے تھے۔ جو کچھ پہننے کو مل جاتا وہی پہن لیتے۔ کبھی چھوٹا کبیل اور بن کی قیمتی چادر اور کبھی حلال مال سے بنا ہوا صوف کا جبّہ پہن لیا کرتے تھے حضور چاندی کی انگوٹھی پہنے یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے۔ اپنے پیچھے اپنے غلام یا کسی دوسرے شخص کو سوار کر لیا کرتے۔ جو سواری وقت پر مل جاتی اسی پر سوار ہو جاتے۔ کبھی گھوڑے پر، کبھی اونٹ پر، کبھی سبز خچر پر اور کبھی دراز گوش پر، کبھی پیادہ اور برہنہ پاؤں۔ چادر پگڑی اور ٹوپی کے بغیر ہی چل کر مدینہ منورہ کے پیرے کنارہ پر بیماروں کی پیار مہر سی کرنے جاتے۔ آپ کو خوشبو پسند اور مدہ ناپسند بھی فقیروں اور غریبوں کے ساتھ آپ مجلس کرتے۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ خوش خلاق لوگوں کی تعلیم و تکریم

۱۱۔ ترمذی بروایت علی مرتضیٰ اور شمائل خود +

۱۲۔ احمد بروایت عایشہ صدیقہ +

۱۳۔ بخاری میں بروایت سہل بن سعد شہد کا پستان اور بخاری و مسلم میں بروایت انس بن مالک چادر کا پستان۔ اور اس کو پسند خاطر فرماتا۔ اور بروایت مغیرہ بن شعبہ جبّہ و صوف پستان مذکور ہے +

۱۴۔ بخاری و مسلم میں بروایت انس بن مالک چاندی کی انگوٹھی کو اپنے دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہتنا مذکور ہے +

۱۵۔ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ اپنے آزاد کردہ غلام حضرت اسامہؓ اور فضل بن عباسؓ کو سوار بن جیل کو اپنے پیچھے سوار کرنا ثابت ہے +

۱۶۔ مسلم میں بروایت جابرؓ و سہل بن سعدؓ حضورؐ کا گھوڑے پر سوار ہونا ثابت ہے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباسؓ و حجتہ الوداع میں آپؐ کا خستر سوار ہونا۔ اور بروایت جابرؓ و سہل بن سعدؓ حضورؐ کا پستان مذکور ہے۔ اور بروایت ابن عمرؓ حضرت سعد بن عبادہؓ کی پیار مہر سی کو بغیر سواری اور حقیقی اور ٹوپی کے جانا متقول ہے +

۱۷۔ نسائی نے بروایت انسؓ اور ابو داؤد و حاکم نے بروایت عایشہ صدیقہؓ حضورؐ کا خوشبو کو پسند فرمانا۔ اور عدیؓ نے بروایت عایشہؓ آپؐ کا بدلو کو ناپسند کرنا ذکر کیا ہے +

۱۸۔ ابو داؤد بروایت ابو سعیدؓ +

۱۹۔ بخاری بروایت ابو ہریرہؓ +

۲۰۔ ترمذی و شمائل خود بروایت علی مرتضیٰ +



فرماتے۔ شرفاء کے ساتھ نیک سلوک کر کے انکا دل خوش کرتے۔ رشتہ داروں سے بہت میل ملاپ رکھتے۔ مگر یہ نہیں کہ اپنے کو اسلئے ترجیح دیدیں۔ بلکہ درجہ بدرجہ ہر ایک کے تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے۔ کسی پر جو رجحانہ فرماتے۔ غرض خواہ کا غرض قبول فرمالتے۔ حضور دل لگی اور مذاق کے طور پر بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ آپ سکرالتے تھے۔ قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ جائز کھیل کو خود بھی دیکھتے۔ اور دوسروں کو بھی منع نہ فرماتے۔ خوش طبعی اور کھیل کے طور پر اپنے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دوڑ لگاتے۔ تاکہ یہ معلوم ہو۔ کہ کون آگے نکل جاتا ہے۔ آپ کے شور و غل ہوتا تو بھی آپ صبر سے کام لیتے۔ آپ کے پاس ایک اونٹنی اور ایک بکری دودھ دیتی تھی۔ جن کا آپ اور آپ کے اہل و عیال دودھ لے کر حاکم نے بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے۔ کہ آپ حضرت عباسؓ کی تعظیم تکمیل ایسی کرتے جیسی اپنے باپ کی۔ اور بروایت سعد بن ابی وقاصؓ روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عباسؓ وغیرہ کو جس سے نکال دیا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو نہیں نکالا تھا۔ کیونکہ وہ چھوٹوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت ابو سعیدؓ منقول ہے۔ کہ سوائے صدیق اکبرؓ کے خوف کے اور کوئی خوف مسجد میں نہ رہنے پائے۔

۱۰ ابو داؤد اور ترمذی در شمائل خود و نسائی در یوم ولیدہ بروایت انسؓ۔

۱۱ بخاری و مسلم بروایت کعب بن مالکؓ۔

۱۲ احمد بن حنبل بروایت ابو ہریرہؓ۔

۱۳ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ اور ترمذی بروایت عبداللہ بن الحارثؓ۔

۱۴ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۱۵ ابو داؤد و ابن ماجہ و نسائی و کبریٰ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۱۶ بخاری بروایت عبداللہ بن زبیرؓ یا ایہذا الذین امنوا کا ترفعوا صواتکم الخ کی شاق نزول۔

۱۷ محمد بن سعد در طبقات بروایت ائمہ اور بخاری و مسلم نے حضورؐ کے پاس شیردار

اونٹنی کا ہونا بروایت سلمہ بن الاکواع ذکر کیا ہے۔ اور ابو داؤد نے آپ کے پاس دو کھیل

بکری کا ہونا بروایت لقیط بن جبریر ذکر کیا ہے۔



پیا کرتے تھے حضورؐ کی لونڈیاں اور غلام بھی تھے۔ آپ اُن کو وہی کھلاتے پہناتے جو خود اور آپ کے اہل و عیال کھاتے پہنتے تھے۔

حضورؐ پر ایسا کوئی وقت نہیں گذرتا تھا۔ کہ جس میں آپ اللہ تعالیٰ کا کام کرتے ہوں۔ یا اپنے نفس کے لئے کوئی ضروری امر نہ کرتے ہوں حضورؐ اپنے اصحاب کرامؓ کے باغات میں سیر کے لئے تشریف لے جاتے۔ کسی غریب اور محتاج کو اس کی غربت اور ناداری کے باعث حقیر نہیں جانتے تھے۔ اور نہ ہی کسی بادشاہ سے اُس کی بادشاہت کی وجہ سے مرعوب ہوتے تھے۔ بلکہ امیروں اور غریبوں کو یکساں طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ اور محمدؐ علیہ وسلم میں اخلاق حسنہ اور سیاست نامہ کوٹ کوٹ کر بھر دئے تھے۔ آپ اُمّی (پے پڑھے) نہ تھے۔ نہ کسی سے اپنے کچھ پڑھا اور نہ لکھا۔ جہالت کے ملک میں غربت اور تنہی کی حالت میں پیدا ہوئے۔ جنگلوں میں بکریاں چرا یا کرتے۔ بچپن ہی میں حضورؐ کے سر سے الدین کا سایہ عافیت اٹھ گیا تھا۔ مگر با ایتہم اللہ تعالیٰ نے جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہترین اخلاق مسکندہ آراستہ کیلئے اور پچھلے لوگوں کے

علم صحیحین حدود طبقات بروایت سلمیٰ اور مسلم میں بروایت ابوالسیر اس طرح لکھا ہے اطمعوہم متا ناکلون والیسوہم متا قلیسون۔ یعنی حضورؐ نے لوگوں سے ارشاد فرمایا۔ کہ جو کچھ خود کھاؤ

اور پہنو وہی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کو کھلاؤ اور پہناؤ۔

اس روایت کیا اس معنوں کو ترمذی نے شامل ترمذی میں حضرت علی مرتضیٰؓ سے اس معنوں میں کہ حضورؐ نے اپنے اوقات کے تین حصے کر رکھے تھے۔

۱۔ کھانا کھانے کے آداب کے باب کی جیسی فصل میں حضورؐ کا امیؓ اور ابوالوہب انصاری کے ٹرخ میں تشریف لے جانا مذکور ہے۔

۲۔ بخاری میں ابن مسعودؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ حضورؐ کے سامنے سے ایک تہنہ گوی گذرا آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اس شخص کے متعلق تم کیا کہتے ہو صحابہؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ شخص کما حقہ پیغمبر قبول کرے تو اس کا کلام کیا ہے حدیث میں اس شخص کے نام ہے ابوغریب گنداس کی بابت حضورؐ ارشاد فرمایا کہ یہ دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پہلے امیرؓ انصاری سے بہتر ہے اور مسلم میں بروایت انسؓ آپ کا دعوت و بلع کا خط قیصو کسنی اور تماش کی طرف ارسال فرماتا مذکور ہے۔



حالات بتلائے اور جن باتوں سے قیامت کے روز نجات حاصل ہوتی ہے۔ اور دنیا میں ان پر لوگ رشک کرتے ہیں۔ واجبات پر ثابت قدم رہنا۔ فضول اور واہیات امور سے اجتناب کرنا۔ ایسی ایسی دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کی تمام باتیں حضور کو تعلیم فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اور آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کریں۔ آمین ثم آمین +

## تیسرا بیان سر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ان خلاق واداب کے ذکر میں جو حضرت ابوالخثری نے روایت کئے ہیں

حضور علیہ السلام نے جس مؤمن کو شاذ و نادر طور پر کبھی گالی دی۔ تو اس کے ساتھ ہی اس کے لئے دعا بھی کر دی۔ تاکہ اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ اور باعث رحمت ہو۔ آپ ﷺ خود توں، لوگوں اور خادموں کو بھی کبھی لعنت نہیں کی۔ حضور کی خدمت اقدس میں اٹلئے جنگ میں عرض کیا گیا۔ کہ مناسب یہ ہے کہ آپ دشمنوں پر لعنت فرماویں۔ آپ نے جواب دیا کہ میں رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں۔ نہ لعنت کے لئے۔ جب کبھی آپ سے عرض کی جاتی کہ آپ کسی مسلمان یا کافر کے لئے بددعا کیجئے۔ تو حضور بجلٹے بددعا کے لئے بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ رحمہ +

لے اور بخاری میں بروایت انس رضی اللہ عنہ ہے کہ لم یکن فحاشا ولا لعانا یعنی نہ حضور بکلام تمہے۔ اور نہ کسی پر لعنت کرتے تمہے +

لے مسلم بروایت ابو ہریرہ رحمہ +

لے بخاری و مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ لوگوں نے حضور سے قوم دوس کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی تھی لیکن آپ نے بددعا کے ان کی ہدایت کی دعا مانگی +



دعا خیر فرماتے۔ آپ نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے کبھی کسی پروا نہیں کیا۔ حضور نے سوائے اس صورت کے کہ دین الہی کی بھڑکتی ہوئی کبھی کسی سے بُرائی کا انتقام اور بدلہ نہیں لیا۔ جب کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں کا اختیار ملتا تو آپ اُمت کی آسانی کے لئے آسان بات کو پسند فرماتے۔ بشرطیکہ اُس آسان امر میں گناہ یا رشتہ داری سے قطع تعلقی کا خطرہ نہ ہو۔ کیونکہ ان دو باتوں سے حضور بہت زیادہ اجتناب فرمایا کرتے تھے۔ جب آپ کی خدمت اقدس میں کوئی آزاد یا غلام یا لونڈی کسی حاجت کے لئے حاضر ہوتے تو آپ اُن کی حاجت دہانی کے لئے مستعد ہو جاتے حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے کہ حضور کو جو بات میری طرف سے بُری معلوم ہوتی۔ آپ نے اُس کی نسبت مجھے یوں کبھی نہیں فرمایا کہ تو نے ایسی بات کیوں کی۔ اور جب کبھی اپنے گھروالوں میں سے کسی نے مجھے کسی قصور پر ملامت کی تو آپ نے یہی ارشاد فرمایا کہ اسے کچھ مت کہو۔ جو تقدیر میں ہونا تھا۔ سو ہو گیا۔ حضور نے کبھی خواب گاہ پر عیب نہیں دھرا۔ اگر کچھ توبیخا دیا تو اس پر لیٹ رہے۔ ورنہ زمین پر ہی لیٹ جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کے اوصاف و کمالات میں اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز بیدہ بندہ ہے۔ نہ وہ بد مزاج ہے نہ سخت طبیعت۔ نہ وہ بازاروں میں جلتا ہے نہ بُرائی کے بدلے بُرائی کرتا ہے بلکہ معاف اور درگزر کرتا ہے۔ اُس کی جائے پیدائش مکہ معظمہ اور مقامِ حجت مدینہ منورہ ہے۔ اُس کا ملک شام میں ہے۔ وہ اور اُس کے اصحابؓ (ساتھی) تہمد باندھتے ہیں۔ قرآن اور علم دینی کے حافظ ہیں۔ اور وضو لے بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ سے اختلاف کے ساتھ یہ مضمون باب اب محبت کی نسل ہم میں بھی لکھ چکا ہے۔

لے بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ سے اختلاف کے ساتھ ۛ

لے یہ حدیث بخاری میں بروایت انسؓ معلق طور پر ثابت ہے اور ابن ماجہ میں بروایت انسؓ موصول طور پر مذکور ہے۔ لے بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ یہ فقرہ روایت کیا ہے اور ابو اسحاق نے بروایت انسؓ ساری کی ساری حدیث ذکر کی ہے۔ لے اس حدیث کی سند احیاء العلوم کے ملاحظہ میں نہیں ملی۔ مگر ترمذی نے شامل میں بروایت علیؓ مرتفعی و لا حیات ذکریہ ہے۔ اس کے مام سنوں میں اس حدیث کا مضمون بھی آگیا ہے اور چٹائی پر

حضور کا بیٹ بخاری و مسلم میں بروایت عمر فاروقؓ اور ترمذی میں بروایت ابن مسعودؓ مذکور ہے ۛ



میں ہاتھوں اور پاؤں کو دھوتے ہیں۔ انجیل میں بھی اسی طرح کے اوصاف محمدی مذکور ہیں آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ کسی سے ملتے۔ تو پہلے خود سلام کہتے۔ جو شخص آپ کو کسی کام کے لئے ٹھہراتا۔ تو جب تک وہ شخص خود نہیں چلا جاتا تھا۔ تب تک آپ بدستور اُس کے پاس کھڑے رہتے۔ جو کوئی آپ کا دست مبارک پکڑ لیتا۔ تو آپ اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھوڑتے تھے۔ جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دیتا۔ جب آپ اپنے کسی صحابی سے ملتے۔ تو اول مصافحہ کرتے پھر اُس کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر خوب مضبوطی سے بھینچتے۔ آپ کھڑے بیٹھے ذکر الہی میں مشغول رہتے۔ اگر حضور کے نماز پڑھتے ہوئے کوئی شخص آپ کے پاس آ بیٹھا۔ تو آپ جلد ہی نماز ختم کر کے اُس سے دریافت فرماتے کہ بھئی کیا نہیں مجھ سے کوئی کام ہے؟ اگر کوئی کام ہوتا تو اُس کے کام سے فارغ ہو کر پھر نماز پڑھنے لگ جاتے۔ آپ عموماً اس طرح بیٹھا کرتے تھے کہ دونوں ہنڈلیاں کھڑی کر کے اُن کے گرد دونوں ہاتھ گوٹ ماسنے کی طرح پکڑ لیتے۔ آپ کے اصحاب بھی حضور کی طرح ہی بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کو بیٹھنے کے لئے جہاں جگہ ملتی وہیں بیٹھ جاتے تھے۔ کبھی کسی کو یہ موقع دیکھنے میں نہیں آیا کہ حضور نے باوجود تنگی مکان کے مجلس اصحاب میں پاؤں پھیلانے ہوں۔ ہاں اگر جگہ وسیع و فراخ ہوتی۔ اور کسی کو پاؤں پھیلانے میں تکلیف بھی نہ ہوتی۔ تو آپ پاؤں پھیلانے میں کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے تھے۔ آپ اکثر قہار رخ

۱۷ ترمذی بروایت ابن ابی مالہ +

۱۸ ابو نعیم بروایت علی مرتضیٰ عن در دلائل النبوة +

۱۹ ترمذی ابن ماجہ بروایت انس رضہ +

۲۰ ابوداؤد نے بروایت ابی مصنف اور حاکم نے بروایت ابو ہریرہ تشبیک انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا نقل کیا ہے +

۲۱ ترمذی در شامی بروایت علی مرتضیٰ رضہ +

۲۲ اس کی اصل مجھ کو نہیں ملی +

۲۳ ابوداؤد و ترمذی بروایت ابو سعید خدری اس کی سند ضعیف ہے +

۲۴ ابوداؤد و نسائی بروایت ابو ہریرہ رضہ +

۲۵ ترمذی در شامی بروایت علی مرتضیٰ رضہ +

۲۶ داؤد قطنی بروایت انس رضہ ساتھ ہی یہ بھی کہ دیا ہے کہ حدیث در اصل حدیث نہیں ہے +



ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ جو کوئی آپ کے پاس آتا۔ آپ اُس کی تعظیم و تکریم فرماتے۔ حتیٰ کہ جن لوگوں سے آپ کی کوئی رشتہ داری اور دودھ پینے کا تعلق بھی نہ ہوتا۔ ان کے لئے بھی آپ چادر بچھا دیتے۔ اور اُس پر اُن کو بٹھلاتے۔ آپ اپنے والے دھان کے لئے اپنا تکیہ مبارک نکال کر دیدیتے۔ اگر وہ لینے سے انکار کرتا۔ تو آپ قسم دے کر اُس شخص کو تکیہ ضرور ہی دیدیتے۔ جس کسی سے آپ محبت پیش آتے وہ بھی سمجھتا تھا۔ کہ آپ اُس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ اپنے ہر ایک لئے والے کی طرف توجہ فرماتے۔ حتیٰ کہ نشست و برخاست، گفتگو۔ خوش طبعی سب میں متنبہ رہتے۔ آپ کی مجلس نہایت باحیاء پر نواضع اور اندازی کی ہوا کرتی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ لِّنَا لَعْنَةُ لَعْنَتِكَ لَعْنَةُ لَعْنَتِكَ فَقَطَّاعُ غُلَظِ الْقَلْبِ لَا أَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ يَعْنِي اِسے پیغمبر یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ لوگوں کے حق میں آپ نہایت نرم دل ہیں۔ اگر آپ سخت گواہ سخت دل ہوتے تو سب لگے آپ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام کو اُن کی بھونکی کی خاطر نام لے کر نہیں پکارتے تھے۔ بلکہ کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ جس کی کوئی کنیت نہ ہوتی۔ اُس کی کنیت آپ خود مقرر فرما دیتے۔ اُسی کنیت سے لوگوں میں وہ شخص پکارا جاتا تھا۔ اولاد والی لے حاکم بروایت انس رضی

س کی سند باب آداب صحبت کی فصل سوئم میں گزر چکی ہے۔

۳۷۹ ترمذی نے شمائل میں روایت علی رضی اللہ عنہ کی ایک ہی حدیث کے ضمن میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون نقل کیا ہے۔  
۳۸۰ بخاری مسلم میں فقہ غار میں مذکور ہے۔ کہ حضرت صدیق اکبر کی کنیت حضور نے ابو بکر مقرر فرمائی۔ اور حاکم میں روایت ابن عباس حضرت عمر فاروق کی کنیت ابو حفص منقول ہے۔ نیز صحیح حدیث میں آیا ہے۔ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے ابو تراب فرمایا۔ اور حاکم نے روایت ابن مسعود روایت کیا ہے کہ حضور نے ابن مسعود کی کنیت ابو عبد الرحمن مقرر فرمائی۔ حالانکہ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

۳۸۱ ترمذی نے روایت انس رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے۔ کہ آپ نے حضرت انس کی کنیت ابو حمزہ مقرر فرمائی۔ اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر فاروق نے حضرت صہیب سے پوچھا۔ کہ تمہارے تو اولاد نہیں ہے۔ کنیت کیسے ہوئی۔ فرمایا کہ میری کنیت حضور نے ابوجہی مقرر فرمائی ہے۔

۳۸۲ حاکم نے ہذا روایت ام ابن مومنین ذکر کیا ہے۔ کہ آپ نے ہی ان کی کنیت ام ابن مومنین فرمائی۔ اور ابو داؤد میں ہذا روایت عائشہ رضی



عہدوں کی بھی کنیت مقرر فرما دیتے۔ اور بے ملا و عہدوں کی کنیت پیشتر ہی سے مقرر فرما دیتے  
لوگوں کی کنیت مقرر فرما دیتے تو ان کا دل نرم ہو جاتا۔ آپ کو شب لوگوں سے دیر میں غصہ  
آتا۔ اور سبے جلدی آپ کا غصہ اتر جاتا۔ لوگوں پر نہایت مہربانی فرماتے ماہان کے حق  
میں پیچھا نہ رسائی فرماتے۔ حضور کی مجلس میں شغل نہیں کرتا تھا۔ جب آپ مجلس  
مبارک کے اٹھتے تو یہ عا پر ہتے سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَشْهَدُ أَنْ  
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ۔ یعنی الہی میں تیری پاکی کرتا ہوں  
اور تیری حمد و ثنا کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں ماہ تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ فرماتے  
تھے کہ یہ دعا مجھے حضرت جبرائیل نے سکھائی ہے۔

## پوچھا بیان

### حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش کلام اور شیریں تھے۔ آپ فرماتے مکہ میں سب سے  
زیادہ فصیح و بلیغ ہوں۔ جنتی لوگ جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی (عربی) میں  
القیہ جاشیہ صفحہ ۱۸) مذکور ہے کہ حضور نے عائشہ صدیقہؓ کی کنیت ام عبد اللہ مقرر فرمائی۔ اور بروایت  
ام خالد مذکور ہے کہ ام خالد ان کی کنیت حضور نے ہی مقرر فرمائی تھی۔ جب کہ وہ ابھی بچپن  
کی عمر میں تھیں۔

۱۔ بخاری و مسلم میں بروایت انس بن مالک کا قصہ مذکور ہے۔

۲۔ ترمذی بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ۔

۳۔ فوائد الوالا حداح بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

۴۔ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔

۵۔ نسائی و دیلم و بیہ و حاکم بروایت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ۔

۶۔ ابوالحسن بن ضحاک در شمائل بروایت بربیعہ بن ربیعہ ضعیف۔



گفتگو کریں گے۔ آپ کم گزرم گفتار تھے۔ آپ کی کلام ایسی باتیں ہوتی جیسے مونیوں کی لڑی حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام ہماری طرح بہت باتیں نہیں کرتے تھے۔ آپ کا کلام سب سے زیادہ مختصر ہوتا تھا اور وہی مختصر کلام حضرت جبریل علیہ السلام باوجود اختصار کے آپ جو مضمون چاہتے انہی مختصر الفاظ میں ادا کر دیتے تھے۔ آپ کی کلام نہایت مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی نہ اس میں زیادہ کی گنجائش تھی نہ کمی کی۔ گویا مونیوں کے دانوں کی طرح پرہیز ہوئی ہوا کرتی تھی۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تقریر فرمایا کرتے تاکہ سننے والے کو آپ کی تقریر یاد ہو جائے۔ آپ کی آواز بلند اور لہجہ نہایت اعلیٰ تھا آپ غلموش زیادہ رہتے۔ بلا ضرورت کبھی لکٹائی نہ فرماتے۔ آپ کلامی بھی نہیں کرتے تھے اور غصہ و جوش دونوں حالتوں میں سچ ہی بولتے جو شخص کسی قسم کا کوئی بُرا لفظ استعمال کرتا حضور اس سے منہ پھیر لیتے۔ اگر کوئی سخت لفظ مجبوراً آپ کو کہتا پڑتا تو اس کو بھی اشارۃً ارشاد فرماتے۔ صریحاً ہرگز نہ فرماتے۔ جب آپ غلموش ہوتے تو آپ کے اہل مجلس گفتگو کرتے۔ آپ کی مجلس میں

۱۰ حاکم بروایت ابن عباسؓ

۱۱ طبرانی بروایت اُمّ سعیدؓ

۱۲ پہلی حدیث بخاری و مسلم میں ہے اور آخری دونوں جیلوں کو غلسی نے قفل کیا ہے۔ بسند منقطع

۱۳ عبد بن حمید بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع و دارقطنی بروایت ابن عباسؓ

۱۴ ترمذی و دشمالی بروایت ہند بن ابی امالہ اور پہلا فقرہ بخاری و مسلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔ اور

باقی ترمذی میں بروایت عائشہؓ منقول ہے

۱۵ ترمذی و نسائی میں بروایت صفوان بن عسال ایک اعرابی کے قصہ میں حضور کا بلند آواز ہونا مذکور ہے

اور بخاری و مسلم میں بروایت براء بن جاذب آپ کا خوش آواز ہونا منقول ہے۔ نیز ترمذی و دشمالی

بروایت ہند بن ابی امالہ

۱۶ ابو داؤد بروایت عبد اللہ بن عمرؓ فاروق ایک قصہ کے ضمن میں

۱۷ ترمذی و دشمالی بروایت علیؓ رضی اللہ عنہ بالفاظ دیگر

۱۸ جیسا کہ بخاری میں روایت ہے درایت عبد اللہ اور حدیث غل جیسا کہ میں خدی فرستہ منقول ہے

۱۹ ترمذی و دشمالی بروایت علیؓ رضی اللہ عنہ



کوئی کسی کی بات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ خیر خواہی کے طور پر بغیر منہی کے لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

آپؐ فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک دوسری سے متکرر آؤ۔ کیونکہ وہ مختلف قرائنوں پر نازل ہوا ہے۔ اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بہت مسکرایا کرتے۔ اور ان کی باتوں سے سب بخوش ہوتے۔ اور ان سے میل جول بکثرت رکھتے تھے۔ بعض اوقات اس قدر خندہ فرماتے کہ حضورؐ پر نور کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں۔ آپؐ کے اصحاب بھی حضورؐ کی اتباع اور تعظیم کے باعث آپؐ کے سامنے صرف مسکرایا کرتے تھے۔ فتنہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضورؐ کی خدمت انیس میں حاضر ہوا۔ اُس وقت حضورؐ کچھ رنجیدہ خاطر تھے۔ صحابہ کرامؓ چہرہ انور پر رنج و غم کے آثار دیکھ کر سمجھ گئے۔ کہ آج آپؐ کی طبیعت ملول ہے۔ وہ اعرابی حضورؐ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن صحابہؓ نے اس کو منع کیا۔ کہ اس وقت حضورؐ سے کچھ نہ پوچھو۔ اس وقت آپؐ کی طبیعت رنجیدہ ہے۔ اعرابی نے کہا کہ تم مجھے مت روکو۔ مجھے قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے حضورؐ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے۔ میں آپؐ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ غرضیکہ اُس اعرابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنا گیا ہے کہ دجال ثرید (ایک قسم کا کھانا) لایا گیا۔ تو کیا آپؐ کی اجازت ہے کہ میں بھوکے مارے مر جاؤں۔ لیکن اُس کا ثرید ہرگز نہ لے لوں۔ یا یہ حکم ہے کہ میں اُس کا ثرید کھلے دل سے خوب پیٹ بھر کر کھا لوں۔ کھا کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں۔ اور اُس کا منگو ہو جاؤں۔ یہ سن کر حضورؐ اتنا ہنسے کہ آپؐ کی کچلیاں نشلی ہو گئیں پھر اُس اعرابی کے جواب میں فرمایا کہ جس

۱۔ مسلم بروایت جابرؓ خطبہ نبوی کے بیان میں۔

۲۔ طبرانی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ۔

۳۔ ترمذی بروایت عبد اللہ بن عمارؓ و در ثمال بروایت علی بن رضیؓ اور مسلم بروایت جابر بن سمیرہؓ۔

۴۔ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ اُس شخص کے قصہ میں جو کہ سب کے بعد ورنہ سے نکلیا گانیز عالم یہود کے قعر میں۔

۵۔ ترمذی و در ثمال بروایت ہند بن ابی امالہ۔

۶۔ اس حدیث کا اصل و ماخذ مجھے معلوم نہیں۔



چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ دوسرے مسلمانوں کو اُس کا فرسے بے پرواہ کر دیگا۔ اس چیز کے ذریعے تجھے بھی اُس ملعون سے لاپرواہ کر دیگا۔

آپ ہر وقت خوش و خرم اور خداں بہتے۔ مگر قرآن مجید اُترنے کے وقت قیامت کے ذکر کے وقت۔ خطبے اور وعظ کے وقت آپ کے پہرے پر بھائے بسم (مُسکرا نا) کے خوف کے آثار نظر آتے تھے۔ عینِ رضا کے وقت حضور نہایت خوش و خرم رہتے۔ آپ کا وعظ شریف و افعات پر مبنی ہوتا۔ ہنسی اور دل لگی سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ آپ اگر غصے ہوئے۔ تو محض اللہ تعالیٰ اور اُس کے دین کی خاطر ہوتے۔ جب کوئی حادثہ پیش آتا۔ تو اُس کو اللہ کے حوالے کر دیتے۔ اپنی طاقت و قوت سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی درخواست کرتے ہوئے یوں فرماتے کہ اے خداوند ذوالجلال مجھے حق بات حق ہی کر کے دکھلا۔ تاکہ میں حق کی پیروی کروں۔ اور بُری بات بُری کر کے دکھلا اور مجھے اُس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما۔ نیز بُری باتیں میرے لئے واضح کر دے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اس بات کے کہ میں تیری ہدایت بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگوں۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا نفس تیرا فرمانبردار ہو جائے۔ صحت اور تندرستی کے ساتھ میرے نفس سے اپنی رضا مندی کے کام کروا۔ اور حق بات میں اختلاف واقع ہونے کے وقت اپنے حکم کے ذریعے میری رہنمائی فرما۔ جس کو تو چاہتا، سبیدھی راہ عنایت فرماتا ہے۔

۱۷ کثرتِ بسم کے متعلق حضرت عبد اللہ بن حارثؓ والی حدیث اور پر گندھکی ہے۔ اور طبرانی و احمد بن حنبل اور حاکم نے بروایت بابائہ نقل کیا ہے۔ کہ نزول وحی اور وعظ اور قیامت کے ذکر کے وقت حضور کا چہرہ نور متغیر ہو جاتا تھا۔

۱۸ ابو الشیخ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

۱۹ اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی مجھے سند نہیں ملی۔ اور دعا کو مستغفری نے دعوات میں بروایت

ابو ہریرہؓ ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کا آخری جملہ مسلم نے بروایت عائشہؓ تہجد کی عین نقل کیا ہے۔



# پانچواں بیان

## سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں

حضور علیہ السلام جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے حضور اُس کھانے کو بہت پسند فرماتے جس میں بہت آدمی شامل ہوں۔ جب ستر خوان بچھ چکے۔ تو حضور یہ دعا پڑھتے۔  
 بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا نِعْمَةً مِّنْكَ مَشْكُورَةً نُصِلُ بِهَا نِعْمَةً اَلْجَنَّةِ  
 یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں کھانا کھانا شروع کرتا ہوں۔ خدایا تو اس کھانے کو ایسی نعمت بنا دے۔ کہ اُس کا میں شکر ادا کروں۔ اور اُس کے ذریعے ہم سب سلمان بہشتوں کی نعمتوں میں پہنچ جائیں۔ آپ کا عموماً یہ معمول تھا۔ کہ کھانا کھانے کے وقت آپ نمازی کی طرح دو زانو اور دو قدم ملا لیتے۔ مگر زانو پر زانو اور قدم پر قدم نہیں رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بندہ ہوں۔ بندوں کی طرح کھانا ہوں۔ اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔  
 آپ گرم کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے کہ گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ لہذا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ اپنے

اس کی سند پہلے مذکور ہوئی۔

ابو یعلیٰ و طبرانی و ابن عدی بروایت جابرؓ

بسم اللہ کہنا انسان نے حضور علیہ السلام کے ایک خادم سے نقل کیا ہے۔ اور باقی الفاظ مجھے نہیں ملے۔  
 عبد الرزاق نے بروایت ابویوسف آپ کا سمت کر بیٹھنا اور ابن ضحاک نے بائیں زانو پر بیٹھنا۔ اور اسے کو کھڑا کرنا۔  
 بروایت انسؓ ذکر کیا ہے۔ اور ابوالشیخ نے بروایت ابی ابن کعبؓ زانو پر بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور بقیہ حدیث

متعدد طرق سے مروی ہے۔

ابوالشیخ و ابن حبان بروایت عایشہؓ

طبرانی در اوسط بروایت ابی ذرؓ



آگے سے کھانا کھاتے۔ اور چائے انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض اوقات چوتھی انگلی بھی شامل کر لیا کرتے۔ دو انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ دو انگلیوں سے کھانا کھانا شیطانی کا طریقہ ہے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان غنیؓ حضور کی خدمت اقدس میں فالودہ لیکر آئے۔ حضورؐ فالودہ کھانے لگے اور پوچھنے لگے کہ اسے ابو عبد اللہ (عثمان) یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ ہم شہرہ اور گھی و گھی ہیں ڈال کر پکاتے ہیں۔ اور اس میں گیہوں کا میدہ ڈال کر چمچے سے پلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر اس قسم کا فالودہ تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضورؐ کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی غذا ہے۔ حضورؐ نے چھنے جو کے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حضورؐ ککڑی کو کھجوروں اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

سبز میوے میں سے حضورؐ کو خرپوزہ اور انگور بہت پسند تھا۔ آپؐ خرپوزہ روٹی اور مصری

۱۔ مسلم بروایت کعب بن مالک۔

۲۔ اس کی روایت ہم کو غیلانیات میں بروایت عامر بن ربیعہ پہنچی ہے۔ اور اس کی سند میں قاسم بن عبد اللہ عمری کا نام نہیں۔ اور معتق اس میں ابی شیبہ نے بروایت دہری مرسل نقل کیا ہے کہ حضورؐ پانچ انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے۔

۳۔ دارقطنی و افراد بروایت ابن عباسؓ بسند ضعیف۔

۴۔ مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے خبیص (کھانے کی ایک قسم) بنا یا تھا۔ نہ فالودہ۔ چنانچہ بیہقی نے شعب میں روایت لیث بن ابی سلیم نقل کیا ہے۔ اور طبرانی کی روایت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔  
۵۔ بخاری بروایت سہل بن سعد۔

۶۔ کھجوروں کے ساتھ کھانا بخاری و مسلم میں بروایت عبد اللہ بن جعفر مذکور ہے۔ اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے۔

۷۔ ابو نعیم و رطب نبویؓ بروایت امیر بن زید عیسیٰ۔

۸۔ خرپوزہ کو روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گذرا۔ البتہ انگوروں کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی نے بروایت عائشہؓ لکھا ہے۔ اور اسی طرح خرپوزہ مصری کے ساتھ کھانا میں نے نہیں دیکھا۔



کے ساتھ کھایا کرتے۔ اور کبھی خرپونہ کھجوروں کے ساتھ بھی کھالیا کرتے۔ کھانا کھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے کام لیتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضور اپنے چہنہ ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور بائیں ہاتھ سے گٹھلیاں جمع کرتے جاتے۔ اتنے میں ایک بکری آئی۔ آپ نے گٹھلیوں کی طرف اس کو اشارہ کیا۔ یہ آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی۔ اور آپ اپنے دلہنے ہاتھ سے کھاتے رہے۔ حتیٰ کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ بعض اوقات حضور انگوروں کے گچھے کا چٹھا ہی منہ مبارک میں ڈال لیتے۔ یہاں تک کہ انگوروں کے گچھے کا بانی بہہ کر منہوں کی طرح آپ کی وارسی مبارک پر اترتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضور کی غذا کھجوریں اور پانی ہوا کرتا۔ کبھی آپ دودھ کا ایک گھونٹ پی کر اوپر سے ایک دانہ کھجور کا تناول فرماتے۔ اسی طرح سارا کھانا کھاتے۔ دودھ اور کھجوروں کو عمدہ غذا فرمایا کرتے۔ آپ کو سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا گوشت تھا۔ اور فرماتے کہ گوشت سے قوت سامعہ (سننے کی طاقت) تیز ہو جاتی ہے۔ اور گوشت دنیا و آخرت کے سب کھانوں کا سوا ہے۔ اگر میں خدا تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگوں۔ تو وہ مجھے ضرور عطا فرمائے۔ آپ گوشت اور کدو کے ساتھ شریک کھایا کرتے۔ کدو کو آپ بہت پسند فرماتے اور فرماتے۔ کہ یہ پیڑ (درخت) میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ ارشاد نبوی ہے۔ کہ ہرنڈ یا میں کدو بہت ڈالا کرو کیونکہ کدو مفرح قلب ہے۔ پرندوں کا شکار بھی آپ کھایا کرتے

۱۷ ترمذی و نسائی بروایت عائشہ صدیقہ رضی

۱۸ حدودوں ہاتھوں سے کھانا کھاتے وقت مدینہ امام احمد بن حنبل سے روایت عبد اللہ بن جعفر کا ہے۔ اور حدیث انس بھی اس کے متعلق گند چکی ہے اور بکری کا قندہ قرابہ ابی بکر شافعی میں بروایت انس بن ضعیف ہے۔ ۱۹ ابن عدی و کامل و حقیلی درضعفاء بروایت ابن عباس بن سند ضعیف ہے۔

۲۰ بخاری بروایت عائشہ صدیقہ رضی

۲۱ ابن حبان بروایت ابن سمان و ابن ماجہ بروایت ابو ذر و ابن سند ضعیف ہے۔

۲۲ مسلم بروایت انس ہے۔ ۲۳ نسائی و ابن ماجہ بروایت انس ہے۔

۲۴ قرابہ ابی بکر شافعی ہے۔

۲۵ ترمذی بروایت انس و ابو داؤد بروایت سفیہ ہے۔



لیکن خود شکار نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی شکاری شکار کر کے لاؤ تو آپ اس کو  
 برضا و رغبت تناول فرما لیتے۔ گوشت کھاتے وقت سر مبارک کو نہیں جھکاتے تھے  
 بلکہ گوشت کی بوٹی منہ کے پاس لا کر اسے دانتوں سے نہج کر کھاتے۔ آپ کبھی روٹی  
 بھی کھا لیتے تھے۔ بکری کے گوشت میں سے آپ کو دست اور شانے کا گوشت زیادہ  
 پسند تھا ترکاریوں میں سے کدو روٹی لگا کر کھانے کی چیزوں میں سے سرکہ اور کھجوروں  
 میں سے کھجورہ (کھجور کی ایک اعلیٰ قسم ہے) آپ کو بہت پسند تھی۔ کھجور کے حق میں  
 آپ نے برکت کی دعا فرمائی ہے۔ اور فرمایا کہ یہ جنت کے میوؤں میں سے ہے۔ نیز  
 فرمایا کہ کھجور بہر اور جادو کو شفا لینے والی ہے۔

ساگ آپ کو کاسنی ریحان (تلسی) اور خرد کا بہت مرغوب تھا چونکہ گرد پشیا بگاہ  
 کے قریب ہوتے ہیں اس لئے ان کو مکروہ سمجھتے تھے۔ بکری کی مندرجہ ذیل سات چیزیں  
 نہیں کھاتے تھے (۱) آلود تناسل (۲) مشانہ (پشیا ب کی تھیلی) (۳) فوطے (۴) پتہ  
 (۵) غدہ (۶) فرج (مادہ کی شرمگاہ) (۷) خون۔ ان سات چیزوں کو آپ برا سمجھتے  
 تھے یہ آپ کے حالات سے ظاہر ہے۔ کیونکہ حضور کا ارشاد ہے کہ مَنْ نَبَغَ الصَّيْدَ غَطَلَہُ یعنی جس نے  
 شکار کا بھجھا کیا وہ غافل ہوا۔ ابو داؤد و نسائی و ترمذی بروایت ابن عباسؓ

کہ ابو داؤد و جہیز بن عثمان بن امتیہ اور انتوں سے نہج کر کھانا بخاری و سلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔  
 بخاری و سلم بروایت انسؓ

کہ دست کا گوشت پسند خاطر ہوتا بخاری و سلم میں بروایت ابی ہریرہؓ مذکور ہے۔ اور شانہ کا گوشت مرغوب ہے۔  
 ابن حبان نے بروایت ابی ہریرہؓ نقل کیا ہے۔ اور کدو کا محبوب ہونا بروایت انسؓ اور سرکہ اور  
 کھجور کا پسندیدہ ہونا بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے۔

تہ ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت ابی ہریرہؓ اور بخاری و سلم بروایت سعید بن ابی وقاص جملہ اخیر  
 ابونعیم نے طب نبوی میں بروایت ابن عباسؓ کاسنی کو افضل نقل کیا ہے۔ ریحان کے متعلق مجھے حدیث  
 نہیں ملی۔ اور خرد کے متعلق ابونعیم نے حدیث مرسل اور ضعیف نقل کی ہے۔

کہ ابی بکر محمد بن عبد اللہ بن اشقر کی حدیث میں بروایت ابن عباسؓ پسند ضعیف مذکور ہے۔  
 تہ بیہقی بروایت ابن عباسؓ بنہ ضعیف فرماتا اور بروایت مجاہد مرسوہ۔



تھے۔ کچا لہسن اور پیاز اور گندہ نہیں کھاتے تھے۔ آپ نے کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں دھرا۔ بلکہ اگر طبیعت کو اچھا معلوم ہوا تو کھالیا۔ ورنہ چھوڑ دیا۔ نیز اگر کوئی کھانا حضور کو اچھا نہیں لگتا تھا تو دوسروں کو اس سے متنفر بھی کرتے تھے۔ اور گوہ (جانور) اور تلی سے آپ کو نفرت تھی۔ مگر ان کو حرام نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کے وزن کو انگلیوں سے خوب صاف کرتے۔ اور فرمایا کرتے کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے کھانا کھالے کے بعد اپنی انگلیاں استغفار چاٹتے۔ کہ سرخ پڑ جاتیں۔ جب تک ایک انگلی چاٹ کر صاف نہ کر لیتے تب تک اپنی انگلیاں رومال سے نہیں پونچھتے تھے فرماتے کہ معلوم نہیں کس کھانے میں برکت ہو۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ فرماتے۔ الحمد للہ۔ اللھم لاک الحمد اطعمت فاشبعیت و سقیت فارویت۔ لاک الحمد غیر مکفور ولا مودع ولا مستغنی یعنی الہی! تیرا شکر ہے خدا یا! سب تعریفیں تیرے ہی لائق ہیں۔ تو نے مجھے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا۔ تیرا ہزار ہزار شکر ہے۔ ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور نہ ہی آئندہ تیری نعمتوں سے نا اُمید ہوتے ہیں۔ اور نہ ہم تیری ذات پاک سے بے نیاز ہوتے ہیں جب آپ گوشت

۱۵ موطا امام مالک بروایت سلیمان بن بشار مرسلہ

۱۶ پہلی حدیث میں بیشتر مذکور تھا۔ اور بخاری و مسلم میں گوہ کے قصہ میں مذکور ہے۔ کہ اس کو کھاؤ۔ کیونکہ وہ ہم نہیں ہے۔ اور اس میں کچھ مضائقہ ہے۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ یہ میری قوم کی خوراک نہیں ہے اس لئے مجھے طبعاً مکروہ معلوم ہوتی ہے۔

۱۷ گوہ والی حدیث بخاری و مسلم میں بروایت ابن عباس آئی ہے۔ اور تلی کی حدیث بیہقی نے بروایت ذیہ بن ثابت موقوف نقل کی ہے۔ کہ حضور نے فرمایا کہ میں تلی کھاتا ہوں۔ حالانکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں تاکہ میرے گھوڑوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۱۸ بیہقی در شعب الایمان بروایت جابر

۱۹ مسلم بروایت کعب بن مالک مگر اس میں سرخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

۲۰ مسلم و بیہقی بروایت کعب بن مالک

۲۱ ابو یعلیٰ بروایت ابن عمر بن عبد اللہ بن عمار بن لہیع



روٹی کھاتے نو یا تھوں کو خوب دھو کر منہ مبارک پر پھیر لیتے۔ آٹھ تین سانس میں پانی پیتے تھے۔ ہر بار شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ فرماتے۔ پانی بڑے بڑے گھونٹوں سے نہیں پیتے تھے۔ بلکہ چوس چوس کر پیتے۔ کبھی کبھی ایک سانس سے بھی پانی پی لیتے تھے۔ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لیتے تھے۔ بلکہ اپنا منہ برتن سے علیحدہ کر کے سانس لیتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پس خوردہ (جھوٹا) دائیں طرف والوں کو عنایت فرماتے تھے۔ لیکن اگر بائیں طرف والا مرتبہ میں اپنی طرف سے بڑھ کر ہوتا۔ تو دائیں طرف سے اجازت لیتے۔ اور فرماتے کہ بھئی سنت تو یہی ہے کہ پس خوردہ تم کو ملے۔ لیکن اگر تم اجازت دو تو بائیں طرف سے کو دیدوں۔

ایک دفعہ آپ کی خدمت اقدس میں شہداء اور دودھ پیش کئے گئے۔ آپ نے ان کے پینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن اور ایک دفعہ میں دو پینے کی چیزیں مکروہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں ان کو حرام نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ فخر کی چیزوں کو اور دنیا کی غیر ضروری اشیاء کا قیامت میں حساب ہونے کو برا چاہتا ہوں۔ اسے تو اضع کو میں پسند کرتا ہوں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے تو اضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو عالی مرتبہ بنا دیتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے میں کنواری عورت کے بھی زیادہ جہادار ہوتے تھے۔ گھر والوں سے کھانا طلب نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے کھلا دیا۔ تو کھالیا۔ اور جو کچھ سامنے لا رکھا وہی قبول کر لیا۔ اور جو بلا دیا وہی پی لیا۔

۱۷ طبرانی در واسطہ بروایت ابی ہریرہؓ

۱۸ ابن عدی و ابن ہندہ بروایت ابی ہریرہؓ و طبرانی بروایت ام سلمہؓ بسند ضعیف

۱۹ ابن حبان بروایت زید بن ارقمؓ بسند ضعیف

۲۰ بخاری و مسلم بروایت انسؓ

۲۱ حاکم بروایت ابی ہریرہؓ

۲۲ طبرانی بروایت عائشہ صدیقہؓ بسند ضعیف

۲۳ بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعدؓ

۲۴ کوئی سعید کھانا طلب کرنا مقصود ہے۔ ورنہ

۲۵ اس کی سند پہنچ چکی ہے

۲۶ بلکہ یہین مطلق کھانا طلب کرنا معوج میرا وہی ہے چنانچہ مسلم میں بروایت عائشہؓ ہے مَلَّ عِنْدَ كَرَّةٍ

شئی یعنی کہ انہوں نے پاس کوئی کھانے کی چیز نہ پا کر دوسرے فقروں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے



بعض اوقات اپنے کھانے اور پینے کی چیز خود کھڑے ہو کر لیتے تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## چھٹا بیان

### سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و آداب

### متعلقہ لباس کے ذکر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کپڑا مل جاتا مثلاً تہمہ چادر کرتہ۔ جبہ وغیرہ وہی پہن لیتے۔ آپ کو سبز لباس پسند تھا۔ آپ کی پوشاک عموماً سفید رنگ کی ہوا کرتی تھی۔ فرمایا کرتے تھے کہ سفید کپڑے زندوں کو پہناؤ۔ اور مردوں کو بھی سفید کفن میں دفن کرو۔ جنگ میں اکثر روئی دار اور کبھی بغیر روئی کے کوٹ پہنا کرتے تھے حضور انورؐ ایک سبز رنگ کی قبا کوٹ پہنا کرتے۔ تو آپ کے گورے بدن مبارک پر بہت ہی بختی تھی۔ آپ کے تمام کپڑے مخمور سے اوپر رہتے۔ بالخصوص آپ کا تہمہ تو آدمی پہنڈلی تک ہوتا تھا۔ آپ کی قمیض کے بند بندھے بھٹے رہتے۔ لیکن نماز وغیرہ میں کمی ان بندوں

۱۰ ابو داؤد میں بروایت بنت عباس مذکور ہے کہ آپ نے ان کے یہاں کی حال مکی ہوئی میں سے خود شامل فرمایا۔ اور

ابن ماجہ نے بروایت کثیفہ نقل کیا ہے کہ آپ نے مکی ہوئی مشک میں سے خود کھڑے ہو کر پانی پیا۔

۱۱ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ صدیقہؓ تمہ کا پہنا ذکر ہے۔ سارہ جادو والی حدیث اور ہرگز چکی ہے۔ اور نسانی

میں کثرت کا مرقوب ہونا روایت ام سلمہؓ مذکور ہے۔ اور عتبہ کی حدیث اور پر گندہ چکی ہے۔

۱۲ ابن ماجہ اور حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

۱۳ اس کی سند عراقی کی کتاب میں کاتب کی قلم سے رہ گئی ہے۔

۱۴ بخاری تعلیقاً و مسلم بروایت جابرؓ مگر اس میں رنگت کا ذکر نہیں ہے۔

۱۵ ابو الفضل محمد بن طاہر بروایت عبد اللہ بن بسرؓ سفید۔

۱۶ ابو داؤد و ابن ماجہ و طبرانی بروایت ابن عباسؓ۔



کو کھول بھی دیا کرتے تھے حضور کے پاس ایک زعفرانی رنگ کی چادر مبارک تھی۔ بعض اوقات اُسی کو پہن کر نماز پڑھ لیا کرتے۔ کبھی آپ صرف چادر ہی پہن لیتے۔ اور کوئی کپڑا حضور کے بدن مبارک پہن نہ ہوتا تھا۔ آپ کے پاس ایک پیوندگی ہوئی چادر تھی۔ اس کو بھی پہنا کرتے۔ اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں اور بندوں کی طرح میں بھی لباس پہنتا ہوں۔ جمعہ کے دن کے لئے آپ کا ایک خاص جوڑا تھا۔

کبھی آپ کے جسم اطہر پر صرف ایک تہمد کی چادر ہٹا کرتی۔ اس کو آپ اس طرح پہنتے کہ اس کے دو کناروں کو دونو شانوں کے درمیان گہرہ دکھالیتے۔ کبھی جنازہ بھی اسی چادر سے پڑھا دیتے۔ کبھی مکان کے اندر اُسی چادر کو پہن کر نماز پڑھ لیتے حالانکہ یہ وہی چادر ہوتی تھی جس میں حضور رات کو صحبت (جماع) کیا کرتے تھے۔ کبھی تہمد کا ایک کنارہ خود لپیٹ کر اور دوسرا ازواج مطہرات (بیویوں) پر ڈال کر تہجد کی نماز ادا کرتے۔ حضور کی ایک چادر سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ نے وہ کسی کو دیدی۔ کسی وقت آپ کی حرم محترم حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا کہ سیاہ چادر کہاں گئی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے کسی کو دیدی ہے۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا کہ جیسی وہ سیاہ چادر حضور کے گویے بدن پر اچھی لگتی تھی۔ ایسی کوئی چیز مجھے کبھی رچی نظر نہیں آئی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں

۱۔ ابو داؤد ویرایت قیس بن سعد ۛ

۲۔ ابن ماجہ و ابن خویمہ بروایت ثابت بن الصامت ۛ

۳۔ بخاری و مسلم نے بروایت بڑوہ بلند چادر کا ذکر کیا ہے ۛ

۴۔ طبرانی در صغیر و اوسط بروایت عائشہؓ بنہد ضعیف ۛ

۵۔ بخاری بروایت محمد بن المنکدر ۛ

۶۔ اس کی سند مجھے نہیں ملی۔ مطلق نماز پڑھنا پہلی روایت میں مذکور چڑا ۛ

۷۔ ابو یعلیٰ بروایت معاویہ ۛ ۸۔ ابو داؤد و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ ۛ

۹۔ ان کی روایت ام سلمہؓ سے اس طرح نظر نہیں آئی۔ ہاں سیاہ چادر کا ہونا مسلم نے بروایت عائشہؓ

اور ابو داؤد و نسائی نے بروایت عائشہؓ ذکر کیا ہے ۛ

۱۰۔ ابن ماجہ بروایت عبادہ بن الصامت ۛ



کہ میں نے حضور کو بعض اوقات ایک چھوٹی سی چادر پہن کر ظہر کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ جس کے کناؤں کو آپ گرہ لگالیا کرتے تھے۔

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی بھی پہنا کرتے تھے۔ کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تو کسی چیز کی یادداشت کے لئے اس انگوٹھی میں مصحاکہ باندھ لیا کرتے۔ انگوٹھی سے آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے۔ اور فرماتے کہ خطوط پر مہر لگا دینی شہمت بہتر ہے۔ آپ ٹوپی بھی پہنتے۔ کبھی عمامہ کے نیچے اور کبھی تنہا ٹوپی ہی پہن لیتے۔ کبھی ٹوپی مبارک سے آٹا کر سامنے رکھ کر سترہ بنا لیتے۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے۔ اگر کبھی عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی ہی باندھ لیتے حضور کے ایک عمامہ کا نام سحائب تھا۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرما دیا تھا حضرت علیؓ وہ عمامہ پہن کر تشریف لاتے۔ تو آنحضرتؐ فرماتے کہ علیؓ تمہارے پاس سحاب پہن کر آئے ہیں۔ کپڑے پہنتے وقت حضورؐ واہنی طرف سے شروع کرتے۔ اور یہ کلمات فرماتے

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور لوگوں میں زینت و زیبائش حاصل کرتا ہوں۔ کپڑے اتارتے وقت بائیں طرف سے شروع کرتے۔ جب نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی غریب کو عنایت فرما دیتے۔ اور یہ ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی خاطر (کم از کم) اپنے ہونے کے

۱۵ بخاری، مسلم، ہیثم بن عمر و انسؓ ۱۶ ابن عدی بروایت واصلہ ۱۷

۱۸ انگوٹھی سے مہر کرتا بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ اور شمائل ترمذی میں بروایت عمرؓ منقول ہے۔ مگر دوسرے جملہ کی اصل مجھے نہیں ملی ۱۹

۲۰ طبرانی وابن حبان بروایت ابن عمرؓ لیکن سترہ کا ذکر نہیں ہے ۲۱ بخاری بروایت ابن عباسؓ ۲۲

۲۳ ابن عدی وابن حبان بروایت جعفر بن محمد عن حماد عن مسروق عن حدیث نہایت ضعیف ہے ۲۴ بخاری بروایت ابی ہریرہؓ ۲۵ ابن ماجہ و حاکم بروایت عمر فاروقؓ ۲۶

۲۷ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف ۲۸

۲۹ ترمذی وابن ماجہ بروایت عمر فاروقؓ مگر اس میں آپؐ کے کپڑے پہنتے اور پڑانے کے طریق کا راہ خدا میں فیہ کا ذکر نہیں ہے۔ صرف صدقہ کرنے کا ارشاد ہے۔ اور آخری جملہ نہیں ہے۔



کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے اس کے بدن پر رہیں گے پہناتے والا زندگی اور موت کے خدا تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا۔ حضور کا ایک چمڑے کا گدا تھا جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دو گز لمبا اور ایک گز ایک بالشت چوڑا تھا۔ آپ کا ایک کبیل تھا جس کو صحابہ کرام ہر جگہ اٹھا کر دو تہہ کر کے آپ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔ حضور چٹائی پر سو یا کرتے تھے۔ یہی چٹائی آپ کا بستر تھا۔ آپ کی عادت شریف تھی کہ اپنے جانوروں، ہتھیاروں اور دیگر اشیاء کے نام رکھ لیا کرتے تھے چنانچہ آپ کے ایک نبرہ کا نام عقاب اور ایک تلوار کا نام ذوالفقار۔ دوسری تلوار کا نام مخدوم اور تیسری کا نام رسوب اور چوتھی کا نام قضیب تھا۔ آپ کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کا ملمع ہوا ہوا تھا۔ آپ چمڑے کی ایک پٹی بھی پہنا کرتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں آپ کی کمان مبارک کا نام کنوم۔ ترکش کا نام کا فور اور اونٹنی کا نام قصویٰ یا عضباء تھا۔

۱۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں ذکر طول و عرض اور ابن حبان نے بروایت ام سلمہ نقل کیا ہے

کہ آپ کا گدا بمقدار قد انسان کے تھا۔ اس حدیث میں ایک راوی بھول ہے۔

۲۔ ابن سعد طبقات و ابن حبان بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اور شامل ترمذی میں بروایت

حفصہ ثاٹ کا فرش دو تہہ کا مذکور ہے۔ کہ اس پر حضور سوتے تھے۔

۳۔ بخاری و مسلم و ترمذی و ابن ماجہ و بیہقی سے علیحدگی اختیار کرنا بروایت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

۴۔ طبرانی بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں۔ مگر اس سند میں ایک راوی کو

واضع و بناوٹی حدیثیں بتانے والا کہا جاتا ہے۔

۵۔ ابن حبان بروایت حسن مرسلہ۔ ۶۔ ابن حبان بروایت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

۷۔ ابن سعد و طبقات بروایت مردان بن ابی سعید مرسلہ۔

۸۔ ابن سعد بروایت سابقہ۔ ۹۔ ابن خثیمہ و ترمذی

۱۰۔ ابو داؤد و ترمذی بروایت انس رضی اللہ عنہ

۱۱۔ اس کی اصل مجھے نہیں ملی۔ مگر ابن سعد و ابن حبان نے بروایت جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ مرسلہ

نقل کیا ہے۔ کہ آپ کی زردہ میں دو کڑیاں چاندی کی چھاتی کی جگہ پر اور دو پس پشت تھیں۔

۱۲۔ اس کا پتہ مجھ کو نہیں ملا۔ مگر طبرانی نے بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ آپ کی کمان کا نام سداو اور

ترکش کا نام جمع تھا۔ ابن خثیمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں۔



آپ کی خچر کا نام ولدن۔ دراز گوش کا نام یعفور اور آپ کی بکری کا نام عنیہ تھا۔ اس بکری کا آپ دودھ پیا کرتے تھے۔ حضور کے پاس مٹی کا ایک بوتلا تھا جس کے وضو بھی کرتے تھے۔ اور پانی بھی پیتے تھے۔ لوگ اپنے ہوشیار بچوں کو حضور کی خدمت اقدس میں بھیجتے۔ ان کو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لٹے مبارک میں پانی مل جاتا تو اس کو پیتے بھی تھے۔ اور برکت کے لئے اپنے بدن مبارک پر بھی ملتے تھے۔

## سوال بیان

اس ذکر میں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود  
قدرت مجرموں کے قصور معاف فرمایا کرتے تھے

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ باوجودیکہ آپ کو مجرم سے انتقام (بدلہ) لینے یا اس کو سزا دینے کی پوری طاقت حاصل تھی لیکن مجرموں کے قصور معاف کر دینا آپ کو بے حد شوق تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت اقدس میں سونے چاندی کے ہار آئے۔ آپ نے وہ ہار اپنے اصحاب کرام میں تقسیم کر دیے۔ اسی اثناء میں ایک یدوی شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے آپ کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے لیکن میں آپ کو عدل و انصاف کرتے ہوئے نہیں دیکھتا آپ نے فرمایا کہ او کم بخت! میرے سوا اور کون عدل و انصاف کریگا۔ جب وہ حضور کے

۱۔ مسلم بروایت جابرؓ اور بخاری بروایت انسؓ

۲۔ حاکم بروایت ثعلبی مرتفعیؓ

۳۔ فوائد ابی الدرداءؓ

۴۔ ابن سعدؓ نے آپ کی بکریوں کے سلات نام اور لکھے ہیں۔ اور فوائد ابی الدرداءؓ میں

بکری کا نام برکہ لکھا ہے۔

۵۔ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ

۶۔ اس کی سند پہلے گدی چکی ہے۔







قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ ایک یہودی نے حضور پر جادو کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے جادو نکلا کر اس کی گرہیں کھلوادیں۔ تو آپ کو جادو سے افاقہ ہو گیا۔ لیکن حضور نے اس یہودی سے کبھی اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا۔ کہ روضہ خاں (مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے) میں جاؤ۔ وہاں ایک مسافر عورت ہے۔ اس کے پاس (مسلمانوں کے خلاف) ایک خط ہے۔ وہ خط اس سے لے آؤ۔ ہم حسبِ ارشاد اس روضہ میں گئے۔ اور اس عورت سے کہا۔ کہ تیرے پاس جو خط ہے۔ وہ ہمیں دیدے۔ وہ بولی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو تو خط نکال کر دیدے۔ ورنہ اپنے کپڑے اتار ڈال۔ اس عورت نے (اپنی بے پردگی کے بارے) اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط حضور کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ دیکھا تو وہ خط حاطب بن ابی بلتعثہ (صحابی) کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں حضور علیہ السلام کے حالات بیچ تھے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر ہو گئے ہیں۔ خواہ تم پر چڑھائی کریں۔ یا کسی اور پر۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعثہ سے کہا۔ کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔ اس نے عرض کیا۔ کہ آپ جلدی نہ فرماویں۔ اہل واقفہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہاجرین کے رشتہ دار تو مکہ معظمہ میں بہت سے ہیں۔ وہ رشتہ دار جنگ کے موقع پر ہاجرین کے گھر والوں کو بچا لینگے۔ لیکن میرا مکہ معظمہ میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے لہذا میں نے اپنے گھر والوں کو بچانے کیلئے یہ تدبیر سوچی۔ کہ میں قریش مکہ (مشرکین مکہ) کو حضور کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دیکر ان کو اپنا ہمنوا احسان بنالوں۔ تاکہ وہ بوقت جنگ اس احسان کے ہٹلے میں میرے گھر والوں کو بچالیں۔ پس اس لئے میں نے یہ خط مشرکین مکہ کے نام روانہ کیا تھا۔ ورنہ میں نے معاذ اللہ کفر و ارتداد کی بنا پر یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کا یہ محقول سنا کہ اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اگر اجازت

نہ تسانی بروایت زید بن ارقم۔ اور آپ پر جادو کئے جانے کا قصہ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہؓ بالفاظ دیگر منقول ہے۔

۳۵ بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰؓ



ہو۔ تو اس منافق کی گردن اڑا دی جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شخص جنگ بدر میں موجود تھا۔ اور بدر والوں کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے کچھ مال تقسیم کیا۔ ایک انصاری بولا کہ حضور کی تقسیم رضا اللہی کے خلاف ہے۔ یہ بات حضور کو پہنچی۔ تو آپ کا چہرہ انور غصے کے مارے سرخ ہو گیا۔ اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ رنج و تکلیف پہنچانی لگتی تھی۔ مگر انہوں نے صبر سے کام لیا۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! کوئی شخص میرے اصحاب کی شکایت مجھ سے نہ کیا کرے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ جب تم سے ملوں صاف دل ہو کر ملوں۔

## اکھواں بیان

اس فکر میں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد پتلی اور ظاہر و باطن صاف تھا حضور کی رضامندی اور ناراضگی چہرہ انور سے معلوم ہو جایا کرتی تھی۔ سخت غصہ کے وقت آپ اپنی دائرہ مبارک کو بہت ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ کسی کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے تھے۔ جو اس کو بُری لگے۔ ایک شخص زرد و خوشبو لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ گو آپ کو زرد خوشبو بُری معلوم ہوئی۔ لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہیں فرمایا جب وہ شخص چلا گیا۔ تو حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو کہہ دے کہ بھی زرد و خوشبو

۱۔ بخاری مسلم بروایت ابن مسعود ۲۔ ابوداؤد و ترمذی بروایت ابن مسعود ۳۔ ابن حبان بروایت ابن عمر ۴۔ ابوداؤد و ترمذی در شمائل بروایت انصاری

۵۔ ابن حبان بروایت ابن عمر ۶۔ ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہ ۷۔ ابوداؤد و ترمذی در شمائل بروایت انصاری

۸۔ ابوداؤد و ترمذی در شمائل بروایت انصاری



نہ لگایا کرو۔ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام اس کو غصے سے لگے تو آپ نے فرمایا کہ آپ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ اس کا پیشاب مت روکو۔ پھر اس اعرابی (دیہاتی) کو سمجھایا کہ بھٹی! یہ مسجد میں کوڑے کرکٹ یا پیشاب پاخانے کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک اہل بیت میں یوں آیا ہے کہ صحابہ کرام کو حضور نے ارشاد فرمایا کہ اسکو ڈراؤ نہیں بلکہ پاس بلاؤ۔ ایک روز ایک اعرابی نے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے اس کو کچھ عطا فرما کر کہا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا ہے۔ اعرابی بولا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اعرابی کے گیسٹ خانہ الفاظ شکر مسلمان پر فروخت ہوئے اور اس کو ماننے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن حضور نے ان کو روک دیا۔ اور اپنے دولت خانے میں جا کر اس اعرابی کو بلوایا۔ اور کچھ دے کر پھر فرمایا کہ کیا میں نے تجھ پر احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا کہ ہاں حضور خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا فرما دے۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا کہ تم پہلے مسلمانوں کے سامنے گستاخانہ الفاظ کہ چکے ہو جن کی وجہ سے وہ تم سے بہت ناراض ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ جو شکریہ کے الفاظ تم نے میرے سامنے کہے ہیں۔ یہی مسلمانوں کے رویہ و بھی کہید جو۔ اعرابی نے عرض کیا کہ بہت اچھا حضور۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس اعرابی نے تو ناشکری کے الفاظ کہے تھے۔ لیکن ہم نے اسکو بہت زیادہ عطیتہ دیدیا ہے۔ اعرابی بولا کہ بیشک حضور اب میں آپ کے راضی ہوں خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل و عیال کو جزائے خیر عطا فرما دے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک جاوے (ڈر جائے) اور لوگ اس کے پیچھے دوڑیں۔ تو وہ اور زیادہ بدک جاوے۔ پھر اونٹنی کا مالک سب لوگوں کو دور ہٹا کر کہے کہ لوگو! تم الگ ہو جاؤ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی۔ میں اپنی اونٹنی پر تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ اور مجھے اس کی حالت تم سے زیادہ معلوم ہے۔ یہ کہہ کر وہ مالک کچھ چارہ لے کر اونٹنی کے سامنے سے آوے۔ اور اس کو چارہ دکھلا کر

سند بخاری و مسلم بروایت انس رحمہ

۱۰ ہزار و ابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف



آہستہ آہستہ اُس کے قریب آتا جاوے۔ اور اپنی اونٹنی کو پیار سے بلاتا جاوے۔ حتیٰ کہ اونٹنی اپنے مالک کے پاس آکر کھڑی جاوے۔ اور مالک اس کو بھلا کر اُس پر کاٹھی لکڑی سوار ہو جاوے۔ اسی طرح جب اس اعرابی نے گت ماخانہ الفاظ کہے تھے۔ اگر میں تم کو تندرکتا۔ تو تم اس کو مار ڈالتے۔ اور وہ بلا توبہ مرنے کے باعث دوزخی ہو جاتا۔

## نواں بیان سید العرب اعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی چودو سخاوت کے ذکر میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے۔ بالخصوص رمضان المبارک میں تو آپ اندھی کی طرح سخاوت کرتے تھے۔ اور کسی کو بغیر دئے جانے نہ دیتے حضرت علیؓ جب آپ کے اوصاف بیان فرماتے۔ تو یوں فرماتے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک سب سے زیادہ سخی تھے۔ اور سینہ سب سے زیادہ فراخ تھا۔ اور گتگوں میں سب سے زیادہ سچے تھے۔ وعدہ کو پورا کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کی عادت نرم اور آپ کا خاندان نہایت اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ کو دیکھتا فوراً مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر محبت کے طور پر آپ سے میل جول رکھتا۔ تو آپ کا والہ و شہید ہو جاتا تھا۔ وہ آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہتا۔ کہ حضور جیسا نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا۔ اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نظر آیا۔ نو مسلم جو بھی سوال کرتا۔ آپ اس کا سوال پورا کرتے۔ چنانچہ ایک نو مسلم نے آپ سے سوال

۱۔ بخاری و مسلم بروایت انس ۲۔ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ اور اس میں اس

طرح آیا ہے۔ کہ جب حضور کی حیرائیل علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اندھی طرح (بجہ) سخاوت کرتے ۳۔

۴۔ ابویہ ترمذی کی ہے لیکن ساتھ ہی ترمذی میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ روایت متصل نہیں ہے منقطع ہے ۵۔

۶۔ مسلم بروایت انس ۷۔



کیا۔ تو آپ نے اس کو استقدر بکریاں عطا فرمائیں۔ کہ وہ مشکل دو پہاڑوں میں سماتی تھیں۔ وہ نو مسلم جب اپنی قوم کے پاس گیا۔ تو اُس نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ لوگو! مسلمان ہو جاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نو مسلموں کو اس افراط سے عطا فرماتے ہیں۔ کہ اُن کو محتاجی کا بھی ڈر نہیں ہوتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔ کہ آپ کسی نے کچھ سوال کیا ہو۔ اور آپ نے اس کو کچھ عنایت نہ فرمایا ہو۔ حضور کی خدمت اقدس میں تو نے ہزار درہم کہیں آئے۔ آپ نے وہیں کے وہیں چٹائی پر رکھوا کر سب کے سب حاجتمندوں اور مستحقوں کو بانٹ دئے۔ اور کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ حتیٰ کہ آپ کے پاس اُن (نوے ہزار) میں سے ایک درہم بھی نہ بچا۔ ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ بھئی! اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ جتنے کی تجھ کو ضرورت ہے میرے نام پر کسی سے قرض لے لو۔ جب تھامے پاس کچھ آئیگا۔ تو ہم اس کو ادا کر دینگے حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز کی آپ کو طاقت نہیں خدا تعالیٰ نے اس کی تکلیف آپ کو نہیں دی۔ حضور کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ سائل نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ آپ فی سبیل اللہ خرچ کرتے جاتیے۔ اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر محتاجی سے مت ڈریئے۔ حضور یہ بات سن کر مسکرائے۔ اور خوشی کے آثار آپ کے چہرہ انور پر نمایاں ہوئے۔ جب حضور جنگ حنین سے واپس تشریف لائے۔ تو اعرابیوں نے آپ سے مانگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائلوں کی کثرت اور بھیڑ کے باعث آپ کو مجبوراً بھول (کیکڑ) کے درخت کی طرف جانا پڑا۔ اس درخت میں حضور کی چادر مبارک اٹک گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ کہ میری چادر تو دیدودا (اللہ) اگر میرے پاس ان درختوں کی تعداد میں بھی اونٹ ہوں۔ تو وہ بھی میں تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے ہرگز ہرگز بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ گے۔

۱۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ

۲۔ ابواسحاق ابن الضحاك در شمائل بروایت حسنؓ مرسلًا اور بخاری میں بروایت انسؓ تعلیقاً بلا

ذکر عدد مروی ہے۔

۳۔ بخاری بروایت جابر بن مطعمؓ

۴۔ ترمذی در شمائل بروایت عمر فاروقؓ



# دسواں بیان

## سرور انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ طاقتور اور بہادر آدمی تھے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کے روز حالانکہ حضور علیہ السلام ہماری نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن تاہم ہم آپ کی پناہ پکڑتے تھے۔ اُس روز آپ کے کفار کے ساتھ سب سے زیادہ لڑائی کی۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنگ شروع ہوتا تو آپ ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب ہوتے۔ باوجود اس کے ہم حضور کی پناہ میں ہوتے تھے۔ روایت ہے کہ حضور علیہ السلام بہت کم بولتے تھے۔ جب آپ جنگ کا حکم صادر فرماتے تو بذات خود جنگ کے لئے تیار ہوتے۔ اور سب سے پہلے دشمن کا مقابلہ کرتے زیادہ بہادر وہی سمجھا جاتا تھا۔ جو جنگ میں حضور کے قریب ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے۔ عمر ابن بن حصین فرماتے ہیں کہ دشمن کی جس جماعت سے بھی آپ کی جنگ ہوتی۔ تو سب سے پہلے آپ ہی وار فرماتے۔ آپ بڑے جنگجو اور لڑاکے تھے۔

۱۔ دارمی بروایت ابن عمرؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ مذکور ہے کہ کان احسن الناس و اشجع الناس یعنی حضور تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور بہادر تھے۔

۲۔ ابن حبان و در اخلاق النبیؐ

۳۔ نسائی بروایت علیؓ مرتضیٰ و مسلم بروایت برادر ابن عاذبؓ

۴۔ ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

۵۔ تیرانی و راوی بروایت ابن عمرؓ بنید ضعیف۔ بخاری و مسلم بروایت برادر ابن عاذبؓ

۶۔ ابوالحسن بن ضحاک و رشائل بروایت ابوسعید خدریؓ بنید ضعیف۔



تھے۔ ایک دفعہ آپ کو مشرکوں نے گھیر لیا۔ آپ نوراً اپنی چھتر سے اتر کر فرمانے لگے کہ انا النبی لا کذب انا بن عبد المطلب یعنی لوگو! میں یقیناً سچا نبی ہوں۔ اور میں عبد المطلب کی اولاد ہوں۔ اُس دن حضور سے بڑھ کر کوئی بہادر اور قوی دل نظر نہیں آتا تھا۔

## گیارہواں بیان

### خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے ذکر میں

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باوجود تمام دنیا سے اعلیٰ مرتبہ ہونے کے سب سے زیادہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے حضور کو دیکھا کہ مسرخ اونٹنی پر سوار ہو کر جمرہ کو کنکریاں مار رہے تھے۔ لیکن کوئی کسی کو دھکے نہیں دیتا تھا۔ اور نہ ہی مہو بھوکتا تھا۔ جیسے دیگر امرا اور سلاطین کی آمد کے وقت ہوا کرتا ہے آپ استفادہ منکسر المزاج تھے کہ اپنے دراز گوش پر بچائے زین کے چاؤ ڈال کر سوار ہو جاتے۔ اور پھر کسی کو اپنے پیچھے بھی سوار کر لیتے تھے۔ آپ بیماروں کی بیجا پرسی فرماتے۔ جنازہ کے ہمراہ تشریف لیجاتے۔ غلام کی دعوت منظور فرما لیتے۔ اپنے کپڑوں کو خود پیوند کالیا کرتے۔ اور گھر میں گھروالوں کے ساتھ مل کر کام بھی کرتے تھے۔ چونکہ حضور انور کسی سے کام کروانے کو بُرا جانتے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام آپ کا کام نہیں کرتے تھے۔ آپ لڑکوں کے پاس سے گذرتے وقت بھی ان کو سلام کرتے۔ ایک شخص حضور کی بارگاہ اقدس میں حاضر کیا گیا۔ تو وہ مائے رعب کے کانپنے لگا۔ آپ نے تسلی کے طور پر ارشاد فرمایا: دور و مست میں بادشاہ

لے ترمذی و نسائی و ابن ماجہ بروایت قدامہ بن عبد اللہ

۱۵ بخاری و مسلم بروایت اسامہ بن زید + ۱۶ اس کی سند اسی باب کے شروع میں گذر چکی ہے +

۱۷ ترمذی بروایت انس + ۱۸ بخاری و مسلم بروایت جبر بن

۱۹ ابو داؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہ +



نہیں ہوں۔ بلکہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں۔ جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ آپ صحابہ کرام میں ایسے مل جل کر بیٹھتے۔ کہ کوئی اجنبی شخص آپ کو پوچھے بغیر پہچان نہیں سکتا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ کسی ایسی جگہ بیٹھا کریں۔ کہ ناواقف آدمی آپ کو پہچان لیا کرے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے صحابہ نے محض آپ کے بیٹھنے کے لئے مٹی کا ایک چھوڑا سا بنا دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو جو آپ تکبہ پر سہارا لگا کر کھانا تناول فرمایا کیجئے۔ اس میں آپ کو آرام نہ ہوگا۔ لیکن حضور نے کھانا کھاتے وقت بجائے تکبہ لگانے کے اور زیادہ جھک کر کھانا کھانے لگے۔ حتیٰ کہ آپ کا سر مبارک زمین پر لگنے کو ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کی طرح کھاؤں گا۔ اور بندوں کی طرح بیٹھوں گا۔ آپ نے عمر بھر کشتی اور خوان میں کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگر آپ کو کوئی صحابی یا کوئی اور شخص آواز دیتا۔ تو جواب میں فرماتے (لیک) میں حاضر ہوں۔ جب حضور لوگوں کیساتھ مجلس فرماتے۔ تو جیسی گفتگو وہ کرتے ویسی ہی آپ بھی کرتے۔ مثلاً اگر لوگوں نے دنیاوی گفتگو شروع کی ہے۔ تو آپ بھی دنیاوی گفتگو فرماتے۔ اور اگر دین یا آخرت کے بارے میں انہوں نے کوئی گفتگو شروع کی۔ تو آپ بھی ویسی ہی گفتگو فرماتے۔ غرض کہ مجلس میں بھی آپ تواضع کی خاطر لوگوں کا لحاظ رکھتے۔ اگر کبھی صحابہ کرام حضور کے سامنے اشعار پڑھتے اور زمانہ جاہلیت (کفر) کا تذکرہ کر کے ہنستے۔ تو آپ بھی ان کے ساتھ ہنستے فرماتے اور سوائے حرام کے اور کسی چیز پر ان کو جھڑکتے نہیں تھے۔

۱۔ ابو داؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہؓ

۲۔ ابن جریر بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر عن عائشہؓ

۳۔ بخاری بروایت انسؓ

۴۔ ابونعیم و دلائل النبوة بروایت عائشہؓ اور اس سند میں حسین بن علوان متهم بالكذب ہے۔

۵۔ ترمذی و دشماقل بروایت زید بن ثابتؓ

۶۔ مسلم بروایت جابر بن عمرؓ



# بارہواں بیان

## حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ مبارک کے ذکر میں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے۔ نہ بہت قد۔ اگر آپ تنہا چلتے تب تو حضور میاں نہ قد معلوم ہونے تھے۔ لیکن جب کسی کے ساتھ مل کر چلتے تو حضور کا قد مبارک لمبے قد والوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا۔ جب کبھی حضور دو لمبے قد والوں کے درمیان چلتے۔ تو آپ کا قد مبارک ان سے لمبا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جب وہی لمبے قد والے اکیلے چلتے تو وہ دراز قد معلوم ہوتے تھے۔ اور حضور میاں نہ قد نظر آتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بھلائی میاں نہ پن میں ہے۔ حضور کا رنگ مبارک خالص گورا چٹا تھا۔ لیکن نہ حد سے زیادہ سفید تھا۔ اور نہ ہی گندم گوں تھا۔ حضور کی تعریف میں آپ کے چچا ابو طالب نے اس مضمون کا شعر کہا ہے۔

وَأَبْيَضُ يَسْتَسْقِي الْخَمَامُ بَوَّجَهُ

ثَمَّالُ الْيَتَامَى عَصَمَةُ الْأَمَامِ

”وہ نورانی بدن جس کے سبب بارش کا نزول ہو۔ یتیموں اور بیواؤں کا وہ بلجا و بادی ہے۔“ بعض نے آپ کا رنگ ہنرخی مائل بیان کیا ہے۔ تو دونوں روایتوں کی مطابقت اس طرح کی گئی ہے۔ کہ جو اعضاء حضور کے کپڑوں میں چھپے رہتے تھے۔ وہ تو خالص گورے چٹے تھے۔ اور جو کپڑوں سے باہر رہتے۔ جیسے چہرہ النور اور گردن وغیرہ وہ ہنرخی مائل تھے۔ حضور کا پسینہ مبارک چہرہ النور پر توتیوں کی طرح کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے بال مبارک نہایت عمدہ مڑے ہوئے تھے۔ نہ تو زیادہ ہلکے ہوئے تھے اور نہ ہی بہت گھنگر والے تھے۔ جب آپ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے۔ تو وہ اس طرح

لے ابو نعیم در دلائل النبوة بروایت عائشہ صدیقہؓ

لے بخاری تعلیقاً بروایت ابن عمرؓ وابن ماجہ وابن اسحاق در سیرتہ



معلوم ہونے۔ جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں سی پڑ جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضور کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے۔ اور اکثر روایتوں میں یوں آیا ہے کہ کانوں کی ٹونک ہوتے تھے۔ کبھی آپ اپنے بالوں کے چار لچھے سے بنا لیتے۔ ہر ایک کان حضور کا دو ٹچھوں کے درمیان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی آپ بالوں کو کانوں پر ڈال دیتے تو آپ کی گردن کا کنارہ چمکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے سر مبارک اور اڑھنی شریف میں گنتی کے سترہ بال سفید تھے۔ اس سے زیادہ سفید بال ابھی نہیں ہوئے تھے۔ حضور کا چہرہ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس نے بھی آپ کا حلیہ مبارک دیکھا۔ اُس نے حضور کے چہرہ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہی بیان کیا ہے حضور کی جلد مبارک بہت صاف تھی۔ اس لئے خوشی اور تازگی کے آثار فوراً چہرہ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ بیشک آپ ویسے ہی ہی ہیں۔ جیسے آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کی تعریف میں شعر کہا ہے ۵

امین مصلیٰ الخیرین مدعو

کضوء البدر نہ ابلت الظلام

”حضور بڑے امانتدار، برگزیدہ خلائق، اور خالق خدا کو سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری ایسی ہے۔ جیسے چودھویں رات کا چاند صبر سے میں سے نکل آتا ہے۔ اور سب جگہ اُجالا ہی اُجالا کر دیتا ہے۔“ حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک بہت فلخ تھی۔ اور بھنویں باریک تھیں۔ دونوں بھنویں کے درمیان خالص چاندی کی طرح نور چمکتا تھا۔ آپ کی دونوں آنکھیں کشادہ اور نہایت خوشنما تھیں۔ نیز آپ کی آنکھیں خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں۔ آپ کی پلکیں بہت لمبی اور اس کثرت سے تھیں کہ ملنے کے قریب ہو گئی تھیں حضور کی ناک مبارک پتلی اور لمبی تھی۔ اور آپ کے دانت کچھ تھے۔ جب آپ ہنستے تو وہ دانت بھلی کی طرح چمکتے تھے۔ حضور کے لب مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے۔ اور آپ کے رخسار مبارک ابھرے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ سخت تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ

۵۱۲

۵۱۲



گول۔ بلکہ لمبا کسی قدر گولائی لئے ہوئے۔ آپ کی دائرہ مبارک گھنٹی تھی۔ اُسے آپ بالکل نہیں کترواتے تھے۔ بلکہ لمبی چھوڑی ہوتی تھی۔ البتہ مونچھیں ضرور کتراتے تھے حضور کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ نہ زیادہ لمبی نہ چھوٹی۔ گردن کے جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی۔ وہ ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے کچھ سونا ملی ہوئی چاندی کی صراحی۔ جس میں سے چاندی کی چمک اور سونے کی دمک نظر آتی تھی۔ آپ کا سینہ مبارک پھوڑا تھا۔ اس میں کسی جگہ کا گوشت ابھرا ہوا نہیں تھا۔ آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور چاندی کی طرح سفید تھا۔ سینہ کے سرے سے لیکر ناف تک ہمارے طرح بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے علاوہ سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہیں تھے۔ حضور کے پیٹ پر تین شکن تھے۔ ایک شکن تہمد کے نیچے آجاتا تھا۔ اور دو شکن تہمد سے باہر رہتے تھے۔ آپ کے کندھے مبارک بڑے بڑے تھے۔ اور ان پر بال بکثرت تھے۔ آپ کے کندھوں، کٹنیوں اور کمر کے پورے گوشت سے بھرے ہوئے تھے۔ اور حضور کی پشت مبارک فراخ تھی۔ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کندھوں کے درمیان دانے کندھے کے قریب مہر نبوت تھی۔ جس میں سیاہ ندی مائل بایک داغ سا تھا۔ اور اس کے ارد گرد گھوٹے کی عبال کے بالوں کی طرح کچھ بال تھے۔ آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی گوشت پر تھے۔ آپ کے دونوں ہند دست لمبے اور متصل مبارک چوڑی اور ہاتھ پاؤں کشادہ تھے۔ آپ کی انگلیاں ایسی چمکدار تھیں۔ جیسے چاندی کی سلاخیں۔ حضور کی متصلی مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار تھی۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا۔ دن بھر خوشبو سے معطر رہتا۔ اگر شفقت اور پیار کے طور پر حضور پر نور کسی لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیر دیتے۔ تو خوشبو کے باعث وہ دو سکر لڑکوں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔ حضور کی رانیں اور ٹانگیاں گوشت سے پر تھیں۔ آپ کا جسم اظہر من الشمس درجہ کا تھا۔ مگر اخیر عمر میں حضور کسی قدر موٹے ہو گئے تھے۔ باوجود موٹاپے کے آپ کا بدن مبارک نوجوانوں کی طرح سٹول اور مضبوط تھا۔ غرض کہ آپ کا بدن موٹا یا ہر رساں نہیں تھا۔ حضور کی چال ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا پاؤں مبارک جاکر اٹھاتے ہیں۔ اور اوپر سے



نیچے کو تشریف لاتے ہیں۔ پاؤں پاس پاس رکھ کر چلتے۔ اور چلتے وقت پاؤں  
 مہارگ آگے کو جھک کر رکھتے۔ حضور الوداد ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میں اوروں کی  
 نسبت کا دم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام صورت  
 و سیوت میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک  
 میرے دس نام ہیں۔ میں محمد ہوں۔ احمد ہوں۔ ماحی (مٹائیوالا) ہوں۔ اس لئے کہ  
 میرے پیچھے خدا تعالیٰ کفر کو مٹائے گا۔ عاقبت (پیچھے آنے والا) ہوں۔ کیونکہ میں  
 سب پیغمبروں کے بعد ہوا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ حاکم (اکٹھا کر نیوالا)  
 ہوں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ میرے اٹھنے کے بعد سب مخلوقات کو  
 اکٹھا کرے گا۔ اور میں رسول رحمت، و رسول توبہ و رسول ملاحم اور مفسی (پیچھے آنیوالا)  
 ہوں۔ کیونکہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا ہوں۔ اور میں فتنہ یعنی کامل  
 اور جمیع اوصاف حسنہ کا جامع ہوں \*

## نیرصواں بیان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں  
 جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے

جاننا چاہیے کہ اگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کیا جائے  
 اور آپ کے خلاق و عادات و افعال و اعمال اور انتظام و تدبیر خلائق کی صحیح صحیح  
 پہلے پاٹھی نام بخاری و مسلم میں بعایت جبریل مطہر منقول ہیں۔ اور مسلم نے تصحیح اور نبی التوبہ اور  
 ابی الرحمت یزید ابی موسیٰ نقل کئے ہیں۔ اور احمد بن حنبل نے یزید ابی حذیفہ بنی الملاحم ذکر کیا ہے اور  
 ابو نعیم نے دلائل میں ابی الطفیل سے آٹھ نام منقول دس کے کچھ زیادہ کر کے لکھے ہیں۔ اور ابن عدی نے  
 یزید ابی ترقی و جابر و اسامہ بن زید و ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہا عنہا عنہا نقل کئے ہیں \*



خبریں گوش گزار ہوں۔ نیز مشکل اور لاپتھل سوالات کے جو جوابات حضور نے ارشاد فرمائے ہیں اور مخلوقات کی بہتری کی جو حیرت انگیز تدابیر آپ نے نکالیں ان کو دیکھا جائے۔ اور حق امین شریعت کی جو تفصیل حضور نے فرمائی ہے۔ اور جس کی اس نے اپنے بارے میں علماء محققین و فقہاء محدثین عمر بھر حیران اور عاجز رہے ہیں۔ ان سب امور میں اگر غور و فکر کیا جائے۔ تو عقل سلیم کو ذرہ بھر شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہ ان تمام امور کی سرانجام دہی بلا تائید غیبی محض انسانی طاقت سے ناممکن ہے۔ کوئی جھوٹا اور فریبی آدمی ان تمام امور دینی و دنیاوی، ظاہری و باطنی، علمی و عملی، جسمانی و روحانی کو ہر پہلو میں مکمل کر کے نہیں دکھا سکتا۔ حضور کی ظاہری شکل و شہادت ہی آپ کی صداقت کا بین ثبوت تھی۔ چنانچہ بعض غاندانی عرب آپ کو دیکھ کر ہی کہہ دیتے تھے کہ یہ جھوٹوں کی صورت نہیں ہے۔ تو جن لوگوں نے آپ کے عادات و اخلاق کا مشاہدہ کیا ہو۔ وہ تمام حالات نشست و برخاست میں حضور کے ہمراہ عمر گزری ہو۔ وہ کیونکر آپ کی صداقت کے قائل نہ ہوں۔ ہم نے حضور کے اخلاق کریمہ اس لئے بیان کئے ہیں۔ کہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کا پتہ لگے۔ اور ان کے دل میں حضور کی صداقت اور بارگاہ الہی میں ان کی عظمت و رفعت معلوم ہو جائے۔ نیز تاکہ مشکورین پر اتمام محنت ہو۔ کہ حضور محض اُمّی (ان پڑھ) تھے۔ نہ آپ نے کسی سے علم پڑھا۔ نہ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ اور نہ ہی طالب علمی کے لئے کہیں سفر کر کے گئے۔ ہمیشہ جاہل عربوں میں رہے۔ تعلیم اور سیکس۔ پس اسی بے سوسامانی کی حالت میں دیگر علوم و معارف الہی اور فرشتوں اور آسمانی کتب کا علم تو درکنار اخلاق حسنہ کا علم بھی حاصل ہونا ناممکن تھا۔ ان وجوہات کی بنا پر قطعی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ بجز وحی الہی کے یہ سب چیزیں ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتیں۔ اور محض طاقت انسانی ان امور کو معلوم کرنے سے عاجز و قاصر ہے۔ یہ ظاہری امور ہی آپ کی صداقت کے لئے کافی و کافی تھے۔ لیکن جس صورت میں کہ حضور میں علاوہ ان ظاہری صداقتوں کے باطنی نشانات صداقت یعنی معجزات بھی پائے جاتے تھے۔ تو اس صورت میں تو آپ کی صداقت میں کسی عاقل کو شک و شبہ کی ذرہ بھر بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ ہم آپ کے صرف وہی معجزات ذکر کرتے ہیں۔ جو صحیح احادیث میں آئے ہیں۔ نیز ہم معجزات کو مختصر طور پر ذکر



کرینگے۔ کھنٹل قشتہ ذکر نہیں کریں گے :-

معجزہ نمبر ۱۔ کفار مکہ نے جب حضور سے شق القمر چاند کے دو ٹکڑے ہونا، کے معجزہ کا مطالبہ کیا۔ تو حضور نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا +  
معجزہ نمبر ۲۔ خندق کے روز حضرت جابرؓ کے مکان میں صرف ایک سیر جو سے کثیر التعداد لوگوں کو کھانا کھلایا +

معجزہ نمبر ۳۔ حضرت ابوطالبؓ کے مکان پر بھی آپ نے تھوڑی سی غذا سے بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا +

معجزہ نمبر ۴۔ ایک مرتبہ حضور نے ایک صاع (دو سیر) جو اور بکری کے بچے سے استی آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا +

معجزہ نمبر ۵۔ ایک دفعہ حضرت انسؓ جو کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے حضور نے ان روٹیوں سے استی سے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھر دیا +

معجزہ نمبر ۶۔ ایک دفعہ ابن بشر تھوڑی سی کھجوریں اپنے ہاتھوں میں لائے اپنے ان کھجوروں سے سب شکر والوں کا پیٹ بھر دیا۔ اور پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں +

معجزہ نمبر ۷۔ ایک دفعہ تمام لشکر محمدی پیاس سے بیتاب ہو گیا۔ حضور نے ایک چھوٹے سے پیالے جس میں آپ کا ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں پھیل سکتا تھا، میں اپنا دست مبارک رکھا۔ تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی بھوٹ نکلا جس میں سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا۔ اور وضو بھی کیا +

معجزہ نمبر ۸۔ تیرہ سو کے پیشے میں پانی سوکھ گیا تھا۔ حضور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا۔ تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھا آیا کہ ہزار ہا کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب

۱۔ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود و ابن عباس و انسؓ +

۲۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ + ۳۔ بخاری و مسلم بروایت انسؓ +

۴۔ بیہنی در دلائل النبوة بروایت جابرؓ بخاری میں بھی ایک اور روایت بلا ذکر تعداد کے مذکور ہے +

۵۔ مسلم بروایت انسؓ + ۶۔ بیہنی در دلائل بروایت بشر بن سعد +

۷۔ بخاری و مسلم بروایت انسؓ + ۸۔ مسلم بروایت معاذؓ +







کر سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ نہ بول سکے اور نہ موت کی تمنا کر سکے۔ یہ معجزہ سورۃ جمعہ میں مذکور ہے جو تمام دُشمنانِ زمین کی جامع مسجدوں میں جمعہ کے روز محض اسی معجزہ والی آیت کی عظمت کے لئے پکار کر پڑھی جاتی ہے۔

معجزہ نمبر ۱۵۔ حضورؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق عجیبی خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو جاؤ گے اس شہادت کے بعد تمہارے لئے جنت ہے چنانچہ ہو ہوا ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر ۱۶۔ حضرت عمارؓ کے متعلق بھی آپؐ پیشگوئی فرمائی کہ تم کو باغی شہید کر دیں گے۔ چنانچہ حضرت عمارؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

معجزہ ۱۷۔ حضرت امام حسنؓ کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔

معجزہ نمبر ۱۸۔ ایک شخصؓ نے راہِ خدا میں جہاد کیا حضورؐ نے اس کے حق میں پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص دفعِ خبی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اُس شخص نے خودکشی کر لی۔ جس سے وہ جہنمی بن گیا یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا علم سوائے وحی الہی کے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا نہ نجوم سے نہ رمل سے نہ فال سے نہ کہانت سے۔ جب آپؐ مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ تو سراقہ بن جشمؓ نے آپؐ کا تعاقب کیا جس کی سزا اس کو یہ ملی کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اور ایک دھواں اُس کے پیچھے لگ گیا۔ سراقہؓ نے حضورؐ سے معافی مانگی۔ آپؐ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ آپؐ کی دعا کی برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا۔

معجزہ نمبر ۱۹۔ حضورؐ نے سراقہ بن جشمؓ کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ اُس سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسرلی بادشاہ کے کنگن پہنا لے جاؤ گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۔ بخاری و مسلم بروایت ابی ہریرہؓ۔

۲۔ مسلم بروایت ابی قتادہ و ام سلمہ و بخاری بروایت ابی سعیدؓ۔

۳۔ بخاری بروایت ابی بکرؓ۔

۴۔ بخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

۵۔ بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبرؓ۔



معجزہ نمبر ۲۰۔ اسود غنسی نے صنعا میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ حضور نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص فلاں شب کو فلاں شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا چنانچہ اسود غنسی بعینہ اسی شب کو قتل ہوا جو حضور کی پیشگوئی میں مذکور تھی۔

معجزہ نمبر ۲۱۔ قریش کے سواد میں حضور کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کو تاہید غیبی سے معلوم ہوا۔ تو آپ شریفے جا کر خاک کی ٹٹھتی ان کے سر پر پھینک آئے۔ لیکن حضور ان کو نظر نہ آئے۔

معجزہ نمبر ۲۲۔ صحابہ کرام کے ربوہ حضور کی خدمت میں ایک اونٹ نے اپنے مالک کی شکایت کی۔ اور آپ کا فرمانبردار ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۲۳۔ چند صحابہ کرام حضور کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تم میں سے ایک شخص روزِ قیامت ہو جائیگا۔ جس کی دائرہ کوہ اُحد جیسی ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اور لوگ تو اسلام پر مرے ساتھ ایک شخص مرتد ہو گیا۔ اور ان بے دینی کی حالت میں مارا گیا۔

معجزہ نمبر ۲۴۔ ایک دفعہ چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مرے گا۔ وہ آگ میں ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ جو سب کے اخیر میں مرا وہ آگ میں گر کر مر گیا۔

معجزہ نمبر ۲۵۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام قضاء حاجت (پاشخانہ) کو تشریف لے گئے اور پردہ کے لئے دو دختر کو بلایا۔ چنانچہ وہ دونوں درختِ حسب الارشاد آپ کی خدمت مبارکت میں حاضر ہو کر مل گئے۔ اور آپ کو پردہ کیا۔ جب حضور قضاء حاجت سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ دونوں جدا ہو کر جہاں کے تھے وہیں جا کھڑے ہوئے۔

۱۔ بقصد میر میں مذکور ہے۔ ۲۔ ابن ابی ذر روایت ابن عباس بسند ضعیف۔

۳۔ ابوداؤد بروایت عبد اللہ بن مسعود۔ ۴۔ کھوار لفظی بروایت ابی ہریرہ۔

۵۔ بیہقی و حاکم بروایت ابی محمد و ابی ہریرہ۔

۶۔ احمد بروایت ابی ہریرہ۔



معجزہ نمبر ۲۶ حضورؐ میانہ قدم تھے۔ لیکن بلند قد والوں کے ساتھ چلتے تو ان سے  
سے بھی بلند نظر آتے تھے۔

معجزہ نمبر ۲۷ حضورؐ نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور فرمایا۔ کما گرمباہلہ  
کے لئے آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ عیسائی مباہلہ کے واسطے نہ آئے۔ کیونکہ وہ  
جلتے تھے۔ کہ حضورؐ سے فرط تھے۔

معجزہ نمبر ۲۸۔ عامر بن نفیل اور زید بن ابیہر کے مشہور فتنہ سوار اور بہادر آدمی تھے۔  
یہ دونوں حضرت کے قتل کرنے کے لئے آئے۔ مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔  
حضورؐ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی۔ چنانچہ ابو جہب آپ کی بددعا کے عامر طاعون  
سے ہلاک ہو گیا۔ اور زید بھنگلی گری۔

معجزہ نمبر ۲۹ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ ابی بن خلف کو میں قتل کرونگا۔ پس جنگ احد میں  
آپ کے ایک ہی وار سے اس کی موت ہوئی۔

معجزہ نمبر ۳۰ حضورؐ کسی دشمن نے کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا۔ جس شخص نے  
آپ کے ساتھ زہر والا کھانا کھایا تھا۔ وہ کو مر گیا۔ اور آپ اس واقعہ کے چار سال بعد تک  
زندہ رہے۔ اور بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا۔ اس گوشت نے حضورؐ کو اطلاع  
دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

معجزہ نمبر ۳۱۔ جنگ بدر کے روز حضورؐ علیہ السلام نے کفار قریش کے سرداروں کے  
قتل ہونے کی قبل از وقت پیش گوئی فرمائی۔ اور ایک ایک کا نام بیکر فرمایا کہ فلاں کا فرلاں جگہ  
قتل ہو کر گرے گا۔ اور فلاں کا فرلاں جگہ چناچہ جگہ میں ہیں کیلئے فرمائی تھی۔ وہیں وہ گرا۔

معجزہ نمبر ۳۲ حضورؐ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے کچھ لوگ ہند میں جہاد  
کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر ۳۳۔ آپ کی خاطر زمین سمیت مکہ مشرق سے لے کر مغرب تک

لے ذیل کی سند اور روایت ملتی ہے۔

لے بخاری برہان ابن عباسؓ

لے ابو داؤد بروایت جابرؓ اور جو صحابی فوت ہو گئے تھے ان کا نام بشر بن براہ تھا۔

لے بخاری و مسلم بروایت امام حرامؓ

لے مسلم بروایت عمر فاروقؓ



دکھلائی گئی +

معجزہ نمبر ۳۴۔ آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ میری امت کی سلطنت اتنی ہی وسیع ہو جائیگی جتنی کہ مجھے سمیٹ کر دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتدائے مشرق یعنی ملک ترکستان سے لیکر آخر مغرب یعنی بحر اُندلس اور ملک بربر تک پھیل گئی اور کن اور شمال میں نہ پھیلی۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا +

معجزہ نمبر ۳۵۔ حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت بنی فاطمہؑ سے ارشاد فرمایا کہ میرے قائدان میں سب سے پہلے تم مجھے ملو گی (یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے میرے کنبر میں تمہاری وفات ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا +

معجزہ نمبر ۳۶۔ حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات (بیویوں) سے ارشاد فرمایا کہ جوئی تم میں سے زیادہ خیرات کبریٰ گی۔ وہ مجھے جلد تر ملے گی (یعنی اُس کی وفات میری وفات کے بعد جلد تر واقع ہوگی) چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زینب بنت جحشؑ جو خیرات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ اس لئے سب بیویوں سے پہلے ہی فوت ہوئیں +

معجزہ نمبر ۳۷۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ دینے والی بکری کے ٹھن کو ہاتھ لگایا۔ تو وہ بکری یہ برکت آپ کے ہاتھ لگانے کے دودھ دینے لگ گئی چنانچہ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا +

معجزہ نمبر ۳۸۔ ایک فلاح معبد خرمیہ کے خیمہ میں بھی یہی بکری والا معجزہ ظہور پذیر ہوا +

معجزہ نمبر ۳۹۔ ایک صحابیؓ کی آنکھ نکل کر گر پڑی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ اپنی جگہ پر رکھ دی۔ تو وہ ایسی صبح سلامت اور خوشنما بن گئی۔ کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی +

معجزہ نمبر ۴۰۔ خیر بن حضرت علی مرتضیٰؑ کی آنکھیں دکھنی آگئیں۔ آپ نے اپنا مبارک

۱۔ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہ +

۲۔ مسلم بروایت ثوبان +

۳۔ احمد بروایت ابن مسعود +

۴۔ مسلم بروایت عائشہ صدیقہ +

۵۔ ابوالنعمان بہیقی بروایت قتادہ بن نیمان +

۶۔ اس کی سند تخریجات عراقی میں نہیں ملی +

۷۔ بخاری بروایت ابن مسعود +

۸۔ بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰؑ +



معجزہ نمبر ۳۴۔ ایک دفعہ لشکر رسول اللہ صلعم میں زرادراہ بہت ہی کم ہو گیا۔ آپ نے اُس میں برکت کی دعا مانگی۔ اور لشکر والوں کو کہا کہ سفر خرچے کو انہوں نے اتنا سفر خرچ لیا کہ شکاریوں کے سب بزین بھر گئے۔

معجزہ نمبر ۴۰۔ ایک عورت سے حضور نے پیام نکل چکیا۔ اس کے باپ نے یہ بہانہ کر کے حضور کو ٹال دیا کہ اس عورت کو برص کی بیماری ہے حالانکہ درحقیقت اس کو یہ بیماری نہیں تھی حضور نے فرمایا کہ ایسی ہی ہو جائیگی۔ چنانچہ اس عورت کو برص ہو گئی۔ وہ عورت شبیب بن برص شاعر کی والدہ تھی +

۱۰ بخاری در قصه قتل ابی رافع + ۱۱ بخاری و مسلم بر روایت سلمه بن الأكوع +

۴۴۰  
۴۴۱  
۴۴۲  
۴۴۳  
۴۴۴  
۴۴۵  
۴۴۶  
۴۴۷  
۴۴۸  
۴۴۹  
۴۵۰  
۴۵۱  
۴۵۲  
۴۵۳  
۴۵۴  
۴۵۵  
۴۵۶  
۴۵۷  
۴۵۸  
۴۵۹  
۴۶۰  
۴۶۱  
۴۶۲  
۴۶۳  
۴۶۴  
۴۶۵  
۴۶۶  
۴۶۷  
۴۶۸  
۴۶۹  
۴۷۰  
۴۷۱  
۴۷۲  
۴۷۳  
۴۷۴  
۴۷۵  
۴۷۶  
۴۷۷  
۴۷۸  
۴۷۹  
۴۸۰  
۴۸۱  
۴۸۲  
۴۸۳  
۴۸۴  
۴۸۵  
۴۸۶  
۴۸۷  
۴۸۸  
۴۸۹  
۴۹۰  
۴۹۱  
۴۹۲  
۴۹۳  
۴۹۴  
۴۹۵  
۴۹۶  
۴۹۷  
۴۹۸  
۴۹۹  
۵۰۰



حضرت علی مرتضیٰؑ اور عالم طائی کے حالات انفرادی طور پر متواتر نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان کے حالات بہ حیثیت مجموعی دیکھے جاویں۔ تو بیشک حضرت علیؑ کی شجاعت اور عالم طائی کی سخاوت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے متواتر (یقینی) ہونے میں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں ہے۔ اور یہ ایک ایسا زبردست اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو حضورؐ کے سوا کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ تمام پیغمبروں کے معجزات ان کی زندگی تک محدود رہے ہیں۔ لیکن حضور کا یہ قرآنی معجزہ دنیا میں تا قیامت باقی رہیگا۔ آپؐ نے تمام فصحاء و بلغاء عرب کو بابتگ دہل چیلنج دیا۔ کہ اگر تم کو قرآن مجید میں کسی طرح کا شک و شبہ ہے۔ اور تمہیں عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں دعویٰ ہے۔ تو پھر کیوں قرآن مجید جیسی فصیح و بلیغ کلام تم بنا نہیں لاتے۔ اس جیسی دس سورتیں یا کم از کم ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ چنانچہ اس آیت قرآنی میں اس چیلنج کا تذکرہ مفصل طور پر موجود ہے۔

لَئِنْ اجْتَمَعَتِ الْاَشْجَارُ عَلٰی اَنْ يَّخْتَارَ بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَخْتَارْنَ بِمِثْلِهِ وَاَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا اَعْنٰی اِذَا قَامَ

انسان اور جن باہم ایک دوسرے کے مددگار بن کر اکٹھے ہو جاویں۔ اور اس قرآن پاک جیسی کوئی کلام بنانی چاہیں تو وہ ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ یہ چیلنج فصحاء و بلغاء عرب کو عاجز کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس معجزے کے سامنے وہ عاجز ہوئے اور اپنے آپ کو قتل کرایا اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قید کرایا۔ مگر ان سے یہ نہ ہو سکا۔ کہ قرآن مجید کا معارضہ کریں۔ یا اس کی فصاحت و بلاغت وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی طعن یا اعتراض کر سکیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن مجید تمام دنیا میں مشرق سے لے کر مغرب تک پھیلا اور صدیوں گزر گئیں۔ حتیٰ کہ قرینا پانچ سو برس گزر گئے ہیں۔ کہ آج تک کوئی شخص اس کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا۔ اندر میں حالات تو اسی بہتوف ہے وہ شخص جو آپ کے احوال و اقوال اور افعال و اخلاق اور معجزات کو دیکھے۔ اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ حضور کی شریعت اب تک جاری ہے اور اطراف عالم میں پھیل چکی ہے۔ اور باوجود حضور کے قیام نہ جانے کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد آپ کے



حلقہ گیوش ہوئے۔ ان سب امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی جو شخص آپ کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ کرے۔ وہ بڑا ہی احمق اور بد بخت ہے۔ اور بڑا ہی عقلمند اور نیک بخت ہے وہ شخص جو آپ پر ایمان لائے اور صدق دل سے آپ کی تصدیق کرے۔ اور ہر کام میں آپ کی اتباع اور پیروی کرے۔ آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں۔ کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اخلاق، افعال، احوال و اقوال میں ہمیں حضور پر نور کا متبع اور فرمانبردار بنائے۔ بیشک وہی سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

تمت



عربی سے اردو ترجمہ کتاب  
قسط اسرارِ مستقیم

از  
امام ہمام حجتہ الاسلام امام محمد الغزالی رحمہ اللہ



# فہرست مضامین قسط اس لمستقیم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	بابت کتاب قسط اس المستقیم	۱
۲	مصنف کی مختصر سوانح	۲
۳	مصنف کی تصانیف	۵
۴	آغاز کتاب	۷
۵	موازنین التعاول میں سے میزان اکبر کا بیان	۱۲
۶	میزان اوسط کا بیان	۲۰
۷	میزان اصغر کا بیان	۲۳
۸	میزان التلازم کا بیان	۲۵
۹	میزان التصادف کا بیان	۲۷
۱۰	شیطان فی ترازوؤں سے اہل تعلیم کا وزن کرنا	۳۳
۱۱	آنحضرت کی امت کے علما گئے ہوتے ہوئے امام معصوم کی ضرورت نہیں۔ اور آنحضرت کی معجزات سے سچائی ظاہر ہوتی ہے۔	۴۰
۱۲	اختلافات کی تاریکی سے مخلوق کو نجات دلانے کا بیان۔	۴۵
۱۳	رائے اور قیاس کی تصویر اور ان کے اظہار حقیقت کا بیان	۵۶



# اردو ترجمہ کتاب قسط اس المستقیم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعد اہ بندہ مصطفیٰ بن سید محمد القبانى الدمشقى مرحوم ناظرین کی خدمت میں عرض پر داز ہے۔ کہ دمشق کے شاہی کتب خانہ کی کتابوں کو غور سے مطالعہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ اس کتب خانے کو ہمیشہ رکھ کر لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچائے۔ اور اس کے وقف کنندہ اور امداد کنندوں سے بحسن سلوک پیش آئے، "القسط اس المستقیم" نام ایک کتاب دیکھی۔ جو حجت الاسلام امام ابی حامد الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کے مرقد کو منور کرے، کی تصنیف لطیف ہے۔ اور جس کی تصنیف سے مصنف مرحوم کی غرض یہ تھی۔ کہ حقیقت معرفت معلوم ہو جائے۔ اس کتاب کا باعث تصنیف وہ مناظر ہے جو مصنف اور ایک باطنی شیعہ کے مابین ہوا۔ جس میں اس کے عقیدہ کی کجی کو درست کیا اور اس کی عقل اور استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اسے جتلا دیا کہ تمہارے بر آوردہ نتائج غلط ہیں۔ دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے عجائبات اسے دکھا کر گمراہی سے نکال سیدھی راہ پر لے آئے۔ اور اسے مختلف ترازوں کی کُنہ سمجھا دی تاکہ قسط اس المستقیم سے وزن کر سکے۔

چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ مصدقہ محبت تھے۔ جس کے بارے میں کوئی سے دو محقق بھی مختلف الرائے نہیں۔ اور یہ موضوع یعنی معرفت کا ادراک ہر زمانے اور ہر مقام پر پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ بلکہ انسان کے لئے اس کا دریافت کرنا واجب ہے اس لئے میں نے اس کتاب کو بغرض ثواب مشہر کرنا چاہا۔ اور اس کی اشاعت میں یہ غرض بھی تھی۔ کہ چونکہ یہ مفید اور عمدہ کتاب ہے۔ اس لئے اس کا اس طرح ضائع ہو جانا اچھا نہیں۔ لیکن اس کی اشاعت میں یہ وقت پیش آئی۔ کہ اس کتاب کے شروع کے چند



ورق بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جن کی تکمیل کے لئے میں نے بہتیرے کتب خانے چھان مارے لیکن صرف ایک نسخہ برلن میں اور دو اسکریال میں ہاتھ آئے۔ لیکن ان تصحیح کرنا میری قدرت سے باہر تھا۔ پھر خاص خاص اشخاص کے کتب خانوں میں اس کی تلاش کرنے لگا۔ اثنائے تلاش میں میری نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہ گذرا لیکن میرے ایک دوست نے کہا کہ اس کا ایک نسخہ استاد سلیم آفندی بخاری کے پاس ہے۔ جو دمشق کے جید عالم اور جامع فضائل ہیں۔ میں نے کہا۔ میری مراد پوری ہوئی اور گھر میں ہی گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ اس مطلب کے لئے اپنے ایک شریف طالب علم رشتہ دار کو اس نسخہ کی نقل کے لئے کہا۔ جب وہ نقل کر کے لے آیا۔ تو میں نے دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اور ایک کامل نسخہ تیار کیا۔ اور اس کے شروع میں مصنف مرحوم کے کچھ حالات بھی قلمبند کئے۔ اور اس میں ضروری باتیں بھی درج کیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے۔ کہ یہ مفید کتاب مکمل ہو گئی۔ جس میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں۔ توفیق اور بھروسہ محض اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور وہی کافی اور عمدہ وکیل ہے۔

## مُصَنَّف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا اسم مبارک محمد ہے۔ اور محمد بن محمد بن احمد الطوسی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی کنیت ابو حامد غزالی اور لقب حجتہ الاسلام اور محبتہ الدین ہے۔ جس دین کے ذریعہ دارالسلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات تمام علوم کے اسباب کی جامع اور معقول و منقول پر حاوی تھی۔ آپ شکمہ سحری میں طوس میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن میں تھوڑا سا علم فقہ اسی شہر میں علی احمد بن محمد رازگانی سے پڑھا۔ پھر حرجان چلے گئے۔ اور امام ابی نصر اسماعیل سے تعلیم حاصل کر کے طوس میں آئے۔ اور یہاں تین سال رہ کر آموختہ کو حفظ کیا۔ پھر نیشاپور جا کر امام الحرمین کی خدمت میں رہنے لگے۔ یہاں حد درجے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ مذہب۔ خلافت۔ جدل۔ اصول اور منطق میں ماہر ہو گئے۔ اور حکمت اور فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر ان کے مسائل کو بخوبی ذہن نشین کر لیا پھر ان علوم کی کتابوں کے مصنفوں کی غلطیاں دور کرنے کے درپے ہوئے۔ چنانچہ



ان علوم کے ہر فن پر کتابیں لکھیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی۔ تیز نظر۔ عجیب فطرت تیز فہم قوی حافظہ اور غور و خوض کرنے والے تھے۔ دقیق معنوں پر غور کرنا آپ ہی کا حصہ ہے جب ۸۷۸ھ ہجری میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا۔ تو آپ چھاؤنی میں وزیر جنگ کے پاس چلے گئے۔ جس کی مجلس علما کا مجمع اور جائے پناہ تھی۔ وزیر نے آپ کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور استقبال کیا۔ وزیر کے ہاں حبیبیہ علما کا مجمع تھا۔ جب کئی بار ان میں مناظرہ مباحثہ اور مجادلہ ہوا۔ اور ان سب پر آپ کا سرمایہ علمی۔ لیاقت اور ذہانت ظاہر ہو گئی تو آپ کی فضیلت کا سب سے اقرار کیا۔ اور آپ ہی کا تذکرہ ہر وقت ہونے لگا۔ جب کافی شہرت ہو گئی۔ اور وزیر کو آپ کی فضیلت کی تحقیق ہو گئی۔ تو بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم و تدریس کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے جمادی الاول ۸۸۲ھ کو یہ کام شروع کیا۔ اہل عراق آپ کی لیاقت و یکھ کر دنگ رہ گئے۔ آپ کی قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں میں اس قدر ہوئی۔ کہ امرا اور اکابر تو درکنار بادشاہوں سے بھی بڑھ گئی۔ جب آپ کے شاگردوں اور مستفیدوں کا گروہ بکثرت ہو گیا۔ تو آپ یہ کام چھوڑ دیکر مدرسہ میں حج کو روانہ ہوئے۔ اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو تدریس کے کام پر لگایا۔ جب ۸۸۹ھ میں دمشق میں واپس آئے۔ تو فقر و زہد میں چند مفتی گزار کر بیت المقدس چلے گئے۔ اور مدت تک وہاں رہے۔ پھر جب دمشق آئے۔ تو یہاں پورے دس سال جامع مسجد کے مغربی مینار میں رہے۔ اور یہیں پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ احیاء العلوم بھی یہیں پر کی تصنیف ہے۔ لیکن آپ کی اس لیاقت و فضیلت کا کسی کو علم تک نہ ہوا۔ جب انہیں آپ کی فضیلت کا حال معلوم ہوا۔ تو انہوں نے علمائے دمشق کی مجلس منعقد کرنے کا ارادہ کیا۔ جس میں علمائے دمشق نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ نے فرمایا کل آؤں گا۔ لیکن راتوں رات مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اسکندریہ میں کچھ مدت رہنے کے بعد عرب اور اندلس کے بادشاہ سلطان یوسف ابن تاشفین کے پاس جانا چاہا۔ یہ پانسو ہجری کا واقعہ ہے۔ جب اس کی وفات کی خبر سنی۔ تو شہروں میں پھرتے پھرتے نیشاپور آئے۔ یہاں ناظمیہ مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھانے کا کام کیا۔ پھر شہر طوس میں آکر اپنے گھر کے پاس فقیہوں کے لئے مدرسہ اور صوفیوں کے لئے خانقاہ بنوائی اور



اپنا تمام وقت کار خیر مثلاً قرآن شریف کا ختم۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ۔ تالیف کتب۔ طلباء کی تعلیم۔ دائمی نماز۔ روزہ اور تمام عبادات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔ جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا۔ تو آپ کے ایک اصحابی نے وصیت کے لئے عرض کیا تو فرمایا۔ اخلاص کا پابند رہنا۔ پھر وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی۔ اور فرمایا میرے لئے کفن درکار ہے۔ چنانچہ کفن لیکر اسے چوس کر آنکھوں پر کھڑک فرمایا سن لیا اور مان لیا میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا پھر پاؤں پھیلائے اور رُقبیلہ ہو کر صبح سے پہلے پہلے فوت ہو گئے۔

آپ کی وفات شہر طوس میں بروز اتوار بتاریخ ۱۴ جمادی الآخر ۵۵۵ ہجری کو ہوئی (خراسان کے دو شہر طوس کہلاتے ہیں جن میں سے ایک کا نام طابریان اور دوسرے کا توقان ہے) آپ کا مقبرہ شہر طابریان میں ہے۔ آپ کے بعض شعائر حسب ذیل ہیں:-

سقی فی الحب عافیتی      ووجودی فی الہوامعدی

محبت میں میرا بیکار ہونا بمنزلہ میرے آرام کے ہے۔ اور عشق میں میرا وجود بمنزلہ میرے عدم کے ہے۔

وعذاب یرتضون بہ      فی فمی أحلام النغم  
جو عذاب مجھے دیا جا رہا ہے۔ وہ میرے منہ میں سرود سے بھی میٹھا ہے۔  
ما الضر فی محبتکم      عندنا واللہ من الم  
بخدا تمہاری محبت میں کسی رنج و الم کی تکلیف محسوس نہیں ہوئی۔  
ابو النضر ابو ردی نے آپ کے مرثیہ میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں:-  
بکی علی حجة الاسلام حین ثوی      من کل حی عظیم القدر اشرفہ  
جب حجة الاسلام دفن ہو چکے تو ان پر تمام شریف اور عظیم القدر ذی روح روئے۔  
فما لمن تمتزی فی اللہ عہدہ      علی ابی حامد لاج یعنفہ  
مضی و اعظم مفقود فمغت      یہ بھی ہے من لا نظیر لہ فی الناس یخفہ  
حجة الاسلام کا فوت ہونا ایک نہایت بڑی چیز کا گم ہونا ہے۔ کیونکہ اسکے بعد  
انسانوں میں اس کی نظیر موجود نہیں۔ اس مفقودگی سے دل سخت بے قرار ہیں۔



## مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں

الوسیط۔ البسیط۔ الوجیز۔ الخلاصۃ۔ احیاء علوم الدین۔ الاربعین۔ شرح الاسماء الحسنی  
 المستصفی فی اصول الفقہ۔ المنحول فی اصول الفقہ۔ ہدایۃ المداہیۃ۔ الماخذ فی الخلاصۃ  
 تخصن الماخذ۔ کیمیائے سعادت فارسی اس کا عربی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے  
 المنتقد فی الضلال۔ البیان المنتحل فی الجدل۔ شفاء الغلیل فی مسالک التعلیل۔ الاقتصاد  
 فی الاعتقاد۔ معیار النظر۔ محک النظر۔ بیان القولین الشافعی۔ مشکوٰۃ الانوار۔ المستطری  
 فی الرو علی الباطنیۃ۔ تہافتہ الفلاسفہ۔ المقاصد فی بیان اعتقاد الاول و ہوا اعتقاد  
 الفلاسفہ۔ التجام العوام عن الخوض فی علم الکلام۔ الغایۃ القصوی۔ جواہر القرآن  
 بیان فضائل الابائۃ۔ خور الدور۔ فی المسئلۃ السریحیۃ و ہوا المختصر الاخیر رج فیہ عن مصنف  
 الاول المسمی بغایۃ الدور فی درایۃ الدور۔ کشف علوم الآخرۃ۔ العقیدۃ القدسیۃ۔ الفتاوی  
 مبینان العمل۔ مواہم الباطنیۃ فی الرد علیہم ایضاً۔ حقیقۃ الروح۔ اسرار معاملات الدین  
 عقیدت المصباح۔ المنہج الاعلیٰ۔ اخلاق الابرار و النجاة من الاشرار۔ المعراج۔ تحفۃ الحق۔  
 تنبیہ الغافلین۔ المکنون فی الاصول۔ رسالتہ الاقطاب۔ تسلیم السلاطین۔ القلائد البکلی  
 رنی التایل، القربۃ الی اللہ۔ معیار العلم۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس۔ اسرار اتباع  
 السنۃ۔ تلبیس ابلیس۔ المناوی۔ الاجوبۃ المسکتہ عن الاسئلۃ المبیہۃ، عجائب صنع اللہ  
 رسالۃ الطیر فی رد علی من طغی، قاضی القضاۃ تاج الدین السبکی کی کتاب الطبقات الکبریٰ  
 والوسطی کا اختصار معہ محی الدین الحزازی۔ طبقات الشافعیہ پر تقریط۔ تاریخ و قیات  
 الاعیان۔ تاریخ ابن الوروی

مندرجہ بالا صرف وہ کتابیں ہیں۔ جن سے لوگ عام طور پر واقف ہیں۔ ان کے  
 علاوہ اور کتابیں بھی ہیں۔ جن کی واقفیت عام لوگوں کو نہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:-  
 فضائل القرآن۔ البدور فی اخبار البعث والنشور۔ الاستئصال لمشیۃ اللہ تعالیٰ والعصیان  
 لہا۔ کشف الاسرار فی سر الاسرار۔ شرح الارشاد۔ النفع والتسویۃ المحتالین فی الدر الفائق۔  
 حل الرموز۔ فائزۃ العلوم۔ الرواجیل علی صریح الانجیل۔ شفاء الغلیل فیما وقع فی التورۃ







## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں۔ بعد ازاں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ بعد ازاں عرض پرداز ہوں کہ بھائیو! کیا تم میں سے کوئی میری اس رام کہانی کو سننے گا۔ جو میرے اور میرے ایک اہل تعلیم ہمراہی کے مابین گذری۔ اس رفیق نے سوال و جدال سے مجھے تنگ کر مارا اور عمدہ عمدہ دلائل پیش کیں۔ جو گفتگو ہم میں ہوئی۔ اُسے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں +

رفیق! میں تمہیں کمال معرفت کا مدعی دیکھتا ہوں۔ کس ترازو سے معرفت کی حقیقت کا وزن کرتے ہو؟ آیات اور قیاس کے ترازو سے یہ نہایت مشتبہ اور خلاف ہے۔ اور اس سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا ہے۔ یا تعلیم کے ترازو سے۔ بہر حال تمہارے لئے کسی امام معصوم کا اتباع لازم ہے۔ لیکن امام معصوم کی طلب تم میں پائی نہیں جاتی +

**مصنّف:** رائے اور قیاس کے ترازو کی نسبت میری یہ رائے ہے۔ کہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے۔ میرے اصحاب میں سے جو شخص اسکو میزان معرفت خیال کرے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کروں گا۔ کہ ایسے شخص کے شر سے دین کو محفوظ رکھے۔ کیونکہ ایسا شخص دین کے لئے جاہل دوست ہے جو عاقل دشمن سے بدتر ہوتا ہے اگر کسی کو اہل تعلیم کے مذہب کی سعادت نصیب ہو۔ تو اسے پہلے طریق جدال قرآن کریم سے سیکھنا چاہیے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ادْعِ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ" اے محمد! لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ لا اور نیک طریقہ سے اُن سے مجادل کر۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت سے بلائے جاتے ہیں۔ وہ اور ہیں اور جو وعظ و نصیحت کے ذریعے بلائے جاتے ہیں اور ہیں۔ اور جو بذریعہ مجادلہ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں۔ پس اگر اہل نصیحت کو حکمت سکھائی جائے۔ تو ایسی ہی مضر پڑتی ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کو پرندوں کا گوشت۔ اگر اہل حکمت سے مجادلہ کا استعمال کیا جائے۔ تو وہ اس سے ایسی ہی نفرت کریں گے۔ جیسے طاقتور آدمی انسان کا دودھ



پینے سے۔ اگر اہل جہال سے عمدہ طور سے جیسا کہ قرآن شریف سکھلاتا ہے۔ مجاہدہ کیا جائے تو ایسا ہی ہے جیسے بدوی کو گہیوں کی روٹی۔ بدوی کھجور چھوڑ کسی چیز کی رغبت نہیں کرتا۔ اور شہری چھوہاڑے کو پسند نہیں کرتا۔ صرف گہیوں کو پسند کرتا ہے۔ کاش میرے اس صحابی کو وہ عمدہ طریقہ تسلی معلوم ہوتی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قصہ میں یوں ہوا ہے۔ کہ جب آنحضرت نے اپنے دشمن عمرو سے مجاہدہ کیا اور عمرو نے پوچھا تیرا پروردگار کون ہے۔ تو جناب نے فرمایا "تَرِیُّ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ" "میرا پروردگار وہ ہے۔ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ دلیل اس کے مناسب نہیں۔ کیونکہ عمرو نے دو شخص بلا کر ایک کو قتل اور دوسرے کو رہا کر کے کہا۔ کہ دیکھو میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ اس واسطے جھٹ پھلو بدل اس کی سمجھ اور طبیعت کے موافق یہ فرمایا "ان اللہ ینطق بالشمس من المشرق فانت بہما من المغرب فبہت الذی کفر" "اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تجھ سے ہو سکتا ہے۔ تو مغرب سے نکال۔ یہ سنکر عمرو وحیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے بہت جھگڑا نہ کیا۔ بلکہ اسے جتا دیا کہ مروے کو زندہ کرنے کا مطلب سمجھنے میں تو نے غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ قتل کرنا ماردینا ہے۔ اس مجاہدہ و مناظرہ کی تحقیق عمرو کی طبیعت کے موافق اور اس کے عقیدہ قلبی کی حد کے مناسب نہ تھی لیکن آنحضرت کا ارادہ عمرو کے مارنے کا نہ تھا۔ بلکہ زندہ کرنے کا تھا۔ موافق غذا کھلانا زندہ کرنا ہے۔ اور سخت جھگڑنا جو اس کے ناموافق ہو۔ فنا کرنا ہے۔ یہ وہ دقائق ہیں جو سوائے تعلیم کے نور کے معلوم نہیں ہو سکتے۔ جو عالم نبوت کے اشراق سے روشن ہے۔ اسی واسطے اہل فطانت اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ وہ مذہب تعلیم کے بھید سے محروم ہیں رفیق :- جبکہ تم نے ان کی راہ کو دشوار گزار اور ان کی دلیل کو بوجھلایا ہے۔ تو پھر بتاؤ اپنی معرفت کو کس چیز سے وزن کرتے ہو؟

مصنف :- میں اسے قسط اس المستقیم (نہایت ہی ٹھیک اور صحیح تراجم) سے وزن کرتا ہوں جس کا حق و باطل اور استقامت و میلان مجھ پر ظاہر ہے۔ اور یہ بات جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قرآن شریف سے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوا معلوم ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے "وَرَدُّوا"



بالقسط اس المستقیم صحیح اور درست ترازو سے جانچو۔

رفیق۔ قسط اس المستقیم کونسی ہے؟

مصنف۔ وہ پانچ ترازو ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان سے وزن کرنا سکھایا ہے۔ سو جس نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے وزن کرنا سیکھا اور میزان الہی سے وزن کیا۔ اس نے ہدایت پائی۔ اور جو ان سے گمراہ ہو کر رائے اور قیاس کی طرف دوڑا وہ گمراہ اور مردود ہو گیا۔

رفیق۔ قرآن شریف میں ترازوؤں کا کہاں ذکر ہے؟ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔

مصنف۔ کیا تو نے وہ قول الہی نہیں سنا۔ جو سورہ الرحمن میں فرمایا ہے وھو ھذا "الوھن علم القوان خلق الانسان علمہ البیان..... و وضع المیزان۔ ان لا تطغوا

فی المیزان و اقموا الوزن بالقسط و لا تحسروا المیزان" اللہ تعالیٰ رحمن ہے جس نے

قرآن شریف سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور پھر اسے بیان سکھایا..... ترازو وضع کیا۔

تاکہ تم ترازو کے استعمال میں کمی بیشی نہ کرو اور وزن ٹھیک ٹھیک کرو۔ اور کم نہ تولو۔

کیا تم نے سورہ حدید کی یہ آیت نہیں سنی لقد ارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنا

معہم الکتاب و المیزان ليقوم الناس بالقسط" ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہرہ نشانیاں دیکر

بھیجا ہے اور کتاب اور میزان ان پر اتارے ہیں۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف کریں۔ کیا تمہارا

خیال ہے کہ جس ترازو کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے وہ سونا چاندی یا جو اور گہیوں تولنے

والا ترازو ہے یا کیا تمہارا وہم ہے۔ کہ اس آیت میں "و السماء رفعہا و وضع المیزان" میں

جس ترازو کا ذکر ہے وہ کانٹا اور ایک پلڑے والا ترازو ہے۔ ایسا خیال راستی سے

بہت گرا ہوا اور یہ وہم محض بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور تاویل میں ہٹ دھرمی

سے کام نہ لو۔ یقین مانو یہ ترازو اللہ تعالیٰ کی شناخت۔ اس کے فرشتوں۔ کتابوں۔ رسولوں

اور ملکوت کا ترازو ہے۔ تاکہ تم اس سے وزن کرنے کی ترکیب اس کے انبیاء سے سیکھو۔

جس طرح کہ انہوں نے اس کے فرشتوں سے سیکھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ معلم اول ہے۔

اور جبرائیل معلم دوم اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معلم سوم۔ تمام خلقت رسولوں

سے معرفت الہی کی راہ سیکھتی ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر نور کوئی طریقہ نہیں۔

رفیق۔ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ ترازو درست یا غلط ہے؟ آیا عقل اور نظر سے معلوم



کیا؟ اگر ایسا کیا تو عقلیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ یا امام معصوم صادق سے جو جہان میں حق پر قائم ہے۔ اگر ایسا ہے۔ تو پھر میرا مذہب ہے۔ جس کی طرف میں تجھے بلاتا ہوں۔ مصنف۔ اسے بھی میں نے تعلیم کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ لیکن اس معاملے میں میرے امام جناب محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ میں نے آنحضرت صلعم کی زیارت تو نہیں کی لیکن میں نے آپ کی تعلیم کو سنا۔ جو بذریعہ تواتر مجھے تک پہنچی۔ اور اس تعلیم میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ آنحضرت کی تعلیم قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف میں ذکر کردہ ترازوں کی سچائی بھی نفس قرآن سے معلوم ہوتی ہے۔

رفیق۔ اپنی دلیل بیان کرو اور قرآن شریف سے ذکر کردہ ترازوں کو بیان کرو اور بتاؤ کہ نفس قرآن سے ان کی سچائی اور سستی کیونکر معلوم کی؟ مصنف۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ سونا چاندی تولنے والے ترازوں کی صحت و سقم کیونکر معلوم کرتے ہو۔ کیونکہ ایسا معلوم کرنا تمہارے ذہن میں فرض ہے۔ اس واسطے کہ اگر تم نے کسی کا قرض دینا ہو تو پورا پورا ادا کرو۔ اور اگر تم نے کسی سے لینا ہو تو بلاز یادتی پورا پورا لو۔ جب تم سنانوں کے بازار میں جا کر ترازو لیکر لین دین کرنا چاہو تو کس طرح معلوم کر سکتے ہو۔ کہ کم و بیش نہ لیا دیا جائے؟

رفیق۔ مسلمانوں پر نیک ظن رکھنا چاہیے۔ وہ لوگ جب تک ترازو کو درست نہیں کر لیتے لین دین نہیں کرتے۔ اگر بالفرض مجھے ترازو کی صحت میں شک ہو تو میں اسے پکڑا اٹھا کر اس کے پٹروں اور زبانہ کی طرف دیکھتا ہوں۔ اگر ڈنڈی بالکل متوازی الافق ہو اور کوئی پٹرا جھکا ہوا نہ ہو اور بالکل مقابل ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ترازو ٹھیک ہے۔ مصنف۔ فرض کرو سوئی بھی سیدھی عموداً ہے اور پڑے بھی مقابل ہیں۔ اور ڈنڈی بھی متوازی الافق ہے۔ پھر تم کیونکر معلوم کرتے ہو۔ کہ ترازو صحیح ہے۔

رفیق۔ یہ میں بذریعہ اس ضروری علم کے معلوم کرتا ہوں۔ جو مجھے دو مقدموں سے حاصل ہوا ہے۔ ان مقدموں میں سے ایک تجربی ہے۔ اور دوسرا حسی۔ تجربی یہ کہ مجھے بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے۔ کہ بھاری چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور جو زیادہ بھاری ہو گا وہ زیادہ جھکیگا۔ پس اگر ایک پٹرا زیادہ بھاری ہو گا تو وہ نیچے کی طرف جھک جائیگا



یہ مقدمہ کلیہ تجربہ ضرورتاً مجھے حاصل ہوا ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ ترازو آنکھ سے دیکھ کر معلوم ہوا۔ کہ اس کا کوئی پڑا جھکا ہوا نہیں۔ بلکہ ذہنی تساوی الافق ہے۔ یہ مقدمہ حتمی ہے جسے میں نے آنکھ سے مشاہدہ کیا۔ سو مجھے نہ پہلے مقدمہ میں شک ہے نہ دوسرے میں ان دونوں مقدموں سے ایک ضروری نتیجہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ترازو درست ہے۔ اگر کوئی پڑا بھاری ہوتا۔ تو ضرور وہ جھکا ہوا ہوتا۔ اور اب محسوس ہوتا ہے۔ کہ جھکا ہوا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ بھاری نہیں۔ مصنف۔ یہ تو عقلی قیاس اور رائے ہے۔

رفیق۔ افسوس! یہ ضروری علم یقینی مقدمات سے حاصل ہوا ہے۔ جن کا یقین تجربہ اور جس سے ہوا ہے۔ پھر اسے رائے اور قیاس کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ رائے اور قیاس تو ظنی اور دہمی ہوتا ہے۔ یہ یقین کو کیونکر رد کر سکتے ہیں۔ اور میں ایسا کرنے میں یقین کو رد کرنا محسوس کرتا ہوں۔

مصنف۔ اگر دلیل سے تمہیں ترازو کی صحت معلوم ہو جائے۔ تو پھر تم بٹا وغیرہ کی صحت کا اندازہ کیونکر کرو گے؟ ممکن ہے وہ صحیح بٹا سے کم و بیش ہوں۔ رفیق۔ اگر مجھے صحیح بٹا میں شک پڑ جائے تو میں انہیں اس بٹا سے اندازہ کر دیتا۔ جو معیار ماننے لگے ہیں۔ اگر وہ ان کے مساوی ہونگے۔ تو جان لوں گا کہ صحیح ہیں۔ اور ان سے جن چیزوں کا وزن کیا جائے گا۔ وہ بھی درست اور پورا ہو گا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ اور بدیہی امر ہے کہ جو چیزیں ایک چیز کے مساوی ہوں وہ باہم مساوی ہوتی ہیں۔ مصنف۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اصل میں پہلے کس شخص نے ترازو کو وضع کیا اور یہ کہ اس سے وزن کرنا کس نے معلوم کیا؟

رفیق۔ نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ مجھے اس کی ضرورت کیوں ہوئی۔ جبکہ ترازو کی صحت مجھے معلوم کرنا آتی ہے۔ جو میں مشاہدہ سے کر سکتا ہوں۔ اسی طرح ترازو کو وضع کرنے والے کی مراد یہ تھی کہ ترازو کی صحت اور اس سے وزن کرنا آ جائے۔ سو مجھے معلوم ہے جیسا کہ میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اور میں اسے پہچان گیا ہوں۔ اب مجھے یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ کہ ترازو کا وضع کنندہ کون تھا۔ کیونکہ ہر دفعہ ایسا کرنا محض طوالت ہے اور نہ ہی ہر وقت اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ حالانکہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔



مُصنّف۔ یہ تو میں جانتا ہوں کہ تجھے ترازو کی واقفیت ہے۔ بکایا اس سے بھی زیادہ۔  
لیکن میں اور بھی زیادہ واقفیت کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے معلومات اس بابے میں  
زیادہ ہیں۔ مجھے اس کا وضع کنندہ۔ معلّم۔ استعمال کنندہ وغیرہ معلوم ہیں۔ اس کا وضع  
کنندہ اللہ تعالیٰ اور معلّم جبرائیل اور استعمال کنندہ حضرت خلیلؑ۔ جناب سرورِ کائنات  
صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اس بابے میں اللہ تعالیٰ نے  
گواہی دی ہے۔ کہ واقعی وہ اس کے استعمال میں بیٹھے اور ماہر ہیں۔ کیا تو اس بات کو  
مان کر سچ جانتا ہے؟

رفیق۔ آہ! کیونکہ اسے سچ نہ مانوں۔ جبکہ تم نے اسے مجھ پر ظاہر کر دیا۔  
مُصنّف۔ اب میں تجھ میں عقل و دانائی کی خصلت بتاتا ہوں۔ میری یہ سچی خواہش  
ہے کہ تیرے مذہب کی حقیقت تجھے سلجھا دوں۔ اب میں تجھے قرآن مجید میں ذکر  
کردہ پانچ ترازو بتاتا ہوں۔ تاکہ تمہیں تمام اماموں سے لایحتاج کر دوں۔ اور صرف  
تم جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام ماننے تمہارا رہنما قرآن شریف اور  
معیار مشاہدہ ہو۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں جن ترازوؤں کا ذکر ہے۔ اصل میں تین  
ہیں۔ میزانِ التعادل۔ میزانِ التلازم۔ میزانِ التعاند۔ لیکن میزانِ التعادل کی تین قسمیں  
ہیں۔ اکبر۔ وسطیٰ اور اصغر۔

## موازنِ التعادل میں سے میزانِ اکبر کا بیان

رفیق۔ موازنِ التعادل میں سے پہلے مجھے میزانِ اکبر سمجھاؤ۔ اور یہ جو مختلف ترازوؤں کے  
نام رکھے ہیں مثلاً تعادل۔ تلازم۔ تعاند۔ اکبر۔ اوسط اور اصغر۔ ان کی تشریح کرو۔ کیونکہ گو  
مجھے اس میں تو کلام نہیں۔ کہ ان کی تحت میں دقیق معانی ضرور ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ القاب  
مجھے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔

مُصنّف۔ ان القاب کے معنی تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک میں  
ان کی تشریح نہ کروں گا۔ اور تم ان کے معنی نہ سمجھو گے۔ اس کے بعد ان کے حقائق تمہیں  
معلوم ہونگے۔ پہلے میں تمہیں بتاؤں گا۔ کہ یہ ترازو صورت میں تو ظاہری ترازو سے نہیں ملتا۔



لیکن حقیقت میں دو نوبتیں جلتی ہیں۔ کیونکہ وہ ترازو جس کا ذکر میں کرنے کو ہوں رولی ہے۔ پس وہ جسمانی کے برابر کب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ان کا مساوی ہونا لازم آتا ہے جبکہ جسمانی ترازو بھی مختلف شکل و وضع کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایک پلڑے والے اور بعض دو والے اور نہایت نازک۔ اصطلاحاً حرکات فلکی کی پیمائش کا ترازو اور مسطر سطروں کا بعد ناپنے کا آلہ۔ شاقول دیواروں کی سدھائی اور کچی معلوم کرنے کا ترازو۔ اگرچہ ان کی صورتیں مختلف ہیں لیکن ایک بات میں مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ ان میں کمی بیشی معلوم کی جاتی ہے۔ بلکہ علم عروض شعر کا ترازو ہے جس سے شعروں کے وزن معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور سالم اور مزخاف میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جسمانی ترازوؤں سے یہ زیادہ نازک ہے۔ لیکن پھر بھی اجسام کے علائق سے بری نہیں۔ کیونکہ یہ آوازوں کا ترازو ہے۔ اور آواز جسم کے متعلق ہے۔ سب سے نازک اور سخت ترازو قیامت کے دن کا ترازو ہے۔ جس سے بندوں کے اعمال عقائد اور معارف وزن کئے جائیں گے۔ معرفت اور ایمان کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔ اور اسی واسطے ان کا ترازو بھی محض روحانی ہے۔ اور قرآن شریف کے ترازو بھی روحانی معرفت کیلئے نہیں۔ لیکن عالم شہادت میں غلاف سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ اس غلاف سے مراد ان کا اجسام سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر جسم نہ ہوتا۔ تو اس جہان میں غیر کی تعریف ناممکن تھی۔ صرف آواز سے ہو سکتی۔ سو آواز جسمانی ہے۔ یا لکھ کر اور وہ رقوم ہیں جو کاغذ وغیرہ کسی جسمانی چیز پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ بمنزلہ غلاف کے ہیں جو اس کے عوارض ہیں۔ لیکن فی نفسہ وہ محض روحانی ہے۔ اسے اجسام سے کوئی علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس سے معرفت الہی دزن کی جاتی ہے۔ جو عالم اجسام سے خارج اور جہت و طرف کی نسبتوں سے پاک ہے۔ اور اجسام کے نفس سے بدرجہا افضل ہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی اس میں ترازو کی طرح عمود اور پلڑے برابر موجود ہیں۔ یہ سب کچھ میزان التبادل میں ہے۔ لیکن میزان التلازم ایک پلڑے والے ترازو سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ اس کا بھی ایک ہی پلڑا ہے۔ اس کی دوسری طرف گولا ہوتا ہے۔ جس سے فرق متقابل معلوم ہوتا ہے۔ رفیق۔ آخر اس رام کہانی کا مطلب؟ وعدہ ہی وعدہ ہے۔ وعدہ ایفائی کا نام نہیں مصنف۔ جلد ہی مت کرو۔ صبر سے کام لو۔ قبل از مرگ کیوں واویلا کرتے ہو۔ یہ



کنو میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ جلدی کام شیطان کا اور آہستگی کام رحمان کا۔  
 سنو! میزان اکبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جسے آنحضرت نے  
 نمرود کے معاملہ میں استعمال کیا۔ اس معاملہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترازو ہے۔  
 لیکن قرآن شریف کے وسیلہ سے۔ اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ جب نمرود نے خدائی  
 دعویٰ کیا۔ اور اسے یہ بات معلوم تھی۔ کہ خدا ہر چیز پر قادر ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت  
 ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا میرا پروردگار معبود حقیقی ہے۔ کیونکہ وہ مارتا اور  
 زندہ کرتا ہے۔ اور وہ ان دونوں باتوں پر قادر ہے۔ لیکن تو ان دونوں پر ہی قادر نہیں نمرود  
 نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ لیکن نمرود کی  
 مراد زندہ کرنے اور مارنے سے نطفہ کو بچانا اور انسان کو قتل کرنا تھی۔ یہ سنکر حضرت  
 ابراہیم علیہ السلام تازگئے۔ کہ یہ مسئلہ یوں اس کی سمجھ میں آنے کا نہیں۔ جھٹ پہلو بد لکر  
 فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو واقعی قادر ہے تو مغرب سے  
 نکال۔ یہ سنکر نمرود جھوٹا ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ یہ ہمارے دلائل صحیح ہیں جو ہم نے  
 ابراہیم کو دہئے۔ اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حجت اور برہان  
 ہے۔ جب آنحضرت کے ترازو کو دیکھا۔ اور اس کے وزن کی کیفیت پر غور کیا۔ تو جس  
 طرح تم نے سونا چاندی تولنے والے ترازو میں دو پڑے دیکھے اسی طرح میں نے اس حجت  
 میں دو اصول دیکھے۔ جن کے ملنے سے نتیجہ یعنی معرفت نکلا۔ جو قرآن شریف میں بہب  
 ایجاز حذف کیا گیا ہے۔ اس میزان کی پوری صورت شکل یوں ہے۔ جو شخص سورج  
 کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ میرا معبود طلوع  
 کرنے پر قادر ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں کے ملنے سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا  
 ہے کہ اے نمرود! میرا معبود تو نہیں بلکہ اور ہے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ دونوں  
 اصولوں کا اعتراف کرے اور نتیجہ پر شک کرے یا ان دونوں اصولوں پر شک کرے  
 یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارا یہ قول کہ معبود سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ بالکل ٹھیک ہے  
 اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک معبود وہ ہے۔ جو ہر شے پر  
 قادر ہو۔ اور سورج کا نکلنا بھی ایک شے ہے۔ یہ اصل وضع و اتفاق سے معلوم ہے۔



ہمارا دوسرا قول کہ جو سورج نکالنے پر قادر ہے وہ تیرے علاوہ اور معبود ہے۔ یہ شاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ نمرود اور ہرزی روح کی عاجزی سورج کے متحرک کرنے کے بارے میں ایک حسی امر ہے۔ معبود سے مراد وہ ذات ہے جو سورج کو حرکت دیتی ہے اور اسے نکالتی ہے۔ پس ہمارے دونوں قولوں سے جن میں سے ایک وضع سے معلوم اور متفق علیہ ہے۔ اور دوسرا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ نمرود حرکت دینے پر قادر نہیں۔ ان دونوں اصولوں کی واقفیت کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ کہ نمرود معبود نہیں۔ اور یہ کہ معبود حقیقی صرف ذات الہی ہے۔ اب تم غور کرو۔ اور بتاؤ کہ کیا یہ اصول ان مقدمات تجربی اور حسی سے جن پر مومن چاندی کے ترازو کی بنا رکھی تھی۔ زیادہ واضح ہیں یا نہیں؟

رسمیق۔ یہ پہچان لازمی اور ضروری ہے۔ اب میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ ان دونوں اصولوں پر شک کروں۔ یا ان سے برآمدہ لازمی نتیجہ پر شبہ کروں۔ لیکن اتنی بات ضروری ہے۔ کہ یہ ترازو صرف ایسے ہی موقع پر اور ایسے ہی طریقہ پر جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ نمرود کی خدائی کی تردید اور معبود حقیقی کی خدائی کی تائید میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ اس سے باقی کے مشکل معارف کا کیونکر اندازہ کر سکتا ہوں۔ اور حق و باطل میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔ مصنف۔ جو شخص ترازو سے سونا تول سکتا ہے۔ وہ اس ترازو سے چاندی اور جواہرات کا بھی وزن کر سکتا ہے۔ کیونکہ وزن دار چیز کا وزن کرنا ہے۔ خواہ سونا ہو خواہ چاندی اسی طرح اس دلیل سے ہم پر نہ صرف اس کے عین کی شناخت ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے حقائق میں سے ایک حقیقت اور بہت سے معانی میں سے ایک معنی اب ہم غور کرتے ہیں۔ کہ جب اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے۔ اور ہم اس کی روح کو لیتے ہیں اور اس خاص مثال سے علیحدہ کر کے اس سے جہاں چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور یہ لازم آتا ہے۔ صفت کا حکم موصوف پر ضروری ہوتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ میرا پروردگار نکالنے والا ہے۔ اور نکالنے والا معبود ہے۔ پس ان سے لازم آتا ہے۔ کہ میرا پروردگار معبود ہے۔ نکالنے والا پروردگار کی صفت ہے۔ نکالنے والا ہونا معبود ہونے کی علامت ہے۔ اس واسطے میرا پروردگار معبود ہے۔ اسی طرح ہر ایک موقع پر



مجھے شے کی صفت اور اس سے اس کی شناخت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس سے موصوف کی شناخت آسانی ہو سکتی ہے۔  
 رفیق۔ اس کا سمجھنا میری سمجھ کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض مجھے اس میں شک پڑ جائے۔ تو پھر میں اس شک کو کیونکر رفع کروں؟  
 مصنف۔ اس کا مقررہ معیار سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صورت میں کرتے ہو۔

رفیق۔ میں کہاں سے مقررہ معیار لوں۔ اور اس فن میں مقررہ بٹا کونسا ہے؟  
 مصنف۔ اس میں مقررہ بٹا وہ ضروری یقینیات ہیں۔ جو یا حسی ہیں یا تجربی یا عقلی یقینیات میں دیکھو۔ کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ صفت سے موصوف مدلول نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے۔ مثلاً جب تمہارے سامنے سے ایک پھولے ہوئے پیٹ والا حیوان (خچر) گزرے۔ اور پاس سے ایک شخص کہہ لے۔ کہ یہ خچر حاملہ ہے۔ تو کیا تم اُسے یہ نہیں کہو گے کہ خچر بانجھ ہوا کرتی ہے۔ یہ بچہ نہیں جنتی۔ تو وہ کہیگا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ کیونکہ مجھے اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ خچر بچہ نہیں جنتی۔ پھر تم اس سے پوچھ سکتے ہو کہ کیا یہ خچر نہیں۔ وہ کہیگا ہاں یہ خچر ہے۔ کیونکہ اس کے خچر ہونے کا علم مجھے بذریعہ جس حاصل ہے۔ پھر تم پوچھ سکتے ہو۔ کہ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ حاملہ نہیں۔ تو وہ بالضرور کہیگا۔ کہ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ جبکہ دو اصول معلوم ہیں۔ جن میں سے ایک جس سے دوسرا تجربی۔ پھر خچر کا بانجھ ہونا ان سے بطور ایک ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ جس طرح کہ ترازو کے بارے میں اس کی صحت کا اندازہ ایک تجربی یعنی بھاری چیز ٹھیک جاتی ہے۔ اور حسی یہ کہ کوئی پلٹا ایک دوسرے سے بھاری نہیں۔  
 رفیق۔ اب میں واضح طور پر سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ صفت کے حکم سے موصوف کا حکم لازم آتا ہے۔

مصنف۔ ذرا سوچو۔ تمہارا یہ قول کہ یہ خچر ہے وصف ہے۔ اور صفت خچر ہے۔ اور تمہارا یہ قول تمام خچر بانجھ ہیں حکم ہے۔ اس خچر پر جس کی صفت بانجھ ہونا ہے۔ پس خچر سے موصوف کہنے سے اس کا بانجھ ہونا لازم آتا ہے۔ اسی طرح اور مثال لو۔ تمام حیوان صاحب جس ہیں۔ کیڑے بھی حیوان ہیں۔ جب سان دو باتوں میں تمہیں کسی



قسم کا شبہ نہیں۔ تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کیڑے بھی صاحب جس ہیں۔ اس میں کیونکر شبہ ہو سکتا ہے۔ اس رقیاس (قترانی) کا طریق یوں ہے۔ تمام کیڑے حیوان ہیں۔ تمام حیوان صاحب جس ہیں۔ پس تمام کیڑے صاحب جس ہیں۔ کیونکہ تمہارا یہ قول کہ تمام کیڑے حیوان ہیں کیڑوں کی صفت ہے۔ اس واسطے کہ وہ حیوان ہیں۔ اور حیوان ہونا ان کی صفت ہے۔ جب حیوانات پر احساس کا حکم لگا چکے ہو۔ خواہ وہ احساس جسمانی ہو یا غیر جسمانی۔ تو اس میں کیڑے ضرور داخل ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہاں یہ شرط ضروری ہے۔ کہ صفت موصوف کے مساوی ہو یا اس سے عام۔ حتیٰ کہ حکم موصوف پر مشتمل ہو۔ ایک اور مثال سنو۔ جس شخص نے اس نظر نقی کو تسلیم کیا ہے۔ کہ ہر قسم کی شراب منشی ہوتی ہے اور ہر ایک منشی شے حرام ہے۔ پھر کوئی وجہ ہے کہ ہر قسم کی شراب کے حرام ہونے میں شک کرے۔ کیونکہ منشی ہونا شراب کی صفت ہے اور اس پر تحریم کا حکم ہے۔ جو شراب پئے گا اس میں موصوف بھی ضروری داخل ہوگا۔ اسی طرح تمام نظریات کا حال ہے۔

رفیق۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ضروری ہے کہ دواصولوں کے مناسب طور سے ملنے سے ایک ضروری اور لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی برہان صحیح اور آنحضرت کا ترازو درست ہے۔ نیز یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیا۔ کہ اس ترازو کی حد۔ حقیقت۔ معیار کیا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے۔ کہ میں شکل اور طئی امور میں اس ترازو کا استعمال سیکھ جاؤں۔ کیونکہ جو مثال آپ نے دی ہے۔ یہ بنفسہ واضح ہے۔ اس کو ترازو اور برہان کی ضرورت نہیں۔

مصطفیٰ۔ افسوس! بعض مثالیں بنفسہ معلوم نہیں بلکہ وہ دواصولوں کے ملنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ حیوان بانجھ ہے۔ اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک بذریعہ جس یہ نہ جانتا ہو کہ یہ بچہ ہے۔ اور بذریعہ تجربہ اسے معلوم نہ ہو۔ کہ بچہ نہیں جنتی ان دواصولوں میں سے پہلی بنفسہ واضح ہے۔ لیکن اس کا دواصولوں میں اور باب سے پیدا ہونا ضروری ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ بھی بنفسہ واضح نہیں بلکہ بذریعہ غیر واضح ہے۔ جس کے دواصول واضح ہیں۔ لیکن پھر بھی تجربے اور مشاہدے کے بعد۔ اسی طرح شراب کا حرام ہونا بنفسہ واضح نہیں۔ بلکہ یہ بھی دواصول کا نتیجہ ہے۔ جس میں



ایک یہ ہے شراب منشی شے ہے اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے۔ دوسری یہ ہے ہر منشی شے حرام ہے اور یہ بات شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی ہے پس یہ ہے اس ترازو سے وزن کرنے کی کیفیت۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ نازک مثال لینا چاہو۔ تو بے شمار مل سکتی ہیں۔ ہم نے اس ترازو سے بیشمار غوامض کا وزن کیا ہے۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ انسان بنفسہ علوث نہیں کیونکہ اس کا سبب اور صانع ہے اور عالم ہے۔ اور وہ صانع عالم بھی ہے۔ میں کہتا ہوں ہر ایک جائزہ کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ عالم یا انسان کا اختصاص اسی قدر ہوتا ہے جس قدر وہ جائزہ ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی سبب ہے۔ اس نتیجہ پر کوئی شک نہیں کر سکتا۔ جس نے کہ دو ذواصول کو تسلیم کر لیا ہے اور ان دو کو پہچان لیا ہے لیکن اگر دو ذواصول پر شک ہے۔ تو وہ دو ذواصول الگ الگ کسی دو اصولوں کا نتیجہ ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کرتے کرتے یقینیات تک پہنچ جائیں گے۔ جن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ علوم خفی اولیہ علوم خامضہ جلیلہ کے اصول ہیں۔ وہ بمنزلہ بیج ہیں۔ ان سے پھل وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو انہیں بوٹے۔ پرورش کرے اور دو کو ملاحظہ کر ان سے نتیجہ پیدا کرے۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے ان دو ذواصول پر شک ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا۔ کہ ہر ایک جائزہ کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انسان کا اختصاص مقدار مخصوص سے جائزہ ہے۔ لیکن واجب نہیں تو میں کونگا کہ میرا یہ قول کہ ہر ایک جائزہ کا سبب ہوتا ہے بالکل واضح ہو جائے گا۔ جب تم جائزہ کے معنی سمجھ لو گے۔ جائزہ سے میری مراد یہ ہے کہ جو مساوی دو قسموں میں مشترک ہو۔ جب دو چیزیں مساوی ہوں۔ تو پھر ان میں سے ایک عدم وجود دو ذواصول سے مخصوص نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو ایک چیز کے لئے ثابت ہوگا۔ وہ دوسرے کے لئے ضرور ہوگا۔ اور یہ ایک یقینی امر ہے۔ اور میرا یہ قول کہ اس قدر انسان کا اختصاص جائزہ ہے واجب نہیں کہ ایسا ہی ہے جیسے میں کہوں کہ خط جسے کا۔ نے کھنسا ہے اور اس کی مقدار مخصوص ہے جائزہ ہے۔ کیونکہ خط بحیثیت خط ہونے کے اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں۔ بلکہ اس سے چھوٹا اور بڑا خیال کیا جاسکتا ہے۔ لیکن خاص مقدار سے مخصوص ہونا وہ لیا ہونا چھوٹا اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ ضروری



اس کا فاعل کوئی ہے۔ کیونکہ اس کی مقادیر مساوی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے۔ جیسے انسانی شکل میں مقادیر کا تناسب۔ اس کی اطراف کا مساوی ہونا۔ پس ضروری ہے کہ انسان کا بنانے والا کوئی ہو۔ اس سے ترقی کر کے میں یہ کہوں کہ اس کا فاعل عالم بھی ہے۔ تو درست ہے۔ کیونکہ جو فعل مرتب اور محکم ہو اس کا فاعل ضرور عالم ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی وجود کی بنا مرتب و محکم ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب اور تدبیر کو ضرور فاعل کے علم سے منسوب کیا جائیگا۔ یہ دونوں اصول ہیں۔ جب ان میں تمہیں شک نہیں۔ تو ان سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس میں شک و شبہ نہ ہوگا۔ ان دو اصولوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ انسانی بنیاد مرتب و محکم ہے۔ یہ بات اعضا کے تناسب اور ہر ایک عضو کا کسی خاص مطلب کے لئے بنائے جانے مثلاً ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے۔ وغیرہ اور اعضا کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے۔ مرتب اور منظوم کا علم کی طرف محتاج ہونا بھی واضح ہے۔ اس میں شک و شبہ نہیں۔ عقائد آدمی اس بات پر شک نہیں کرتا کہ باقاعدہ خط اسی کا ہوتا ہے جو علم کتابت کا عالم ہو۔ گو وہ قلم کے ذریعے لکھا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح عمارت مفیدہ مثلاً گھر۔ حمام وغیرہ وہی شخص بنا سکتا ہے جو تعمیر کے کام کا عالم ہو۔ پس اگر کسی شے میں شبہ پڑ بھی جائے تو اس کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ان سے جو زیادہ واضح اصول ہیں اعلیٰ طرف چلو۔ حتیٰ کہ یقینیات اور بدیہیات تک پہنچ جاؤ۔ اس کی تشریح ہماری علت غائی نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ یقینیات کو اس طرح ملا کر ان سے نتائج نکالیں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نکالا۔ اور یہ تراز و حقیقت کی پہچان کیلئے مفید ہو سکے۔ اس کا بطلان گویا اس تعلیم کا بطلان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو دی اور نیز اس تعریف کا جھٹلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کہ ”تک جتنا اتینا ابراہیم علیہ السلام“ گورائے سچی ہو یا نہ ہو لیکن تعلیم ضرور سچی ہے اس کے جھٹلانے میں سراسر رائے اور تعلیم دونوں کا جھٹلانا ہے +

شبیہ شبیہ شبیہ شبیہ شبیہ شبیہ شبیہ



## میزان اوسط کے بیان میں

رفیق۔ میں میزان اکبر۔ اس کی حد۔ اس کا معیار۔ اس کی حقیقت اور اس کا استعمال سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ میزان اوسط کیا شے ہے؟ اس کی تعلیم کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ کس نے اسے وضع کیا؟ اور کس نے اسے استعمال کیا؟ مصنف۔ میزان اوسط بھی حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ نے استعمال کی۔ جبکہ آنحضرت نے فرمایا کہ احب الیّین میں غروب ہونے والے سے پیار نہیں کرتا، اس ترازو کی مفصل کیفیت یوں ہے چاند غروب ہوتا ہے، ”معبود غروب نہیں ہوتا، لیکن قرآن شریف میں ایجاز و اختصار سے کام لیا لیکن معبود کی لفظی کا علم چاند سے براہ راست حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک ان دو اصول سے واقف نہ ہو اور وہ یہ ہیں۔ چاند غروب ہونے والا ہے۔ اور ”معبود غروب نہیں ہوتا، جب ان دو اصول سے واقف ہو جاؤ گے۔ تو پھر چاند سے معبود کی لفظی سمجھ جاؤ گے۔“

رفیق۔ اس میں تو مجھے شک نہیں کہ چاند معبود نہیں۔ کیونکہ یہ دو مشہور اصولوں سے بطور نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ چاند غروب ہونے والا ہے۔ جو ایک حسی امر ہے۔ لیکن معبود غروب نہیں ہوتا۔ یہ نہ ضروری ہے نہ حسی۔“

مصنف۔ اس ترازو کے بیان سے میری یہ غرض نہیں۔ کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ چاند غروب ہونے والا نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ترازو صحیح اور درست ہے۔ اور اس سے یوں شناخت حاصل ہوتی ہے۔ اور جو علم اس باب سے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تھا۔ وہ یہ تھا کہ ”معبود غروب نہیں ہوتا، اگرچہ یہ علم اولیات سے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصولوں کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ کہ ”معبود متغیر نہیں ہوتا، ہر ایک متغیر حادث ہوتا ہے، اور غروب ہونے والا متغیر ہوتا ہے، ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ معبود غروب نہیں ہوتا، وزن کی بنا معصوم پر تھی۔ لہذا تم بھی ترازو لیکر استعمال کرو۔ تاکہ تمہیں بھی دو اصولوں سے علم حاصل ہو۔“

رفیق۔ میں بالضرور سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ترازو سچا ہے۔ اور یہ شناخت دو اصولوں کا



لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تم اس ترازو کی حد اور حقیقت کی شرح کرو۔ اور مشہور و معروف ہٹ کے معیار کی تشریح سمجھا دو۔ بعد ازاں مشکوک اور باریک معاملاً میں اس کا استعمال بتاؤ۔ کیونکہ چاند کا معبود نہ ہونا ایک واضح امر ہے۔

مصنف۔ اس کی حد یہ ہے۔ کہ ہر ایک مثل وصف سے موصوف ہوتی ہے۔ لیکن ایک کا وصف دوسرے سے مسلوب ہوتا ہے۔ اور وہ دو نو الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے وصف کو مسلوب کرتا ہے۔ لیکن خود اس وصف سے موصوف نہیں ہوتا۔ میزان اکبر کی حد یہ تھی۔ کہ جو عام پر صادق آتا ہے وہ خاص پر بھی صادق آتا ہے۔ لیکن میزان اوسط کی حد یہ ہے۔ کہ جو ایک کے لئے نفی ہے وہ دوسرے کو ثابت کرتی ہے۔ حالانکہ غیر سے الگ ہوتی ہے۔ مثلاً معبود اپنے آپ سے غروب ہونے کی نفی کرتا ہے۔ لیکن چاند غروب ہونے کا اثبات کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف معبود

اور چاند میں ہے۔ کہ نہ چاند معبود ہے نہ معبود چاند۔ اللہ تعالیٰ نے اس ترازو سے وزن کرنا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں بہت سے موقعوں پر سکھایا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا تھا۔ میں صرف دو موقعوں پر اکتفا کروں گا۔ باقی قرآن شریف کی آیتوں میں سے معلوم کر لینا۔ ان دو میں سے ایک یہ ہے۔ قولہ تعالیٰ "قل ظلم یعد بکم بذنوبکم بل انتم بشر من خلق" اور یہ اس واسطے فرمایا۔ کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے قسط اس المستقیم سے ان کے خطاب کے اظہار کی کیفیت انہیں سکھائی۔ چنانچہ فرمایا "قل ظلم یعد بکم بذنوبکم" اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ بیٹے عذاب نہیں دئے جاتے۔ اور تم عذاب دئے جاتے ہو۔ پس تم بیٹے نہیں۔ یہاں دو اصل ہیں۔ بیٹے عذاب نہیں دئے جاتے یہ ہندو تجربہ معلوم ہوا ہے اور تم عذاب دئے جاتے ہو ہندو مشاہدہ معلوم ہوا ہے۔ ان دو سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تم بیٹے نہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن مجید میں فرمایا ہے "قل یا ایہا الذین ہادطین زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونه ابد ابدا ذمت ایدیکم" اے محمد! آپ یہود کو کہہ دو۔ کہ اگر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا دوست خیال کرتے ہو۔ تو موت کی خواہش کرو بشرطیکہ تم سچے دوست ہو۔ اور اپنے اعمال کا احسان ہرگز اسے نہ جتاؤ



یہ اس واسطے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دوست دوست کے دیدار کی خواہش کرتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس دوست کے خواہشمند نہیں۔ جو دوست کے دیدار کا سبب ہے۔ پس اس سے ضروری نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں۔ اس میزان کی مفصل صورت یوں ہے، ہر ایک دوست اپنے دوست کے لقا کی خواہش کرتا ہے۔ لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے لقا کی خواہش نہیں کرتے۔ پس ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں، اس ترازو کی حد یہ ہے۔ کہ دوست تمنا سے موصوف ہوتا ہے۔ اور یہودی سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے پس ولی اور یہودی بالکل مختلف ہوئے۔ کیونکہ جو شے ایک میں پائی جاتی ہے دوسرے میں نہیں۔ پس نہ ولی یہودی ہو سکتا ہے۔ نہ یہودی ولی۔ اس ترازو کے مقررہ بٹ میرے پاس نہیں۔ جبکہ تم باوجود اس قدر وضاحت کے اس کے محتاج ہو۔ اگر تم بطور مرد چاہتے ہو۔ تو لو میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو! جب تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ پتھر حجاب ہے۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ انسان حجاب نہیں۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ انسان پتھر نہیں؛ کیونکہ حجابیت پتھر کے لئے ثابت ہے اور انسان سے حجابیت کی نفی ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان پتھر سے الگ ہے۔ اور پتھر انسان سے الگ۔ پس کوئی انسان پتھر نہیں۔ اور کوئی پتھر انسان نہیں۔ رہا ہر ایک موقع پر اس کا استعمال سو اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ معرفت کا ایک پہلو تقدیس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بعض باتوں سے پاک سمجھنا اس قسم کے تمام معارف اسی ترازو سے وزن کئے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس ترازو کو تقدیس کے موقع پر استعمال کیا۔ اور ہمیں بھی اس سے وزن کرنا سکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کی۔ اور وہ یوں ہے۔ اللہ تعالیٰ جو ہر تمیز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ معلول نہیں۔ اس واسطے کہ ہر ایک تمیز جو خاص چیز سے مخصوص ہوتا ہے معلول ہے۔ پس اس سے لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ جو ہر نہیں، اور یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں یوں ثابت ہوتا ہے کہ عرض حی اور عالم نہیں ہوتا، لیکن معبود حی اور عالم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں۔ اسی طرح تقدیس کے تمام معاملات کی شناخت دو اصولوں کو ظاکر ان سے نتیجہ نکال کر ہو سکتی ہے ان دو اصولوں میں سے ایک سالیہ جو جس کا مضمون نفی ہو اور دوسرا موجبہ جس کا مضمون



اثبات ہو۔ اور ان سے جو نتیجہ برآمد ہو گا وہ بالضرور نفی اور تقدیس ہوگی۔

## میزان اصغر کے بیان میں

رفیق - میزان اوسط و اکبر کو تو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے میزان اصغر اسکی حد۔ اس کا معیار۔ اس کا موقع استعمال وغیرہ سمجھائیں۔

مصنف - میزان اصغر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھی ہے۔ جبکہ اُس نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یوں سکھایا۔ "قوله تعالیٰ" وما قدسنا الله حق قدسه اذ قالوا ما انزل الله على بشر من شيء قل من انزل الكتاب الذي جاء به موسى نورا وهدى للناس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہ کی۔ جبکہ انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز انسان پر نازل کی۔ سوائے محمدؐ ان سے یہ تو کچھ۔ کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے اور جو انسانوں کے واسطے سر اسر نور اور ہدایت تھی کس نے اتاری؟ اس ترازو سے وزن کرنے کا طریق یوں ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ انسان پر وحی نازل نہیں ہوتی جھوٹ ہے۔ کیونکہ مندرجہ ذیل دو اصولوں کے نتیجہ سے اس کا بطلان ثابت ہے۔ وہ اصول اور ان کا نتیجہ یہ ہیں موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں، موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی، ان دو سے یہ لازمی اور خاص نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ بعض انسانوں پر کتاب نازل ہوتی ہے۔ اور اس سے یہ باطل ہو جاتا ہے۔ کہ انسان پر کتاب نازل ہی نہیں ہوتی۔ ان دو اصولوں میں سے پہلا موسیٰ علیہ السلام بشر ہیں، جس سے۔ دوسرا موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی، یہ ان کے اعتراف سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ توریت کی بعض باتیں چھپاتے تھے۔ اور بعض ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "يعبدونها من قبله و يخفون كشيرا" یہ معرض مجاہدہ میں بطریق احسن فرمایا ہے۔ اور مجاہدہ کی خاصیت بھی یہ ہے۔ کہ اس میں دو اصول ہوں جنہیں حریف تسلیم بھی کرتا ہو اور ہوں بھی مشہور۔ اگر ان میں غیر مسلم کے لئے شک کا امکان ہو۔ تو نتیجہ یہ کہ وہ اس کا معترف ہو۔ قرآن شریف کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں۔ اگر تمہارے دل میں بعض اصول اور مقدمات کی نسبت شک پیدا ہو۔ تو یاد رکھو اس کا



اصل مقصود یہ ہے۔ کہ باہم ایسے دلائل پیش کئے جائیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔  
 تمہارا اصل مقصود یہ ہے۔ کہ اس ترازو سے تمام موقعوں پر وزن کر سکو۔ اس کا معیار یہ  
 ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا۔ اسے کہو کہ سانپ بھی حیوان  
 ہے جو بغیر پاؤں کے چلتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض حیوان بغیر پاؤں کے  
 چلتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا، باطل ہے۔ اس  
 ترازو کے استعمال کے مواقع بکثرت ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ ہر ایک جھوٹ بُرا ہے تو  
 ہم اسے کہیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی لی یا نبی کو ظالم سے چھپائے۔ اور ظالم اس سے  
 پوچھے کہ کہاں چھپا یا ہے۔ اور وہ اسے نہ بتائے۔ اور کہدے کہ مجھے معلوم نہیں۔ یہ  
 ہے تو سراسر جھوٹ لیکن برا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ سچ بولتا۔ تو نبی یا ولی مارا جاتا۔ اس کا سچ بولنا  
 بُرا تھا۔ نسبت جھوٹ بولنے کے۔ ہم اسے کہتے ہیں کہ میزان کی طرف دیکھ۔ ایک اصل  
 تو یہ ہے کہ موقع پر چھپا دینا جھوٹ ہے، یہ اصل معلوم ہے۔ دوسرا اصل برا نہیں، ان  
 سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک جھوٹ برا نہیں۔ اب سوچو کہ کیا تمہیں اس نتیجہ میں شک ہے  
 جبکہ ان دونوں اصولوں کو مانتے ہو۔ اور کیا یہ اس سے زیادہ واضح ہے۔ جو میں نے میزان  
 تقدس میں مقدمہ تجربی اور حسی بیان کیا تھا۔ اس ترازو کی حدیوں سے کہ دو صفتیں ایک  
 شے کے لئے تسلیم کی جاتی ہیں بعض ان میں سے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے یہ لازم  
 نہیں آتا کہ تمام سے موصوف ہو۔ بلکہ بعض احوال میں ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ مثلاً انسان  
 میں حیوانیت اور جہانیت دو تو ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ بعض جسم حیوان ہیں۔  
 لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ تمام جسم حیوان ہیں۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہر حیوان جسم ہے۔ کیونکہ  
 جب ایسی صفت سے موصوف ہو جو ہر حالت میں ضروری نہ ہو۔ اس سے ضروری صفت  
 حاصل نہیں ہوتی۔

رفیق۔ میں یہ تینوں میزان سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اکبر۔ اوسط اور  
 اصغر سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

مصطفیٰ۔ اکبر اس واسطے کہ اس سے بہت سی چیزوں کا وزن ہو سکتا ہے۔ اور  
 اصغر اس کے خلاف۔ اوسط دو لوگوں کے بین بین میزان اکبر سب سے وسیع ہے۔ کیونکہ  
 اس سے عام و خاص کا اثبات و نفی ہر دو ہو سکتے ہیں۔ یعنی چاروں قسم کے معارف و وزن



کہے جاسکتے ہیں۔ دوسرے ترازو سے صرف نفی لیکن عام و خاص دونوں کی تیسرے سے صرف خاص خاص معارف جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ کہ جب دو وصف ایک چیز میں ہوں۔ تو جس چیز میں ان میں کا ایک وصف ہو۔ وہ صرف جزئی طور پر اس میں شامل ہوتی ہے۔ اس واسطے اس ترازو کو اصغر کہا گیا ہے۔ اب ربو شیطان کے ترازوں سے حکم عام کا وزن کرنا۔ جس سے اہل تعلیم نے بعض معارف کو وزن کیا۔ اور اسے حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ میں داخل کیا جہاں پر فرماتے ہیں ہذا ربی ہذا اکبرہ انشاء اللہ عنقریب ہی میں ان کا ذکر کروں گا۔

## میزان التلازم کے بیان میں

رفیق۔ میں میزان تعادل کی تینوں قسموں سے واقف ہو گیا ہوں۔ اب مجھے میزان التلازم کا مطلب سمجھائیے۔

مُصَنَّف۔ یہ میزان حسب ذیل اقوال الہی سے استفادہ ہے۔ "لو کان فیہما آلہتہ الا اللہ لفسد تا" "قل لو کان معہ آلہتہ کما تقولون اذاکا۔ یتنوا لواء ذی العرش سببک" "لو کان ہواکما آلہتہ ماکون ہوا" اس ترازو کی صورت کی تحقیق یوں ہے۔ "اگر جہان میں دو معبود ہوتے تو بگاڑ ہوتا" یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس میں بگاڑ نہیں، یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ دو معبود نہیں بلکہ ایک ہے نیز "اگر صاحب عرش کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا۔ وہ صاحب عرش کی طرف رستہ کی خواہش کرتے، ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ خواہش نہیں کرتے پس اس سے اس معبود کی نفی لازم آتی ہے جو صاحب عرش کے سوا ہے۔ اس ترازو کا معیار معلومہ بٹوں سے یوں کیا جاتا ہے۔ اگر سورج نکلا ہو تو ستارے چھپ جاتے ہیں۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر اگر تم کہو کہ سورج نکلا ہوا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ستارے چھپے ہوئے ہیں۔ نیز اگر تم یہ مانو کہ فلاں شخص نہیں کھاتا۔ تو سمجھو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے کھانا کھایا ہے۔ یہ جس سے معلوم ہوا ہے۔ تو تجربی اور حسی دواصولوں سے یہ ضروری نتیجہ



برآمد ہوتا ہے۔ کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا نہیں۔ پوشیدہ اور دیر فہم مقام پر بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب فقیہ کہتا ہے۔ کہ اگر فائب کا بیج صحیح ہے تو اس سے صریح الزام لازم آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے۔ کہ تصریح الزام لازم نہیں۔ تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ صحیح نہیں۔ پہلا اصل استقرار شرعی سے معلوم ہوتا ہے جو ظن کے لئے مفید ہے۔ اگرچہ وہ علم کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حریف کے تسلیم کرنے اور اس کی مدد سے نظریات میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر جہان کی بناوٹ اور آدمی کی ترکیب مرتب۔ عجیب اور مضبوط ہے۔ تو اس کا بنانے والا ضرور عالم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہان و انسان کی بناوٹ اور ترکیب عجیب اور مرتب ہے۔ کیونکہ آنکھوں سے ایسا دیکھتے ہیں۔ پس اس سے لازم آتا ہے۔ کہ ان کا بنانے والا عالم ہے۔ جب اس سے ہم ترقی کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ اگر ان کا بنانے والا عالم ہے۔ تو وہ زندہ بھی ہے۔ سو چونکہ میزان اول سے معلوم ہے کہ وہ عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ وہ زندہ ہو۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر وہ زندہ اور عالم ہے تو ضرور وہ بذات خود قائم ہے۔ نہ کہ کسی اور کی مدد سے چونکہ پہلی دو میزانوں سے معلوم ہے کہ وہ زندہ اور عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے وہ بذات خود قائم ہے۔ اسی طرح ہم آدمی کی ترکیب کی صفت سے اس کے بنانے والی کی صفت تک ترقی کرتے ہیں یعنی معلوم کرتے ہیں۔ کہ اس کا بنانے والا عالم ہے۔ پھر علم سے زندگی اور زندگی سے ذات تک ترقی کرتے ہیں۔ اور یہ روحانی ترقی ہے۔ یہ ترازو آسمان پر چڑھنے کے لئے اور آسمان سے خالق آسمان تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ اور یہ اصول ان سیڑھیوں کے پائے ہیں۔ جسمانی معارج ہر ایک قوت سے نہیں ہو سکتا۔ یہ نبوت کی قوت سے ہی مخصوص ہے اس ترازو کی حد یہ ہے کہ جو باتیں کسی خاص چیز کے لئے لازم ہیں وہ ہر حال میں اس کی تابع ہیں۔ اس واسطے لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے۔ اور ملزوم کے وجود سے لازم کا وجود واجب آتا ہے۔ لیکن ملزوم کی نفی اور لازم کے وجود سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس سے بعض اہل علم اپنی معرفت کو وزن کرتے ہیں۔ تم جانتے ہو کہ نماز کی درستی کے لئے نمازی کا پاک ہونا لازم ہے۔ پس تمہارا یہ کہنا درست ہو گا کہ اگر زید کی نماز صحیح ہے تو وہ پاک ہے۔ لیکن اگر معلوم ہو۔ کہ وہ پاک نہیں جو لازم کی نفی ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اس کی نماز درست نہیں۔ جو ملزوم کی نفی ہے



اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست ہے۔ جو ملزوم کا وجود ہے اس لئے وہ پاک ہے۔ جو لازم کا وجود ہے۔ یہ تو درست ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ چونکہ وہ پاک ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست ہو۔ ایسا کہنا غلطی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نماز کسی اور وجہ سے باطل ہو گئی ہو۔ اور یہ لازم کا وجود ہے۔ یہ ملزوم کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست نہیں اس لئے وہ پاک نہیں۔ یہ بھی غیر لازمی خطا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کسی اور شرط کی کمی سے نماز درست نہ رہی ہو۔ یہ ملزوم کی نفی ہے۔ لیکن اس سے لازم کی نفی لازم نہیں آتی +

## میزان التعداد کا بیان

رفیق۔ اب مجھے بتاؤ کہ میزان التعداد کیا چیز ہے۔ اور قرآن شریف میں سے اس کا مقام۔ اس کا پر کھنا اور موقع استعمال سمجھاؤ۔

مصنف۔ قرآن شریف میں اس کا مقام یہ قول الہی ہے۔ "قل من یزقک من السموت والارض قل اللہ" جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد کدے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق پہنچاتا ہے، اور کدے کہ اللہ تعالیٰ اور میں یا تم ہدایت پر ہو یا گمراہی میں۔ لیکن انا وایاکم کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تسویہ اور تشکیک ہے۔ بلکہ اس میں دوسرا اصل چھپا ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول "بے شک اللہ تعالیٰ ہی تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے" گمراہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے مینہ اتار کر اور زمین میں سے نباتات اگا کر تمہیں رزق دیتا ہے۔ سو تم اس بات سے انکار کر کے گمراہ بنتے ہو۔ اس میزان کے کمال کی صورت یوں ہے، انا وایاکم لعلی ضلال مبین، میں یا تم گمراہ ہو، یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہم گمراہ نہیں، دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں کے ملانے سے ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ تم گمراہی میں ہو، مشہور بٹوں سے اس کا پر کھنا اس طرح پر ہے۔ فرض کرو ایک شخص ایسے مکان میں داخل ہوتا ہے۔ جس میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔ اگر ہمیں ایک کوٹھڑی میں وہ نہ ملے۔ تو ہم جانتے ہیں کہ وہ دوسری میں ضرور ہوگا۔ یہ نتیجہ بھی دواصلوں سے



مکر بنا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک کو ٹھٹھری میں ضرور ہے، اور دوسرا یہ کہ اس کو ٹھٹھری میں بالکل نہیں، ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کو ٹھٹھری میں ہے اس واسطے کہ جب ہمیں ایک کو ٹھٹھری میں نہیں ملتا۔ تو دوسری میں ہم اپنی آنکھوں کو دیکھ لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری میں جا کر آنکھوں سے نہ بھی دیکھیں تو بھی ہمیں اس میزان سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ضرور دوسری کو ٹھٹھری میں ہے۔ یہ علم میزانانی ہو گا۔ جو بمنزلہ آنکھوں سے دیکھنے کے ہو گا۔ اس میزان کی حد یہ ہے۔ اگر کوئی چیز دو قسموں پر منحصر ہے تو ایک میں ہونے سے دوسری میں نفی لازم آتی ہے۔ اور ایک کی نفی سے دوسری کا اثبات لازم آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری شرط ہے کہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ کیونکہ قسم منتشر سے وزن کرنا شیطانی فعل ہے۔ بعض اہل قلم ایسے موقعوں پر اپنے کلام کو اسی سے وزن کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہم قول اصح میں فصل الخلاف کے جواب اور کتاب مستظہری وغیرہ بھی کر دیا ہے۔ پوشیدہ اور دیر فہم موقعوں پر اس کے استعمال کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور شاید نظریات کا اکثر حصہ اسی سے وزن کیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودات ہی کو لو۔ یا تو تمام موجودات حادث ہے۔ یا اس کا بعض حصہ حادث ہے اور بعض قدیم۔ اور یہ قاصر ہے۔ کیونکہ یہ نفی اور اثبات کے مابین دائرہ ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ تمام موجودات حادث نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس میں کچھ حصہ قدیم ہے۔ اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہم نے یہ کیوں کہا کہ تمام موجودات حادث نہیں تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ اگر تمام موجودات حادث ہو۔ تو اس کا حدوث بنفسہ ہوتا اور اس میں اس بات کا دخل نہ ہوتا۔ پس یہ کہنا کہ تمام موجودات حادث ہے باطل ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ اس میں موجود قدیم بھی ہے۔ اس میزان کے استعمال کی مثالیں پیش کیا ہیں۔

رفیق۔ اب میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں یہ پانچوں ترادوسچے ہیں۔ لیکن صرف اتنی خواہش باقی ہے۔ کہ میں ان کے القاب کے معانی سمجھ جاؤں۔ اور یہ کہ آپ نے پہلی کو میزان التعادل دوسری کو میزان التلازم اور تیسری کو میزان التعاند کے نام سے کیوں مخصوص کیا؟

مصنف۔ پہلی کا نام اس واسطے میزان التعادل رکھا۔ کہ اس میں دو اصول بمنزلہ دو پٹروں کے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی ہیں۔ دوسری کا میزان التلازم اس واسطے



رکھا۔ کہ دو اصول میں ایک اصل کے دو جز ہیں۔ جن میں سے ایک لازم ہے اور دوسرا لزوم  
مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وکان فیہما آلہتہ الا اللہ لفسد الفسداً لازم ہے اور لو کان  
فیہما آلہتہ الا اللہ" لزوم ہے۔ اس کا نتیجہ لازم کی نفی ہے۔ تیسری کا نام میزان التعاند  
اس واسطے رکھا۔ کہ نفی اور اثبات پر دو قسمیں منحصر ہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی  
نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات لازم آتا ہے۔ ان دو قسموں میں تعاند اور  
تضاد ہے +

رفیق۔ کیا یہ نام آپ ہی نے رکھے ہیں۔ اور ان کا استخراج بھی آپ ہی نے کیا ہے  
یا کہیں سے سیکھے ہیں؟

مصنف۔ نام تو میں نے ہی رکھے ہیں۔ رہے ترازو۔ سوانہ میں نے قرآن شریف  
سے استخراج کیا ہے۔ ان کے اصول پہلے ہی سے استخراج کئے ہوئے ہیں۔ تخرین  
نے ان کے نام کچھ اور ہی مقرر کئے ہیں۔ اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ  
سے پہلے کی امتوں نے کچھ اور ہی نام مقرر کر رکھے تھے۔ اور انہوں نے یہ ترازو حضرت  
ابراہیم اور حضرت منتر مونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں سے نکالے تھے میں نے  
ان کے نام و لباس اس واسطے تبدیل کر دیئے ہیں۔ کہ مجھے معلوم تھا کہ تم طبیعت کے کمزور  
ہو۔ اور تمہارا نفس ہم پرست ہے۔ اور یہ کہ تم ظاہر پر دھوکا کھاتے ہو۔ حقیقت سے  
واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر میں سُرُخ شہدہ بچھنے لگاں تو اے کے شیشے میں ڈال کر تمہیں پاؤں  
تو تم کبھی نہیں پوچھو گے۔ کیونکہ تمہاری طبیعت اس سے متنفر ہے۔ تمہاری عقل اس قدر  
کمزور ہے۔ کہ تم اتنا بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ پاک شہدہ خواہ کسی شیشے میں ہو۔ اسی طرح اگر تم کسی  
ترک کو گودری یا جتبہ وغیرہ پہنے ہوئے دیکھو تو تم اسے صوفی یا فقیہ خیال کرو گے۔ اور  
اگر کوئی صوفی مرد قبا اور کلاہ پہنے ہوئے ہو تو اسے ترک خیال کرو گے۔ تمہارا وہ صرف  
چیزوں کے خلاف اور جھکنے تک ہی رہتا ہے۔ اصل مغز تک نہیں پہنچتا۔ اسی طرح  
تم بات کو اس کے نفس اور ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کے حسن صنعت  
کو اور اس کے قائل کے حسن ظن کو دیکھتے ہو جو اس کی طرف سے تمہارے دل میں بیٹھا ہوا  
ہے۔ اگر کسی شخص کے حق میں تمہارا ظن درست ہے تو خواہ اس کی عبارت مکروہ ہی کیوں  
نہ ہو۔ تمہیں پسند آئے گی۔ لیکن اگر تمہارے نزدیک کئے والا بُرا ہے تو خواہ وہ اچھی



بات بھی کرے۔ تم فوراً اس کی بات رد کر دو گے۔ اگر تم سے کہنا جائے کہ تم لا الہ الا اللہ  
عیسیٰ رسول اللہ کہو۔ تو تمہاری طبیعت اس کے کہنے سے نفرت کرے گی۔ اور تم  
کہہ دو گے۔ کہ یہ تو نصاریٰ کا قول ہے۔ میں اسے کیونکر کہوں۔ اتنا نہیں سمجھو گے کہ  
یہ قول فی نفسہ سچا ہے۔ نصرانی سے نہ اس کلمہ کے لئے ناراض ہونا چاہیے۔ بلکہ صرف  
دو کلموں کے لئے ایک یہ خدا تین ہیں اور دوسرا یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ نہیں۔ ان  
دو کے سوا باقی اس کے تمام کلمات سچے ہیں۔ پس جب میں نے دیکھا۔ کہ تم اور تمہارے  
اہل تعلیم رفیق صرف چیز کے ظاہر پر ہی دھوکا کھاتے ہو۔ اصل حقیقت تک نہیں پہنچتے  
اس واسطے تمہیں دوائی پانی کے کوزے میں پلائی۔ جس سے تمہیں شفا ہوئی۔ اور تمہارے  
ساتھ میں نے ویسی نرمی اور مہربانی کی جیسی ایک طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اگر  
میں تمہیں کہہ دیتا کہ یہ دوائی ہے اور اسے دوائی کے پیالے میں تمہیں دیتا۔ تو تمہاری طبیعت  
اس سے نفرت کر جاتی۔ اگر قبول بھی کرتی تو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے۔ اور شاید نہ  
بھی پیتے۔ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان ترازوؤں کے نام بدل دیئے۔ اسے جو سمجھ گیا سمجھ گیا  
اور جو جاہل رہا جاہل رہا۔ اور جس نے انکار کیا انکار کیا۔

رفیق۔ یہ تو میں سب کچھ سمجھ گیا ہوں۔ لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس ترازو کے  
دو پلڑے بھی ہوتے ہیں اور ایک عمود بھی جس سے وہ لٹکتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اس  
ترازو میں پلڑے اور عمود دکھائی نہیں دیتے۔ اور وہ کیسا ترازو ہے۔ جو ایک پلڑے  
والے سے مشابہ ہے۔

مصنف۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس ترازو میں دو اصل ہیں۔ یہی دو اصل بمنزلہ دو  
پلڑوں کے ہیں۔ اور ان دونوں اصلوں میں جو جزو مشترک ہے وہ بمنزلہ عمود ہے۔ اور  
ان دونوں میں داخل ہے۔ اب میں تفہیمات میں سے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ تاکہ  
تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا کہ ہر نشیلی چیز حرام ہے۔ ایک پلڑا ہے۔ اور  
ہر نبیذ نشیلی ہے، دوسرا پلڑا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ ہر ایک نبیذ حرام ہے۔ اس مقام پر  
دو اصلوں میں صرف تین امور ہیں۔ نبیذ۔ نشیلی اور حرام۔ نبیذ صرف ایک اصل میں  
پائی جاتی ہے وہ ایک پلڑا ہے۔ اور حرام صرف دوسرے اصل میں جو دوسرا پلڑا ہے  
لیکن نشیلی، دونوں اصلوں میں مذکور ہے۔ اور دونوں میں مشترک ہے یہی عمود ہے۔ دونوں



پلڑے اس سے لگے ہوئے ہیں۔ اور موصوف صفت کے متعلق ہے۔ یہاں پر موصوف  
 "ہر ایک نمینذ شیلی ہے" ہے۔ کیونکہ نمینذ نشے سے موصوف ہے۔ دوسرا صفت  
 موصوف کے متعلق ہے۔ یعنی تمام شیلی چیزیں حرام ہیں۔ اس پر غور کر کے سمجھ لو۔  
 اگر اس میزان میں کسی قسم کا بھارا جائے۔ تو یاد دوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں ہو گا یا عمود  
 میں۔ یہ بات میں عنقریب ہی میزان الشیطان کے بیان میں سمجھا دوں گا۔ رہا ایک  
 پلڑے والے ترازو کے مشابہ ترازو یعنی میزان التلازم۔ اس میں ایک بازو دوسرے  
 کی نسبت بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ مثلاً تمہارا یہ کہنا کہ اگر فایب کا بیع صحیح ہے تو  
 صریح الزام لازم آتا ہے۔ ایک لمبا اصل ہے جس میں دو جزو لازم اور ملزوم ہیں۔ اور  
 تمہارا یہ کہنا کہ صریح الزام لازم نہیں آتا، دوسرا اصل ہے۔ جو پہلے کی نسبت چھوٹا ہے  
 جو ایک پلڑے والے ترازو کے چھوٹے بٹ کے مشابہ ہے۔ لیکن میزان التعاؤل  
 میں دونوں پلڑے ہموار اور دونوں بازو یکساں لمبے اور ہموار ہوتے ہیں۔ ان میں سے  
 ہر ایک پلڑے میں صرف صفت موصوف ہوتے ہیں۔ یہ بھی سمجھ لو کہ روحانی ترازو جہانی  
 ترازو کی سی نہیں ہوتی۔ صرف ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور اسی واسطے اس سے نتیجہ  
 نکلنے کو دو اصلوں کے ازدواج سے تشبیہ دینا ممکن ہے۔ کیونکہ دو اصلوں میں ایک  
 چیز داخل ہوتی ہے۔ اور وہ اس مثال میں شیلی چیز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اصلوں میں ہے  
 تبھی ان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اگر ایک اصل کا کوئی جزو دوسرے اصل میں داخل  
 نہ ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مثلاً ہر شیلی چیز حرام ہے۔ اور ہر ایک چھپی ہوئی  
 بُری ہے، اسے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ گو یہ دونوں بجائے خود اصل ہیں۔ لیکن ان  
 سے نتیجہ کوئی نہیں نکلتا۔ اس واسطے کہ ان میں کوئی جزو مشترک نہیں۔ اسی جزو مشترک  
 کو عمود کہتے ہیں۔ اگر تمہیں محسوس اور معلوم کا وزن کرنا آجائے۔ تو تمام ملک اور عالم شہادت  
 اور عالم غیب اور عالم ملکوت کے مابین وزن کرنے کی واقفیت بھی حاصل ہو جائے۔ اس  
 میں بڑے بڑے بحید پوشیدہ ہیں۔ جس شخص کو مذکورہ بالا چیزوں کا وزن کرنا نہیں آتا۔  
 وہ قرآنی انوار کا اقتباس نہیں کر سکتا اور اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتا۔ اور اس کا علم صرف  
 چھلکوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ قرآن شریف میں تو تمام علوم کے ترازو اور تمام  
 علوم کی چابیاں ہیں۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں۔ اس کتاب



سے دیکھ لو۔ عالم ملک و عالم شہادت اور عالم غیب و عالم ملکوت کے درمیان مواد نہ  
 نہیں البتہ بعض کو خواب کے اندر کچھ معنوی حقائق بطور خیالی مثالوں کے معلوم ہوتے  
 ہیں۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جزو ہوا کرتا ہے۔ اور عالم نبوت میں ملک اور  
 ملکوت سارے کا سارا متجلی ہوتا ہے۔ خواب میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے  
 خواب میں دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ جس سے وہ مردوں کے  
 منہ اور عورتوں کی فروج پر مہریں لگا رہا ہے۔ جب اس نے اپنا یہ خواب ابن سیرین  
 سے بیان کیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں تم  
 صبح سے پہلے اذان دیتے ہو۔ اس نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ اب غور کرو کہ ابن سیرین  
 کو عالم غیب میں اس کی حالت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور اس مثال اور ماہ رمضان میں قبل  
 از صبح اذان دینے کا سوا نہ کرو۔ یہی مؤذن اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ قیامت کا  
 دن ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں آگ کی انگوٹھی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا تھا کہ یہ ہی انگوٹھی  
 ہے جس سے تم مردوں کے منہ اور عورتوں کے فروج پر مہریں لگایا کرتے تھے۔ وہ کہتا  
 تھا۔ کہ بخدا میں تو ایسا نہیں کیا کرتا تھا۔ اسے کہا جاتا۔ کہ نہیں تم بالضرور ایسا کیا تو کرتے  
 تھے۔ لیکن تم بھول گئے ہو۔ کیونکہ تمہارے فعل کی رُوح ہے۔ اشیاء کی حقیقت اور  
 ان کی رُوح صرف عالم ارواح میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس عالم جس اور عالم خیال کے اندر  
 عالم تلبیس میں رُوح صورتوں کے پردوں میں ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب  
 آنکھوں پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی طرح جس نے کوئی  
 شرعی حد ترک کی ہو اس کی حقیقت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس کی حقیقت  
 معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو احیاء العلوم کے باب حقیقۃ الموت یا کتاب جوابہ القرآن کا  
 مطالعہ کرو۔ اس میں تمہیں عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ اس پر غور کرنے سے شاید تمہارے  
 لئے عالم ملکوت کی رویت کا دروازہ کھل جائے اور تم کچھ سن سکو۔ لیکن ایسی حالت میں میں نہیں  
 کہ تمہارے لئے دروازہ کھلے۔ کیونکہ تم معلم غائب سے معرفت حقائق کے منتظر ہو۔  
 جسے تم دیکھ نہیں رہے۔ اور اگر اسے دیکھ لو۔ تو بہت سے معارف میں اسے اپنے سے  
 بھی کمزور پاؤ گے۔ سو تم معارف و حقائق ایسے شخص سے معلوم کرو جس کی وہاں تک  
 رسائی ہے۔ اور جسے خود ان کی شناخت حاصل ہے۔ +



اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے۔ پس سورج خدا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ دونو ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔  
رفیق۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنف۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا: حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے، اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک و شبہ نہیں۔  
مصنف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔  
رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیگا۔  
مصنف۔ واقعی شیطان بہ سبب کثرت کلام مختلف ترازؤں کو اس طرح گڈنڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر غلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام کثیر کا حاصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں سے لازم آتا۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ان



رفیق۔ اب اور بات بیچ میں آگئی ہے۔ جس کے سبب مجھ میں اور تم میں جھگڑا بڑھ جائیگا  
کیونکہ معلم غائب کو اگرچہ میں نے بچشم خود تو نہیں دیکھا۔ لیکن میں نے اس کی خبر تو سنی  
ہے۔ مثلاً شیرگو میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اس کی علامات تو دیکھی ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا  
ہے۔ کہ میری والدہ صاحبہ اور مولانا صاحب قلعہ الموت وہ تو ہی اس کی بڑی تعریف کیا کرتے  
تھے۔ اور یہاں تک کہا کرتے تھے۔ کہ وہ معلم غیب جہان کی ہر ایک کارروائی سے خواہ  
وہ ہزار فرسنگ کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ واقف ہے۔ کیا میری والدہ اس بارے میں جھوٹ  
بولتی ہیں۔ جو کہ بڑھیا اور پاکدامن ہے۔ یا مولانا صاحب قلعہ الموت جھوٹ بولتے ہیں۔ جو  
حسن سیرت و صورت کے نام ہیں۔ نہیں نہیں وہ وہ تو چشم و دید سے گواہ ہیں۔ علاوہ بریں  
دیرخان اور اصیبہاں میں ہیں قدر میرے رفیق ہیں۔ وہ سب اس معاملہ میں متفق الراءے ہیں۔  
اور ان کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور مختلف قلعوں کے باشندے انہیں کے فرمان  
پذیر ہیں۔ یہ کہنا کہ انہوں نے دھوکا کھایا محض افتراء ہے۔ کیونکہ وہ سب کے سب ذکی ہیں۔  
اور یہ کہنا کہ وہ مکار ہیں ہر اس بہتان ہے۔ کیونکہ وہ سارے متقی ہیں۔ افسوس افسوس یہ غیبت  
کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ مولانا اس سے بخوبی واقف  
ہیں۔ اس واسطے کہ زمین اور آسمان کا ذری ذری حال انہیں معلوم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ  
کہیں میں ان کی بے عزتی سنتے ہی تم سے سڑ نہ پڑوں۔ سو یہ فضول گوئی کا طومار لپیٹ لو  
اور میزان الشیطان اور اس سے اہل تعلیم کے وزن کرنے کی کیفیت سمجھاؤ۔

## شیطانی ترازوؤں اور ان سے اہل تعلیم کا وزن کرنے کا بیان

مصنف۔ بیچارے اب اپنے رفیقوں کے ترازوؤں کا حال سن۔ تو تو نہایت غلو  
سے کام لیتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں سے جن ترازوؤں کا ذکر میں نے کیا  
ہے۔ ان کے مقابل شیطانی ترازو بھی ہیں۔ جن سے وزن کیا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے  
شیطان غلطی میں ڈالتا ہے۔ لیکن صرف اسی مقام سے داخل ہوتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی



رخنہ ہے۔ وہ شخص جو ان رخنوں کو بند کر لیتا ہے۔ وہ شیطان سے بے کھٹکے ہو جاتا ہے۔  
 رخنہ اندازی کے کل موقعتے دس ہیں۔ جو سب کے سب مع شرح کتاب محکم النظر  
 اور کتاب معیار العلم میں بیان کر دیے ہیں۔ ترازوں کی شرائط کی باریکیاں اس واسطے بیان  
 نہیں کیں۔ کہ تم اس وقت باسانی سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تم ان کی مشکلات کا حل سمجھنا چاہتے  
 ہو۔ تو کتاب محکم النظر میں دیکھ لو۔ اور اگر ان کی مفصل کیفیت سے واقف ہونا  
 چاہتے ہو تو کتاب للمعیار العلم کا مطالعہ کرو۔ اب میں صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں  
 جو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اس وقت ڈالی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ  
 نے فرمایا تھا: **وَأَوْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ لِيُؤْمِنَ لَكَ بِهَا** اذاتمقا اللہ شیطان فی امنیۃ ہم نے تجھ سے  
 پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب خواہش کی، شیطان نے انہیں خواہش میں  
 ڈالا۔ سو اللہ تعالیٰ نے وہ بات منسوخ کر دی جو شیطان نے آنحضرت کے دل میں  
 ڈالی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت کو مضبوط کیا۔ اور یہ سورج کی طرف مبادرت کرنا  
 تھا۔ آپ کا قول کہ **هَذَا بَشَرٌ**، یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہی بڑا ہے۔ شیطان  
 نے آپ کو دھوکے میں ڈالنا چاہا۔ اس سے وزن کرنے کی کیفیت یوں ہے۔ اللہ  
 تعالیٰ بڑا ہے، یہ اصل متفق علیہ ہے، سورج ستاروں سے بڑا ہے، یہ اصل حقیقی ہے  
 پس ان دو تو سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج خدا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اور یہ میزان ہے جسے  
 شیطان نے میزان التعادل کے میزان اصغر سے ملایا ہے۔ کیونکہ بڑائی ایک وصف ہے  
 جو خدا میں بھی پایا جاتا ہے اور سورج میں بھی۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے  
 سے موصوف ہے۔ لیکن یہ میزان اصغر کا عکس ہے۔ اس میزان کی حد یہ ہے کہ ایک  
 شے میں دو وصف پائے جائیں تو ان میں سے ایک کے بعض حصے دوسرے سے  
 موصوف ہونگے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جب دو چیزوں میں ایک  
 وصف پایا جائے۔ تو ایک چیز دوسری کی صفت نہیں ہو سکتی۔ لیکن دیکھو شیطان  
 نے اسے عکس کے ساتھ کس طرح خلط ملط کیا ہے۔ اس میزان باطل کی پرکھ ظاہری  
 باتوں سے رنگ کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ سیاہ اور سفید دو نور رنگ ہیں۔ لیکن اس سے  
 یہ لازم نہیں آتا کہ سفید سیاہ ہے۔ یا سیاہ سفید ہے۔ اگر کہنے والا کہے کہ سفید بھی  
 رنگ ہے اور سیاہ بھی رنگ ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ سیاہ سفید ہے



اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے۔ پس سورج خدا ہے، غلط ہے۔ کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرنا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آیا کہ دونو ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔  
رفیق۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنف۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت شائیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہو گا۔ حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے، اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک و شبہ نہیں۔  
مصنف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیگا۔  
مصنف۔ واقعی شیطان بہ سبب کثرت کلام مختلف ترازؤں کو اس طرح گڈنڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر غلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام کثیر کا حاصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں سے لازم آتا۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ان



دونوں چیزوں میں اتصال ہو۔ جیسے کوئی کچھ سفید اور سیاہ دونوں رنگ ہیں۔ اس لئے سفید سیاہ ہے یا سیاہ سفید ہے۔ یا شیطانی قول کی طرح کہ خدا اور سورج دونوں میں بڑائی ہے اس لئے خدا سورج ہے یا سورج خدا ہے۔ ان تینوں ترازوں میں کوئی فرق نہیں۔ یعنی سیاہ و سفید کا رنگ ہونا۔ سورج اور خدا کا بڑا ہونا اور تعلیم اور حق میں وحدت کا ہونا۔ سوان پر غور کر کے سمجھو۔

رفیق۔ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ لیکن میں ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا میرے رفیقوں کی ترازوں کی کوئی اور مثال بیان کریں تاکہ میرے دل کو تسلی ہو۔ کہ واقعی وہ شیطانی ترازو سے دھوکا کھائے ہوئے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔ مصنف۔ کیا تم نے ان کا یہ قول سنا ہے۔ کہ حق یا تو محض رائے سے پہچانا جاتا ہے یا محض تعلیم سے۔ اور یہ کہ جب ان میں سے ایک باطل ہو تو دوسرا ثابت ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ باطل ہے کہ محض عقلی رائے سے معلوم ہو۔ کیونکہ عقلیں اور مذاہب متعارض ہوا کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حق تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔ رفیق۔ بخدا میں نے ان کی اس قسم کی باتیں بہت سنی ہیں۔ اور یہی ان کے دعوے اور ان کی دلیلوں کے عنوانوں کی چابی ہوا کرتی ہے۔

مصنف۔ یہ شیطانی اس ترازو سے وزن کرتے ہیں جو میزان التعاند سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ دو قسموں میں سے ایک کے بطلان سے دوسرے کا اثبات ہوتا ہے۔ لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے۔ کہ وہ قسم منحصر ہو کہ منتشر۔ شیطان منتشر اور منحصر کو غلط ملطہ کر دیتا ہے۔ اور یہ منتشر ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان دائرہ نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے بین میں تیسری قسم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عقل اور تعلیم دونوں کی رُو مد رک ہو۔ اور معلومہ ہوں سے اس کا بطلان یوں ہے جیسے کوئی کچھ رنگ آنکھوں سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اگر ہم پوچھیں کیوں؟ تو کہے کہ یا تو آنکھ سے نظر آتے ہیں یا سورج کی روشنی سے آنکھوں سے ان کا معلوم ہونا اس واسطے باطل ہے کہ رات کو نظر نہیں آتے۔ پس ثابت ہوا کہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک تیسری قسم بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ گواہی آنکھوں سے معلوم



ہوتے ہیں۔ لیکن سورج کی روشنی میں +  
 رفیق۔ میں اسے بھی سمجھ گیا ہوں۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ آپ ذرا اس غلطی کی زیادہ  
 تشریح کر دیں۔ جو پہلی مثال یعنی حق اور وحدت میں واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اس میں  
 غلطی ایسی ہے۔ جو بہت سوچ کے بعد سمجھ میں آتی ہے +  
 مصنف۔ اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ انسان ان دو باتوں میں مخالطہ کھاتا ہے۔ ایک  
 چیز کا دو اوصاف سے متصف ہونا۔ اور دو چیزوں کا ایک وصف سے متصف ہونا  
 یہ غلطی عکس کے نہ سمجھنے سے واقع ہوتی ہے۔ کیونکہ جو شخص جانتا ہے۔ کہ ہر ایک  
 حق واحد ہے۔ لیکن یہ عکس لازمی نہیں۔ بلکہ خاص عکس لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہ بعض  
 واحد حق ہیں۔ مثلاً اگر کہیں کہ ہر انسان حیوان ہے۔ تو اس کا عکس کہ ہر حیوان انسان  
 ہے، غلط ہے۔ البتہ اس کا اس قدر عکس ٹھیک ہے۔ کہ بعض حیوان انسان ہیں شیطان  
 بھی کم عقل انسانوں پر غالب آتا ہے۔ تو ایک لطیف حیلہ سے جسے عوام الناس آسانی  
 نہیں سمجھ سکتے۔ وہ کوئی فاش غلطی نہیں کرتا۔ جسے ہر ایک آسانی سمجھ سکے۔ وہ عکس  
 کے مشابہ میں ڈالتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ شبہ محسوسات میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ یہاں تک  
 کہ اگر کوئی شخص چمکدار سیاہ رنگ کی رشتی دیکھ لیتا ہے تو اسے سانپ خیال کر کے اس سے  
 ڈرنے لگتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ ہر ایک سانپ لمبا اور چمکیلا ہوتا ہے۔  
 اس لئے اس کا وہم اس کے عکس عام یعنی رہبر لمبی چمکیلی چیز سانپ ہے، کو صحیح مانتا  
 ہے۔ لیکن عکس عام لازم نہیں آتا۔ بلکہ عکس خاص یعنی بعض لمبی چمکیلی چیزیں سانپ  
 ہوتی ہیں، لازم آتا ہے۔ عکس اور نقیض میں بہت سی باریکی باتیں ہیں۔ جو ہم صرف  
 کتاب محکم النظر اور معیار العلم کے مطالعہ سے سمجھ سکو گے +  
 رفیق۔ آپ جو مثال بیان کرتے ہیں۔ مجھے یقین آجاتا ہے کہ واقعی شیطانی ترازو  
 غلط ہیں۔ اس لئے ایک اور مثال کے لئے التجا کرتا ہوں۔ تاکہ شیطانی ترازوں  
 کی ماہیت سے بخوبی واقف ہو جاؤں +  
 مصنف۔ شیطانی ترازو کی غلطی حسب ذیل اقسام کی ہوا کرتی ہے۔ کبھی تو اس  
 کی ترکیب غلط ہوتی ہے۔ یعنی اس کے دونوں پلڑے عمود سے ٹھیک طور پر آویزاں  
 نہیں ہوتے۔ اور کبھی پلڑے کی طبیعت میں غلطی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ کبھی تو لوہے



پیشل یا چمڑے کا ہوتا ہے یا روٹی اور برف کا۔ موزن الذکر سے وزن ٹھیک نہیں ہو سکتا اور کبھی اس کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ عصا کی طرح غیر معتبر ہوتا ہے۔ کبھی اس کی طینت اور مادہ میں بگاڑ ہوتا ہے۔ جس سے وہ بنا یا گیا ہے۔ مثلاً لکڑی یا مٹی سے سو جو بگاڑ اس کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال سورج کی بڑائی اور وحدت حق ہے۔ کیونکہ ان کی صورتیں مختلف اور معکوس ہیں۔ یعنی ان میں پلٹے عمود سے اوپر کی طرف ہیں (ترازو کے لئے ضروری ہے کہ موازنہ مستقل کی صورت کا ہو کہ غیر مستقل کی صورت کا مترجم، ایسی صورت میں وزن میں ضرور غلطی ہوگی۔ اور مادے کے بگاڑ کی مثال شیطان کا یہ قول ہے۔ کہ میں اس سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے۔ یہ اس نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس بات سے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا۔ جبکہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ آیا تو نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا۔ یا تو بڑائی کرنے لگا شیطان نے اس وقت دو جھوٹے ترازو استعمال کئے۔ ایک تو یہ کہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہونے کو سجدہ نہ کرنے کی علت قرار دیا اور دوسرا یہ کہہ کر اپنی اچھائی ثابت کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں۔ شیطان کو اپنا ترازو ٹھیک ترکیب کا معلوم ہوا۔ لیکن دراصل اس کے ہاتھ میں بگاڑ تھا۔ جس کی اصلی کیفیت یوں ہے۔ کہ جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ اچھا ہے۔ اور اچھا سجدہ نہیں کرتا۔ اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا۔ لیکن اس قیاس کے دو نو اصول ممنوع ہیں۔ کیونکہ دو نو غیر معلوم ہیں۔ علوم خفیہ علوم جلیہ سے وزن کئے جاتے ہیں۔ لیکن جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ غیر جلی ہے اور تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔ کیونکہ اگر ہم یہ مان بھی لیں وہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہے۔ جو پہلے اور آخری مہول کا مانع ہے۔ تو بھی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اچھے کو سجدہ لازم نہیں۔ کیونکہ سجدہ کا لزوم اور استحقاق امر الہی پر منحصر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر۔ لیکن شیطان دوسرے مہول یعنی سجدہ کا لزوم و استحقاق امر پر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر۔ کو چھوڑ گیا۔ بلکہ وہ اپنی اچھائی کی دلیل پر کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے ڈنار ہا۔ اچھائی کا دعویٰ نسبی ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اور ترازو کی مکمل صورت یوں ہے۔ جو اچھائی کی طرف منسوب ہے وہ اچھا ہے۔ میں اچھائی کی طرف منسوب ہوں اس لئے اچھا ہوں۔



لیکن یہ دونوں پڑے بڑا غلط ہیں۔ کیونکہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کہ جو اچھائی سے مشوب ہو وہ اچھا ہے۔ اس واسطے کہ اچھائی ذاتی صفت ہے نہ اضافی۔ یہ کہنا جائز ہے کہ لو ہا شیشے سے اچھا ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ کاریگری سے شیشے کی کوئی ایسی چیز بنائی جائے جو لہے کی بنی ہوئی چیز سے اچھی ہو۔ جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سے اچھے ہیں۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے بیٹے تھے جو ایک کافر تھا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے ایک نبی کے بیٹے تھے۔ اور اس کا دوسرا صل بھی کہ میں اچھی چیز سے پیدا کیا گیا ہوں۔ یعنی آگ سے جو کہ مٹی سے بہتر ہے ماننے کے قابل نہیں۔ بلکہ مٹی آگ سے بہتر ہے۔ کیونکہ مٹی اور پانی کی آمیزش سے حیوانات اور نباتات کا قوام ہے۔ اور اسی سے دونوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے آگ ان میں بگاڑ پیدا کرتی ہے اور ان دونوں کو ہلاک کرتی ہے۔ اس سے شیطان کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے اچھی ہے۔ غلط ثابت ہوا۔ یہ ترازو شکل و صورت میں صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن لمحاظ مادہ خراب ہیں۔ اُن کی مثال لکڑی کی تلوار کی سی ہے۔ کہ شکل و صورت تلوار کی سی ہے لیکن کام تلوار کا نہیں دیتی۔ بلکہ یہ ترازو بمنزلہ سراب ہیں۔ کہ یہاں انہیں پانی کا قطعہ خیال کر کے جب قریب آتا ہے۔ تو کچھ بھی نہیں پاتا۔ یہی حال قیامت کے نازل تعلیم کا ہوگا۔ جبکہ ان کے ترازوں کی حقیقت ان پر منکشف ہوگی۔ یہ بھی رستہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے ضروری ہے۔ کہ اس راہ کو بند جائے۔ بلکہ صحیح مادہ جو نظری میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا اصل قطعی طور معلوم ہونا چاہیے۔ خواہ جس سے خواہ تجربہ سے خواہ تواثر کامل سے یا عقل سے یا ان تمام کے نتیجہ سے۔ لیکن جو محاجہ و محادلہ میں استعمال ہوتا ہے۔ حریف اس کا اعتراف کرتا ہے اور اسے تسلیم کرتا ہے۔ اگر فی نفسہ معلوم نہ ہو تو اس کے لئے حجت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح قرآن شریف کی بعض دلیل ہیں۔ اگر تمہیں قرآن شریف کی بعض دلیلوں کے اصول میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ ان لوگوں پر وارد ہوئیں جو ان کا اعتراف کرتے تھے۔

خبر خوار ہوئے



اس بارے میں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت  
کی امت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں۔  
اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر  
ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ واضح اور وثاق طریق سے  
آنحضرت نبی برحق ہیں۔ اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے۔

رفیق۔ آپ نے شفا مکمل طور پر کی ہے۔ پردہ اٹھا دیا ہے۔ اور یہ بیضا کر دکھایا ہے  
لیکن شہر برباد کر کے محل بنایا ہے۔ اب تک تو آپ سے میں امید کرتا تھا۔ کہ میں  
آپ سے بذریعہ ترازو وزن کرنا سیکھوں۔ اور آپ کے اور قرآن شریف کے ذریعہ  
امام معصوم سے بے پرواہ ہو جاؤں۔ لیکن اب جب آپ نے غلطی کے دقیق موقعوں  
کو بیان فرمایا۔ تو مجھے اس پر مستقل رہنے سے ناامیدی ہو گئی ہے۔ کیونکہ اگر میں وزن  
کرنے لگوں تو ضروری ہے۔ کہ کہیں غلطی کھا جاؤں۔ اب مجھ پر واضح ہو گیا ہے۔ کہ ان  
مذہب میں انسانوں کا کیوں اختلاف ہے۔ وہ اس واسطے مختلف رائے ہیں کہ  
وہ ان باریکیوں کو ایسی اچھی طرح نہیں سمجھے جیسا آپ سمجھے ہیں۔ اس لئے بعض درستی  
پر ہیں اور بعض غلطی پر۔ اب میرے لئے سب سے نزدیک رستہ یہ ہے۔ کہ میں  
امام معصوم کا سہارا لوں۔ تاکہ میں ان وقایع سے بچ جاؤں۔

مصنف۔ بھائی۔ امام صادق کی شناخت تمہارے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ  
یا تو والدین کی تقلید پر منحصر ہے یا ان ترازوؤں میں سے وزن کی گئی ہے۔ کیونکہ ہر ایک  
علم اولیہ نہیں ہوتا۔ وہ صاحب علم کے نفس میں ان ترازوؤں سے وزن کیا ہوا ہوتا ہے  
اگرچہ اسے معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمہیں میزان تقدیر کی صحت اپنے ذہن میں دو  
اصولوں کے انتظام سے معلوم ہوئی ہے۔ جن میں سے ایک تجربی ہے۔ دوسرا  
حسی۔ یہی حالت عام لوگوں کی ہے۔ کہ وہ اسے جانتے نہیں۔ مثلاً جو شخص جانتا ہے



کہ یہ جانور حاملہ نہیں۔ کیونکہ وہ نچر ہے۔ یہ بات اسے دو اصولوں سے معلوم ہوئی ہے جو ہم نے صدر کتاب میں بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسے اس علم کے نکلنے کی جگہ معلوم نہیں اسی طرح جہان میں تمام علوم انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اگر تم نے امام صادق بلکہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں عصمت کا اعتقاد اخذ کیا ہے۔ تو محض والدین اور رفیقوں کی تقلید سے۔ یہود۔ نصاریٰ اور مجوس سے تمیز نہیں کیا۔ کیونکہ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اگر ان ترازوں سے وزن کر کے عصمت کا اعتقاد حاصل کرنا چاہو۔ تو شاید کسی دقیق بات کے دریافت کرنے میں تم نے غلطی کھائی ہو۔ ضروری ہے کہ تم اپنے زعم پر یقین نہ کرو۔

رفیق۔ آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اب مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ آپ نے دو طریقے یعنی تعلیم اور وزن بند کر دئے ہیں۔  
مصنف۔ افسوس! تم قرآن شریف کی طرف رجوع کرو۔ اس نے تمہیں طریقہ سکھایا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من الشيطان تذكروا فاذا هم مبعدون" جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال انکو چھو بھی جاتا ہے تو فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں یعنی یہ غفلت انکی آنکھوں سے ہوتی ہے تو وہ اپنی راہِ ثواب دیکھتے ہیں نہیں کہ انکو محصوم کی طرف جاؤ کیونکہ وہ خود مبصر ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ معارف بکثرت ہیں۔ اگر تم ہر مشکل کے وقت امام محصوم کی طرف سفر کرو۔ تو تمہارا رنج بڑھ جائے گا۔ اور علم کم ہو جائیگا۔ تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہیے۔ کہ تم مجھ سے وزن کرنے کی کیفیت سمجھ لو۔ اور ان شرائط کو پورا کرو۔ اگر کوئی مشکل بات پیش آجائے تو اسے ترازو سے تولو۔ اور شرائط کی بابت سوچ بچار کرو۔ تو تمہیں سیدھی راہ ملے گی اور تم مبصر ہو جاؤ گے۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ اگر بالفرض دکاندار سے تم نے یا تم سے دکاندار نے کچھ لینا ہے۔ یا فرایض کا کوئی مسئلہ تقسیم ہے اور تمہیں اس کے درست یا غلط ہونے میں احتمال ہے۔ تو اس صورت میں اگر تم امام صادق کی طرف سفر کرو۔ تو محض تکلیف باعث ہو گا۔ اس کا فیصلہ علم حساب کا جاننے والا بخوبی کر سکتا ہے۔ جب اس سے بار بار پوچھو گے۔ اور وہ تمہیں سمجھائیگا تو تمہیں پُر یقین ہو جائے گا۔ کہ واقعی غلطی تھی لیکن یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو علم حساب سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی وہ



شخص جو اس سے وزن کرنا جانتا ہے۔ جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ بار بار اس سے ذکر کرنے۔ سوچنے اور یکے بعد دیگرے غور کرنے سے ضروری یقین آجائے گا۔ کہ واقعی اس میں یہ غلطی تھی۔ لیکن اگر یہ طریقہ نہ بر تو گئے تو یاد رکھو کبھی تمہاری بہتری نہ ہوگی۔ اور شاید اور ممکن ہے کہ کر شک و شبہ میں رہو گے۔ شاید تم نے امام بلکہ نبی جس پر ایمان لائے ہو کی تقلید کرنے میں غلطی کی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی شناخت ضروری نہیں۔

رفیق۔ آپ نے اس بات کے سمجھانے میں میری مدد کی۔ کہ تعلیم حق ہے۔ اور یہ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم امام ہیں۔ اور میں مان گیا ہوں کہ ہر ایک کے لئے یہ ضروری نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے علم حاصل کرے۔ اس بات کو ترازو کی پہچان سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ تمام ترازوؤں کی شناخت آپ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ گویا آپ امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو امام خاص ہونے کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔ اور آپ کا معجزہ کیا ہے۔ کیونکہ میرے امام کو یا تو معجزہ حاصل ہے یا اپنے آبا و اجداد سے نص۔ سو آپ کا معجزہ یا نص کہاں ہے؟

مصنعت۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ میں خواہش کرتا ہوں۔ کہ اس معرفت میں کوئی اور شخص میرا شریک بناؤ۔ ممکن ہے کہ اس سے بھی ایسی باتیں سیکھو جو مجھ سے سیکھی ہیں۔ میں تعلیم کو اپنے لئے وقت نہیں کرتا۔ اور یہ جو تم نے کہا کہ میں امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ سو واضح ہے کہ امام سے ہماری مراد وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام تعلیم حاصل کرے۔ اور یہ بات مجھ میں نہیں پائی جاتی اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر امام سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ کے بغیر تعلیم حاصل کرے یا جبرائیل علیہ السلام سے بوسیہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امام کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سیکھا ہے نہ کہ جبرائیل سے۔ ان معنوں کے لحاظ سے میں بھی امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس بارے میں میری برہان نص سے زیادہ واضح ہے۔ اور تم جو معجزے کے معتقد ہو۔ ان میں سے تین بہت عمدہ ہیں۔ اگر وہ



تیرے نزدیک دعویٰ کریں۔ کہ وہ قرآن شریف حفظ کرتے ہیں۔ جب میں نے پوچھا کہ تمہاری دلیل۔ تو ان میں سے ایک نے کہا۔ میری دلیل یہ ہے۔ کہ وہ مقررین کے استاد علی الکسائی کا نص ہے۔ اور وہ میرے استاد کا۔ اور میرا استاد میرے لئے نص ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے عصا کو سانپ بنایا۔ سو عصا سانپ بن گیا تیسرے نے کہا میری برہان یہ ہے۔ کہ میں تمہارے روبرو بغیر قرآن شریف دیکھے سارا قرآن سُنا سکتا ہوں۔ ان تینوں میں سے کونسی برہان زیادہ واضح ہے۔ اور آپ کس کو زیادہ سچی مانتے ہیں۔ اس نے کہا جو قرآن شریف پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ برہان کی غایت ہے کیونکہ اس میں مجھے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن استاد کا اس پر نص ہونا اور علی الکسائی کا اس کے استاد پر نص ہونا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی غلطی ہو خصوصاً جبکہ زمانہ بہت گزر چکا ہے۔ آیا عصا کو سانپ میں تبدیل کرنا ممکن ہے۔ کہ اس نے حیلہ اور فریب سے کیا ہو۔ اگر حیلہ و فریب نہ ہو۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے۔ کہ اس نے عجیب کام کیا۔ لیکن یہ کہاں سے لازم آتا ہے۔ کہ جو فعل عجیب پر قادر ہو وہ قرآن شریف کا حافظ ہو +

مُصنّف۔ میری برہان بھی ایسی ہی ہے۔ میں نے ان ترازوؤں کو پہچانا۔ تم نے بھی پہچانا۔ سمجھا اور تمہارے دل سے شک رفع ہوا۔ اس لئے اب تمہیں میرے امام ہونے پر ایمان لانا چاہیے۔ جیسا کہ جب تم استاد سے علم حساب سیکھتے ہو۔ تو تمہیں علم حساب آجاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمہارا استاد حساب دان ہے۔ اسی طرح مجھے بھی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان شوق القمر اور عصا کا سانپ بنا دینے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ ایسا کرنے سے بہت سوں کا شبہ پڑتا ہے۔ سو اس پر یقین نہیں ہو سکتا بلکہ جو عصا کا سانپ میں تبدیل ہونا یقین کرتا ہے۔ وہ پچھڑے کی آواز کا قائل نہیں۔ کیونکہ عالم جس اور عالم شہادت میں تعارض بکثرت ہیں۔ بلکہ میرا یہ ایمان ترازوؤں کے استعمال پر مبنی ہے۔ میں نے قرآن شریف سے ان ترازوؤں کو اخذ کیا۔ اور پھر ان سے تمام معارف الہی کا وزن کیا۔ نہ صرف معارف الہی کا بلکہ معاویہ کے اصول۔ عذاب قبر۔ بدکاروں کے عذاب۔ فرمانبرداروں کے ثواب وغیرہ کا وزن کیا۔



جیسا کہ میں نے جو ہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ سو یہ تمام باتیں مجھے ٹھیک اسی طرح معلوم ہوئیں جیسی قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں۔ یا جیسی اخبار میں۔ اس لئے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ واقعی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف دونوں سچے ہیں اور میں نے ویسا ہی کیا۔ جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے۔ انسانوں سے حق نہیں پہچانا جاتا۔ وہی حق کو پہچانتا ہے جو اس کے اہل کو پہچانتا ہو۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی شناخت جو میں نے کی ہے۔ وہ ایسی ہی ضروری ہے۔ جیسی کہ تم کسی بدوی کو فقہ کے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھو جو اسے بخوبی سرانجام دے رہا ہو۔ اور صحیح اور صریح فقہ بیان کرتا ہو۔ تو تمہیں اس کے فقیہ ہونے میں شک نہیں ہوگا۔ اور جو یقین اس کے فقیہ ہونے کا تمہیں اس طرح حاصل ہوگا۔ وہ ہزار عصا کو سانپ میں بدلنے سے بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ مؤخر الذکر میں جاؤ۔ مگر طلسم اور ہاتھ کی صفائی وغیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ان میں اور ان چیزوں میں کا علم اور ان کے معجزہ ہونے کا علم قرآن شریف سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر بڑی غور اور بحث کے بعد۔ اور اس سے ایمان ضعیف حاصل ہوتا ہے وہ عوام اور متکلمین کا ایمان ہے۔ لیکن صاحب مشاہدہ جو مشکوٰۃ ربوبیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کا ایمان ان جیسا نہیں ہوتا۔

رفیق۔ اب میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ میں بھی آپ کی طرح جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچالوں۔ یہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک معارف الہی کو ان ترازوں سے وزن نہ کیا جائے۔ اور مجھے یہ واضح نہیں ہوا۔ کہ کیا تمام دینی معارف بھی اس سے وزن کئے جاسکتے ہیں۔ میں اسے کس طرح معلوم کروں؟

مصنف۔ افسوس! میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں ان سے صرف دینی معارف کا وزن کر سکتا ہوں۔ بلکہ ان سے میں علوم حسابیہ۔ ہندسہ۔ طبیعیہ۔ فقیہہ۔ کلامیہ بلکہ ہر ایک علم حقیقی غیر وضعی فانی کے حق و باطل کو تمیز کر سکتا ہوں۔ اور کیونکر نہ کروں۔ جبکہ یہ قسط اس المستقیم ہے۔ اور ایسا ترازو ہے۔ جو قرآن اور کتاب کا رفیق ہے۔ قولہ تعالیٰ "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم الکتاب والمیزان"



لیقوم الناس بالقسط۔ ہم نے واقعی اپنے شیعوں کو بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور ترازو کو اتارنا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ مجھے میرا اس پر قادر ہونا نہ نص سے نہ معجزہ سے باور ہو سکتا ہے۔ ہاں تجربہ اور آزمائش سے تمہیں یقین آ سکتا ہے۔ جیسے اگر گھوڑے کی سواری کا مدعی ہو۔ تو اس کی صداقت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں نہ دوڑائے۔ ہاں علوم دینیہ میں سے اگر چاہتے ہو کہ تمہاری مشکلات حل کر دوں تو میں ایک ایک کر کے حل کر سکتا ہوں۔ اور ان ترازوں سے وزن کر کے دکھا سکتا ہوں۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وزن صحیح ہے۔ اور اس سے تمہیں جو علم حاصل ہو گا وہ یقینی ہو گا۔ جو شخص آزمائش نہیں کرتا وہ پہچان نہیں سکتا۔

رفیق۔ کیا آپ کے لئے ممکن ہے۔ کہ آپ تمام الہی حقائق و معارف ساری خلقت کو سمجھا دیں۔ تاکہ ان کے باہمی اختلافات اٹھ جائیں۔

مصنف۔ آہ میں اس بات پر قادر نہیں۔ کیا تمہارے امام معصوم نے اب تک خلایق کے باہمی اختلاف اور شکوک کو رفع کیا۔ اور مشکلات کو ان کے دل سے نکال دیا۔ بات تو انبیاء سے بھی نہیں ہو سکی۔ بلکہ اختلاف خلق تو ایک ازلی اور ضروری حکم ہے۔ اور یہ اختلاف بدستور قائم رہیگا۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اسی واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور تمہارے پروردگار کا حکم تمام ہوا۔ کیا میں یہ دعویٰ کر سکتا ہوں۔ کہ قضائے الہی کو رد کروں۔ یا اس کے رد کرنے کا تمہارا امام معصوم دعویٰ کر سکتا ہے۔ اگر اسے دعویٰ تھا تو پھر اس وقت دنیا میں اختلاف موجود کیوں ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا۔ کہ رئیس الامتہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلقت کے باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا سبب ہوتے یا کوئی ایسی بنیاد قائم کرتے۔ کہ ہمیشہ کے لئے اختلاف اٹھ جاتا۔

# اختلافات کی تاریکی سے خلقت کو نجات دینا نہیں

رفیق۔ خلقت ان اختلافات سے کیسے نجات پاسکتی ہے؟



مصنف۔ اگر وہ مجھ سے کلام الہی سن لیں۔ تو ان کا باہمی اختلاف جاتا رہے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی نہیں سنتے۔ کیونکہ انہوں نے پیغمبروں کی سنی دہما سے امام کی جب پیغمبر اور امام کی نہ سنی تو میری کیونکر سن سکتے ہیں۔ نیز جب اہل سے ہی ان کے حق میں لکھا گیا ہے۔ کہ ان کے مابین اختلاف رہے گا۔ سوائے اس شخص کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ تو پھر کیونکر میری سن سکتے ہیں۔ ان کے مابین اختلاف کا ہونا ضروری اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم کتاب جواب مفصل الخلاف کا مطالعہ کرو گے۔ اور وہ بارہویں فصل ہے۔

رفیق۔ اچھا اگر بالفرض سنیں بھی تو کس طرح سناؤ گے؟

مصنف۔ میں انہیں صرف ایک آیت پر عمل کراؤں اور وہ یہ ہے تو اللہ تعالیٰ ۛوانزلنا معہم الکتاب والبینات ليقوم الناس بالقسط وانزلنا الحديد... الخ اور ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری۔ تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں۔ اور ہم نے اتارا لونا... الخ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس واسطے اتاریں۔ کہ آدمی بھی تین قسم کے ہیں۔ اور کتاب۔ لوہے اور میزان سے ایک ایک قسم کا علاج ہو سکتا ہے۔

رفیق۔ وہ اقسام کونسی ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے؟

مصنف۔ آدمی تین قسم کے ہیں:-

اول عوام۔ یہ اہل سلامت اور اہل جنت ہیں۔

دوم خواص۔ اہل ذکا و بصیرت۔ ان کے بین بین ایک گروہ ہے۔ جو اہل جدل ہیں۔ کتاب سے ملتی جلتی چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ فساد برپا ہو۔ جو خواص ہیں ان کا علاج میں اس طرح کر سکتا ہوں۔ کہ ان کو انصاف کے ترازو اور ان سے وزن کرنا بتاؤں۔ اس طرح کرنے سے ان کا باہمی اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات جمع ہیں۔ ایک طبع رسا اور سرشت قوی... اس کا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہ قدرتی اور پیدا شدہ ہوتی ہے۔ دوسرے ان کے باطن تقلید اور ہٹ دھرمی جو موروثی اور سنا ہوا ہے سے خالی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقلد سنتا ہے۔ اور کند ذہن جو کچھ سنتا ہے سمجھتا نہیں۔ تیسرا یہ یقین کرتے ہیں۔ کہ ہم اہل بصیرت



ہیں۔ میزان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور جس شخص کا تیری نسبت یہ یقین ہے۔ کہ تجھے حساب نہیں آتا۔ تو یہ ممکن ہی نہیں کہ تجھ سے کچھ سیکھ سکے۔ دوسری قسم سادہ لوح جو عوام الناس ہیں۔ جنہیں حقائق کے سمجھنے کے لئے عقل حاصل نہیں۔ اور اگر قدرتی طور پر ہے بھی تو طلب حقائق کی خواہش نہیں۔ بلکہ وہ صنعت و حرفت میں مشغول ہیں۔ اور برخلاف ان لوگوں کے جو باوجود علم کو نہ سمجھ سکنے کے کیا ست سے کام لیتے ہیں۔ بدل کی خواہش نہیں پائی جاتی۔ ایسے لوگ مختلف رائے نہیں ہوتے البتہ ایسا کرتے ہیں۔ کہ مختلف اماموں میں سے اچھے کو چننا چاہتے ہیں۔ سو ایسے لوگوں کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف وعظ و نصیحت کے ذریعہ بتاتا ہوں۔ جیسا کہ اہل بصیرت کو حکمت سے اور اہل شغب کو محاورہ سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایک ہی آیت میں جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ان لوگوں کو میں وہی بات کہوں گا۔ جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمائی تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملتمس ہوا تھا۔ کہ مجھے علم کے عجائب و غرائب سکھائیں۔ اور آنحضرت نے اسے فرمایا تھا۔ کہ ابھی تجھ میں اس بات کی قابلیت نہیں۔ پہلے علم کا سر یعنی ایمان۔ تقویٰ اور آخرت کی تیاری سیکھ اور اس پر عمل کر۔ تب میرے پاس آنا۔ میں تمہیں عجائبات علم تعلیم کروں گا۔ سو میں بھی عوام کو کہوں گا۔ کہ اختلاف میں غور کرنا تمہارا کام نہیں۔ اگر تم اس پر غور و خوض کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کیونکہ جب تم اپنی عمر سنار کے کام میں صرف کرو گے تو جو لاہے کا کام کیونکر کر سکو گے۔ اسی طرح جب تم اپنی عمر علم کے بواکسی اور کام میں صرف کر دو گے۔ تو اہل علم کیونکر ہو سکتے ہو۔ اور نکات علمی پر کیونکر غور و خوض کر سکتے ہو خبردار ایسا کبھی نہ کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ عوام الناس سے جو کبیرہ سرزد ہوتے ہیں۔ ان میں سے سب سے بری یہ بات ہے۔ کہ علم میں غور کرے اور نہ سمجھ آنے پر انکار کر کے کفر میں شامل ہو۔ اگر وہ مجھ سے یہ بات سکے کہ ضروری ہے۔ کہ جس دین کا میں معتقد ہوں۔ اور جس پر میرا ملکہ آمد ہے۔ اس کے ذریعے میں مغفرت حاصل کروں۔ اور لوگ مختلف دینوں کے بارے میں مختلف رائے ہیں۔ مجھے آگے کو نسا دین اختیار کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں۔ تو میں اسے کہوں گا۔ کہ دین اصول و فروع



ہے۔ اور ان دونوں اختلاف ہے۔ رہا اصول سو جو کچھ قرآن شریف میں ہے۔ صرف اسی پر اعتقاد کرنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات اور اپنے اسماء چھپا نہیں رکھے۔ تمہارے لئے لازم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو۔ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حی۔ عالم۔ قادر۔ سمیع۔ بصیر۔ جبار۔ متکبر۔ قدوس اور بے مثل وغیرہ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے اور جس پر اماموں کا اتفاق ہے۔ دین کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اور اگر شبہ پڑ جائے۔ تو کہہ دو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اور صفات۔ اثبات اور بسبب غایت تعظیم ان کی نفی۔ تقدیس مع نفی مماثلت پر ہمارا ایمان ہے۔ اور یہ کہ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس قدر اعتقاد کے بعد قیل و قال کی طرف دھیان نہ کرو۔ کیونکہ نہ تو قیل و قال کی طرف متوجہ ہونے کا تمہیں حکم ملا ہے۔ اور نہ ہی تمہاری طاقت میں ہے۔ کہ تم ان معلومات پر غور کر سکو۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے قرآن شریف سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وہ عالم ہے۔ لیکن یہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ وہ عالم بالذات ہے یا اس سے زیادہ واقفیت ہے۔ اس میں اشعر یہ اور معتزلہ کا اختلاف ہے۔ تو وہ حوام کی حد سے خارج ہے۔ کیونکہ عامی کا دل ایسی باتوں کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ جب تک شیطان اسے حرکت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تا وقتیکہ انہیں بدل نہ دے۔ اور ایسا ہی خبر میں بھی ہے۔ اور جب میں اہل جہل سے ملونگا تو ان کے علاج کا بھی عنقریب ذکر کروں گا۔ میں انہیں اصول کے بارے میں وعظ و نصیحت نہیں کروں گا بلکہ میں انہیں کتاب الہی کا حوالہ دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میزان اور لوہا اتارا ہے۔ رہا فروع۔ سو اس کی نسبت تو میں یہ کہوں گا۔ کہ جو اختلاف کے مواقع ہیں ان کی طرف اپنے دل کو اس وقت تک مشغول ہی نہ کرو۔ جب تک تم متفق علیہ باتوں سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ تمام امت کا اجتماع ہے کہ آخرت کا توشہ تقویٰ اور ورع ہے اور یہ کہ حرام اور مال حرام کا حاصل کرنا۔ غیبت۔ چغلی۔ زنا۔ چوری۔ خیانت وغیرہ ممنوع ہیں۔ اور فرائض سب کے سب واجب ہیں۔ اگر تم ان سب سے فارغ ہو جاؤ۔ تو پھر میں تمہیں خلاف سے بچنے کا طریقہ سکھلاؤں گا۔ اگر وہ ان باتوں سے



فارغ ہونے سے پہلے مجھ سے وہ طریقہ سیکھنا چاہے جس کے ذریعہ اختلاف سے بچ سکتا ہے۔ تو وہ جدلی ہے۔ نہ کہ حامی۔ حامی ان باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے موقعوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا تم نے اپنے رفیقوں کو دیکھا ہے۔ کہ وہ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے اشکال کی طرف مائل ہوئے ہیں کبھی نہیں اپنے خلاف میں ان کی عقلوں کی کمزوری بعینہ اس مریض کی عقل کی کمزوری سے ملتی ہے۔ جو مرض شدید میں مبتلا ہو۔ اور اس کا علاج وہ چیز ہو جس پر اطباء کا اتفاق ہے۔ اور وہ یہ کہہ کر نہیں کہ بعض دواؤں کے گرم یا سرد ہونے کے بارے میں اطباء مختلف رائے ہیں۔ میں تو اس وقت تک اپنا علاج نہ کروں گا۔ جب تک مجھے کوئی ایسا شخص نہ ملے۔ جو یہ بتائے کہ یہ اختلاف رائے کیونکر رفع ہو سکتا ہے۔ تقویٰ کی

حدود سے فارغ ہونے کے بغیر اس کی صحت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔  
رفیق۔ اب مجھے بعض مسائل میں مشکل پیش آئی ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں۔ کہ میں قے۔ نکسیر اور لمس کے بعد وضو کروں یا نہ کروں۔ اور یہ کہ ماہ رمضان میں

روزے کی نیت رات کو کروں یا دن کو وغیرہ وغیرہ۔  
مصنف۔ اگر تم طریق آخرت میں امن و امان کے خواہشمند ہو تو احتیاط کے طریقہ پر کاربند ہو۔ اور ایسی بات اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق رائے ہے۔ تمام مختلف فیہ حالتوں میں وضو کرو۔ کیونکہ ہر چیز جو واجب نہیں مستحب ہے۔ ماہ رمضان میں رات کے وقت روزہ کی نیت کرو۔ کیونکہ جو واجب نہیں مستحب ہے۔ اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ احتیاط تمہارے لئے دو بھر ہے۔ اور تمہیں بعض مسائل کی نفی اثبات کا ٹھیک علم نہیں۔ اور یہ کہ صبح کے وقت تنوت پڑھو یا نہ۔ یا بسم اللہ چہر پڑھو یا نہ تو ان سب باتوں کا جواب میں یہ دو نکات۔ کہ تم ایسی حالت میں اجتہاد سے کام لو اور اماموں کی نسبت غور کرو۔ کہ تمہاری رائے میں کونسا افضل ہے۔ اور تمہاری دانست میں کون زیادہ راستی پر ہے۔ جیسا کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ۔ اور شہر میں کئی طبیب رہتے ہوں۔ تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب سے اچھا ہے۔ ایسی صورت میں تم اجتہاد سے کام لو گے۔ نہ کہ خواہش اور طبع سے سوائی نسیم کا اجتہاد دین کے معاملے میں تمہارے لئے کافی ہے۔ جو تمہارے



خیال میں غالب ہو۔ اسی پر کاربند ہو۔ کیونکہ اس بارے میں اگر اس کا اجتہاد راستی پر ہوگا۔ تو اُسے دو اجر و رزق ایک تو ضرور ملے گا۔ جیسا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ "من اجتهد فأصاب فله اجران ومن اجتهد فأخطأ فله اجر واحد" جس نے اجتہاد سے کام لیا اور راستی پر لگا تو اُسے دو اجر۔ اور اگر چوک گیا تو اُسے ایک اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے جو نتیجے نکالتے ہیں۔ اجتہاد سے کام لینے کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کس کے مطابق حکم کرتے ہو۔ تو عرض کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بموجب۔ فرمایا اگر تمہیں نہ مل سکے۔ عرض کیا سنت نبوی کے مطابق۔ فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو۔ عرض کیا ایسی صورت میں اجتہاد سے کام لینا ہوں۔ فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ پھر اجازت عنایت کر کے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول خدا کے قاصد کو رسول خدا کی مرضی کے مطابق توفیق دی گئی ہے۔ اس سے تم اندازہ کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے خوش ہوئے۔ جیسا کہ ایک اعرابی نے عرض کیا۔ کہ میں خود ہلاک ہوا اور دوسرے کو ہلاک کیا۔ میں فتنے بڑھانے کو دن کے وقت اپنی بوسجی بجاوت کی فرمایا۔ ایک غلام آزاد کرو۔ پس اس سے سمجھ لو۔ کہ اگر قرہ کی یا ہندگی بھی ایسا ہو جائے۔ تو اُسے بھی غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ اس واسطے ہے۔ کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ وہ بالضرور راستی پر ہوں۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اور نہ ہی وہ ایسی بات کے لئے مکلف ہیں۔ جس کی برداشت کی ان میں طاقت نہیں۔ وہ صرف اس بات کیلئے مکلف ہیں۔ جس کی نسبت صحت ہونے کا ظن ہوتا ہے۔ مثلاً نماز میں اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ کپڑے پاک ہوں۔ بلکہ اس بات کے لئے مکلف ہیں۔ کہ انہیں خیال ہو کہ کپڑے پاک ہیں۔ چنانچہ اگر اثنائے نماز میں انہیں پلیدی یا د دلائی جائے تو نماز کا قضا کرنا لازم نہیں آتا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعلین سمیت نماز ادا فرما رہے تھے۔ تو آپ نے جب نعل کی اطلاق کے مطابق کہ



اس پر کچھ پلیدی ہے۔ پائے مبارک سے اُتار دیا۔ لیکن نماز دوبارہ ادا نہ فرمائی۔ اور نہ از سر نو شروع کی۔ اسی طرح اس کی تکلیف نہیں دی گئی۔ کہ قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی جائے بلکہ اس طرف رخ کر کے جس کی نسبت گمان ہو کہ ادھر قبلہ ہے۔ اور وہ بھی پہاڑوں ستاروں اور شجر کی طرف دیکھ کر۔ اگر ایسی صورت میں گمان درست نکلا تو وہ ثواب ورنہ ایک تو ضرور ملیگا۔

ایسا ہی فقیر کو زکوٰۃ کے لئے مکلف نہیں۔ بلکہ وہ شخص مکلف نہیں جس کی نسبت گمان ہو کہ وہ فقیر ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ان چیزوں کا معلوم کرنا دشوار ہے۔ اسی طرح خون گرانے اور فروج کو حلال قرار دیتے وقت قاضی اس بات کے لئے مکلف نہیں۔ کہ وہ اس مطلب کے لئے ضرور سچے گواہ لیں۔ بلکہ ان گواہوں کی منظونہ سچائی کے لئے مکلف ہیں۔ اگر محض گواہوں کی منظونہ سچائی سے خون گرانے کا حکم دے تو ممکن ہے غلطی پر ہو۔ جبکہ خون گرانا اور فروج کا جائز کرنا اجتہاد سے ہو سکتا ہے۔ تو کیا نمازی جائز نہیں ہو سکتی۔ نہیں معلوم تھا اسے رفیق اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔ وہ یہ کہیں کہ اگر قبلہ کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو نماز از سر نو ادا کرو۔ یا ایسی صورت میں سفر کر کے امام پاس جانا اس سے پوچھنا اور اسے اس درستی کی تکلیف دینا جس کی اسے طاقت نہیں جائز ہے۔ یا ایسے شخص سے اجتہاد کرو۔ جس کے لئے اجتہاد ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ قبلہ کی دلیلوں اور ستاروں۔ پہاڑوں اور ہوائے شمال نہیں کر سکتا۔

رفیق۔ اس میں شک نہیں۔ کہ وہ ایسی صورت میں ضرور اجتہاد کی اجازت دیکھا۔ پھر کوئی گناہ نہیں۔ اگر وہ کہہ مجھ سے کام لے۔ خواہ وہ اس میں غلطی پر ہو یا قبلہ کے سوا کسی اور طرف رخ کر کے نماز ادا کرے۔  
مُصنّف۔ جو شخص قبلہ کے بغیر کسی اور طرف نماز ادا کر کے معذور اور ماجر ہو سکتا ہے تو یہ بعید از عقل و قیاس نہیں کہ جو سارے اجتہادات میں غلطی کرے معذور نہ ہو۔ اور اس کے مجتہد اور مقلد سب کے سب معذور ہوں۔ بعض مان میں سے دستِ پا اور بعض غلطی پر۔ ایسے اشخاص بلحاظ ثواب قریب قریب ہیں (کیونکہ بعض کو ایک ثواب اور بعض کو دو ثواب ملتے ہیں) انہیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہیئے۔ اگر بعض



اپس میں ہٹ دھرمی سے کام لیں۔ تو یہ تو ضروری ہے کہ ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا راستی پر۔ مثلاً اگر دو مسافر قبلہ کے بارے میں اجتہاد سے کام لیں اور اس اجتہاد میں اختلاف رائے رکھتے ہوں۔ اور وہ اپنی اپنی منظونہ جانب رخ کر کے نماز ادا کریں۔ اور ایک دوسرے پر اعتراض کریں۔ یا آپس میں انکار کریں تو وہ دونو حق بجانب ہیں۔ کیونکہ وہ دونو منظونہ جانب کے لئے مکلف ہیں۔ ٹھیک ٹھیک قبلہ کی طرف رخ کرنا اللہ ہی کو معلوم ہے۔ دور کے اشخاص اس بات پر قادر نہیں۔ ایسا ہی معاذ رضی اللہ عنہ میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔ تو اس خیال سے نہیں کہ آپ غلطی پر ہیں۔ بلکہ یہ اعتقاد کر کے کہ اگر مجھ سے خطا بھی ہوئی تو میں معذور سمجھا جاؤں گا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ بعض شرعی وضعی امور ایسے ہیں جن میں شرائع کا اختلاف ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ ان میں ان کا منظونہ نقیض بھی ہوتا ہے۔ یہی نقیض اختلاف کا باعث ہے۔ اور جن امور میں شرائع کا تغیر نہیں۔ ان میں اختلاف بھی نہیں۔ اتباع سنت کے اسرار میں اس فصل کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ جس کو میں نے جواہر القرآن میں اعمال ظاہرہ کا بیان کرتے ہوئے دسویں اصل میں لکھا ہے۔

رہی تیسری قسم اور وہ اہل جہل ہیں۔ سوئیں انہیں حق کی طرف نرمی سے بلاتا ہوں۔ یہاں نرمی سے میری یہ مراد ہے۔ کہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتا اور ان پر سختی نہیں کرتا اور نہ جھڑکتا ہوں۔ بلکہ سب سے عمدہ جہل جو ہو سکتا ہے استعمال کرتا ہوں محالہ بالاحسن کے یہ معنی ہیں کہ میں ایسے اصولوں کو لیتا ہوں جنہیں اہل جہل تسلیم کرتے ہیں۔ پھر میں ان سے میزان محقق کے ذریعہ حق نتیجہ اس طرح برآمد کرتا ہوں جیسا کہ میں نے "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں بیان کیا ہے۔ اور اگر اس پر بھی قناعت نہیں کرتے۔ اور زیادہ واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو میں انہیں ترازوؤں کا استعمال سمجھاتا ہوں۔ اگر پھر بھی کند ذہنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قناعت نہ کریں۔ اور اپنے تعصب۔ عناد اور جھگڑے پر اڑے رہیں تو پھر ان کا علاج لوہے سے کرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ترازو کا ذکر کتاب کے قریب ہی کیا ہے۔ تاکہ اس سے انسان سمجھ جائے۔ کہ تمام خلقت انصاف پر صرف انہیں تین چیزوں کے ذریعے قائم رہ سکتی ہے۔ کتاب عوام کے لئے ہے۔ جو اس چیز کی پیروی کرتے ہیں۔ جو کتاب



سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور ایسا کرنے میں ان کی خواہش فتنہ و فساد اور تاویل کی ہو۔ اور وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاویل میں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جید عالموں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اہل جہل سے میری مراد وہ لوگ ہیں جن میں عقلندی زیادہ ہے۔ اور جس کی وجہ سے وہ عوام الناس کی نسبت ترقی کرتے ہیں۔ لیکن ان کی عقلندی ناقص ہے۔ گو طحاظِ فطرتِ کامل ہیں۔ چو کہ ان کے باطن میں نجس۔ عناد۔ تعصب اور تقلید ہوتی ہے۔ اس لئے یہ باتیں حق کے ادراک سے اہمیں روکتی ہیں۔ اور یہ صفات ان کے دلوں پر بمنزلہ پردے کے ہیں جو غور و خوض نہیں کر لے دیتا اور ان کے کالوں میں بمنزلہ بہرہ پن ہیں۔ جو انہیں حق بات سننے نہیں دیتا۔ لیکن ان کے حق میں سب سے زیادہ مضر ان کی ناقص ادھوری اور ناقص عقلندی ہے۔ کیونکہ ان کی ذہانت غیر مکمل اور عقل ناقص البتہ جن سے زیادہ بری ہے۔ حدیث میں ہے کہ اکثر اہل جنت بے وقوف ہونگے۔ اور اہل علیین عقل مند۔ ان دو کے بین میں ایک فرقہ ہے۔ جو آیاتِ الہی کے بارے میں جھگڑتے ہیں یہ دوزخی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف کے ذریعے اتنا نہیں روک سکتا جس قدر بادشاہ کے ذریعے۔ ان لوگوں کو جدال سے روکنا بذریعہ تلوار اور نیزہ زیادہ انسب ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دوسے کے ذریعہ روکا۔ جبکہ اُس نے آپ سے قرآن شریف کی دو متشابہ آیتوں کے بارے میں پوچھا۔ یا جیسا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے کیا جبکہ آپ سے استواء علی العرش کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ استواء حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ اس پر نکتہ چینی کرنا یا نہ ماننا جدال ہے۔ سلف صالحین ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اگر لوگوں سے جدال کیا جائے تو باعث نقصان و تکلیفِ عظیم ہے۔ یہ ہے میرا طریقہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے اور گمراہی اور تاریکی سے نکال کر حق کی طرف لانے کا۔ اور یہ اس طرح پر کہ خواص کو حکمت کی طرف میزان کی تعلیم سے بلاتا ہوں۔ حتیٰ کہ جب وہ میزان القسط سیکھ جاتے ہیں۔ تو صرف ایک علم پر قادر نہیں ہوتے۔ بلکہ بہت سے علوم پر۔ کیونکہ جس کے پاس میزان ہوتی ہے۔ تو وہ اس سے لانا تمام مقادیر کا اندازہ کر سکتا ہے



ایسا ہی جس کے پاس قسط اس المستقیم ہوتی ہے۔ اس کے پاس حکمت بھی ہوتی ہے۔ جس کی نسبت یہ فرمان الہی ہے کہ جسے حکمت دی گئی ہے اُسے بہت خیر و برکت دی گئی ہے۔ جس کی انتہا نہیں۔ اگر ترازوں پہ قرآن شریف کا استعمال نہ ہوتا۔ تو قرآن شریف کو نور کنا صحیح نہ مانا جاتا۔ کیونکہ نور بذات خود دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں اس کے ذریعے اور چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ اور یہی ترازو کی تعریف ہے۔ اور جب اس کے اس قول کی تصدیق ہو گئی کہ تمام طب و یا اس اس کتاب میں مندرج ہے۔ تو اب جاننا چاہیے کہ تمام علوم اس میں مندرج ہیں۔ لیکن یہ صراحت نہیں بلکہ بالقوة۔ مثلاً اس میں ان ترازوں کا ذکر ہے۔ جن سے حکمت کے لانا تھا دروازے کھل سکتے ہیں۔ اور انہیں سے میں علوم و خواص کو کتاب کا حوالہ دے کر موعظہ حسنہ کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے صفات ثابتہ کے اقتصاد سے کام لیتا ہوں۔ اور اہل جہال کو مجاہدہ بالاحسن کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اگر وہ اس سے انکار کرے۔ تو میں مخاطبہ کو بعد کر اس کی شرارت کی روک تھام غلبہ اور لوہے کے خوف سے کرتا ہوں جس کا ذکر میزان کے ساتھ ہی ہوا ہے۔

اے میرے رفیق اکاش اب مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کا امام ان تین قسم کے لوگوں کا علاج کیونکر کرتا ہے۔ کیا عوام کو وہ باتیں سکھاتا اور ان باتوں کی تکلیف دیتا ہے۔ جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتا ہے۔ یا مجاہدین کے دماغوں سے جہال کو بذریعہ جھٹ نکالتا ہے۔ سو ایسا تو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے بکثرت جہتیں بیان فرمائی۔ کیا تمہارے امام کی قدرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلعم کی قدرت سے بڑھ گئی ہے۔ یا وہ اہل بصیرت سے اپنی تقلید کرانا چاہتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تقلید سے قول نبوی کو قبول نہیں کیا اور نہ وہ عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے پر قانع ہوئے۔ بل انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو فعل عجیب ہے۔ اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا فاعل سچا ہے۔ جہان میں سحر و طلسم کے ایسے عجائب و غرائب کرشمے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ معجزہ اور سحر و طلسم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے۔ جو ان سب بخوبی واقف ہو



اور ان کے اقسام کا ماہر ہو۔ جیسا کہ فرعون کے جادو گروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کی شناخت کی۔ کیونکہ وہ علم سحر کے ماہرین کے سربراہ اور وہ تھے۔ اور جو اس کو قوی کر سکے۔ بلکہ اہل بصیرت معجزہ کے علاوہ یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ اسی کے قول سے اس کی تصدیق ہو۔ جیسا کہ حساب کا سیکھنے والا حساب سے ہی اپنے استاد کے حساب دان ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ وہ معرفت یقینیہ ہے جس پر عقلمند اور اہل بصیرت قناعت کرتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی بات پر قناعت ہی نہیں کرتے جب وہ اس طریق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کی صداقت کو مان جائیں اور قرآن شریف میں کی ذکر کردہ ترانوں کو سمجھ جائیں جیسا کہ میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ اور ان ترانوں سے تمام علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ آجائیں جیسا کہ میں نے جو اہل القرآن میں بیان کیا ہے۔ تو پھر وہ کیونکر تمہارے امام معصوم کے محتاج ہو سکتے ہیں اور وہ کیا ہے۔ جس سے ان کی مشکلات حل ہوئیں۔ اور کس سے اس نے اس کی باریکیوں کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ”ہذا خلق اللہ فادقی ما ذا خلق الذین من دونه“

اب تو علوم کے ترانوں میں میرے طریقے کو سن لیا ہے۔ اب مجھے دکھاؤ۔ کہ تم نے اپنے امام سے علوم کی باریکیوں کی بابت اب تک کیا اقتباس کیا ہے۔ اور وہ کیا چیز ہے جو لوگ اس سے سیکھتے ہیں۔ کاش میں بھی جانتا کہ تم نے اپنے امام معصوم سے کیا کچھ سیکھا ہے۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے مجھے بھی دکھاؤ۔

ما یسد و ما یفسد و ما یؤف  
نحو ابن و قلب یا س قوت

دستر خوان کی طرف بلائے کا مطلب محض بلانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کھلانا پلانا بھی ہوتا ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم لوگوں کو امام کی طرف بلاتے ہو۔ لیکن باوجود امام کے پاس آنے کے ان کی سابقہ جہالت بدستور رہتی ہے۔ امام ان کے کسی عقدہ کو حل نہیں کرتا۔ بلکہ الٹا حل شدہ کو عقدہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کی استقامت بلحاظ علم انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے ان کی سرکشی اور جہالت بڑھ جاتی ہے۔

رفیق۔ میں بہت مدت اپنے رفیقوں کے ساتھ رہا ہوں۔ لیکن اس عمر میں ان سے



سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ وہ کہتے تھے تمہارے لئے مذہب کی تعلیم ضروری ہے اور یہ کہ رائے اور قیاس سے کام لینا۔ حالانکہ یہ دونوں متعارض اور مختلف ہیں۔  
مختلف۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ تعلیم کی طرف بلاتے تو ہیں۔ لیکن تعلیم میں مشغول نہیں کرتے۔ انہیں یہ تو کہنا تھا۔ کہ تم نے مجھے تعلیم کی طرف بلایا۔ اور میں نے مان لیا۔ اب مجھے وہ باتیں تو سکھاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔

رفیق۔ میں تو نہیں جانتا کہ انہوں نے مجھے اس قسم کی باتیں سکھائی ہوں۔  
مختلف۔ میں تعلیم اور امام کا قائل ہوں۔ اور رائے اور قیاس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اگر تم تقلید چھوڑ دو تو میں تمہاری واقفیت کو زیادہ کر سکتا ہوں۔ اور علوم کے غرائبات اور اسرار قرآنی سکھا سکتا ہوں۔ اور ان سے علوم کی تمام کنجیاں نکال سکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اس سے علوم کے تراژڈوں کو نکالا ہے۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن میں علوم کی مختلف شاخوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن میں سوائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی امام کی طرف نہیں بلاتا اور سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں دلاتا۔ کیونکہ میں اسی سے علوم کے تمام اسرار استخراج کرتا ہوں۔ اس بات پر میری برہان۔ میری زبان اور میرا بیان ہے۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم لازم پکڑ لو اپنے لئے میرا تجربہ اور امتحان۔ پھر بتاؤ تم مجھ کو اس بہتر بات کو کوئی مجھ سے تمہارے دوستوں میں سے سیکھتا ہے یا نہیں۔

## رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان کے اظہار حقیقت کے بیان میں

رفیق۔ رفیقوں سے قطع تعلق کرنا اور آپ سے تعلیم حاصل کرنا مجھے اس نصیحت سے جو میری والدہ محترمہ نے مرتے وقت کی تھی اور جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے۔  
دکھیں گے۔ لیکن تاہم میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ رائے اور قیاس کے بگاڑ کو مجھ پر زیادہ واضح کر دیں۔ کیونکہ میرا گمان غالب ہے۔ کہ آپ میری عقل کو کمزور پاتے ہیں۔ اور



شبہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قیاس اور رائے کو میزان سے موزون کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق قرآن شریف پڑھ سنا تے ہیں۔ اور میزان خیال ہے کوئی بعینہ وہ قیاس ہے جس کا آپ کے محاسب دعویٰ کرتے ہیں۔

مکلف۔ افسوس! لو اب میں رائے اور قیاس کی نسبت مشرح بیان کرتا ہوں۔ کہ اس سے میری مراد کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے۔ رائے اور قیاس کی مثل معتزلہ کا یہ قول ہے کہ حق سجدۂ تعالیٰ پر اپنے بندوں کی بہتری کی رعایت واجب ہے۔ اور جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس کو وہ اپنی عقلوں کے مطابق بہتر خیال کرتے ہیں۔ جس میں وہ خالق کو خلقت کے مطابق قیاس کرتے ہیں۔ اور اس کی حکمت کو خلقت کی حکمت سے تشبیہ دیتے ہیں عقلیں جس کو بہتر خیال کرتی ہیں وہ رائے ہے۔ جس کے لئے کوئی تعویل نہیں دیکھتا کیونکہ اس سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو قرآن شریف کی ترازوں کے مطابق غلط ہوتے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا قیاس میں لیکر میزان التزام سے اس کا وزن یوں کرتا ہوں کہ اگر بندوں کی بہتری اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو وہ بالضرور کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ غیر واجب ہے۔ کیونکہ واجب کی ترک نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو تو ہم مانتے ہیں۔ کہ اگر واجب ہوتی تو ضرور کرتا۔ لیکن اس کو ہم نہیں مانتے کہ وہ نہیں کرتا۔ تو میں یہ کہوں گا۔ کہ اگر اسے خلقت کی بہتری ہی منظور تھی تو اسے جنت میں ہی رہنے دیتا۔ کیونکہ اس میں رہنا اس کے لئے بہتر تھا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ پس اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے بہتری نہیں کی۔ یہ میزان التزام کا صریح نتیجہ ہے۔ لیکن اگر فرق مخالف انکار کرے اور کہے کہ اسے جنت میں چھوڑا اور اس پر جھوٹی گواہی دے یا یہ کہے کہ ان کی بہتری اسی میں تھی کہ انہیں دنیا کی طرف جو مصیبتوں کا گھر ہے نکالے اور انہیں خطاؤں کے ہمیشہ کرے۔

جیسا کہ خبر صحیح میں وارد ہوا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ یہ ان کے لئے بہتر ہوتا کہ جنت میں پیدا کر کے اسی میں رہنے دئے جاتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بہشت ان کی کوششوں کا نتیجہ نہ ہوتی اور نہ ان کا استحقاق ہوتا۔ یہ ایک قسم کا احسان تھا اور



احسان ناگوار ہوتا ہے۔ جب وہ سنتے۔ اطاعت کرتے تو جو کچھ ہمیں ملتا وہ اس کی جزا ہوتی۔ اور اجر و مزدوری میں احسان نہیں ہوتا۔ لیکن میں نہیں چاہتا۔ کہ اس قسم کے کلام یا اس کے جواب سے اپنی زبان اور تمہارے کانوں کو تکلیف دوں۔ تم صرف اس پر ہی غور سے غور کرو کہ تمہیں رائے کے نتائج قبیحہ معلوم ہو جائیں۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ جب بچے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں بہشت میں بالغ اور مطیع لوگوں کی نسبت مکمل درجہ عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ ہمارے خدا! ہماری بہتری میں بخل سے کام نہ لو۔ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں بھی بالغوں اور مطیعوں جیسے درجہ عطا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں معتزلہ کے خیال کے بموجب یہ جواب دیگا کہ میں تمہیں ان کے درجوں پر کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ جبکہ وہ بالغ ہوئے انہوں نے تکلیفیں اور فرمانبرداری کی محالہ کر تم بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ وہ کہیں گے تو نے ہی ہیں ملا تھا اور تو نے ہی دنیا میں دیر تک رہنے اور آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے سے محروم رکھا ہماری بہتری اسی میں ہے۔ کہ ہمیں انہیں جیسے بچے عطا فرمائے۔ اگر تو ہمیں نہ ملتا تو از خود کیسے مرتے۔ تب اللہ تعالیٰ معتزلہ کے خیال کے مطابق یہ جواب دیگا۔ کہ یہ مجھے معلوم تھا۔ کہ اگر تم بالغ ہوتے تو ناشکر گزار ہو کر دوزخ کے مستحق بنتے اور پھر ہمیشہ کے لئے اسی میں رہتے اور مجھے معلوم تھا کہ تمہاری بہتری اسی میں تھی۔ کہ تم بچپن میں فوت ہو جاتے تب بالغ کافر دوزخ میں سے پکارا ٹھیں گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ ہم بالغ ہو کر ناشکر گزار ہونگے۔ تو پھر تو نے ہمیں بچپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا۔ ہم تو لڑکوں کو عطا کردہ درجوں کے سوچے چھتے پر بھی راضی ہیں۔ اس وقت معتزلہ لا جواب ہو جائینگے اور یہ کفار کی اللہ تعالیٰ پر رنجت ہو جائے گی۔ قولہ تعالیٰ انظالمین علواً کبیراً ہاں بہتری کا فعل ایک بھید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قدر میں رکھا ہے۔ لیکن معتزلہ اس اصل سے ہمیں دیکھتا۔ کیونکہ وہ علم کلام کے سرمایہ سے یہ بھید معلوم نہیں کر سکتا۔ جس کو اس کے معلوم کرنے کا خط ہے۔ وہ خط ہی ہے۔ اس میں رائیں مضطرب ہو جاتی ہیں۔ پس یہ ہے میری مثال رائے کا اطل کی۔

اب یہی قیاس کی مثال وہ کسی چیز میں ایک خاص حکم کا اثبات ہے جو اس کے غیر میں پایا جاتا ہے۔ جیسے معتزلہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے۔ جب ان سے پوچھا



جائے کیوں۔ تو کہتے ہیں کہ وہ فاعل اور صانع ہے۔ اس لئے جسم ہے۔ یہ نتیجہ انہوں نے تمام کاریگروں اور کارکنوں کو دیکھ کر نکالا ہے۔ لیکن یہ قیاس باطل ہے۔ کیونکہ اگر ہم ان سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیونکر کہا کہ جو فاعل ہے وہ جسم ہے۔ کیونکہ وہ فاعل ہے۔ وہ قرآن شریف کی ترازوں سے اس کا وزن کرنا نہیں جانتے۔ اس قیاس کی جانچ کی ترازو موازن المتعادل میں سے میزان اکبر ہے۔ اور اس سے وزن کرنے کی یہ صودت ہے۔ کہ اگر یہ کہا جائے کہ ہر ایک فاعل جسم ہے اور باری تعالیٰ فاعل ہے اس لئے وہ بھی جسم ہے۔ اس کے جواب میں ہم کہیں گے۔ کہ یہ تو ہم مانتے ہیں۔ کہ باری تعالیٰ فاعل ہے۔ لیکن ہم پہلی اصل کو نہیں مانتے جو یہ ہے کہ ہر فاعل جسم ہے یہ تمہیں کیونکر معلوم ہوا کہ ہر فاعل جسم ہے۔ جب یہ سوال کیا جائے تو بھران کیلئے استقرار قسمت منتشرہ کے سوا اور کوئی سہارا نہیں رہتا۔ اور یہ موقع ہی صحت نہیں ہے۔ استقرار تو اس واسطے کہ اگر وہ یہ کہیں کہ میں نے حجام۔ ددزی۔ بخار وغیرہ کو دیکھا تو صوب کو اجسام پایا۔ اس واسطے ہم کہہ سکتے ہیں کہ تمام فاعل جسم ہیں۔ اس وقت اگر ان سے پوچھا جائے کہ کیا تم نے سارے فاعلوں کو دیکھا ہے یا کوئی دیکھنے سے بچ بھی گیا ہے۔ اگر وہ یہ کہیں کہ بعض کو دیکھا ہے تو اس سے کل کے لئے حکم لازم نہیں آتا۔ اور اگر وہ یہ کہیں کہ ہم نے سب کو دیکھا ہے۔ تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں۔ کیونکہ انہیں تمام فاعلوں کا علم ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ انہوں نے زمین و آسمان کے فاعل کو نہیں دیکھا۔ بعض کو دیکھا ہے۔ تو کل لازم نہیں آتا۔ اگر سب کو دیکھا ہے تو کیا سب کو جسم پایا ہے۔ اگر وہ کہیں ہاں۔ تو کو کر اچھا۔ جب تم نے اپنے قیاس کے مقدمہ میں پایا۔ تو پھر کیسے اس کو اصل قرار دیا۔ جو اس پر دلالت کرتا ہے۔ ایسی صودت میں نفس و جہان کو ہی دلیل گردانا۔ اور ایسا کرنا غلطی ہے۔ اور ایسی صودت میں تمہاری دیکھ بھال اس شخص کی طرح ہے۔ کہ ٹونٹ گھوڑے۔ ہاتھی۔ کیڑوں کیڑوں اور پنہروں کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان پاؤں سے چلتے ہیں حالانکہ اس نے سانپ اور رینگنے والے کیڑوں کو دیکھا ہی نہیں۔ یا حیوانات کو جگالی کرتے دیکھ کر کہ وہ بچلے جڑے کو ہلاتے ہیں۔ یہ نتیجہ نکالے کہ تمام حیوان جگالی کے وقت بچلے جڑے کو ہلاتے ہیں۔ لیکن اس نے گرجھے کو دیکھا ہی نہیں جو اوپر کے جڑے کو ہلاتا ہے۔ ایسا اس نے اس واسطے کیا۔ کہ وہ اس بات کو جائز



قرار دیتا ہے۔ کہ اگر ہزار شخص جنس واحد میں ایک حکم رکھتا ہو اور ایک میں وہ بھی نہ پایا جائے۔  
تو چاہیو ہے۔ اس سے برآوردہ نتیجہ یا یقین نہ نہیں ہوتا۔ لیکن یاد رکھو۔ ایسا قیاس قیاس  
باطل ہے۔ رہا قسمت منتشر کا سہارا لینا۔ سو اس کی مثال یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے  
فاعلوں کے اوصاف کی بھی طرح چھان بین کی ہے۔ وہ سب اجسام تھے۔ کیونکہ وہ فاعل  
تھے یا اس واسطے کہ وہ موجود تھے یا اس واسطے کہ وہ یہ تھے وہ وہ تھے۔ پھر خود ہی تمام  
اجسام کو باطل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ پس اس سے لازم آتا ہے۔ وہ جسم تھے۔ کیونکہ وہ  
فاعل تھے۔ اور یہی قسمت منتشر ہے۔ جس سے شیطان اپنے قیاسوں کا وزن کرتا ہے۔  
سو اس کی بطلان کو میں بیان کر چکا ہوں۔

رفیق۔ میرا گمان ہے کہ جب وہ تمام اقسام جن سے ان کی مراد ہوتی ہے۔ باطل چکیں  
حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر متکلمین اپنے عقائد میں اس پر دار و مدار رکھتے ہیں وہ دیت بربت تعالیٰ  
کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ وہ مرنی (دکھائی دینے کے قابل) ہے۔ کیونکہ وہ صاحب سفیدی ہے  
اس واسطے کہ تدریکی یا سیاسی دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کا دیکھا جانا باطل ہے۔ کیونکہ وہ  
جوہر ہے۔ اس واسطے عرض دکھائی دیتا ہے۔ نہ کہ جوہر۔ اور یہ باطل ہے کہ وہ عرض ہے۔  
کیونکہ جوہر دکھائی دیتا ہے۔ جب ساری قسمیں باطل چکیں تو باقی صرف یہ رہ گیا کہ جوہر دکھائی  
دیتا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس ترانو کی خرابی مجھے بالتشریح و بالتوضیح  
سمجھائیں۔ تاکہ اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

**مصنف۔** اس بارے میں میں ایک سچی مثال بیان کرونگا۔ جو قیاس باطل سے  
بطور نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتی۔ اور میں اس پر سے پردہ ہٹا دوں گا۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ قول  
کہ عالم حادث ہے بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن قائل کا یہ قول کہ وہ اس واسطے حادث  
ہے کہ مصور ہے۔ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ گھر اور تمام عمارتیں مصور ہیں۔ لیکن اس کا  
یہ قول باطل ہے۔ حادث عالم کے علم کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ جب میزان حق سے  
اس کی جانچ یوں کی جاتی ہے۔ ہر مصور حادث ہے۔ اور عالم مصور ہے اس واسطے کہ وہ  
حادث ہے۔ اس میں دوسرا اصل تو مسلم ہے۔ لیکن پہلا کہ ہر مصور حادث ہے۔ ہکو  
فرق ثانی نہیں مانتا۔ ایسے موقع پر وہ استقرا کی لوٹ لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ  
میں نے بطور نتیجہ یہ بات معلوم کی ہے۔ کیونکہ ہر مصور کو حادث پایا ہے۔ مثلاً گھر۔



پیارے قیام و غیرہ و غیرہ اس کی خرابی تو تم سمجھ گئے ہو۔ اب وہ اور پہلو بدلتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ گھر حادث ہے۔ کیونکہ جب ہم اس کے اوصاف کی چھان بین کرتے ہیں تو اسے ایک جسم ہاتے ہیں۔ جو بنفسہ قائم۔ موجود اور مستور ہے۔ اور یہ چار صفات ہیں۔ اس نے اپنی علت کو یہ کہہ کر کہ جسم بنفسہ موجود ہے، باطل کر دیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ مستور ہونے کی وجہ سے معلل ہے اور وہ چوتھی ہے۔ پس اسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کئی وجوہات کے سبب باطل ہے۔ ان چار میں سے پہلی کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تین کا بطلان ثابت ہو جائے۔ تو وہ علت ثابت نہیں ہوتی جس کی قیاسی طلب ہے۔ شاید حکم معلل بہ علت قاصرہ۔ غیر عامہ ہو اور متعدی نہ ہو۔ مثلاً گھر اگر گھر کا غیر حادث ہونا ثابت بھی ہو جائے۔ تو شاید حکم معلل حقیقت میں اس سے قاصر ہو جو اس کے حادث ہونے کو ظاہر کرتا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی وصف خاص جو تمام کو جامع ہو۔ رہ گیا ہو۔ اور دوسرے تک نہ پہنچتا ہو۔ اس واسطے کہ وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس درجہ کوشش کی جائے کہ یہ خیال ہی دیکھا جاسکے کہ کوئی قسم رہ گئی ہوگی اور جب نفی اور اثبات کے مابین حاضر نہ ہو۔ اور یہ خیال کیا جاسکے کہ شاید اس میں سے کوئی قسم باقی رہ گئی ہے تو حکم ٹھیک اور کلیہ نہیں ہو سکتا۔ حصر بدرجہ غایت کوئی آسان کام نہیں۔ غالب اوقات متکلمین اور فقیہ اس کا پورا پورا اہتمام نہ کر سکنے کے باعث یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی قسم ہے تو اسے ظاہر کر دو۔ اور بسا اوقات فریق ثانی یہی کہتا ہے کہ مجھے اس کے ظاہر کرنے کا الزام نہ دو۔ اس طرح جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات قیاس کنندہ استدلال کے وقت یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اور قسم ہوتی تو ضرور ہمیں معلوم ہوتی۔ یا نہیں معلوم ہوتی۔ پس ہماری اس سے ناواقفیت اور قسم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ مجلس میں ہاتھی کا نہ دیکھنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس بیجا پچھے کو یہ معلوم ہی نہیں۔ کہ گو اس وقت ہم نے ہاتھی کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس سے پہلے یا بعد تو کئی مرتبہ اور کئی اشخاص نے دیکھا ہے۔ اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے۔ کہ ہم معانی حاضر دیکھے اور اس کے ادراک سے عاجز رہے۔ لیکن مدت بعد خود ہی آگاہ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی اور قسم باقی رہ گئی ہو جس کا علم ہمیں اس وقت نہ ہوا ہو۔ اور بسا اوقات عمر بھر میں بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ تیسرے اگر ہم حصر کو تسلیم بھی کر لیں۔



تو تین کے بطلان سے چوتھی کا ثبوت لازم نہیں آتا۔ بلکہ چار سے جو ترکیب حاصل ہوتی ہے وہ تیس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ احتمال ہو سکتا ہے کہ علت ان چاروں میں سے ایک ہو۔ دو ہوں یا تین ہوں پھر دو یا تین کا بھی تعین نہیں۔ بلکہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ علت اس کا موجود ہونا یا جسم ہونا یا موجود اور بنفسہ قائم ہونا یا جسم موجود اور قائم بنفسہ ہو۔ یا موجود اور گھر ہونا یا گھر اور معتد ہو۔ یا گھر اور قائم بنفسہ ہو۔ یا گھر اور جسم ہو یا جسم اور معتد ہو یا جسم اور قائم بنفسہ ہو یا جسم اور موجود ہو۔ یا قائم بنفسہ اور موجود ہو۔ یہ دو دو کی بعض ترکیبیں ہیں۔ اسی طرح تین تین کی قیاس کر لو۔ واضح ہے کہ احکام بہت سے اسباب کے یکجا جمع ہونے پر موقوف ہوتے ہیں۔ مثلاً چیز صرف اس واسطے دکھائی نہیں دیتی کہ دیکھنے والے کی آنکھیں ہی ہوں۔ بلکہ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ رات نہ ہو۔ بادل نہ گھر سے ہوئے ہوں۔ مطلع صاف ہو۔ اور وہ چیز نگہدار ہو وغیرہ وغیرہ اور ان کے علاوہ یہ کہ اس کا وجود ہو۔ آخرت میں رویت ایک ایک بات ہے۔ جو شرائط مذکور ہوئی ہیں وہ دنیا کے لئے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اگر بدرجہ فائیت کوشش اور حصر کو مان بھی لیا جائے اور ترکیب کو بھی چھوڑ جائیں تو بھی تین کے بطلان سے چوتھی کے حکم کے تعلق کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ممکن ہے حکم کا انحصار چوتھی پر ہو اور ہو سکتا ہے کہ چوتھی کی دو قسمیں ہوں۔ جن میں سے صرف ایک سے حکم کا تعلق ہو۔ اور ہی تم نے نہ دیکھی ہو۔

اس کا جسم یا موجود یا قائم بنفسہ یا معتد ہونا۔ مثلاً صورت میں مربع یا گول ہو تو تین اقسام باطل ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ حکم محض صورت کے متعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ بسا اوقات صورت مخصوصہ سے مخصوص ہوتا ہے۔ متکلیف جو اس قسم کے وقایع سے غفلت کرتے ہیں اس کا باعث ان کا غلط اور کثرت نزاع ہے۔ جس سے وہ رائے اور قیاس کے وقت کام لیتے ہیں۔ یہ یقین کو رد کرنے کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ بلکہ فقہی ظنی قیاسوں کی درستی کرتا ہے۔ عام لوگوں کے دلوں کو راستی اور درستی کی طرف مائل نہیں کرتا۔ کیونکہ ان کے افکار احتمالات بعیدہ کی طرف نہیں دوڑتے۔ بلکہ ان کے اعتقاد کمزور اسباب تک ہی محدود رہتے ہیں۔ جیسا کہ تم ایک عام شخص کو دیکھتے ہو جسے سرد رہے۔ اسے ایک اور شخص کہتا ہے۔ کہ عرق گلاب استعمال کرو۔ کیونکہ جب مجھے سرد رہا تھا۔ تو میں نے اسے استعمال کیا تھا۔ اور مجھے فائدہ ہوا تھا۔ چونکہ تمہیں بھی سرد رہا ہے۔ اس لئے تمہیں



بھی فائدہ دیگا۔ مریض کا دل مائل ہو جاتا ہے کہ میں بھی عرق گلاب استعمال کروں۔ لیکن وہ یہ نہیں پوچھتا کہ پہلے یہ تو ثابت کر لو۔ کہ عرق گلاب ہر قسم کے درد کو مفید ہے۔ خواہ وہ سردی سے ہو یا گرمی سے یا سجدہ کے انجرو سے۔ کیونکہ سردی کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کرو کہ میرا درد سر تمہارے درد سر کی طرح ہے اور میرا مزاج تمہارے مزاج کی طرح ہے۔ اور میری عمر۔ صناعیت اور احوال تجھ جیسے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں ضرور مختلف ہوتی ہیں۔ اس لئے ان سب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا علاج بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس قسم کی تحقیق سے کام لینا نہ محو امر کا خاص ہے اور نہ متکلمین کا۔ کیونکہ ان کو اوّل تو اس قسم کا شوق ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر برخلاف عوام کے متکلمین کو چاہتا بھی ہے تو یقین کو رد کرنے کی خاطر مفید راہ کی طرف آتے ہی نہیں۔ کیونکہ ہدایت کی طرف آنا صرف ان لوگوں کا خاصہ ہے جنہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ راہ ہاتھ آئی ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے نور الہی سے قرآن شریف کی روشنی کی طرف آکر اس سے میزان بالقسط اور قسط اس المستقیم اخذ کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ منصف مزاج ہو گئے ہیں۔

رفیق۔ آپ کے کلام سے مجھے حق کی راہ اور اس کے مواقع خوب واضح ہو گئے ہیں کیا آپ اب اس بات کی اجازت دیتے ہیں۔ کہ میں آپ کی پیروی اس واسطے کروں آپ مجھے وہ سکھائیں۔ جو آپ کو (علم لدنی) سکھایا گیا ہے۔ مصنف۔ آہ! تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور ایسی بات پر کیسے صبر کر سکو گے جو تمہارے احاطہ واقفیت سے باہر ہے۔

رفیق۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائینگے۔ اور میں آپ کے حکم کے خلاف نہ کروں گا۔ مصنف۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو۔ کہ میں اس وعظ و نصیحت کو بھول گیا ہوں۔ جو تمہیں تمہارے رفیقوں اور تمہاری والدہ نے کی تھی۔ اور جس پر تم پر لے دے جے کے کاربند ہو۔ جس شخص میں تقلید کی رگ پختہ ہو وہ میری منہجینی کے لائق نہیں۔ اس لئے کہ تم میری منہجینی کے لائق ہو نہ میں تمہاری کے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ بس اب سے تم میں اور مجھ میں جدائی ہے۔ کیونکہ میں تمہیں سدھاروں یا اپنے نفس کو۔ اور تمہاری تعلیم کا خیال رکھوں یا قرآن کی تعلیم کا۔ آئندہ نہ تم نے مجھے دیکھنا نہ میں تمہیں دیکھوں گا۔ اس اصلاح فاسد اور ٹھنڈا روکا کوٹنے سے میرے وقت کو زیادہ ضائع نہ کرنا۔ میں نے تمہیں نصیحت کی ہے لیکن



نامح نگار محبت سے نہیں دیکھے جلد کے۔ واللہ رب العالمین والسلام علی العہد  
نبینا مسید المسلمین۔

بھائیو! میں نے اپنا اور اپنے رفیق کا قصہ جیسا روکھا پھیکا مجھ سے ہو سکا تمہیں  
کہ سنایا۔ تاکہ پڑھائیں نے تم پر یہ سارا۔ تاکہ حاصل کرو تمہیں عجیب بات اور ان محاذات  
کو اپنی ذہانت سے ثابت کرنے میں فائدہ اٹھاؤ۔ کیونکہ یہی مذہب تعلیم کا سب سے بڑا  
کام ہے۔ اس سے میری یہ غرض نہ تھی۔

مخلصوں سے میری اتماس ہے کہ اسے مطالعہ کرتے وقت میری معذرت کو قبول فرمائیں گے  
کیونکہ میں نے ذرا سب میں عقد و تحلیل کو پسند کیا ہے۔ ناموں میں تغیر و تبدل کیا ہے۔ اور  
معانی میں تحلیل و تبصیر سے کام لیا ہے۔ لیکن ایسا کرنے میں میری ایک خاص غرض  
صحیح تھی۔ اور ایک بھید تھا جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔ اب تمہیں لازم ہے۔ کہ اس  
نظام کو نہ بدلو۔ اور ان معنوں کو اس لباس سے نہ نکالو۔ میں نے تمہیں سکھا دیا ہے۔ کہ  
منقول کی سند دیکر منقول کو کیونکر وزن کیا جاتا ہے۔ تاکہ قول کو طبیعتیں جلدی قبول کر لیں  
اور اس بات کا خیال رکھنا۔ کہ کبھی بھی منقول کو اصل قرار نہ دینا۔ کیونکہ یہ تاریخ اور ردیف  
ہے۔ اور ایسا کرنا امر شنیع ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ تم امر شنیع کو چھوڑ دو۔ اور مجاہدہ بالان  
استعمال کرو۔ خبردار اس امر کی مخالفت نہ کرنا۔ اگر ایسا کر گئے تو خود بھی ہلاک ہو جاؤ گے اور  
افعال کو بھی کرو گے۔ خود بھی گمراہ ہو گے اور اوروں کو بھی کرو گے۔ میری طبیعت تمہیں  
کیا سمجھنے سکتی ہے۔ جبکہ حق گم ہو گیا ہے اور سرشتہ سوکھ گیا ہے۔ بُرائی پھیل گئی  
ہے اور شہروں میں معصک بن گئی ہے۔ عام لوگوں نے قرآن شریف کو چھوڑ دیا ہے اور  
نبوی تعلیمات کو ملایا میٹ کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ساری باتیں جاہلوں کے قصور کی وجہ  
سے ہوئی ہیں۔ کیونکہ دراصل وہ کچھ بھی نہیں لیکن وہ عازفوں کے منصب اور دین کی مدد کا  
دعویٰ کرتے ہیں۔ بہت سے جاہل لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بغیر علم کے اللہ تعالیٰ اہل  
ہدایت کو اچھی طرح جانتا ہے اور تصرف دین کے بارے میں ان کا دعویٰ ہے کہ ہمارا منصب  
عالمین کا ہے۔

تمت بالخیر



# دارالافتاء دارالعلوم دہلی

## مذاق العارفین

### احیاء العلوم کامل

ترجمہ: مولانا محمد حسن نانوتوی  
تقریباً: محمد رفیع عثمانی  
تذکرہ مصنف: علامہ شبلی نعمانی  
سائز: ۳۰ x ۳۰ ۱/۲

حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کی مشہور و معروف اور زندہ جاوید کتاب احیاء العلوم کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ جو اصلاح ظاہر و باطن، تزکیہ نفس اور اسرار شریعت و طریقت اخلاق و تصوف فلسفہ و مذہب حکمت و معرفت کا بے مثال شاہکار ہے۔ اس کی اثر انگیزی کا عالم ہے کہ ہر بات قاری کے دل میں اترتی چلی جاتی ہے ہر مرض کے اسباب کی تحقیق کے ساتھ اس کا علاج نہایت حکمت منجی اور وقت نظر سے پیش کیا ہے حکمت فلسفہ تصوف و اخلاق کے مشکل سے مشکل مسائل کو ایسے عام فہم اور موثر انداز میں پیش کیا ہے کہ کوئی شخص متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ عکسی عہد طباعت سفید کاغذ مضبوط اور حسین جلدیں۔ کل صفحات چار جلد ۲۳۵۶

قیمت کامل چار جلد ۲۲۵/-

## محال الابرار

ترجمہ: شیخ احمد رومی  
ترجمہ: مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی  
مصنف: شاد عبدالعزیز محدث دہلی  
سائز: ۲۹ x ۳۰ صفحات ۶۰

علم نصیحت و عطا و تقریر اور فقہ و سلوک کی مستند کتاب جو شرک و بدعات کے زہریلے پانی سے جان کتابت کی نظر مجلسیں ہیں اور مجلسیں کے ضمن میں ہزاروں مسائل فقہ اور صحابہ و تابعین اور بزرگان دین کے حالات درج ہیں۔ مساجد کے اماموں خطیبوں اور علماء و مقررین کے لئے بیش بہا تحفہ جو عرصہ سے نایاب تھا اب جدید ترتیب کے عکسی طبع ہوا ہے۔ کتابت عمدہ۔ سفید کاغذ جلد مع حسین پلاسٹک کور۔ قیمت: ۱۳۵/-

## شمس المعارف

ترجمہ: شیخ احمد بن علی بونی  
ترجمہ: مولوی اقبال الدین  
سائز: ۳۰ x ۳۰ صفحات ۶۴

جس میں ہر قسم کے علیات و قیودات و ظائف۔ اسماء اللہ تعالیٰ اور قرآن پاک کی آیات اہم علم حروف ابجد کے خواص و اسرار اور ان کے موکلوں کی تخریج و منازل و قیام و کواکب و طالع کے اشارات و اثرات علم جفر کیمیا سیمیا وغیرہ علوم پرستی کے بڑے بڑے مستند و مشہور کتاب۔ عکسی عہد طباعت سفید کاغذ جلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت: ۱۲۰/-

## قاموس القرآن

قرآنی و کتب خانہ  
از قاضی زین العابدین میر علی

قرآن کریم کے تمام الفاظ مع اردو و تشریح اور ضروری صرفی و نحوی ترکیب کے درج کئے گئے ہیں اور اہم الفاظ پر تفصیلی اور تفسیری نوٹ لکھے گئے ہیں۔ ہر صفحہ کے مشاہیر علماء و ماہرین عربی کی تصدیقات کے ساتھ شائع ہوئی ہے۔ سائز: ۳۰ x ۳۰ صفحات ۹۶

## تذکرہ مجدد الف ثانی

از مولانا محمد منظور نعمانی  
سائز: ۳۰ x ۳۰ صفحات ۲۵۲

حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد رومیؒ کے مفصل حالات و سوانح اور تجرید احیاء دین کے عظیم کارناموں کی تاریخی دستاویز آپ کے مکتوبات کی روشنی میں۔ عکسی عہد طباعت سفید کاغذ جلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت: ۵۵/-

## حکام اسلام عقلی نظریں

از مولانا اشرف علی تھانویؒ

تمام احکام اسلامی کی عقلی حکمتیں اور فلسفی بہت عام فہم اور دلنشین انداز میں بیان کی گئیں عکسی عہد طباعت سفید کاغذ جلد مع حسین پلاسٹک کور قیمت: ۶۶/-

# دارالافتاء دارالعلوم دہلی